حیاتِ حافظِ ملت

علامہ بدر القادری

المجمع الاسلامی
ملت نگر مبارکپور اعظم گڑھ ۲۷۶۴۰۴

786

Team of Misbahi Library

Names	Contact N
Md Khubaib Raza Misbahi	9984903158
Md Asjad Raza Misbahi	8948518993
Md Ahmad Ali Misbahi	9920278913
Md Abdur Rahman Misbahi	8009186120

Creator :

Md Saif Khan Misbahi
8081414883

Date



Jashn e Dastar e Fazilat
26th
Sunday
January 2020
27th
Monday
January 2020
Maulana Mohd Khubaib Raza Misbahi
2020
45th URS-E-
Huzoor
Hafiz e Millat
26th , 27th January 2020
Al-Jamiatul Ashrafia
Mubarakpur Azamgarh
U.P
Programe
Fateha Khwani
After Namaz e Fajr
on 27th January
At Azizi Hostel
Al-Jamiatul Ashrafia
Mubarakpur Azamgarh
U.P
By : Md Saif Khan Misbahi


786
Jashn e Dastar e Fazilat
On The Occassion Of Urs e Azizi
Under the Auspices of Sadrul Ulma
Hazrat Allama Mohd Ahmad Misbahi
45th URS-E-
Huzoor Hafiz e Millat
26 , 27 January 2020
Sunday & Monday
Al-Jamiatul Ashrafia
Mubarakpur Azamgarh
U.P
Maulana Mohd Asjad Raza Misbahi
2020
Aapki Shirkat
Zaruri h
The Master of Islamic Research Scholer
Hazrat Allama Mohd Nizamuddin Misbahi
Fateha Khwani
After Namaz e Fajr
on 27th January 2020
At : Barkati Hostel
Al-Jamiatul Ashrafia
Mubarakpur Azamgarh
U.P
By : Md Saif Khan Misbahi

حیاتِ حافظِ ملّت



مُصنّف علّامہ بدرُ القادری

المجمع الاسلامی

مِلّت نگر، مُبارک پُور، اعظم گڑھ، یوپی (الہند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استاذ العلما جلالۃ العلم حضرت علامہ شاہ حافظ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ
بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی حیات وخدمات کا مرقع

حیاتِ حافظِ ملّت

١٣١٢ھ ١٣٩٦ھ

١٨٩٤ء ١٩٧٦ء

تصنیف

مولانا بدر القادری
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی، دی ہیگ (ہالینڈ)

المجمع الاسلامی
ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی (الہند)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب:............................ حیات حافظ ملت

مصنف:............................ مولانا بدر القادری مصباحی

مرتبین:............................ مولانا محمد اسلم عزیزی / ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی

نظر ثانی:............................ مولانا محمد عبد المبین نعمانی

تصحیح:............... مولانا نصر اللہ رضوی، مولانا عارف اللہ فیضی، مولانا عبد الغفار اعظمی، مولانا ساجد علی مصباحی
مولانا اختر حسین فیضی، مولانا محمد قاسم ادروی، مولانا محمد ناصر حسین مصباحی، مولانا ساجد رضا مصباحی
مولانا قطب الدین رضا مصباحی، مولانا محمد نعیم اختر اعجازی مبارکپوری، مولانا ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی
مولانا رضوان عالم، ماسٹر محمد عثمان اوج اعظمی

کمپوزر:............... حافظ محمد ارشد، مولانا محمد افضل، مولانا شاہد رضا

قیمت:............................ Rs. 400/-

ناشر: المجمع الاسلامی، ملت نگر مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

AL MAJMAUL ISLAMI
Millat Nagar Mubarak pur Distt Azamgar

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

حضور حافظ ملت

کے شاہزادے

عزیز ملت مولانا شاہ عبدالحفیظ

دامت برکاتہم العالیہ

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

کے نام

بدر القادری

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

۷؍مئی ۲۰۰۸ء

اجمالی فہرست حیات حافظ ملت

پہلا باب — حیات و شخصیت

دوسرا باب

حافظ ملت عادات واخلاق کے آئینے میں

تیسرا باب

حافظ ملت کا تاریخی سفر حجاز ۲۳۳

چوتھا باب

حافظ ملت بحیثیت معلم

پانچواں باب
حافظ ملت بحیثیت مفسر

چھٹاں باب
حافظ ملت بحیثیت شیخ الحدیث

ساتواں باب
حافظ ملت بحیثیت فقیہ

آٹھواں باب

نواں باب

حافظ ملت بحیثیت مناظر

حافظ ملت بحیثیت خطیب

دسواں باب

حافظ ملت اور جہان قرطاس وقلم

گیارہواں باب

حافظ کے معائنے اور تقریظات

بارہواں باب

حافظ ملت اپنے مکتوبات کی روشنی میں

تیرہواں باب

حافظ ملت بحیثیت مصلح

چودہواں باب

معمولات عزیزی

پندرہواں باب
حافظ ملت بحیثیت مرشد

سولہواں باب
حافظ ملت ولایت وکرامات

سترہواں باب

حافظ ملت اور خدمت خلق

اٹھارہواں باب حافظ ملت کے افکار ونظریات

انیسواں باب حافظ ملت کی سیاسی بصیرت

بیسواں باب اشرفیہ کا ماضی اور حال

اکیسواں باب
حافظ ملت اور فکر رضا

بائیسواں باب
ارشادات حافظ ملت

تیئیسواں باب

چوبیسواں باب

حافظ ملت کا سفر آخرت

حافظ ملت نگاہ علم و دانش میں

پچیسواں باب
تعزیت اور تاریخ وفات

چھبیسواں باب حافظ ملت کی بارگاہ میں شعراء کا نذرانہ

نشانِ فیض

از عزیز ملت مولانا شاہ عبدالحفیظ مصباحی دام ظلہ جانشین حافظ ملت وسربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی نسلم علیٰ رسولہ الکریم

علم کا دریا پیار کا ساگر، ناز کرے جس پر اخلاق
پیکر شفقت حافظ ملت فیض مجسم زندہ باد

محبّ گرامی حضرت مولانا بدرالقادری صاحب زید مجدہ ان مشاہیر اہل سنت میں ہیں جو حساس طبیعت اور درد مند دل رکھتے ہیں، وہ اپنے احساسات کو اپنی نثر و نظم میں مسلسل پیش کرتے رہتے ہیں جس کا ثبوت ان کی دو درجن سے زائد کتابیں ہیں۔ وہ برسوں سے حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ پر نثر و نظم لکھتے آرہے ہیں۔ ضرورت تھی ایک مبسوط سوانح حافظ ملت کی جس میں آپ کی زندگی کے تمام گوشوں اور فکر و عمل کے تمام زاویوں کا احاطہ ہو۔ حضرت مولانا بدرالقادری صاحب مصباحی نے اس رخ پر بھی بھرپور توجہ کی اور بڑی محنت ومشقت سے زیر نظر مبسوط سوانح حیات مرتب فرمائی۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

مجھے بے حد مسرت ہے کہ حافظ ملت کی سوانح ایک ایسے عالم نے مرتب کی ہے جنھیں برسوں تک حضور حافظ ملت کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل رہا ہے اور جنھوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے حضور حافظ ملت کی کتاب حیات کا مطالعہ کیا ہے۔ میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مصنف اور ان کے رفقا کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ ان حضرات نے ایک عظیم شخصیت کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرکے امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنے کی سعی جمیل کی ہے۔ اور جسے مصنف موصوف نے اپنے اس مشفق ومہربان استاذ گرامی کی بارگاہ میں بطور نذر عقیدت پیش کیا ہے جس نے اپنی زندگی ملت کی خدمت میں صرف کرکے اس کو فلاح وبہبود کی بہت سی راہیں عطا کی ہیں اور الجامعۃ الاشرفیہ جیسی دانش گاہ دے کر قوم وملت میں تعلیمی بیداری کا انقلاب آفریں اقدام کیا، جس سے اپنوں کا سر بلند ہوا اور غیروں کے حوصلے پست ہوئے۔

الجامعۃ الاشرفیہ نے تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کرکے جذبہ ایثار وقربانی عطا کیا، مدارس اسلامیہ کو کام کرنے کا سلیقہ اور عصر شناسی کا جذبہ عطا کیا اور ''زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام'' کا عزم وحوصلہ عطا کیا۔

میں ایک بار پھر ان سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی کوششوں سے یہ مبارک سوانح منظر عام پر آئی، خاص طور پر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کا جنھوں نے اپنی علالت کے باوجود سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرکے مرشد برحق کی بارگاہ میں عقیدتوں کی نذر پیش کرنے میں اپنی بہتر صلاحیتوں کا استعمال کیا، اور ساتھ ہی حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب جنھوں نے مقدمہ لکھ کر سوانحی گلدستے کو سجانے میں اہم رول ادا کیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان حضرات کی کوششوں کو قبول فرما کر جزائے خیر عطا کرے اور ملت اسلامیہ کو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حالات سے سبق لینے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

عبدالحفیظ عفی عنہ

۲۳ر اپریل ۲۰۰۷ء

تقدیم

حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً

جہاں تک مجھے یاد آتا ہے حافظ ملت پر پہلا مضمون حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہ کے قلم سے غالباً ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا جس کی تقریب یہ تھی کہ ماہ نامہ پاسبان الہ آباد کے لیے معارف حدیث کے عنوان سے حافظ ملت ایک مستقل مضمون پابندی سے لکھا کرتے تھے۔ مدیر پاسبان مولانا مشتاق احمد نظامی کا ارادہ ہوا کہ ان مضامین کو یکجا کتابی شکل میں مکتبہ پاسبان سے شائع کردیا جائے۔ اس خیال کی تکمیل کرتے ہوئے انہوں نے معارف حدیث کو یکجا کیا۔ خود اس پر پیش لفظ لکھا اور مقدمہ وتعارف مصنف، حضرت بحر العلوم نے تحریر فرمایا۔ وہ اس کے لیے زیادہ موزوں بھی تھے۔ حضرت نظامی صاحب نے مجاہد ملت علیہ الرحمہ پر بھی ایک مضمون ان کی حیات میں خود لکھ کر پاسبان میں شائع کیا تھا۔ ان کا یہ اقدام ان حضرات کے تصور سے آگے تھا جو مسلّم بزرگوں اور پیشواؤں سے متعلق بھی ان کی حیات میں قلم اٹھانے کا قصد نہیں کرتے جب کہ زندگی ہی میں ان کا تعارف عام ہو تو بہت سے ناواقفوں کے لیے ان کی دید وشنید اور استفادہ واستفاضہ کی راہ کھل سکتی ہے۔ اور معمولی واقفیت رکھنے والوں کو بھی ان کی عظمت واہمیت کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کی حیات میں ان کی ایک منقبت ۱۹۷۱ء میں سنی جو ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی نے فارسی میں لکھی اور ایک طالب علم امان اللہ بلیاوی نے انجمن اہل سنت اشرفی دار المطالعہ مبارک پور کے جلسۂ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حافظ ملت کی موجودگی میں پڑھی۔ اس کا ایک شعر یہ تھا جس میں مختلف دیار وامصار سے طالبان علم کو یکجا کرنے پھر انہیں علم وفن سے آراستہ کرکے مختلف اکناف واطراف میں خدمت دین کے لیے بھیجنے کی طرف اشارہ ہے۔

اول اول جمع کردی بوے بے ترتیب را
آخر آخر آں شمیمے را پریشاں کردہ ای

حضرت کی زندگی میں اس نظم کی اشاعت نہ ہوسکی، بعد وصال ''اوراق گل'' مرتبہ مولانا اسلم بستوی میں کچھ حذف واضافہ کے ساتھ شائع ہوئی۔

پھر مولانا بدر القادری نے ایک لمبی نظم لکھی اور مئی ۱۹۷۲ء میں تعلیمی کانفرنس کے موقع پر شائع کی اور کانفرنس میں خود پڑھ کر سنائی۔ اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

یہ کون اٹھا ہند شمالی کی زمیں سے
علم اور حقائق کی سنبھالے ہوئے قندیل
سدرہ کے مکینوں سے سنا بدر نے اک راز
ہونے کو ہے اب آرزوے شوق کی تکمیل

ایثار کی پاپوش ہے اخلاص کا جامہ
بے نفسی کردار کا ہاتھوں میں عصا ہے
تابندہ جبیں پر یہ تقدس کی لکیریں
کہتی ہے صداقت کہ کوئی مرد خدا ہے

جَلوت ہے تو ہے گرم کوئی مسند ارشاد
خَلوت ہے تو انوار حقیقت میں نہاں ہے
پنہاں ہے خموشی میں تکلم کی حلاوت
گفتار کے ہر بول میں حکمت کا جہاں ہے

قانونِ حکومت ہو کہ دستور زمانہ
مذہب کا مخالف ہو تو مومن نہیں پابند
اس دور میں کس مرد مجاہد نے کیا فاش
اوہام سے آزاد ہے مذہب کا گلوبند

فروری ۱۹۷۶ء سے مولانا بدرالقادری کی ادارت میں ماہ نامہ اشرفیہ کا آغاز ہوا۔ اسی دوران یا چند ماہ پہلے مولانا بدرالقادری اور وکیل عبدالاول مبارک پوری نے مل کر کچھ سوالات مرتب کیے اور حافظ ملت سے تحریری طور پر انٹرویو لیا جس سے خاص اور اہم حالات وخیالات قید تحریر میں آگئے مگر حضرت کی حیات میں اس انٹرویو کی اشاعت نہ ہوسکی۔ ۳۱ رمئی ۱۹۷۶ء کو شب میں بارہ بجنے سے کچھ پہلے حافظ ملت کا وصال ہوا۔ ۲ رجون بدھ کو صبح ساڑھے آٹھ بجے جنازہ ہوا۔ ماہ جون ۱۹۷۶ء کے شمارۂ اشرفیہ میں حافظ ملت کی رحلت اور تجہیز وتکفین کی خبروں کے ساتھ علما ومشائخ کے تاثرات شائع ہوئے پھر یہ سلسلہ مَراثی اور تعزیتوں کی شکل میں ایک سال سے زیادہ جاری رہا۔

۱۲، ۱۳ ررجب ۱۳۹۶ھ کی تاریخیں عرس چہلم کے لیے طے ہوئیں اس موقع سے مولانا محمد احمد مصباحی مرحوم ابن بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی مدظلہ نے حافظ ملت کی شخصیت، حالات، سفرِ آخرت، تعزیتی کلمات وغیرہ پر مشتمل تقریباً سوا سو صفحات میں ایک مختصر کتاب بنام "حافظ ملت" شائع کی۔ مختصر مدت میں انہوں نے ایک عمدہ کوشش کی اور بر وقت اشاعت فرمائی۔

دوسری طرف مدیر اشرفیہ مولانا بدرالقادری نے حافظ ملت نمبر کا منصوبہ بنایا اور اس کے مضامین کے لیے اہل تعلق اور اہل قلم سے مراسلت شروع کردی۔ ان کی بر وقت بیداری سے حافظ ملت کے بزرگوں میں سے حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے تاثرات بالواسطہ اور حضرت برہانِ ملت مولانا برہان الحق جبل پوری خلیفہ امام احمد رضا علیہما الرحمہ اور حافظ ملت کے ایک استاذ مولانا عبدالعزیز خاں فتح پوری علیہ الرحمہ کے تاثرات بلا واسطہ موصول ہوگئے۔ حافظ ملت کے رفقائے درس اور متعدد تلامذۂ صدرالشریعہ کے گراں قدر مضامین یا تاثرات بھی دست یاب ہوگئے۔ حافظ ملت کے ابتدائی دور کے معمر تلامذہ نے بھی اپنی اپنی تحریریں بھیجیں اور جوانوں یا ادھیڑ عمر والوں نے زیادہ ذوق وشوق سے حیات حافظ ملت کے مختلف

گوشوں پر روشنی ڈلی اور قبل اس کے کہ بہت سے مراجع دنیا سے رخصت ہوتے یا بہت سی یادیں دست نسیاں کے تصرف سے محو ہوتیں، ایک معتمد اور ضخیم سرمایہ ۱۹۷۸ تک محفوظ ہو گیا اور عمدہ ترتیب وتزیین کے ساتھ تقریبا سات سوصفحات پر مشتمل ماہ نامہ اشرفیہ کے حافظ ملت نمبر کی شکل میں منظر عام پر آ گیا۔ زیادہ ضخامت کی وجہ سے غالبا ڈیڑھ سوصفحات کے مضامین محروم اشاعت رہ گئے۔ انھی میں تقریبا پچاس تلامذۂ حافظ ملت کے حالات بھی تھے جو عزیز گرامی مولانا علاء المصطفیٰ قادری نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں علما سے زبانی وقلمی طور پر رابطہ کر کے بڑی محنت سے جمع کیے تھے بعد میں کہیں ان کی اشاعت نہ ہو سکی۔ حافظ ملت کے پڑوسی اور اشرفیہ کے خازن حاجی محمد حسین عزیزی مبارک پوری نے اپنی کچھ یادیں اپنی زبان میں لکھ رکھی تھیں جو کسی صاحب علم کی نظر ثانی اور ترتیب کے بعد ایک کتابچہ کی شکل میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ مرحوم مولانا غلام مصطفے امجدی، بلیاوی نے غالبا ۱۹۷۷ء میں اپنی کتاب فیضان حافظ ملت کلکتہ سے شائع کی۔

مولانا مبارک حسین رام پوری کو اپنی فراغت کے بعد ۱۹۹۰ء میں حافظ ملت کی شخصیت پر کام کرنے کا شوق ہوا اور ادارۂ تحقیقات حافظ ملت کی بنا ڈالی۔ اس کے تحت بہت سے اہل علم سے رابطہ کر کے کچھ مضامین حاصل کیے، ایک مختصر سیمینار بھی کیا، اس طرح دو مجموعے معرضِ وجود میں آئے۔ (۱) حافظ ملت افکار اور کارنامے (۲) انوار حافظ ملت نمبر۔ پھر یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔

حافظ ملت نمبر اور دیگر مجموعوں میں حافظ ملت کے حکیمانہ اقوال دیکھنے اور بزرگوں سے سننے کے بعد مولانا اختر حسین اعظمی فیضی مصباحی کو ''ملفوظات حافظ ملت'' ترتیب دینے کا خیال آیا۔ اس کے لیے انہوں نے کافی محنت وجستجو کی۔ مولانا عبدالمبین نعمانی کی کچھ قلمی یادداشتیں بھی انہیں حاصل ہو گئیں۔ پھر ان ملفوظات کو مختلف عنوانات کے تحت تقسیم کیا۔ ایک عنوان حیات اور خانگی حالات کا بھی رکھا جس کے تحت ولادت، نشوونما وغیرہ کا ذکر حضرت کے انٹرویو وغیرہ سے لے کر جمع کیا ہے مگر سالِ ولادت ۱۸۹۴ء کے مطابق ہجری سال ۱۳۱۴ نہیں بلکہ ۱۳۱۲ ہے اس کی تصحیح ہو جانی چاہیے، پہلی بار ملفوظات حافظ ملت کی اشاعت ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ میں ہوئی۔

اس کے بعد مولانا عبدالمبین نعمانی کی تحریک پر مولانا محمد اسلم عزیزی گورکھپوری نے اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک مجموعہ بنام معارف حافظ ملت مرتب کر کے ۱۴۱۷/ ۱۹۹۶ میں شائع کیا۔ یہ کام انہوں نے بہت دیر میں کیا اس لیے دو تین جگہ مجھے سہو کا گمان ہوتا ہے۔

ان دونوں کتابوں کی اشاعت بلکہ منصوبے سے بھی پہلے میں وہ مسودہ پڑھ چکا تھا جو مولانا بدر القادری نے مفصل حیات حافظ ملت کے سلسلے میں مرتب کیا تھا اور بطور یادداشت یہ بھی لکھ رکھا تھا کہ فلاں فلاں ابواب یا عنوانات کا اور فلاں عنوانات کے تحت واقعات کا اضافہ کرنا ہے، میرے اندازے کے مطابق وہ مسودہ ۳۰×۲۰ کے کم از کم تین سوصفحات پر مشتمل تھا، نظر ثانی کے بعد میں نے بھی مزید عنوانات اور حالات وواقعات کے اضافے کا مشورہ دیا اس کے لیے برادر موصوف نے بہت سے وابستگان بارگاہ سے ذاتی طور پر رابطہ قائم کیا۔ ماہناموں میں اعلانات بھی شائع کیے۔ مگر اس زمانے میں اہل خیر سے مالی تعاون ملنا تو آسان ہے لیکن اہل علم سے قلمی تعاون ملنا بہت مشکل ہے۔ جس کی وجہ شاید یہ

ہے کہ جتنے ذمے دار اور با صلاحیت قسم کے لوگ ہیں ان کے اوپر ان کے وقت، ان کی صحت، قوت اور گنجائش سے زیادہ بوجھ لدا ہوا ہے یا کوئی دوسرا بار اٹھانے والا نہ دیکھ کر خود اپنے اوپر لادر کھا ہے۔ ان حالات میں اگر ان سے تھوڑا بار اور اٹھانے کی فرمائش کی جاتی ہے تو یہ تقریبا تکلیف مالا یطاق کے درجے میں پہنچ جاتی ہے۔ اس لیے اکثر محرومی ہی ہاتھ آتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے اس کا سبب تحریر کی ممارست اور سرعت کی کمی یا یک سوئی اور دل جمعی کا فقدان ہو۔ بہر حال قلمی تعاون کا حصول بڑا مشکل مسئلہ ہے۔

حالات وسوانح کے باب میں ایک کمی برابر دیکھنے میں آرہی ہے وہ یہ کہ ہمارے بزرگوں کے بہت سے احوال معتبر عوام سے بھی حاصل ہوسکتے ہیں، جن مقامات میں ایک بار یا چند بار بزرگوں کی آمد ورفت رہی ہو وہاں پہنچ کر لوگوں سے ملاقات کی جائے۔ حالات دریافت کیے جائیں اور جو کچھ ملے ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ کرلیا جائے، کچھ قلمی اشارات بھی بنالیے جائیں۔ اس طرح ایک بڑا سرمایہ جمع ہوکر مرتب ہوسکتا ہے مگر یہ کام نہ مفتی اعظم قدس سرہ کے لیے ہوسکا نہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے لیے اور مجاہد ملت علیہ الرحمہ سے متعلق تو شاید خواص کا خزانہ بھی اب تک زیادہ تر محفوظ ہی ہے مگر نسیان ایک ایسا پرندہ ہے جو اچھے اچھے محفوظ خزانے بھی بہت جلد اچک لیتا ہے اس لیے بس خدا ہی حافظ ہے۔

معتبر عوام سے ملاقات کر کے حالات جمع کرنے کا خیال جتنی آسانی سے میں نے لکھ دیا ہے اور بار بار ذمہ دار لوگوں سے زبانی بھی کہا اس پر عمل اتنا آسان نہیں۔ ضروری ہے کہ دو تین دیدہ ور افراد کو اس کے لیے خالی کیا جائے اور ان کے جملہ مصارف کا بار اٹھایا جائے۔ اہل تعلق کی نشان دہی کی جائے انہیں خطوط بھی لکھ دیے جائیں کہ ہمارے فلاں حضرات کسی وقت اس کام کے لیے پہنچیں گے، ان سے رابطہ رکھیں اور انہیں معلومات بہم پہنچائیں یا اس راہ میں ان کا تعاون کریں، مختلف اسفار اور ملاقاتیں اگر تسلسل کے ساتھ جاری رہیں تو بھی سال دو سال کا عرصہ لگ سکتا ہے اسی دوران اگر یادداشتیں ٹیپ ریکارڈ سے قلم بند بھی ہوتی رہیں تو بہت خوب ورنہ بعد میں ایک عرصہ اس میں بھی صرف کر کے تکمیل کریں پھر ترتیب وتدوین اور نظر ثانی ہو تب جا کر وہ خیال عملی شکل میں سامنے آسکتا ہے۔ واللہ الموفق لکل خیر۔

سال رواں ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء کے ماہ محرم رفروری میں برادر گرامی مولانا بدر القادری دامت مکارمہ کا ایک فون مجھے ملا کہ "حیات حافظ ملت" آخری مرحلے میں ہے بہت جلد اسے پریس کے حوالہ کرنا ہے اس سے قبل اسے دیکھ کر آپ اس پر مناسب مقدمہ لکھ دیں۔ کتاب آپ کو مولانا محمد اسلم عزیزی سے مل جائے گی۔ کتاب آئی اور ہفتہ عشرہ کے بعد واپس بھی چلی گئی۔ میرے دیکھنے یا چھونے کی نوبت نہ آئی۔ میں نے سمجھا تقدیم سے چھٹی مل گئی مگر جب ۱۹ تا ۲۱ صفر مجلس شرعی مبارک پور کا فقہی سمینار الجامعۃ الاشرفیہ میں جاری تھا مولانا بدر القادری ہالینڈ سے دہلی، اجمیر شریف وغیرہ ہوتے ہوئے مبارک پور پہنچ گئے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کیوں کہ سیمینار میں پہلی بار ان کی شرکت ہورہی تھی۔ اس وقت اس طرف ذہن بھی نہ گیا کہ پھر مقدمہ کا تقاضا میرے سر آسکتا ہے، شام یا صبح کو جب سیمینار سے الگ ملاقات ہوئی تو حیات حافظ ملت اور تقدیم کا ذکر آگیا دو تین دن بعد گھوسی سے خود ہی کتاب بھی لے کر آگئے اسی وقت ہم لوگوں کو ایک ساتھ بریلی شریف عرس رضوی میں شرکت کے لیے روانہ ہونا تھا۔ میں نے کہا ابھی کتاب رکھ دیتا ہوں واپسی کے بعد دیکھنے اور کچھ لکھنے کی کوشش ہوگی۔

واپسی کے ایک ہفتہ بعد دو تین اہم کتابوں پر نظر ثانی موخر کر کے اس کتاب کو ہاتھ میں لینے کا موقع ملا۔ سرسری طور پر اس کے ابواب اوراوراق پر میں نے نظر ڈالی تو اندازہ ہوا کہ دس سال پہلے جو مسودہ میں نے دیکھا تھا یہ اس کا ڈھائی گنا نہیں تو دوگنا ضرور ہے۔ ذرا تفصیلاً پڑھنے پر معلوم ہوا کہ اس میں معارف حافظ ملت، ملفوظات حافظ ملت، افکار اور کارنامے، انوار حافظ ملت کی ساری اہم باتیں حوالوں کے ساتھ اخذ کر لی گئی ہیں۔ مکتوبات کے باب میں حضرت کے مکتوبات بنام بیکل اتساہی کا مستقل اضافہ ہے۔ چند اور بھی مکتوبات آگئے ہیں۔ زیادہ تر مکتوبات دست یاب نہ ہوئے۔ شاید مکتوب الیہم نے غیر اہم سمجھ کر محفوظ نہ رکھے یا اس قدر محفوظ کر دیے کہ خود پالینا بھی ایک دشوار مسئلہ بن گیا یا ڈھونڈھ کر نکالنے، خود فوٹو کاپی کرانے اور بھیجنے کی زحمتوں سے مامون رہنے ہی میں عافیت سمجھی۔

حافظ ملت ایک جہانِ کمالات ومحاسن کا نام ہے۔ ان کی زندگی کا گلستاں متنوع اور رنگا رنگ پھولوں سے مزین ہے۔ ان کی حیات کا ہر میدان سوانح نگار سے طویل جستجو اور لمبی جادہ پیمائی چاہتا ہے وہ صرف ایک متبحر عالم یا ایک بلند پایہ مدرس یا ایک باکمال خطیب ہی نہ تھے کہ صرف ایک جہتِ کمال کی تفصیلات رقم کر کے سوانح نگار اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہو جائے بلکہ

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

(۱) ان کا خاندان بھی قابل ذکر ہے جو نہ کوئی سرکاری منصب رکھتا تھا، نہ رئیسانہ ٹھاٹ باٹ، نہ عالمانہ جاہ وجلال مگر اس میں دین کی حکم رانی تھی اور دین داری کا سچا حسن وجمال۔

(۲) ان کی طالب علمی بھی قابل ذکر ہے کہ بظاہر فوت ہوکر اور ناامیدی کے بعد اس نے پھر زندگی پائی ہے اور اس شان سے کہ جو کچھ پڑھا ایک بار اسی سال اپنے رفقاے درس میں بطور تکرار اسے پڑھایا دوسرے سال نیچے والی جماعت کو پڑھایا۔

(۳) ان کی مدرسی بھی لائق توجہ ہے کہ اس کا آغاز ملازمت سے ہٹ کر محض خدمت دین کی شرط پر ہوا ہے اور آخر تک اس میں کوئی فرق نہ آیا۔

(۴) ان کی خطابت بھی امتیازی شان رکھتی ہے کہ وہ دلوں کی دنیا بدل دیتی، اذہان کی گرہیں کھول دیتی، اس میں افکار ومعانی کا دریا موج زن ہوتا اور سننے والوں کو سیراب کر جاتا۔

(۵) ان کا مناظرانہ کمال بھی قابل بیان ہے کہ چار ماہ تک جملہ یومیہ مشاغل اور ذمہ داریوں کو جاری رکھتے ہوئے ایسا شاندار مناظرہ فرمایا کہ اپنے طلبہ اور عوام کو بھی مناظر بنا دیا۔

(۶) ان کا تحریری وتصنیفی حسن بھی کسی دیدہ ور کی نگاہ بصیرت اور زبان بلاغت چاہتا ہے جو یہ بتا سکے کہ زبان وبیان کی سلاست وروانی کے ساتھ کمال ایجاز ایسا ہے کہ دریاؤں کو کوزوں میں سمو رکھا ہے۔

(۷) ان کا تبحر علمی بھی اکابر کی مدح وثنا سے بہرہ ور رہا ہے کہ ہمارے فلاں رفیق درس کو فلاں فن میں زیادہ مہارت ہے، فلاں کو فلاں فن سے زیادہ شغف ہے اور مولانا عبدالعزیز کو ہر فن پر عبور حاصل ہے۔

(۸) ان کی مردم سازی بھی بڑے بڑوں کے لیے قابل رشک ہے کہ ابوالفیض کی بارگاہ فیض سے کیسے کیسے مسند نشینانِ درس وتدریس، رئیسان تحریر وقلم، ماہران تنظیم وادارہ سازی، مناظران صف در وصف شکن، خطیبان اثر آفریں، مصلحان قوم وملت، مفتیان نکتہ رس، صوفیان پُرسوز اٹھے اور ہر میدان میں اپنی بیش بہا خدمات کا سکہ بٹھا دیا۔

(۹) ان کی جوہر شناسی بھی ان کی فراست ایمانی کی شہادت بن کر جلوہ نما ہے جن کو سنگ ریزے سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے وہ انہیں جوہر قابل جان کر اٹھا لیتے ہیں اور ایک مدت کے بعد دنیا دیکھ لیتی ہے کہ درحقیقت یہ سنگ ریزے نہیں جواہر گراں مایہ ہیں۔

(۱۰) ان کی شفقت وعنایت بھی ایک مستقل موضوع ہے جسے بھائیوں نے زندگی میں بار بار بیان کیا اور بعد وصال باچشم تر یاد کیا جسے بیٹے بیٹیاں کبھی نہ بھول سکیں، جسے غریب الوطن تلامذہ ہمیشہ یاد کریں، اعزا واقربا جس کا گن گاتے رہیں، ہم سایوں اور آنے جانے والوں کو جس کی یادیں تڑپاتی رہیں، دور افتادہ محبین جس سے سرشار نظر آئیں۔ اور سخت مخالفین بھی جس سے بے بہرہ نہ رہیں۔

(۱۱) ان کی ادب شناسی اور تعظیم اکابر بھی قابل تقلید ہے جن سے انہوں نے کسب علم کیا تھا ان کے لیے تو وہ ''مَنْ عَلَّمَنِی حَرْفاً فَقَدْ صَیَّرَنِی عَبْداً'' کی تصویر تھے ہی، جو حضرات ان اساتذہ کے ہم سبق، ہم منصب یا اور کسی عظمت کے حامل تھے ان کے حضور بھی حافظ ملت کی نیاز مندی قابل دید تھی۔

(۱۲) ان کی عبادت وریاضت، معمولات کی پابندی، سفر وحضر ہر حال میں تہجد کی مداومت، ان کا حفظ قرآن اور کثرتِ تلاوت، ان کا عشق رسول اور خوف خدا، ان کا توکل اور جرأت مردانہ، ان کی قناعت اور وقار عالمانہ بھی مستقل موضوعات ہیں اور سوانح نگار سے سب اپنا اپنا حق چاہتے ہیں۔

(۱۳) فوٹو کی پابندی کے زمانے میں بلا فوٹو پاسپورٹ سے ان کا سفر حج وزیارت بھی ان کی عزیمت کا ایک درخشاں باب ہے جو مستقل تفصیل کا طالب ہے۔

(۱۴) ان کے مرکز جہد وعمل مدرسہ لطیفیہ مصباح العلوم، دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم اور الجامعۃ الاشرفیہ کے تاریخی اَدوار، ان ادوار کی مشکلات اور تعمیر وترقی کے لیے ایک سیماب صفت درویشِ کہن سال کا عزم جواں، سعی رواں اور سوز دروں بھی ایسا باب ہے جس کے بغیر نہ حافظ ملت کی سیرت مکمل ہوسکتی ہے نہ اسے چھوڑ کر ان کی شخصیت کا صحیح تصور قائم ہوسکتا ہے، نہ ان کی علمی وعملی مساعیِ جمیلہ کا مرکز ومحور دریافت ہوسکتا ہے اس لیے ایک صبر آزما صاحب قلم سے یہ باب بھی اپنے حقوق کا تقاضا کرتا ہے۔

(۱۵) ان کی خدمت خلق، لوگوں کی غم گساری وہم دردی، رہ نمائی وہمت افزائی، تواضع وانکسار، خود داری وپامردی، ان کے پر تاثیر مواعظ ونصائح، ان کے دیگر اخلاق عالیہ، ان موضوعات سے متعلق بھی واقعات کا ایک تسلسل ہے جو اشرفیہ کے ذرّے ذرّے، مبارک پور کے چپے چپے اور ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا ہے کوئی سمیٹے تو کس طرح؟ اور محفوظ کرے تو کیسے؟ کتنی زبانوں کی گویائی لائے، کتنے دلوں کی ترجمانی کرے،؟ کتنے اہل محبت کی داستانِ دل

نشیں سنے اور لکھے؟ لیکن کچھ نہ کچھ عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ ہمارے برادر باکمال مولانا بدرالقادری نے ان سارے ہفت خوانوں کو بڑی ہنرمندی اور ذمہ داری سے سر کیا ہے۔ ان کے قلم کی چاشنی کیا کہنا۔ وہ پرانے خطیب بھی ہیں اور کہنہ مشق شاعر بھی۔ مگر سوانح حافظ ملت میں خطابت اور شاعری سے ہٹ کر خالص تحقیق کا اسلوب اپنایا ہے۔

حافظ ملت نمبر اور بعد کے مجموعوں اور کتابوں کو انہوں نے بار بار ناقدانہ وغائرانہ نگاہ سے پڑھا ہے اور ہر جگہ سے اپنے مقررہ موضوعات کے مناسب باتیں اخذ کرتے ہوئے کتاب میں انہیں بڑے سلیقے سے سجایا ہے اور پورا حوالہ بھی رقم کیا ہے۔ بزرگوں کا بھی، دوستوں کا بھی، خُردوں کا بھی۔ یہی دیانت وامانت ہے، یہی فراخ دلی واعلیٰ ظرفی ہے اور یہی میدان تحقیق کا تقاضا ہے۔

یہ ہماری، ان کی اور سبھی اہل محبت کی خوش قسمتی ہے کہ حافظ ملت قدس سرہ کے حالات مستند اور معتمد حضرات کی زبان وقلم سے بیان ہو کر جمع ہوئے۔ جو روایت ودرایت ہر لحاظ سے قابل تسلیم اور لائق قبول ہیں۔ حافظ ملت نمبر کی تدوین رہی ہو یا افکار اور کارنامے وغیرہ مجموعوں کے لیے دعوت تحریر، ہر موقع پر ایسے ہی اہل قلم کو دعوت دی گئی ہے جو راست باز، دیانت دار اور محتاط ہوں اور ایسی ہی روایات لی گئی ہیں جو معتبر حضرات نے بیان کی ہوں اور مبالغہ آرائی سے پاک ہوں۔

ہمارے بزرگوں کی جو قرار واقعی عظمت وجلالت تھی وہی اگر ہم سچائی کے ساتھ بیان کرلے جائیں تو ہمارا بہت بڑا کمال ہے اور ان بزرگوں کے تعارف کے لیے کافی۔ مبالغہ آرائی اور اختراعی کہانیوں کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں حقیقی فضل وکمال کا دائرہ تنگ سے تنگ ہوتا ہے اور بے جا عقیدت کا اصرار اسے وسیع سے وسیع تر بنانا چاہتا ہے، بفضلہٖ تعالیٰ ہمیں ایسی غیر واقعی وسعت سے نہ کوئی دلچسپی ہے، نہ ہمارے بزرگوں کے سوانحی مجموعوں کو اس کی ضرورت۔

واللہ یحب الحق وھو یھدی السبیل.

اس کے بعد مناسب تھا کہ کتاب کے ابواب کا ذکر کرتے ہوئے ہر باب کے مندرجات کا اجمالی تذکرہ اور ان پر مختصر تبصرہ تحریر ہو۔ لیکن قلت وقت کے باعث میں اسے ناظرین کی بصیرت کے حوالے کرتا ہوں۔ ابواب کی فہرست اور ذیلی سرخیوں پر نظر ڈالیں اور مندرجات کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہوئے مصنف کی کاوش فکر وقلم کی داد دیں۔ یقیناً انہوں نے تحقیق واحتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر موضوع کو بڑی کامیابی سے سر کیا ہے اور تمام وابستگانِ بارگاہ عزیزی کی طرف سے ایک عظیم فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ **فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المحبین خیر مایجزی بہ المحسنین.**

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

محمد احمد مصباحی

رکن المجمع الاسلامی

وصدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

۱۲؍ربیع النور ۱۴۲۸ھ؍یکم اپریل ۲۰۰۷ء یک شنبہ

تقریب

حضرت مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی، المجمع الاسلامی، مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ اجمعین

جلالۃ العلم استاذ العلما حافظ ملت حضرت علامہ شاہ حافظ عبدالعزیز محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری علیہ الرحمۃ والرضوان چودھویں صدی ہجری کی ایک ایسی عظیم اور تاریخ ساز شخصیت کا نام ہے جن کے دم قدم سے دین اور علم دین کا بھرم قائم ہے۔ اس صدی کے علمائے اہل سنت وجماعت میں ایک سے ایک فقیہ ومحدث، متکلم وفلسفی اور قابل وعبقری پیدا ہوئے، لیکن دینی تعلیم کے فروغ کے حوالے سے سب میں نمایاں نام صدرالشریعہ بدرالطریقہ فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رضوی خلیفہ امام احمد رضا وتلمیذ مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری علیہم الرحمۃ والرضوان کا ہے اور خود مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری صدرالمدرسین مدرسہ حنفیہ جون پور کے تلامذہ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان کے خلفا میں صدرالشریعہ ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ آپ نے تعلیم وتدریس کے میدان میں انقلاب آفریں کارنامے انجام دیے۔ آپ کے عہد میں نہ آپ سے بڑا کوئی محدث وفقیہ تھا نہ ہی مدرس ومعلم، آپ نے صاحب بصیرت اور باصلاحیت علما کی ایک ایسی کھیپ تیار کی جس نے پورے ہندوستان میں علم وادب کا غلغلہ بلند کردیا اور تدریس کی دھوم مچادی۔ حضرت صدرالشریعہ کی پوری توجہ افراد پیدا کرنے کی طرف تھی اس لیے آپ نے اس میدان میں بھرپور کامیابی حاصل کی اور عبقری علما کی ایک بڑی جماعت قوم کے حوالے کرگئے۔ لیکن تعلیم کے ساتھ تعلیم گاہ کی بھی ضرورت تھی اس کی طرف آپ کے تلامذہ میں جس شخصیت نے خصوصی توجہ دی، اس کا نام ہے حافظ ملت مولانا حافظ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ۔ آپ نے دیکھا کہ ہندوستان میں اہل سنت کی ایک عظیم درسگاہ کی سخت ضرورت ہے جہاں بڑی مقدار میں طلبہ علوم دینیہ کی تحصیل کرسکیں اور اس کے ذریعہ مذہب حق اہل سنت وجماعت کی بھرپور ترجمانی ہوسکے۔ بس یہی درد تھا جس نے حافظ ملت کو بڑھاپے میں بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ شب وروز اسی تگ ودو میں گزرتے کہ کسی طرح یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوجاتا، الحمدللہ! حافظ ملت کا یہ خواب خواب ہی نہ رہا بلکہ اس کی تعبیر بھی الجامعۃ الاشرفیہ کی شکل میں آج نگاہوں کے سامنے ہے جسے بجا طور پر اہل سنت کا تعلیمی قلعہ کہا جاسکتا ہے اور جسے ازہر ہند کا بھی نام دیا جائے تو بالکل درست ہے۔

سچ پوچھیے تو اہل سنت میں تعلیمی بیداری لانے کا سہرا صرف حافظ ملت ہی کے سر سجتا ہے اور حقیقۃً یہ وہ تڑپ تھی جو انہیں حضور صدرالشریعہ کی بارگاہ سے ملی تھی، گویا الجامعۃ الاشرفیہ فیضان ہے صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بڑی خوبی یہ تھی آپ نے صدرالشریعہ علیہ الرحمہ سے صرف علم ہی نہیں لیا بلکہ عمل کی بھی قوت حاصل کی اور دعوت وتبلیغ

کا بھی جذبہ پایا، علم کے ساتھ طریقہ تعلیم بھی سیکھا اور یہ سب صدقہ تھا استاذ گرامی صدرالشریعہ کی خدمت گزاری کا۔ آپ کے بعض ہم درس احباب مثلا صدر العلماء امام النحو حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کا کہنا تھا کہ ہم لوگ سبق پڑھ کر اپنے اپنے کام میں لگ جاتے تھے لیکن حافظ ملت اپنا زیادہ وقت صدرالشریعہ کی خدمت میں گزارتے، گھر کا سارا کام کرتے، کمرے کی صفائی فرماتے، کتابوں اور سامانوں کو درست کرتے غرض صدرالشریعہ کی خدمت ہی کو اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھتے۔ (بروایت مولانا رحمت اللہ عزیزی بلرامپوری تلمیذ علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ) اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صدرالشریعہ کا سب سے زیادہ علمی وعملی فیضان حافظ ملت ہی کے نصیب میں آیا اور یہ عجیب بات ہے کہ حافظ ملت کئی جہتوں سے ممتاز وفائق الاقران تھے۔ بہترین محدث وفقیہ بھی تھے کہ درس حدیث کا سلسلہ چالیس سال سے زیادہ دنوں تک چلتا رہا اور درس کے ساتھ ساتھ فتوی نویسی بھی فرماتے، ملک کے مختلف گوشوں میں دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں بھی تشریف لے جاتے ہر بڑی اور اہم کانفرنس میں ضرور مدعو کیے جاتے، بیعت وارشاد میں بھی ایک مقبول مرشد کی حیثیت سے جانے جاتے اور مریدین پر اپنے تقویٰ وعمل کی چھاپ بھی ڈالتے، لیکن پیشہ ورانہ پیری مریدی سے کوسوں دور رہے، تصنیف وتالیف کے لیے بھی وقت نکالتے ساتھ ہی قرب وجوار کی محافل میلاد شریف میں بھی شرکت کرتے اور وعظ فرماتے، عیادت مسلمین اور جنازوں میں شرکت کے لیے بھی تشریف لے جاتے، خدمت خلق کے لیے تعویذات بھی کثرت سے تحریر فرماتے اور یہ سارے کام بحسن وخوبی اس لیے انجام پاتے کہ آپ اپنے وقت کو کبھی ضائع نہیں ہونے دیتے، وقت کی خود بھی قدر کرتے اور تلامذہ و متعلقین کو بھی وقت کی قدر وقیمت سے آگاہ فرماتے حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ باطنی فیضان کے تو خوب قائل ہیں لیکن ظاہری فیضان کو ہاتھوں سے ضائع کرنے میں دریغ نہیں کرتے اور وہ ہے ''اوقات کا تحفظ'' اسی لیے آپ اکثر فرمایا کرتے ''تضییع اوقات سب سے بڑی محرومی ہے'' اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہر نعمت وقت ہی کی مرہون منت ہے، وقت نہ ہو تو آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا، لیکن افسوس کہ آج ہم لوگ اسی قیمتی شئ کو چھوڑ کر سب کچھ کھو رہے ہیں، اہل مغرب کی ہر میدان میں کامیابی سے آج ہم حیرت زدہ ہیں مگر غور نہیں کرتے کہ وہ کیوں کامیاب ہیں، اس کی وجہ جہاں ان کی حکمت عملی اور اسباب کی فراوانی ہے وہیں تحفظ اوقات کا لحاظ بھی بڑا سبب ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو بغیر پیسے اور بغیر کسی محنت ومشقت کے حاصل ہونے والی ہے، چنانچہ حافظ ملت کی کامیابی کا راز بھی تحفظ اوقات ہی میں پوشیدہ ہے کاش اسے ہم سمجھیں اور اپنائیں۔

دور تدریس ہی نہیں دور طالب علمی میں بھی حافظ ملت علیہ الرحمہ تحفظ اوقات کے پابند تھے، آپ کے ہم درس حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے، ''ہم لوگ تو درس کے بعد کچھ تفریح بھی کر لیا کرتے تھے لیکن حافظ ملت کا حال یہ تھا کہ ضروری امور کی انجام دہی کے بعد ان کا تین ہی کام رہتا، درسی کتابوں کا مطالعہ، استاذ گرامی صدرالشریعہ کی خدمت یا پھر تلاوت کلام پاک، غیر ضروری کاموں اور سیر وتفریح سے آپ کو کچھ لگاؤ نہ تھا'' ایک ہم سبق ساتھی کی یہ شہادت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب طالب علمی کا یہ حال تھا تو بعد میں آپ کس درجہ اوقات کو ضائع ہونے سے بچاتے رہے ہوں گے۔

اوقات کا بہت زیادہ تحفظ کرنے کے باوجود حافظ ملت کو دیکھا گیا کہ کسی دینی جلسے میں شرکت کے لیے جانا ہوتا

تو اول وقت پہنچنے کی کوشش کرتے یہ نہیں کہ جب جلسہ شباب پر یا اختتام پذیر ہونے والا ہو تب پہنچیں، پھر پہنچنے کے بعد احباب ومعتقدین اورعلماے کرام سے میٹھی اوراصلاحی گفتگو میں مصروف رہتے اور جب کوئی نہ ہوتا تو ذکر وتلاوت کلام پاک میں لگ جاتے، یوں ہی سفر کے دوران جوبھی وقت ملتا اسے ذکروتلاوت میں مصروف رکھتے، غرضیکہ بیکار بیٹھنا آپ جانتے ہی نہ تھے، آپ جس طرح جلسوں میں جلد پہنچنے کے عادی تھے، ویسے ہی جلسہ ختم ہونے کے بعد جلد واپسی کی بھی فکر کرتے، تاکہ مدرسہ پہنچ کر تدریس میں لگ جائیں اور طلبہ کی تعلیم کا نقصان نہ ہونے پائے۔

اتنی ساری خوبیوں کے مالک حافظ ملت علیہ الرحمہ کی زندگی کا ایک عظیم کارنامہ الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر ہے۔ جسے آپ نے اپنی زندگی کے آخری چھ (۶) سالوں میں انجام دیا، اس قلیل عرصے میں اتنا بڑا کام آناً فاناً کیسے ہوگیا یہ نہایت حیرت زا ہے، ہاں اسی لیے اسے حافظ ملت کی کرامت سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے، حیرت کی بات اس لیے کہ حالات نہایت درجہ ناسازگار تھے، مخالفتوں کا ایک طوفان برپا تھا مگر یہ حافظ ملت کے اخلاص نیت عزائم کی صلابت اور روحانی قوت کا ثمرہ تھا کہ تائیدایزدی نے ایسی یاوری فرمائی کہ سارے طوفان چھنٹ گئے اور کام آگے بڑھا تو آج تک بڑھتا ہی جارہا ہے۔

حافظ ملت کی بارگاہ میں ایک بار میں نے اور چند احباب نے بشمول مولانا بدرالقادری عرض کیا کہ حضرت! یہ کام ہونا چاہیے اور یہ کام بھی ہونا چاہیے تو حضرت نے سن کر پرجلال لہجے میں فرمایا کہ ''جی ہاں! سب کام الجامعۃ الاشرفیہ سے ہوگا انشاء اللہ وقت آنے کی دیر ہے''۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے فرمان فیضان ترجمان کی برکتیں آج ہم ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت فرزندان اشرفیہ ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا میں پھیلتے اور کام کرتے نظر آرہے ہیں۔

اسی میکدہ بردوش ساقی کی بارگاہ سے دردآشامی کرنے والوں میں ایک نام آتا ہے مولانا محمد بدرعالم عرف بدرالقادری کا جنھوں نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ حافظ ملت کی خدمت وہم رکابی میں گزارا ہے، ان سے علم بھی لیا ہے اور طور زندگی بھی، ان کی صبح وشام بھی دیکھی ہے اور سفر وحضر بھی، حضرت کی تبسم آمیز اداؤں کے بھی امین ہیں اور پرجلال لمحوں کے مشاہد بھی، دور طالب علمی میں بھی حضرت کے قریب رہے اور بعد فراغت بھی کئی سال ان کے جلوؤں کا تماشا دیکھا ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ میں جب شعبۂ نشرواشاعت کی تشکیل عمل میں آئی اور اس کی طرف سے ایک ماہنامے کے اجرا کا بھی فیصلہ کیا گیا تو اس عظیم تصنیفی وصحافتی ذمہ داری کو سنبھالنے کے لیے حضرت کی نظر انتخاب مولانا بدرالقادری پر پڑی اور مولانا اس کام کے لیے آگئے اور شعبۂ نشریات کی ذمہ داری بھی سنبھال لی، ساتھ ہی ماہنامہ اشرفیہ کے نام سے ماہنامے کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ جس کے مولانا ہی اولین مدیر ہوئے اور تقریبا پانچ سال تک اس سے وابستہ رہ کر تبلیغ دین کی غرض سے ہالینڈ کی سرزمین پر قیام فرما ہوگئے اور ابھی تک وہیں دعوت وتبلیغ کے فریضے کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

ماہنامہ اشرفیہ کی اشاعت کو ابھی چند مہینے ہی گزرے تھے کہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ حضور حافظ ملت اس جہان فانی سے کوچ کر گئے، ایک تاریخ ساز وانقلاب آفریں شخصیت کا اٹھنا تھا کہ قوم میں کہرام مچ گیا، مبارک پور ہی نہیں پورا ہندوستان سوگوار ہوگیا، بیرون ہند بھی حضرت کے جو چاہنے والے اور تلامذہ تھے وہ سب دل پکڑ کر رہ گئے، آپ کے وصال پر مبارک پور میں اتنا بڑا مجمع ہوا کہ کسی کے جنازے میں آج تک مبارک پور اور قرب وجوار کے مسلمانوں نے اتنا بڑا مجمع

نہیں دیکھا، قرب جامعہ میں حضرت کو سپرد خاک کر کے سب اہل عقیدت دل گرفتہ اپنے اپنے گھروں کو چل بسے ہاں! ایک جامعہ ہے جو آج تک ان کی جدائی کا غم لیے کھڑا ہے اور ان کی یادوں کے سہارے ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے اور حافظ ملت ہیں کہ اس شعر کے مصداق بنے اپنے مرقد پاک میں آرام فرما ہیں:

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اب تعزیت ناموں کا سلسلہ شروع ہوا، اہل علم وادب، تلامذہ وعقیدت مند حتی کہ اہل سیاست وحکومت نے بھی تعزیتی مراسلے بھیجے، اخبارات ورسائل نے اداریے اور تعزیتی نوٹ لکھے، اسی دوران مولانا نے سوچا کہ کیوں نہ ہو حضرت پر ایک خصوصی شمارہ نکال دیا جائے، راقم الحروف، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا یٰسین اختر مصباحی نے بھی تائید کی اور اشرفیہ کے ذمہ داروں نے بھی اجازت دے دی، پھر کیا تھا، اہل قلم اور اہل عقیدت حضرات سے مراسلت کا سلسلہ چل پڑا، شب وروز کی کوششوں سے تقریباً ایک سال میں مولانا حافظ ملت نمبر نکالنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے احباب اور مدرسہ کے ذمہ داروں نے بھی بھرپور ساتھ دیا، غالباً اہل سنت کی صحافتی تاریخ میں یہ سب سے ضخیم نمبر تھا، جو سات سو صفحات پر مشتمل ہو کر منظر عام پر آیا، اگر چہ اس نمبر میں حافظ ملت کی حیات وخدمات کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی لیکن اسے مرتب سوانح حیات کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، حالات وتاثرات کا ایک خاص حصہ ابھی منظر عام پر بھی نہیں آسکا تھا، اس لیے ضرورت تھی کہ ''حیات حافظ ملت'' کے تمام گوشوں کو سوانحی طرز پر مرتب کر کے منظر عام پر لایا جائے۔ لیکن یہ کام اتنا کچھ آسان بھی نہیں تھا کہ ہر کوئی اس کو بہ آسانی انجام دے لیتا، بالآخر، ''قرعہ فال بنام دل دیوانہ زدند'' کے طور پر یہ کام بھی مولانا بدر القادری نے اپنے ذمہ لے لیا، اور دیار فرنگ میں بیٹھ کر مشکلات کی ساری زنجیریں کاٹتے ہوئے اس ہفت خواں کو طے کر کے ایک عظیم وضخیم اور تاریخی دستاویزی سوانح حیات بنام ''حیات حافظ ملت'' مرتب کر ڈالی، جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ حافظ ملت کے گلشن حیات کے ایک ایک گل بوٹے کو مولانا نے جس سلیقے سے سجایا ہے اور اس کام کو جس محنت وکاوش سے انجام دیا ہے۔ یہ مولانا ہی کا حصہ ہے کیوں کہ یہ کام ایک آدمی کا نہیں، ایک پوری اکیڈمی کا اور کسی ادارۂ تحقیقات حافظ ملت کا تھا، یہ حقیقت ہے کہ حافظ ملت سے مولانا کا لگاؤ محبت ہی نہیں عشق کی حد تک ہے، اسی عشق کی کارفرمائی ہے کہ اتنا بڑا کام مولانا نے یکہ وتنہا انجام دے دیا۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تلامذہ واہل تعلق سب کا فریضہ تھا کہ اس اہم کام کو انجام دیتے یا دلاتے، لیکن افسوس کہ حافظ ملت کے شایان شان کوئی سوانح حیات اب تک نہ لکھی جاسکی، یہ حافظ ملت کا ایک قرض تھا، جسے مولانا بدر القادری نے ہم سب کے کاندھوں سے اتارا ہے اس لیے وہ بجا طور پر ہم سب خواجہ تاشان حافظ ملت کے شکریے کے مستحق ہیں، بلکہ انعام کے بھی،۔۔۔ ہم دل کی گہرائیوں سے مولانا کے شکر گزار ہیں اور دعا گو کہ رب عز وجل ان کو اس کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی،۔۔۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ و علی آلہ الصلاۃ والتسلیم

محمد عبد المبین نعمانی مصباحی

خادم دار العلوم قادریہ چریا کوٹ مئو (یوپی)

بانی رکن المجمع الاسلامی ملت نگر مبارک پور، اعظم گڑھ

۷؍ربیع الاول شریف ۱۴۲۸ھ؍۲۷؍مارچ ۲۰۰۷ء

پہلا باب

حیات وشخصیت

یہ کون اٹھا ہندِ شمالی کی زمیں سے
علم اور حقائق کی سنبھالے ہوئے قندیل
سدرہ کے مکینوں سے سنا بدر نے اک راز
ہونے کو ہے اب آرزوے شوق کی تکمیل

(بدر)

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کا وطن مالوف قصبہ بھوجپور (مراد آباد، یوپی):

کسی مقام یا شہر کی شہرت اس مقام یا شہر کی وسعت، قدرتی خوبصورتی، صنعت وحرفت یا کسی اور ظاہری سبب سے تو ہوسکتی ہے لیکن اس کی عظمت وبزرگی اور مقبولیت اس مقام یا شہر سے نسبت رکھنے والی کسی عظیم شخصیت، اللہ کے کسی منتخب اور برگزیدہ بندہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم اس پر نص ہے:

مکہ معظّمہ میں خانۂ خدا (کعبہ شریف) بھی ہے، مقام ابراہیم بھی ہے اور دیگر اسلامی شعائر ہیں لیکن رب کائنات نے ان میں سے کسی کی وجہ سے شہر مکہ کی قسم یاد نہیں فرمائی بلکہ مکہ شریف کی قسم اپنے منتخب رسول، رسول اعظم مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے یاد فرمائی اس لیے کہ مکہ معظّمہ ان کا وطن مالوف ہے، وہاں وہ پچاس سال تک رہے، اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے:

"لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ" (سورۂ بلد پارہ ۳۰، آیت ۱،۲)

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ (کنز الایمان از امام احمد رضا)

اب اس ارشاد ربانی کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کی عظمت وبزرگی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رونق افروزی کی بدولت ہے۔ اور جب حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شریف سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ کو اپنا وطن ومسکن بنایا اور وہیں ان کی آخری آرام گاہ بنی تو انہیں کی بدولت مدینہ منورہ کو وہ عظمت وبزرگی حاصل ہوئی کہ وہ "کعبہ کا کعبہ" قرار پایا۔ اور مسلمانان عالم کی عقیدت ومحبت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

اسی طرح بغداد معلیٰ کی عظمت شہنشاہ اولیا تاجدار بغداد حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہے۔ اجمیر شریف کی پہچان اور اس کی عظمت حضرت غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے سبب ہے۔ اور بریلی کی پہچان، اس کی شرافت اور مرکزیت ۱۴ رویں صدی ہجری کے مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نور اللہ مرقدہ کی بدولت ہے اور بھوجپور (مراد آباد) سے لے کر مبارک پور (اعظم گڑھ) تک کی پہچان، شہرت وعظمت صرف اور صرف حضرت حافظ ملت مولانا شاہ حافظ عبدالعزیز مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بدولت ہے۔

قصبہ بھوجپور:

زمینداروں کے ظالمانہ نظام سے کچلا ہوا غریب مسلمانوں بالخصوص مومن برادری کی اکثریت والے ضلع مراد آباد کا یہ قصبہ بھوجپور کل تک ایک گمنام قصبہ تھا لیکن جب اس سرزمین پر مومن برادری کے ایک غریب مگر دیندار گھرانے میں عبدالعزیز نام کے ایک بچہ نے آنکھیں کھولیں اسی وقت اس قصبہ کی فیروز بختی کا ستارہ بھی طلوع ہوگیا اور ہمیشہ کے لیے شہرت اور عظمت وبزرگی اس کا مقدر بن گئی۔

اے دیار بھوجپور میں تیری عظمت کے نثار!
ذکر تیرا اہل الفت کے لیے وجہ قرار
اس زمیں کی خاک بوسی ہے مجھے وجہ سرور
اس کے صدقے شاہوں نے پائے ہیں انوار شعور
بدر بن جائے گا اک دن یہ زیارت گاہ شوق
کیوں کہ ہے یہ حافظ ملت کا مولد بھوجپور

لاریب! آج بھوجپور نہ صرف عزیزوں اور مصاحبوں کے لیے عقیدت کا مرکز بن گیا ہے بلکہ اہل سنت وجماعت کے لیے بھی عقیدت کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اللہ اکبر! بھوجپور کو یہ عظمت وبزرگی اسی ذات سے ملی جسے کہنے والوں نے سند المحدثین، امام المفسرین، اور جلالۃ العلم کہا۔ جو حقیقتاً استاذ العلماء تھا۔ جسے زمانہ نے رہبر شریعت وطریقت اور جماعت اہل سنت کا مقتدا وپیشوا تسلیم کیا۔ جس نے باغ فردوس کی باغبانی فرمائی اور پاسبان قوم و حافظ ملت بن کر زمانے پر چھا گیا۔

اور علم وعمل سے آراستہ اسی ملت کے محافظ وپاسبان، حافظ ملت نے ضلع اعظم گڑھ کے بے نام ونشان قصبہ مبارک پور پر قدم رنجہ فرمایا تو اسے رشک سنیت بنادیا۔ اور الجامعۃ الاشرفیہ کے روپ میں علم وحکمت کا ایسا شہرستان جمیل آباد کیا کہ پورے عالم اسلام میں مبارک پور کی دینی وعلمی داستان نے دھوم مچادی۔

سراپا

گوری رنگت، روشن چہرہ، پیکر دل میں کھبتا سا
پہچانو، ہم آئینے میں صورت ایک دکھاتے ہیں

رنگت: گندم گوں۔ جس میں سرخی کی جھلک

چہرہ: منور گولائی لیے ہوئے پر رعب پر وقار

سر: بڑا۔ مدور۔ ہر طرف سے بھرا ہوا۔ جس پر بال سیدھے اُگے ہوئے، نرم نرم (اخیر میں زیادہ سفید اور گنج سے محفوظ)

پیشانی: قدرے فراخ۔ اور ابھری ہوئی

ابرو: کشادہ نہ گھنی نہ ہلکی منفصل کسی قدر ڈھلکی ہوئی

آنکھیں: روشن۔ جس میں سرمہ کی لکیریں نمایاں۔ سیاہ سفید بے داغ۔ پرسکون۔ نظریں جھکی ہوئیں۔

پلکیں: گھنی۔ بالکل سیاہ۔ (اخیر عمر میں چند بال سفید)

ناک: بلندی مائل۔ جس سے نورانیت نمایاں
رخسار: بھرے ہوئے۔ گوشت ذرا نیچے کو ڈھلکتا سا
لب: پتلے۔ سرخی مائل
دہن: معتدل فراخ
دندان: چھوٹے۔ ہموار۔ (انتہائی خوشی کے تبسم پر نظر آنے والے)
ریش: مسترسل۔ زیادہ گھنی نہیں۔ کچھ بال سیاہ بھی
مونچھ: پست۔ نہ زیادہ چوڑی۔ نہ بہت باریک۔ دونوں کنارے داڑھی سے متصل
کان: متناسب لمبائی لیے ہوئے
ٹھوڑی: گول۔ جس میں ہلکی سی گہرائی
گردن: معتدل۔ قدرے لمبائی لیے ہوئے۔ تواضع سے جھکی ہوئی
شانے: ہموار۔ اخیر عمر میں سامنے کو کچھ جھکے ہوئے۔
ہاتھ: لمبے
بازو: پرگوشت۔ بھرے ہوئے۔ مضبوط
کلائیاں: چوڑی
ہتھیلیاں: پرگوشت۔ فراخ۔ قدرے سخت۔ لکیریں نمایاں
انگلیاں: لمبی۔ موزوں حد تک دراز۔ درمیان میں کچھ خلا
ناخن: سرخی مائل۔ انگلیوں سے ہموار
سینہ: کشادہ۔ جس پر کچھ بال
شکم: سپاٹ۔ سینے کے مقابل کچھ دبتا سا
پشت: سیدھی
کمر: متناسب
پنڈلیاں: مضبوط۔ بھری ہوئی۔ ٹھوس۔ جس پر تھوڑے بال
پاؤں: متوسط۔ قدرے دراز
ایڑیاں: گول

قد: میانہ

بدن: چھریرا

لباس

عمامہ، ٹوپی، شیروانی، کرتا، پاجامہ وغیرہ

شیروانی: مختلف الالوان، ڈھیلی ڈھالی، لمبی، گھٹنوں سے نیچی

عمامہ: اکثر بادامی یا کتھئی مالاگیری رنگ کا، معمولی، پانچ گزی

بائیں جانب پیچ خوب واضح۔ شملہ کمر سے اوپر تک

ٹوپی: دو پلی، گہری، سادی

کرتا: کلی دار، لانبا، گھٹنوں سے نیچے تک

پاجامہ: شلوار نما، ٹخنوں سے اونچا

صدری: سردی کے ایام میں روئی دار

جبہ: عموماً کالے رنگ کا بے آستین۔ کبھی کبھی سرمئی رنگ کا۔ آستین د.

رومال: ابتداءً حیدرآبادی۔ بعد میں بھاگل پوری۔ طویل وعریض

نگینہ: پہلے فیروزہ پہنتے تھے بعد میں عقیق۔ جس کے بیچ میں سفید ہلالی نشان

جوتا: جے پوری ناگرہ۔ دائیں بائیں کی قید سے آزاد

عصا: زمانہ دراز تک مرزا پوری بانس کا۔ اخیر عمر میں لکڑی کا منقش

انگوٹھی اور گھڑی: دائیں ہاتھ میں پہنتے

حیات حافظ ملت ایک نظر میں

واقعات	تفصیلات	ہجری	عیسوی
ولادت:	تخمینی	۱۳۱۲ھ	۱۸۹۴ء
تکمیل حفظ و مدرسی مدرسہ حفظ القرآن، مرادآباد		۱۳۳۴ھ	۱۹۱۵ء
عربی تعلیم کا آغاز بخدمت مولانا حکیم محمد شریف مرادآبادی		۱۳۳۹ھ	۱۹۲۱ء
حصول تعلیم کے لیے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں		۱۳۳۹ھ	۱۹۲۱ء

دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف میں حضرت صدر الشریعہ سے اکتساب علوم کے لیے	۱۳۴۲ھ	۱۹۲۴ء
شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے بیعت وارادت (تقریباً)	۱۳۵۰ھ	۱۹۳۱ء
فراغت ودستار بندی	۱۳۵۱ھ	۱۹۳۲ء
تدریس کے لیے مبارک پور میں تشریف آوری	۱۳۵۲ھ	۱۹۳۴ء
دارالعلوم اشرفیہ (باغ فردوس) کا سنگ بنیاد	۱۳۵۳ھ	۱۹۳۵ء
درس بخاری کی ابتدا	۱۳۵۷ھ	۱۹۳۸ء
مبارکپور کے ناسازگار حالات کے باعث جامعہ عربیہ ناگپور تدریس کے لیے روانگی	۱۳۶۱ھ	۱۹۴۲ء
دوبارہ مبارک پور میں تشریف آوری	۱۳۶۲ھ	۱۹۴۳ء
عمارت دارالعلوم اشرفیہ کی تکمیل	۱۳۶۳ھ	۱۹۴۴ء
بعض شرپسند عناصر کی وجہ سے نظر بندی	۱۳۶۸ھ	۱۹۴۹ء
سنی دارالاشاعت مبارک پور کا قیام	۱۳۷۹ھ	۱۹۵۹ء
اشرفیہ نسواں اسکول کی ابتداء	۱۳۸۵ھ	۱۹۶۵ء
سفر حج بیت اللہ (بلا فوٹو)	۱۳۸۷ھ	۱۹۶۷ء
اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ منتخب	۱۳۹۱ھ	۱۹۷۱ء
کل ہند تعلیمی کانفرنس مبارک پور کا انعقاد	۱۳۹۲ھ	۱۹۷۲ء
درسگاہ عربی یونیورسٹی کا سنگ بنیاد	۱۳۹۲ھ	۱۹۷۲ء
درسگاہ عربی یونیورسٹی کا افتتاح	۱۳۹۳ھ	۱۹۷۳ء
سنگ بنیاد دارالاقامہ (ہوسٹل یونیورسٹی)	۱۳۹۳ھ	۱۹۷۳ء
آخری درس بخاری شریف	۱۳۹۶ھ	۱۹۷۶ء
وصال پر ملال	۱۳۹۶ھ	۱۹۷۶ء

ولادت اورنام ونسب:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سال ولادت کی بابت فرماتے ہیں:

’’مجھے اپنے والدین سے سال پیدائش نہیں ملا البتہ والدہ ماجدہ سے یوم پیدائش ملا۔ سال ولادت غالبا ۱۸۹۴ء ہے وہ اس لیے کہ موضع راجپور میرا ننہال ہے۔ والد صاحب قبلہ جب حج بیت اللہ کو گئے تو میں اپنی والدہ کے ساتھ راج پور رہتا تھا۔ اسی وقت نور احمد ولد غلام نبی کی پیدائش ہوئی۔ ان کے والد نے ان کا سال ولادت ۱۹۰۴ء مطابق ۱۳۲۲ھ لکھا جواب تک موجود ہے اس وقت میری عمر دس سال ضرور تھی کیوں کہ میں راج پور سے اپنے مکان بھوجپور پیدل آتا جاتا تھا جس کی مسافت آٹھ میل سے زائد ہے یعنی نور احمد سے میری عمر دس سال زائد ہے اس لیے میرا سال پیدائش ۱۸۹۴ء

(مطابق ۱۳۱۲ھ) ہوا۔ (حافظ ملت نمبر ص ۶۵)

یوم پیدائش:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ یوم دوشنبہ (پیر کے دن) اس دنیا میں تشریف لائے، اسی دن اس عالم رنگ و بو میں اس کا ظہور ہوا تھا جس کے لیے خالق کائنات نے نہ صرف یہ دنیا بلکہ سارے عالم کو وجود بخشا۔ یہ آنے والا۔ اصل تکوین عالم، نور الٰہ، نبیوں اور رسولوں کا خاتم اور سید و سردار، کونین کا مالک ومختار، سارے جہان کی رحمت، معلم کائنات، محسن اعظم انسانیت اور ہادی اعظم ہر زماں بن کر تشریف لایا اسی مقدس یوم ولادت کے صدقے، اس کے رب کے فضل وکرم اور اس کی رحمت کے طفیل اسی دن بھوجپور کی سرزمین پر ایک غریب مگر دیندار گھرانے میں اس کے نائب۔ عبدالعزیز کی ولادت ہوئی جسے آج زمانہ حافظ ملت کے نام نامی، اسم گرامی سے جانتا، مانتا اور پہچانتا ہے۔

لفظ پیرا کی حقیقت:

پڑوس کی عورت نے اس بچے کے لیے پیرا کا لفظ استعمال کیا تھا اس لیے کہ اس نومولود نے پیر کے دن آنکھیں کھولی تھیں لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی لفظ جو کسی اور معنی میں استعمال کیا گیا ہو وہ وقت آنے پر اپنے معنی حقیقی کا جامہ اختیار کرلیتا ہے۔ پیرا بمناسبت پیر اور لاریب یہ بچہ آنے والے وقت میں واقعی پیر بن کر چمکا۔ پیر صرف پیر طریقت ہی کے معنی میں نہیں بلکہ پیر قائد قوم وملت، مقتدائے اہل سنت، رہبر طریقت وشریعت، معلم وہادی ومعمار قوم۔ یعنی حافظ ملت بن کر چمکا۔ علم وفضیلت ومعرفت کا ایک آفتاب تازہ جس نے عالم اسلام میں ہر سمت علم ودانش اور ایمان وایقان کا اجالا برپا کردیا۔

جد حضرت حافظ ملت:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دادا، حضرت ملا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نہایت درجہ پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ آخر وقت میں (بوقت وصال) فرماتے وعلیکم السلام آیئے تشریف لایئے ان کو جگہ دو۔ وعلیکم السلام آیئے تشریف لایئے۔

قریب بیٹھنے والے بولے۔ ملا جی کیا ہے فرمایا تم نہیں دیکھتے یہ باوقار باعزت لوگ چلے آرہے ہیں ان کو جگہ دو۔ یہی فرماتے فرماتے وصال ہوگیا۔ (حافظ ملت نمبر ص ۲۳۴)

والدین حافظ ملت:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے والد ماجد کی بھی یہی تمنا تھی کہ ان کا بچہ بڑا ہوکر عالم دین بنے۔ اپنے بچپن کے حالات کی بابت اور والد محترم کی اس تمنا کے تعلق سے حافظ ملت فرماتے ہیں:

’’بھوجپور میں کوئی بڑے عالم یا شیخ درویش تشریف لاتے تو والد صاحب مجھے ان کے پاس لے جاتے اور عرض کرتے حضور میرے اس بچہ کے لیے دعا فرمادیں۔ وہ دعا کردیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب قبلہ رام پوری علیہ الرحمہ تشریف لائے ان کے پاس لے گئے عرض کیا میرے اس بچہ کے لیے دعا فرمادیں۔ حضرت مولانا سلامت اللہ صاحب نے فرمایا حافظ صاحب میں سب کے لیے دعا کرتا ہوں مگراس کے لیے تو آپ ہی کی دعا ہے اور فرمایا اولاد کے حق میں والدین کی دعا یا بد دعا نبی کی دعا یا بدعا کا اثر رکھتی ہے" (حافظ ملت نمبر ص ۶۷)

حضور حافظ ملت کے والد ماجد جید حافظ قرآن اور ایک باخدا درویش تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ سات سال ہی کی عمر سے بچوں کو نماز کی تاکید، کھیل تماشوں، میلوں وغیرہ سے روکنا، دیندار بنانے کی پوری سعی کرنا، نمازی مہمان کی خاطر تواضع کرتے، بے نمازی کو کھانا تو کھلا دیتے لیکن ٹھہراتے نہیں تھے۔ آپ کے والد صاحب نے بچپن ہی سے آپ کو نماز وروزہ کا پابند بنادیا تھا۔

آپ کے والد صاحب نے تقریباً سو سال کی عمر پائی۔ حج وزیارت سے بھی مشرف تھے، جب حج کو تشریف لے گئے تو نو ماہ کے بعد واپس آئے۔

جب آپ حج کو تشریف لے گئے تو مرادآباد تک پیدل سفر کیا۔ واپسی میں خرچہ ختم ہوگیا تو مزدوری کرکے خرچ اکٹھا کیا اور پھر واپس تشریف لائے۔ (حافظ ملت نمبر ص ۶۸، ۲۲۳)

والد ماجد اور محبت قرآن کریم:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے والد ماجد حضرت حافظ الحاج محمد غلام نور رحمۃ اللہ علیہ عاشق قرآن مجید تھے۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت قرآن مجید پڑھتے، یاد ایسا تھا کہ تشابہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ بڑے حافظ جی کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ پیپل سانہ (ضلع مرادآباد) میں ایک مدرسہ کے مدرس تھے۔ نہ معلوم کتنے حافظ قرآن پیدا کیے آپ نے مساجد کی تعمیر بھی کرائی۔ (حافظ ملت نمبر ص ۲۳۳)

حفظ قرآن میں مہارت کے واقعات:

(۱) ایک بار حافظ ملت اپنی تصنیف کردہ ایک کتاب کے لیے ایک ایسی آیت کریمہ کی تلاش میں تھے جس کا ترجمہ یہ ہو "ان پر اللہ کا غضب ہو اور عذاب شدید" تو آپ کے والد صاحب نے برجستہ یہ آیت پڑھی "وَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ وَلَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيدٌ" (سورہ شوریٰ رکوع ۳ پارہ ۲۵) (ایضاً ص ۲۳۳)

(۲) حضرت حافظ ملت فرماتے ہیں:

"ایک بار والد ماجد ریاست حیدرآباد میں ماہ رمضان میں محراب سنانے کے لیے بلائے گئے۔ مدینہ مسجد میں ۲۷ رکو شبینہ ہوا۔ دوسرے حافظوں کو آپ کے سامنے پڑھنے کی جرأت نہیں ہوئی، پورا قرآن مجید والد صاحب ہی نے ختم کیا۔ اس وقت والد صاحب کی عمر ستر سال تھی۔ وہاں کے لوگ اب تک یاد کرتے ہیں کہتے ہیں ہم نے ایسا حافظ دیکھا ہی نہیں"۔ (ایضاً ص ۶۸)

حافظ ملت کے والد صاحب علیہ الرحمہ کی تقویٰ شعاری:

(۱) برادر حافظ ملت حضرت مولانا حکیم عبدالغفور صاحب فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ سفر میں روٹی بلا سالن کھا رہے تھے دوسرے لوگوں نے کہا حافظ جی ہمارے پاس ساگ ہے اس سے کھالو۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ چنے کا ساگ جنگل سے بچے توڑ لائے ہیں۔ آپ نے کہا بلا اجازت مالک کے لائے ہیں میں ہرگز نہ کھاؤں گا" (ایضاص ۲۲۳،۲۲۴)

(۲) مجھے ایسا پیسہ نہیں چاہیے:

حضرت حافظ ملت کے والد محترم علیہ الرحمہ اہل اللہ میں تھے وہ کھانے پینے کی ہر شے کو استعمال کرنے سے قبل اچھی طرح بغائر نظر دیکھ لیا کرتے تھے۔

کسی موقع پر کوئی فقیر درویش ان کے گھر آئے۔ حضرت کے والد گرامی فقرا اور درویشوں کی بہت عزت کرتے تھے، انہیں مہمان بنایا اور جو کچھ ماحضر تھا اس سے ضیافت کی۔ وہ خوش ہوئے اور حضرت کے والد ماجد کو دست غیب کا ایک عمل بتایا کہ آپ فلاں دعا اس طور پر روزانہ پڑھ لیا کریں آپ کو آپ کے روزانہ خرچ کے مطابق پیسے مصلے کے نیچے سے مل جایا کریں گے۔

حضرت کے والد صاحب نے فرمایا جس پیسے کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ آیا کہاں سے کس کی ملکیت ہے مجھے ایسے پیسے نہیں چاہئے۔

عشق رسول کی ایک جھلک:

(۳) حضرت کے والد صاحب باسی کھانے کو صبح ناشتہ میں پسند کرتے تھے۔ وجہ دریافت کرنے پر بتایا کہ اس کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قریب ہے اس لیے مجھے یہ پسند ہے۔

عربی بول چال:

بقول برادر حافظ ملت، حضرت مولانا حکیم عبدالغفور صاحب، حضرت کے والد ماجد کو عربی بول چال میں مہارت تھی۔ عربی لوگ آتے ان سے عربی زبان میں ایسی گفتگو فرماتے تھے جیسے کوئی عربی کا عالم حالانکہ صرف ونحو سے واقف نہ تھے۔

وصال پاک:

آپ کا وصال ۲۸/ ذی قعدہ بروز جمعرات ۱۳۷۰ھ میں ہوا۔ (ایضاص ۲۲۴)

حضرت حافظ ملت کی والدہ ماجدہ:

آپ کی والدہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا بھی صوم وصلوٰۃ کی بڑی پابند تھیں۔ باوجود غربت کے وہ اپنے پڑوسی کا اس قدر خیال رکھتی تھیں کہ اپنا کھانا اکثر ایک بیوہ پڑوسن کو کھلا دیتیں اور خود یونہی وقت گزار دیتی تھیں" (حافظ ملت نمبر ص ۶۸)

حضرت حافظ ملت کے بھائی بہن:

خود حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میری بہنیں تو کئی تھیں لیکن میں والد صاحب کا اکیلا لڑکا تھا اس لیے بھی مجھ پر زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ (حافظ ملت نمبر ص ٦٧)

یہ بھی تفصیل نہیں ملی کہ ساری بہنیں حضور حافظ ملت سے چھوٹی تھیں یا بڑی تھیں۔ بعد میں حضور حافظ ملت کے تین بھائی ہوئے۔

حضرت کے بھائی حضرت مولانا حکیم عبدالغفور صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

ہم چار بھائی تھے ایک میرے ساتھ پیدا ہوئے جن کا نام عبدالشکور تھا۔ انہوں نے دو تین روز کی عمر میں شیر خوارگی میں وفات پائی۔ تیسرے حافظ عبدالرشید اور چوتھے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ۔ (حافظ ملت نمبر ص ۲۳۵)

چوں کہ حضور حافظ ملت سب سے بڑے تھے اس لیے برادران کی ترتیب اس طرح ہوئی:

(۱) حضرت حافظ ملت (۲) حافظ عبدالرشید

(۳) مولانا حکیم عبدالغفور (۴) مرحوم عبدالشکور

شادی خانہ آبادی

اپنی شادی کی بابت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''میرا عقد نکاح میرے ماموں کی لڑکی سے ہوا۔ یہ عورت اپنے زمانہ کی ولیہ تھی نہایت ہی دیندار، اطاعت شعار، صابرہ اور میری فرمانبردار تھی۔ ہمیشہ مجھے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتی تھی۔ اس سے چار بچے ہوئے دو لڑکیاں دو لڑکے۔ لڑکیاں بچپن ہی میں انتقال کر گئیں، لڑکے مردہ ہی پیدا ہوئے آخری بچہ کی ولادت ہی میں مرحومہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ حادثہ مبارک پور ہی میں ہوا۔ (حافظ ملت نمبر ص ٦٩)

دوسری شادی کی بابت فرماتے ہیں:

''مجھے اس کی جدائی کا عظیم صدمہ ہوا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اب میں نکاح نہیں کروں گا۔ پیغام آئے میں نے انکار کر دیا۔ تعطیل میں مکان گیا والد صاحب نے احباب سے کہلایا میں نے انکار میں جواب دے دیا۔ جب والد صاحب مایوس ہو گئے تو مجھ سے خود فرمایا۔ تم نکاح کر لو میں نے جواب دیا میں طے کر چکا ہوں میں نکاح نہیں کروں گا اس پر اس قدر خفا ہو گئے کہ زندگی میں کبھی اتنے خفا نہیں ہوئے اور ڈانٹ کر فرمایا تو میری نسل منقطع کرنا چاہتا ہے۔ تب میں خاموش ہو گیا انہوں نے میرا نکاح کر دیا۔ اس عقد ثانی سے چھ بچے پیدا ہوئے۔ تین لڑکے تین لڑکیاں۔ ایک لڑکا پندرہ روز کی عمر میں انتقال کر گیا۔ ایک بڑی لڑکی کا بھی انتقال ہو گیا۔ دو لڑکے دو لڑکیاں ہیں۔ باصلاحیت ہیں۔

میرے لڑکوں اور لڑکیوں کی اولاد اس وقت چودہ ہیں۔(حافظ ملت نمبر ص ۷۰،۷۱)

موجودہ اولاد امجاد:

(۱) مولانا عبدالحفیظ صاحب قبلہ۔(خلف اکبر و جانشین حضور حافظ ملت و سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور)

(۲) حضرت حافظ عبدالقادر صاحب۔(خلف اصغر۔اپنے وطن قصبہ بھوجپور ہی میں کپڑے کی تجارت کرتے ہیں۔

دو صاحبزادیاں: زبیدہ خاتون و حمیدہ خاتون۔شادی شدہ۔

جانشین حافظ ملت:

۴؍جمادی الآخرہ حافظ ملت کے جلسۂ تعزیت کے اختتام پر حضرت مولانا شاہ غلام آسی صاحب حضرت مولانا سراج الہدیٰ صاحب گیاوی، حضرت مولانا سید موصوف اشرف صاحب بسکھاروی وغیرہم مشائخ کرام اور علمائے عظام نے حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا خرقہ اور حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کا جبہ و دستار حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب کو پہنایا۔حسان الہند بیکل اتساہی اور ڈاکٹر عبدالمجید بلرامپوری نے ان کی گل پوشی کی۔اس طرح حافظ ملت کے شہزادۂ اکبر کو ان کے والد ماجد کی مسند پر بیٹھا کر ان کی جانشینی کا اعلان کیا گیا۔۔۔۔اور ایک مرد مجاہد کے پروردۂ آغوش کو باپ کی ذمہ داریاں سپرد کر کے میدان عمل میں اتار دیا گیا۔۔۔۔۔۔حضور حافظ ملت کے تمام وفاداران الجامعۃ الاشرفیہ اور مبارک پور کے تمام مخلص سنی مسلمان مطمئن ہوئے کہ ہم نے حافظ ملت کے بعد ان کے کام کو سنبھالنے کے لیے ایسے شخص کو ذمہ دار بنایا ہے جس کی رگوں میں حافظ ملت ہی کا لہو گردش کر رہا ہے۔(ماہنامہ اشرفیہ جون ۱۹۷۶)

ابتدائی تعلیم و تربیت

حضرت حافظ ملت کی تربیت بہت ہی پاکیزہ مذہبی ماحول میں ہوئی۔آپ نے قرآن مجید والد صاحب سے پڑھا اور انہوں نے ہی حفظ بھی کرایا۔اردو درجہ چہارم تک اسکول میں پڑھا۔فارسی مولوی عبدالمجید صاحب بھوجپوری سے پڑھی بعدہ پیپل سانہ میں مولوی حکیم مبارک اللہ اور حافظ حکیم نور بخش صاحبان سے فارسی کی تعلیم پائی۔

امامت اور مدرسی:

حضرت حافظ ملت کی اعلیٰ تدریسی اور قائدانہ صلاحیت کو دیکھتے ہوئے بھوجپور کے رئیس اعظم شیخ حمیدالدین صاحب نے حافظ ملت کو اپنی مسجد کا امام مقرر کر دیا اور مسجد ہی میں مدرسہ ''حفظ القرآن'' قائم کر کے اس کا مدرس بھی مقرر کر دیا۔

آپ امامت اور مدرسی کے علاوہ اپنے پڑوسیوں سے زیادہ گھر کا کام بھی کرتے تھے، روزانہ ایک قرآن پڑھتے۔آپ نے امامت اور مدرسی کے فرائض پانچ سال تک انجام دیے۔

بیقرار تمنا:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دادا نے آپ کے عالم دین ہونے کی دعا فرمائی تھی لیکن ابھی تک اس کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے ۔ حضرت اپنی والدہ سے کہا کرتے تھے کہ تم کہتی ہو دادا نے دعا کی ہے یہ میرا بچہ عالم ہوگا ، عالم تو میں ہوا نہیں ۔ آخر دادا صاحب کی دعا کا ظہور ہوا۔

مراد آباد کو روانگی:

مراد آباد سے حکیم محمد شریف بھوجپور مریض دیکھنے آیا کرتے تھے اور حضرت حافظ ملت کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے ایک دن انہوں نے حضرت سے طب پڑھنے کے لیے کہا اس پر آپ نے مجبوری ظاہر کی ۔

حضرت کے والد ماجد نے فرمایا کہ طب پڑھو لیکن مراد آباد رہ کر ہی پڑھو اب بھوجپور میں حضرت حافظ ملت کی جگہ پر ان کے والد صاحب امامت اور مدرسی کرنے لگے اور آپ حکیم صاحب کے پاس مراد آباد چلے گئے ۔ حکیم صاحب نے گلستاں میں حضرت کا امتحان لینے کے بعد عربی میں طب پڑھنے کا مشورہ دیا اور انہوں نے آپ کو میزان شروع کرائی اور پندرہ روز میں میزان ومنشعب ختم کرا دیں ۔ حضرت نے یاد کر کے حکیم صاحب کو سنا دیں ۔ اس کے بعد نحو میر ،صرف میر بھی چند روز میں ختم ہو گئیں ۔ اب حکیم صاحب نے آگے پڑھانے سے انکار کر دیا اس لیے کہ انہیں پڑھانے کے لیے خود مطالعہ کی ضرورت تھی ۔

جامعہ نعیمیہ میں داخلہ:

چوں کہ اس بات کا شہرہ ہو گیا تھا کہ حضرت حافظ ملت عربی پڑھ رہے ہیں اس لئے آپ نے تعلیم موقوف کرنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ ۱۳۳۹ھ میں آپ نے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخلہ لے لیا اور تین سال تک تعلیم حاصل کی اور شرح جامی، قطبی وغیرہ تک پہنچے ۔

حافظ ملت بارگاہ صدر الشریعہ میں:

جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں تعلیم کے دوران آل انڈیا سنی کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں ملک کے چوٹی کے علما کے علاوہ حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ بھی شرکت کے لیے تشریف لائے تھے ۔ حضرت حافظ ملت نے حضور صدر الشریعہ سے حصول تعلیم کے لیے عرض کی تو فرمایا اجمیر شریف آجاؤ پڑھا دوں گا ۔

۱۳۴۲ھ میں آپ دار العلوم معینیہ عثمانیہ ، دار الخیر اجمیر شریف کے لیے روانہ ہوئے ۔

حافظ ملت فرماتے ہیں: ’’حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب علی گڑھی، حضرت مولانا شمس الدین صاحب جونپوری، جناب مولانا قاری اسد الحق صاحب اور جناب حافظ ضمیر حسین صاحب مراد آبادی اور میں پانچ طالب علم اجمیر شریف حاضر ہوئے ۔

بقول حضرت صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی علی گڑھی ثم میرٹھی علیہ الرحمہ دو صاحبان یہ بھی تھے یعنی حضرت میرٹھی صاحب کے چچازاد بھائی مولوی زین العابدین اور ایک حضرت حافظ ملت کے شاگرد ناظرہ خواں اسمٰعیل۔ (بشیر القاری ملخصا)

مراد آباد سے اجمیر شریف کے سفر کا حال:

مراد آباد سے روانہ ہو کر یہ سات نفری قافلہ زیر سرپرستی جناب حافظ ضمیر حسین صاحب مراد آبادی دہلی پہونچا۔ ان دنوں دار العلوم نعمانیہ نام کا ایک سنی مدرسہ وہاں جاری تھا جس میں حضرت مولانا سید غلام جیلانی کے استاذ گرامی حضرت مولانا وصی احمد سہسرامی صدر المدرسین تھے، اس سات نفری قافلے نے دہلی پہونچ کر وہاں شب میں قیام کیا۔ دہلی سے اجمیر شریف کے لیے صبح کو پسنجر ٹرین چلتی تھی اسی سے روانگی ہوئی۔ زاد راہ کی قلت اور افلاس کے باعث سب لوگوں پر بھوک غالب تھی۔ ٹرین جب رواڑی اسٹیشن پر جا کر رکی تو دو آنے کے چنے خریدے گئے تاکہ دوران سفر ان چنوں کے ذریعہ بھوک مٹائی جائے۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ ان چنوں کے اکثر دانے خراب تھے۔ مگر اس عالم میں وہی چنے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئے۔ اور دن رات دونوں وقت کے کھانوں کی جگہ سامان تسلی بنے۔ ٹرین کو دوسری صبح اجمیر شریف پہنچنا تھا۔ دوسرے روز تقریباً دس بجے اجمیر مقدس کے اسٹیشن پر اتر کر یہ ہفت نفری قافلہ معینیہ عثمانیہ کے دار الاقامہ واقع محلہ پیر متھا پہونچا۔ پیشانیوں پر خوش بختی اور فیروز مندی کی چمک دمک، اور ارادوں میں فولادی صلابت سموئے ہوئے سلف صالحین کے یہ ورثہ اپنی اپنی مختصر پوٹلیاں سنبھالے، سفر کی صعوبتوں کو شکست دیتے ہوئے شدید بھوک کے باوجود بغیر کسی کمزوری اور اضمحلال کا اظہار کیے اپنی منزل کی جانب بڑھتے رہے۔ اب جب کہ یہ سب لوگ مراد آباد سے چل کر اجمیر مقدس پہنچے تو سب سے اہم مرحلہ دار العلوم میں داخلے کا تھا۔ اس کے بعد ہی لائبریری سے کتابوں کا حصول اور کھانے پینے کا انتظام متوقع تھا۔

ایک ملاقاتی کے کمرے میں سب نے اپنا سامان رکھا، استنجا وغیرہ سے فارغ ہوئے تو بھوک چمک گئی، حجرہ کے باہر ایک بلند طاق میں مطبخ کی بچی ہوئی خشک روٹیوں سے بھری ہوئی ایک چھوٹی سی ٹوکری سامنے آئی۔ جس سے سب لوگوں نے کام و دہن کی آسودگی حاصل کی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ داخلہ حاصل کرنے کے بعد کتابیں لائبریری سے مل گئیں۔ مگر خورد و نوش کا انتظام دو ماہ بعد مجلس شوریٰ کی میٹنگ کے بعد ہوا۔ دار العلوم کی مجلس شوریٰ نے تمام لوگوں کے لیے خوراک اور ایک ایک روپیہ ماہانہ وظیفہ کی منظوری دی۔

مراد آباد سے براہ دہلی اجمیر شریف کے سفر میں صرف دو آنے کے بھنے ہوئے چنے کا زاد سفر رکھنے والے اس ہفت نفری قافلے نے اجمیر مقدس کی سرزمین پر مجلس شوریٰ کے فیصلہ تک دو ماہ کا زمانہ جس صعوبت اور صبر و توکل کے ساتھ گزارا وہ بھی ان علمائے سلف کی حیات ہی کا ایک باب لگتا ہے جنہوں نے درختوں کے پتے کھا کر، ناکارہ سبزیوں پر وقت

گزار کر اور کبھی بھوکے رہ کر حصول علم کے میدان میں شہ سواری کی تھی۔ حضور حافظ ملت اور ہمارے ماضی قریب کے ان بزرگوں نے دور قدیم کے ان ثابت قدم اسلاف کرام کے طریقے کی پیروی کی تو آج علم وفضل کے نیر تاباں کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔

انتظار کا وہ دو ماہ کا زمانہ ان بزرگوں نے اس طرح گزارا کہ ایک بنگالی طالب علم سے دس روپے قرض لے کر آٹے کا انتظام کیا اور ایک بھٹیارے سے یہ طے کیا کہ دارالعلوم جاتے وقت ہم لوگ آٹا تجھے دیتے جائیں گے تم ہمارے لیے واپسی کے وقت تک روٹیاں سینک دینا اس طرح روٹیاں لے کر دارالاقامہ پہونچتے، صرف نمک اور مرچ دارالاقامہ کے صحن میں پڑی ہوئی ایک بڑی سِل پر پیس کر چٹنی تیار کرتے اور پھر وہیں حلقہ باندھ کر روٹی سے کھالیتے اور نہایت ذوق وشوق سے اپنی تعلیم میں منہمک ہو جاتے۔

حافظ ملت کے شرکاے درس:

بقول حضرت صدرالعلماء مولانا سید غلام جیلانی علی گڈھی ثم میرٹھی علیہ الرحمہ خود ان کے علاوہ مندرجہ ذیل دس حضرات ان کے شرکاے اسباق میں تھے۔

(۱) حضرت مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب دھام نگری (۲) حضرت امین شریعت مولانا مفتی رفاقت حسین صاحب بھوانی پوری (۳) حضرت شمس العلماء مولانا قاضی شمس الدین صاحب جون پوری (۴) حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مراد آبادی (۵) فخر الاماثل حضرت مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری (۶) رئیس الاذکیاء حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب گھوسوی (۷) حضرت رئیس الاتقیاء مولانا سردار احمد صاحب گورداسپوری (۸) محسن العلما حضرت مولانا محمد محسن صاحب بھیمڑی (۹) راس المقررین حضرت مولانا صدیق اللہ صاحب رنگین بنارسی (۱۰) رئیس القراء حضرت مولانا اسدالحق صاحب۔

عام طور سے تذکرہ نویسوں نے حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ یا حضرت صدرالعلماء علیہ الرحمہ کے شرکاے اسباق میں نمبر (۱) تا نمبر (۷) ہی حضرات کو شامل رکھا ہے۔

دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کے بانی:

حضرت مولانا معین الدین نے ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں مدرسہ معین الدین کے نام سے ایک عربی مدرسہ اجمیر شریف میں قائم کیا جو بعد میں ''جامعہ معینیہ عثمانیہ'' کہلایا۔

حضرت مولانا معین الدین اجمیری ۲۵/صفر ۱۲۹۹ھ/۱۸/دسمبر ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے۔ والدین نومسلم راجپوت تھے مگر حرارت ایمانی سے معمور۔ مولانا اجمیری نے اساتذۂ وقت۔ مولانا برکات احمد ٹونکی اور مولانا لطف اللہ علی گڈھی سے کسب فیض کیا۔ طب بھی پڑھی۔ آپ کا سلسلہ طبابت شیخ بوعلی سینا تک منتہی ہوتا ہے۔

آپ ہی نے ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء میں ایک اور مدرسہ بنام دارالعلوم حنیفہ اجمیر شریف ہی میں قائم کیا اور ایک عرصہ

درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ سندھ کے مشہور فاضل علامہ محمد ہاشم سرہندی مجددی علیہ الرحمہ اور علامہ مفتی محمد محمود الوریٰ آپ ہی کے تلامذہ میں ہیں۔

علامہ اجمیری نے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں بھی حصہ لیا۔ ۱۹۲۱ء میں انہوں نے فوج اور پولیس کی ملازمت کو حرام قرار دیا اور اس پاداش میں قید و بند کی صعوبت اٹھائی۔ جمعیۃ العلماء ہند میں شامل رہے مگر بعد میں الگ ہوگئے۔ آپ کا سیاسی مطمحِ نظر جمعیۃ سے مختلف تھا۔ ۱۹۲۰ء تک جمعیۃ العلماء ہند میں مختلف مسلک کے علماء شریک رہے مگر بعد میں یہ جمعیۃ خالص دیوبندی مسلک کی ترجمان ہوگئی۔ علامہ اجمیری نے ۱۰ر محرم ۱۳۵۹ھ ر ۱۹۴۰ء کو وصال فرمایا۔ (معین الدین اجمیری، معین المنطق مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء) (تقدیم از محمود احمد برکاتی)

دارالخیر اجمیر شریف میں حافظ ملت کے شب و روز:

صاحبزادۂ حضرت صدر الشریعہ علامہ عبد المصطفیٰ صاحب قبلہ ازہری رقمطراز ہیں:

’’حافظ صاحب (حافظ ملت) اور ان کے ساتھ چند اور دوست جب مراد آباد سے اجمیر شریف آئے تو وہ میرا ابتدائی زمانۂ تعلیم تھا۔ ہم لوگ والد صاحب کے ساتھ ’’دھان منڈی‘‘ کے دارالاقامہ میں اس زمانہ میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھے۔ اس کے بعد یہ بورڈنگ ہاؤس وہاں سے منتقل ہوکر درگاہ بازار آگیا۔ اس بورڈنگ ہاؤس کے سامنے ایک بڑی مسجد تھی جو غالباً ’’گھاس کٹلہ‘‘ کی مسجد کہلاتی تھی۔ حافظ صاحب وہاں امامت پر مقرر ہوگئے تھے اور جب تک اجمیر شریف میں رہے وہیں اقامت پذیر رہے۔ حضرت قبلہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے یہاں حاضری اکثر دیا کرتے اور والد صاحب کے گھریلو تمام کام بازار سے کپڑا لانا اور تھوک سامان وغیرہ لانا یہ سب حافظ صاحب کے سپرد تھا اور وہ ان کاموں کے بہت ماہر تھے۔ گندم خریدنا اور پسوانا اور پھر پسا ہوا آٹا گھر پہنچانا یہ سب کام بڑی محنت سے کیا کرتے تھے اور تعلیم ومطالعہ میں زیادہ وقت صرف کیا کرتے تھے‘‘۔ (حافظ ملت نمبر ص ۸۴)

حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ مزید ارشاد فرماتے ہیں:

’’اس کے بعد حضرت نے استعفا دیا تو حافظ صاحب مولانا رفاقت حسین صاحب، مولانا غلام جیلانی صاحب، مولانا شمس الدین صاحب، مولانا غلام یزدانی صاحب اور دیگر حضرات اپنی کتابوں کے پڑھنے کے لیے گھر پر ہی آیا کرتے تھے اور پھر حدیث شریف کی تکمیل وہیں ہوئی لیکن اختلاف کی وجہ سے دستار بندی کی رسم ادا نہ ہوسکی‘‘ (ایضا ص ۸۴)

تلامذۂ صدر الشریعہ کا سالانہ امتحان اور معائنہ رپورٹ:

حضور حافظ ملت اور ان کے رفقائے درس ہندوستان بھر کے طلبہ میں بے مثل و بے مثال تھے۔ دارالخیر اجمیر شریف میں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کے مہتمم ومتولی جناب مولوی نثار احمد نے آخری سال (۱۳۵۱ھ ر ۱۹۳۲ء) طلبہ کے امتحان کے لیے حضرت علامہ فضل حق رامپوری، علامہ معین الدین اجمیری، صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، علامہ سید سلیمان اشرف صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسے افاضل کو دعوت دی۔ حضرت علامہ فضل حق رام پوری نے

درس نظامی کی منتہی کتاب امور عامہ کا امتحان لیا اور پھر فرمایا ''اب میں آپ لوگوں کی کسی کتاب کا امتحان نہیں لوں گا'' اس ایک ہی کتاب سے آپ لوگوں کی تمام کتابوں کا امتحان ہوگیا۔

نیز فرمایا: ''جیسے طلبہ یہاں موجود ہیں پورے ہندوستان کے مدارس میں ایسے طلبہ موجود نہیں''

حضرت علامہ ازہری قبلہ کے بقول ''اس کے بعد ۱۹۳۲ء/۱۳۵۱ھ کے آخر میں اجمیر شریف سے والد صاحب قبلہ بریلی آگئے اور بریلی شریف میں ۱۹۳۲ء تک آپ نے قدیم وجدید اور دیگر نایاب کتابیں حضرت قبلہ والد صاحب سے پڑھیں'' (حافظ ملت نمبر ص ۸۴)

دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف:

جب حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اجمیر شریف سے بریلی شریف آگئے تو ان کے ہمراہ حضور حافظ ملت، امین شریعت حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب، شمس العلماء حضرت مولانا شمس الدین صاحب، صدر العلماء حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی، مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب وغیرہ کئی منتہی طلبہ (ایک روایت کے مطابق ۴۰ منتہی طلبہ) بھی حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ہمراہ بریلی شریف آگئے۔

منظر اسلام سے دستار بندی:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی دستار بندی دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔

فہرست اساتذۂ حافظ ملت

بھوجپور کے ابتدائی اساتذہ:

(۱) حضور حافظ ملت کے والد ماجد حضرت حافظ محمد غلام نور صاحب

(۲) مولوی عبد المجید صاحب بھوجپوری

پیپل سانہ کے اساتذہ:

(۳) مولوی حکیم مبارک اللہ صاحب (۴) حافظ حکیم نور بخش صاحب

مرادآبادی استاذ:

(۵) حکیم محمد شریف صاحب

اساتذۂ جامعہ نعیمیہ مرادآباد:

(۶) حضرت مولانا عبد العزیز خانصاحب فتح پوری

(۷) حضرت مولانا اجمل شاہ صاحب سنبھلی

(۸) حضرت مولانا وصی احمد صاحب سہسرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

اساتذۂ دار العلوم معینیہ عثمانیہ، اجمیر شریف

(۹) حضرت صدر الشریعہ علامہ مولانا حکیم محمد امجد علی اعظمی

(۱۰) حضرت مولانا مفتی امتیاز احمد صاحب

(۱۱) حضرت مولانا عبدالحی صاحب افغانی

(۱۲) حضرت مولانا سید امیر صاحب پنجابی

(۱۳) حضرت مولانا حافظ سید حامد حسین صاحب اجمیری قدست اسرارہم (حافظ ملت نمبر ص ۶۹، ۷۰)

یوں تو ہر طالب علم کے ابتدا تا انتہا متعدد اساتذہ ہوتے ہیں لیکن ان میں ایک کوئی خاص استاذ ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اصل استاذ اور ان کے استاذ معظم حضرت صدر الشریعہ علامہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں اور حضرت حافظ ملت کے اساتذہ کا سلسلہ حضور صدر الشریعہ کے واسطے سے اس طرح ہے۔

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

''ان کا سلسلۂ تلمذ تین واسطوں سے حضرت شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ	ولادت ۱۳۱۴ھ	وصال ۱۳۹۶ھ
حضور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ	ولادت ۱۲۹۶ھ	وصال ۱۳۶۷ھ
حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری	ولادت ۱۲۵۳ھ	وصال ۱۳۱۹ھ
شہید حریت حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی	ولادت ۱۲۱۲ھ	وصال ۱۲۷۸ھ
حضور سیدنا الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	ولادت ۱۱۵۹ھ	وصال ۱۲۳۹ھ

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر محدث مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تک ہر ایک ذات اپنے اپنے عصر میں تدریس و تبلیغ میں یکتائے روزگار تھی۔ مگر حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے اساتذہ گرامی کی عظیم استعدادوں کا خلاصہ اور حاصل تھے۔ پروردگار عالم نے ان کی ذات کو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے علم حدیث اور اتباع سنت، علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے جذبۂ جہاد و اعلائے کلمۃ الحق علامہ ہدایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے انداز تدریس و تفہیم اور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ و ایثار کا مظہر اتم بنایا تھا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ حضور صدر الشریعہ کے واسطے سے سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول ان کی رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ بلکہ وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور درد ملت کی مجسم تصویر تھے۔ (حافظ ملت نمبر ص ۳۴۶)

اجمیر شریف میں تبلیغی مساعی:

حافظ ملت علیہ الرحمہ دور طالب علمی میں ہی اپنے ہمدرس طلبہ کے ہمراہ اشاعت دین اور تبلیغ اہل سنت کے لیے اجمیر مقدس کے اطراف میں جایا کرتے تھے۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی مردم ساز شخصیت اپنے طلبہ کو علوم متداولہ عقلیہ

وعقلیہ میں کمال بخشنے کے ساتھ ساتھ ان میں عملی بیداری کی روح بھی پھونک دیتی تھی۔ اور ان کی درسگاہ سے فارغ ہوتے وقت ان کے تلامذہ نہ صرف ایک عالم دین اور متشرع با کباز مثالی انسان ہوتے تھے بلکہ ان میں اسلام اور سنیت کو فروغ بخشنے کا بیحد جذبہ بھی ہوتا تھا۔ حافظ ملت اور طلبہ کے ساتھ مل کر عرس مبارک کے موقع پر مہمان علما و مشائخ کی خدمت کرتے تھے۔ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے زمانہ تدریس میں اجمیر مقدس جامعہ معینیہ عثمانیہ کے طلبہ نے اپنی ایک انجمن بنائی تھی جس کا نام انجمن معینیہ حسینیہ تھا۔ ابتداءً اس کے صدر سید حسین علی رضوی وکیل جاورہ، درگاہ مقدس کے کلید بردار تھے۔ اس انجمن کے زیر اہتمام فرصت کے دنوں میں طلبہ اجمیر شہر کی مساجد اور نواحی دیہات میں تبلیغ کے لیے بھیجے جاتے تھے۔

ہفت روزہ محبوب حق، لائل پور میں انجمن کے چند ممبران کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

''مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری، مولانا حافظ عبدالعزیز مبارک پوری، مولانا محمد سردار احمد، مولانا رفاقت حسین، مولانا محی الدین، مولانا غلام معین الدین، مولانا شاہ صدیق اللہ اور مولانا محمد محسن شافعی، مولانا غلام جیلانی میرٹھی، مولانا سید آل مصطفےٰ، مولانا محمد یونس، مولانا محمد ادریس، مولانا ابوتراب، مولانا غلام حیدر، مولانا خدا بخش، مولانا افضل الدین، مولانا محمد خلیل، مولانا غلام یزدانی، مولانا خدا بخش، مولانا نظام الدین، مولانا ابوالوفا، مولانا محمد یٰسین، مولانا عبدالقادر، مولانا محمد فیض اللہ، مولانا محمد صدیق، مولانا محمد حامد، مولانا عبدالرشید، مولانا فخر الدین، مولانا سلیم الدین احمد، مولانا قمر الدین، مولانا عبدالمتین، مولانا محمد فاروق، مولانا محمد ایوب بہاری۔ (ہفت روزہ محبوب حق لائل پور ۳ر جنوری ۱۹۶۴ء ص ۳)

علما کی زیارت:

حافظ ملت کو صدرالشریعہ کی رفاقت میں مقتدر علماء کرام کی زیارت کرنے کا موقع ملتا۔ حضرت اجمیر شریف میں حضرت دیوان سید آل رسول سجادہ نشین کے پاس تشریف لے جاتے اور وہاں علمی باتیں ہوتیں حافظ ملت اس سے استفادہ فرماتے۔ اس طرح سید علی حسین وکیل جاورہ کی بیٹھک میں بھی کبھی کبھی علمی مذاکرہ ہوتا جہاں حافظ ملت اور ان کے بعض ساتھیوں کو شرکت کا موقع ملتا۔ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ تعطیل کے ایام میں کبھی نصیر آباد اس زمانے کے عظیم ولی اللہ حضرت مولانا سید عبدالشکور قادری کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تو حافظ ملت اور دیگر طلبہ بھی حضرت کے ہمراہ جایا کرتے تھے۔

مخدومہ ملت کا وصال:

حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ۔ مخدومۂ ملت رحمۃ اللہ علیہا کا وصال پاک ۱۷ر ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۴ر ستمبر ۱۹۹۴ء بروز ہفتہ صبح قریب ساڑھے سات بجے بھوجپور میں ہوا۔

۲۵ر ستمبر ۱۹۹۴ء کو آپ کی نماز جنازہ حضرت حافظ ملت کے بھائی حضرت مولانا حکیم عبدالغفور صاحب نے پڑھائی اور محلہ کی مسجد فتح پوری کے احاطہ میں مدفون ہوئیں۔

حضرت مخدومۂ ملت انتہائی نیک طینت، بلند اخلاق اور عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔ آپ اوراد و وظائف کی بھی پابند تھیں۔ برسوں سے آپ کی نماز تہجد نہیں چھوٹی تھی۔

بیعت وخلافت:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سلسلۂ قادریہ معمریہ میں داخل ہونے کا اپنا واقعہ اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے۔

''حضرت شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں علیہ الرحمہ ہمارے زمانۂ طالب علمی میں اجمیر شریف پہونچے۔ ان کے پاس سلسلۂ معمریہ تھا جس میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ تک صرف چار واسطے ہیں۔ ہم چالیس رفقائے درس ایک ساتھ اس سلسلے میں داخل ہوگئے اور سلسلۂ چشتیہ اشرفیہ میں طالب ہوئے۔ بعد میں جب مبارک پور آیا اور یہاں حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی تشریف آوری ہوئی تو مجھے خلافت بھی دے دی۔ میں نے عرض کیا حضور! میں تو اس کا اہل نہیں۔ فرمایا: ''داد حق را قابلیت شرط نیست'' (انوار حافظ ملت نمبر ص ١٦)

حضرت صدر الشریعہ سے اجازت وخلافت:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کو صدر الشریعہ، بدر الطریقہ، حضرت علامہ مفتی حکیم محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت واجازت تھی اس طرح آپ اشرفیت اور رضویت کے سنگم بن گئے تھے۔

حضرت مخدوم سمنانی کا فیض:

حضرت مولانا محمد احمد مصباحی بیان فرماتے ہیں:

''غالباً ۹۲ھ کی بات ہے قصبہ کچھوچھہ شریف کے کچھ لوگوں نے حافظ ملت کو ایک اجلاس کی دعوت دی۔ حضرت نے دعوت منظور فرمالی اور کچھوچھہ شریف میں جلسہ کا اعلان ہوگیا۔ پھر کسی وجہ سے جلسہ منسوخ ہوگیا۔ منتظمین نے مبارک پور، منسوخی اجلاس کا ٹیلی گرام کیا۔ مگر حافظ ملت سفر پر تھے۔ اور سفر سے واپسی میں براہ راست کچھوچھہ شریف پہنچ گئے چونکہ منتظمین جلسہ کچھ اونچے لوگوں کے دباؤ میں تھے۔ تیار نہ ہوئے بسکھاری میں حضرت مولانا سید ظفر الدین اشرف صاحب سجادہ نشین ومتولی آستانہ مخدوم سمنانی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ حضرت کو اپنے گھر لے گئے۔ اور دوسرے دن کچھوچھہ شریف میں خاص آستانہ مخدوم سمنانی علیہ الرحمہ پر حافظ ملت کی تقریر کرائی۔

اور بعد تقریر ایک صالح مرد (جو آستانۂ پاک کی مسجد میں معتکف تھے) حضرت کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اس کے بعد حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمہ کا فیض کچھ اس طرح جاری ہوا کہ حافظ ملت جہاں پہونچتے بکثرت حضرات داخل سلسلہ ہونے کے لیے ٹوٹ پڑتے۔ اور آستانہ کے زینے پر (اس روز) تو بیک وقت سینکڑوں کی تعداد میں لوگ بیعت ہوئے۔

حضور حافظ ملت بیان فرمایا کرتے تھے کہ

''جس وقت میں بارگاہ سمنانی میں حاضر ہوا اس وقت سے اتنا روحانی فیض پہنچا اور پہنچ رہا ہے جس کو بیان نہیں کرسکتا''۔ (حافظ ملت نمبر ص ۵۲۵)

حافظ ملت۔ اشرفیت ورضویت کے حسین سنگم کا نام ہے۔ حافظ ملت۔ اشرفی چاند، رضوی اجالا کا نام ہے۔ حافظ

ملت۔ اشرفی پھول۔ رضوی مہک کا نام۔

آپ کو اشرفی اور رضوی دونوں بارگاہوں سے فیض حاصل تھا۔

حافظ ملت ایک سعادت مند شاگرد

حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنے ابتدائی اساتذہ سے لے کر آخری اساتذہ تک سبھی کا شایان شان ادب واحترام کرتے تھے اور اپنے تلامذہ کو بھی استاذ کے ادب کی تلقین فرماتے تھے۔

(۱) مولانا محمد اسلم صاحب مصباحی رقمطراز ہیں:

''حضرت مولانا مجمل ہدیٰ صاحب گیاوی نے جامعہ مسعود العلوم بہرائچ شریف میں ایک بار بیان فرمایا کہ صاحبزادہ گرامی مرتبت مولانا عبدالحفیظ صاحب کو ابتدائی درجوں کی کچھ کتابیں پڑھاتا رہا۔ انہیں ایام میں ایک بار عزیز ملت قبلہ حضرت کے پاس تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی درمیان میں حاضر بارگاہ ہوا تو ارشاد فرمایا: عبدالحفیظ یہ تمہارے استاذ ہیں استاذ کا ادب ضروری ہے''۔ (معارف حافظ ملت ص۴۷)

(۲) مخدوم زادے کا ادب واحترام:

حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب اپنے ابتدائی دور میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے ساتھ بلرام پور کے ایک جلسہ میں تشریف لے گئے، وقت واپسی سے پہلے حافظ محمد حنیف صاحب نے ٹکٹ ایک منگائیں یا دو کا تردد دور کرنے کے لیے حضور حافظ ملت سے عرض کیا: حضور! مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب ساتھ جائیں گے تو ارشاد فرمایا: حافظ جی! آپ نے کیا کہدیا: مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب میرے مخدوم زادے ہیں۔ میں ان کے ساتھ جاؤں گا، وہ میرے ساتھ نہیں جائیں گے''۔ (معارف حافظ ملت ص۴۳،۴۷)

کتابوں کا ادب:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کتاب کے ادب کی بھی تلقین فرمایا کرتے تھے:

آپ قیام گاہ پر ہوتے یا درس گاہ میں کبھی کوئی کتاب لیٹ کر یا ٹیک لگا کر نہیں دیکھتے بلکہ تکیہ یا ڈیسک پر کتاب رکھ کر دیکھتے اور پڑھاتے، قیام گاہ سے مدرسہ یا مدرسہ سے قیام گاہ کبھی کتاب لے کر آنا جانا ہوتا تو کتاب داہنے ہاتھ میں لے کر سینے سے لگالیتے۔ کبھی کسی طالب علم کو ہاتھ میں کتاب لٹکا کر چلتے دیکھتے تو فرماتے: کتاب جب سینے سے لگائی جائے گی تو کتاب سینے میں اترے گی اور جب کتاب کو سینے سے دور کیا جائے گا تو کتاب سینے سے دور ہوگی۔ (ایضاص۴۷)

دارالعلوم اہل سنت اشرفیہ گولا بازار میں شام چار بجے چھٹی کے بعد حضرت شہزادے حافظ عبدالقادر بھائی کے ساتھ ،راقم الحروف اور پرانے مدرسہ میں قیام کرنے والے کئی طلبہ سیڑھی کے پاس حضرت کا انتظار کررہے تھے۔ حضرت تشریف لائے۔ سب لوگ چل پڑے۔ یک بیک حضرت کی نگاہ عبدالقادر بھائی پر پڑی۔ فرمایا: آگے آگے چلو۔ وہ جھجکے۔ فرمایا آپ کے پاس قرآن شریف ہے۔ اس لئے آگے چلنے کو کہہ رہا ہوں۔

حضور صدرالشریعہ اور حافظ ملت

حافظ ملت علیہ الرحمہ کو حضرت صدرالشریعہ مولانا حکیم امجد علی صاحب علیہ الرحمہ سے استاذ اور مربی ہونے کے ناطے نہایت درجہ محبت اور شیفتگی تھی اس لیے کہ انہیں کی نگاہ کرم نے انہیں خزف سے کیمیا بنایا تھا۔ حضرت صدرالشریعہ نے حافظ ملت کو علم وفضل سے بھی نوازا تھا اور ان پر اپنے کردار واعمال کا پورا پورا پرتو بھی ڈالا تھا۔ اس طرح حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ علم وعمل میں ثانی صدرالشریعہ بن گئے تھے استاذ گرامی سے آپ کی والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار قدم قدم پر ہوتا تھا۔ ایک بار خود فرمانے لگے کہ جب میں اجمیر شریف میں طالب علم تھا تو حضرت صدرالشریعہ عصر کی نماز کے بعد مجھے اور مولانا سردار احمد صاحب کو ایک کتاب (غالباً قطبی) کا درس دیتے تھے ہم لوگ حضرت کی درسگاہ سے نکل کر جب باہر ہونے لگتے تو ہم میں کا ہر ایک صدرالشریعہ کے نعلین درست کرنے میں سبقت کرتا حتی کہ کبھی کبھی ہم لوگ ایک دوسرے سے لڑ پڑتے چنانچہ کچھ روز بعد آپس میں یہ طے پایا کہ ہم دونوں ایک ایک پاؤں کا جوتا سیدھا کر دیا کریں تا کہ دونوں برابر فیض اٹھائیں اور کوئی محروم نہ رہے یہ وارفتگی شعور کی پختگی علم کی کاملیت کے ساتھ ہی پختہ ہوتی گئی۔ اپنے مکتوبات میں اکثر یہ القاب استعمال فرماتے۔ ''سیدی ومولائی، مرشدی وملجائی دامت معالیہم'' پتہ اس طرح تحریر فرماتے۔

''بشرف ملاحظہ، اقدس حضرت عظیم البرکت، مولائے نعمت، عالی جناب معلیٰ القاب حضرت صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی صاحب قبلہ زید فیضانہ'' اور بالاستقلال خط کے تمام پر اپنے نام سے پہلے کفش بردار کا لفظ تحریر فرماتے جو صرف کاغذی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے اس غایت محبت کا یہ اثر تھا کہ حافظ ملت صدرالشریعہ کے متعلقین اور عزیزوں پر بھی اپنی جان چھڑکتے اور ان کی خوشنودی تلاش کرتے تھے۔ حضرت صدرالشریعہ کے پوتے مولوی قمرالہدیٰ صاحب کی تعلیم اور خورد ونوش کے انتظام سے متعلق ایک خط میں لکھتے ہیں:

خارج وقت میں ان کو لکھنے کی مشق بھی جلد ہی شروع کرادوں گا۔ ان کا خورد ونوش میرے ساتھ ہے اور میں حضور ہی کا کھاتا ہوں اس لیے حضور اس کا قطعاً خیال نہ فرمائیں۔ حضور کی دعا کافی ہے۔ (محررہ ۲ر صفر ۱۳۶۹ھ از مبارک پور)

مقبول عوام مقولہ ''تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے'' کے بمصداق حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ بھی حافظ ملت پر بے حد شفیق اور باپ سے زیادہ مہربان تھے ان کے دل میں بھی اپنے اس ہونہار شاگرد کے لیے بیحد وقعت اور محبت تھی اور کامل وثوق تھا کہ حافظ ملت سے ملک میں میرے علوم کو فروغ ہوگا اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے مولوی عطاء المصطفیٰ صاحب اور قاری رضاء المصطفیٰ صاحب سے لے کر بعد کے تقریباً تمام فرزندان گرامی اور پوتوں کو حافظ ملت کی سرپرستی میں دے دیا اور لائق شاگرد نے اپنے باوقار استاذ کی عطا کی ہوئی علمی امانت اس کے وارثین تک پہونچانے میں ذرہ برابر کسر نہ اٹھا رکھی۔ محدث کبیر مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ حضور صدرالشریعہ کے کرم سے مجھے علم کا جو کچھ حصہ مرحمت ہوا تھا وہ سب میں نے مولوی ضیاء المصطفیٰ کو دے دیا۔ حضرت حافظ ملت اپنے مخدوم زادوں کے ساتھ بے حد محبت کا برتاؤ کرتے تھے اور ان کی دل جوئی کے لیے بھرپور شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ

حضرت صدرالشریعہ کے لیے حسب دستورکوئی مطلوبہ دوا ارسال فرمائی حضرت نے دوا کی قیمت اور روانگی کی لاگت دریافت فرمائی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

''پارسل پر ٹکٹ ۱۱؍ کا لگا تھا اور ۱۲؍ کی دوا تھی پیسہ میرے پیارے بھائی حافظ رضاء المصطفیٰ سلمہ (حضرت صدرالشریعہ کے صاحبزادے جواس وقت کراچی جامع مسجد کے خطیب ہیں) کو دیے جائیں۔امید کہ اس گذارش کو قبول فرمائیں گے۔(مکتوب)

مگر تعلیمی سلسلہ میں ہمیشہ پابندی وقت کے ساتھ پڑھنے ہی پر متوجہ رکھتے تھے ایسا نہیں کہ غایت درجہ شفقت ومحبت تعلیم کے راستہ میں کسی طرح حائل اور حارج ہوسکے بلکہ معلمانہ اصولوں کی پابندی فرماتے ہوئے موقع بموقع تنبیہ کو بھی لازمی قرار دیتے تھے حضور حافظ ملت اپنے اوقات کے بیحد پابند اس کی قیمت آشنا تھے اس لیے فضول وقت گزاری اور تضییع اوقات کو سم قاتل تصور فرماتے تھے۔ رخصت کے لیے گھوسی سے بھیجی ہوئی قاری رضاء المصطفیٰ صاحب کی درخواست کا جواب دیتے ہوئے انہیں لکھتے ہیں۔

''ضروری کاموں کی فراغت تک رخصت منظور ہے مگر جلد فارغ ہونے اور جلد پہونچنے کی کوشش کریں اب آپ کو بڑی جدوجہد سے تکمیل کرنی ہے وقت کی قدر کرنا اور اس کوغنیمت جاننا آپ کا فرض ہے۔(محررہ ۱۱؍ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ)

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں کہ مبارک پور کی سرزمین پر اشرفیہ جیسا علمی مرکز بنانے میں حضرت صدالشریعہ علیہ الرحمہ کی کامل توجہ شامل حال تھی آپ حافظ ملت کو اپنا نائب مطلق تصور فرماتے تھے اس لیے اس وادیٔ پر خار میں علوم و عرفان کی چمن بندی کے لیے انہیں منتخب کیا اور روانہ فرمادیا۔مبارک پور روانہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ''حافظ صاحب میں آپ کو اکھاڑے میں بھیج رہا ہوں'' اس پر حافظ ملت نے عرض کیا حضور اکھاڑے میں اترنے کے لیے کچھ داؤ پیچ بھی بتائیے۔ارشاد ہوا خدا آپ کا حافظ وناصر ہے۔

خدا کا نام لے کر حافظ ملت نے مبارک پور میں قدم رکھا اور اس اکھاڑہ سے کامیاب وکامراں گزرے۔اشرفیہ کے پر پیچ حالات میں وہ حضرت صدرالشریعہ سے ہمیشہ مشورہ فرماتے رہے اور اشرفیہ کے لیے تگ وتاز میں انتظام وانصرام سے لے کر تعلیم وتعلم تک ہر معاملہ میں ان کی رائے گرامی بہر حال حاصل کرتے۔انتظامیہ کے دانشمند لوگ بھی حضرت صدرالشریعہ کے مشوروں کو ہمیشہ مقدم رکھتے تھے۔حافظ ملت کا تو یہ حال تھا کہ ان کی مرضی ہی سے ہر کام کرتے تھے اس کے خلاف کچھ بھی نہیں۔حضرت مولانا شمس الحق صاحب مدرس اشرفیہ کونا گپور سے تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت ممدوح مدظلہ میرے مالک ہیں ان کے حکم کے خلاف میں کہیں بھی نہیں رہ سکتا''

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کو اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ ہمارے ضلع میں اسلام وسنیت کے کام کی سخت ضرورت ہے اور مبارک پور کی سرزمین اس کے لیے ایک مناسب مقام ہے چنانچہ ۱۳۵۲ھ میں حافظ ملت کی آمد کے بعد یک بیک ماحول کی کایا پلٹی اور قوم نے بیداری کی کروٹ کے بعد تعمیری کاموں کی جانب توجہ کی حافظ ملت کی روشن

خدمات نے مبارک پور اور ضلع کی پوری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی اور تعلیمی نظام شہرت پذیر ہو چکا تھا اس لیے ادارہ کے انتظامی امور کی درستگی بھی ضروری تھی مگر ایک مدرس کو کسی ادارہ کے انتظامی امور میں بھی دخیل بنالیا جائے اور اس کے تجربات وعلمی گہرائی سے اس راہ کو بھی آسان کرلیا جائے مبارک پور کے لوگ اس پر عامل نہ ہو سکے حالانکہ عامۃ الناس کی ادارہ سے وابستگی اور آمدنی کے سارے ذرائع حافظ ملت کی شخصیت سے وابستہ تھے مگر انہوں نے کبھی از خود یہ پسند نہ فرمایا کہ انتظامیہ میں کسی طرح دخل اندازی کی جائے مگر جب حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں اور کسی کی شبانہ روز مساعی کا خرمن آنکھوں کے سامنے تاراج ہو رہا ہو تو وہ اسے کس طرح گوارہ کرسکتا ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ پہ بھی ایسے ہی حالات آئے۔ اشرفیہ کے لیے دن رات مشقتیں اٹھانے والوں کو چار چار ماہ تک تنخواہیں نہ مل سکیں۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے نام لکھتے ہیں:

''مدرسہ کی انتظامی حالت ابھی اسی رفتار پر ہے آج چوتھے مہینے کی چار تاریخ ہوگئی لیکن تنخواہ تقسیم نہیں ہوئی سفارت کی آمدنی بھی سال گذشتہ کے برابر ہوئی۔ مگر اس کے باوجود ان لوگوں کی پیشانیاں شکن آلود نہ ہوئیں بلکہ نہایت ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ لگے رہے اور ان تمام پریشانیوں کے ہوتے ہوئے اپنے فرائض میں کوئی کوتاہی نہ کرتے ایک دوسرے مکتوب میں ہے:

''غلام نہایت خاموشی سے مدرسہ کا کام کرتا ہے اور اسی طرح ارشاد عالی کے مطابق جب تک منظور رب ہے خدمت کرتا رہے گا حضور سے التجا ہے کہ اس ناکارہ غلام کے لیے دعاے خیر فرمائیں''۔ (حافظ ملت نمبر ص ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴)

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ایک خط میں اشرفیہ کی بدنظمی اور قصبہ کے لوگوں کی بددلی کی بابت اطلاع دیتے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ نے حضرت حافظ ملت کو حالات کی ناسازگاری کے باوجود مبارک پور سے الگ نہ ہونے دیا اور پامردی سے حالات کا مقابلہ کرنے کی تاکید فرماتے رہے جس کے نتیجے میں مبارک پور اور اشرفیہ کے حالات میں پھر انقلاب آیا اور ادارہ ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا۔

صدر الشریعہ کی دعائیں اور حافظ ملت کی محنت رنگ لائیں۔ حضرت اپنے مربی ومحسن اور استاذ معظم صدر الشریعہ کو اس کی بھی اطلاع دیتے ہیں اور خط میں لکھتے ہیں کہ مدرسہ کا تعمیری چندہ جمع کیا جارہا ہے۔ (ایضا ص ۲۵۵)

دار العلوم کی شکل اختیار کرنے کے بعد اشرفیہ کے اخراجات بڑھنے لگے لہذا حضور حافظ ملت کو ایسے ذرائع کی تلاش ہوئی جن سے پورا عملہ بحسن وخوبی اپنا کام انجام دے سکے۔ اس سلسلے میں جب حافظ ملت نے صدر الشریعہ کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا تو حضرت صدر الشریعہ نے حضرت کے اس مکتوب کے جواب میں غالباً باہر کے تمام مدرسین کے علاوہ حافظ ملت کو کچھ اہم مقامات پر چندہ کی وصولی کے لیے جانے کا اشارہ فرمایا۔

جب حضرت حافظ ملت ۱۳۶۱ھ میں جامعہ عربیہ ناگپور چلے گئے تو اشرفیہ انتشار وبدحالی کا شکار ہوگیا۔

صدرالشریعہ کو حافظ ملت کا اشرفیہ کے سوا کہیں اور جانا گوارا نہ ہوا خود مبارک پور کے باہوش مسلمان بھی خط وکتابت اور دیگر ذرائع سے حضرت حافظ ملت کو مبارک پور آنے کی دعوت دیتے رہے آخر صدرالشریعہ نے مبارک پور کے حالات کی درستگی اوراشرفیہ کے استحکام کی خاطر حضرت حافظ ملت کو مبارک پور واپس آنے کا حکم مرحمت فرمایا۔

سعادت مند شاگرد نے اپنے آقا اوراستاذ کے حکم پر لبیک کہا اور مبارک پور واپس تشریف لے آئے۔

استاذ کی بارگاہ کا ادب:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں ہمیشہ دو زانو بیٹھتے۔ حضور صدرالشریعہ کسی ضرورت سے کچھ دیر کے لیے کہیں تشریف لے جاتے تو سب لوگ کھڑے ہوجاتے۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان جب کمرہ سے باہر ہوجاتے تو سب لوگ بیٹھ جاتے پھر وقت واپسی سب لوگ کھڑے ہوجاتے مگر حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان حضرت صدرالشریعہ علیہما الرحمۃ والرضوان کی واپسی تک ہاتھ باندھے کھڑے ہی رہتے۔ جب حضرت صدرالشریعہ واپس آکر تشریف فرما ہوجاتے اس کے بعد حافظ ملت پھر دو زانو بیٹھتے۔(معارف حافظ ملت ازمولانا محمد اسلم صاحب مصباحی ص ۴۷)

استاذ کی خدمت گزاری:

مبارک پور تشریف لانے کے بعد حضرت حافظ ملت کو جب بھی یہ خبر ملتی کہ صدرالشریعہ رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنہ سٹھیاؤں اسٹیشن سے فلاں دن فلاں ٹرین سے گزرنے والے ہیں تو کھانا لے کر اسٹیشن ضرور جاتے۔(ایضا ص ۲۹ ملخصا)

صدرالشریعہ اور حافظ ملت:

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ حضور حافظ ملت کو اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے ان کی تعلیم وتربیت میں آپ ہمہ وقت کوشاں رہتے اور فرماتے۔ ''کچھ بھی ہوجائے عبدالعزیز کا ایک سبق بھی نہیں چھوٹ سکتا''

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنے آپ کو اپنے مربی، استاذ معظم اور مرشد اجازت سرکار صدرالشریعہ کا آئینہ بنالیا تھا اور وہ بہر طور صدرالشریعہ کے مظہر اتم بن گئے تھے۔

حافظ ملت قدس سرہ اپنے اکثر اوصاف میں بھی اپنے استاذ گرامی کے نقش قدم پر تھے۔ مبارک پور میں عمر کا نصف زمانہ زہد کی حالت میں گزار دیا۔ پرانے مدرسے کی خام عمارت میں حضرت کی قیامگاہ کا حصہ جس حال میں اس کے قدیم مالک اگروال سے خریدا گیا تھا اس میں کوئی آرام بخش تبدیلی بالکل نہیں کی گئی سوائے اس کے مغربی حصے کے کہ ایک دیوار کے ذریعہ گھیر کر طلبہ کی رہائش کے لیے کچھ جگہ الگ کردی گئی۔ حضرت کے آنگن میں جو پانی کا نل فٹ تھا اس سے ہمیشہ گدلا پانی نکلتا تھا۔ حضرت اپنے کپڑے دھونے اوروضو وغسل کے لیے وہی پانی استعمال کرتے تھے البتہ پینے کے لیے پانی حاجی خلیل احمد صاحب یا نذیر صاحب کے گھر سے لایا جاتا تھا۔ بسا اوقات حضرت اپنی ضرورت کا پانی لینے خود تشریف

لے جاتے تھے ۔بھوجپور ضلع مرادآباد میں بھی حضرت بوسیدہ ہی مکان میں سالانہ تعطیل گزارتے تھے۔ اخیر زمانے میں ارباب عقیدت نے زور دے کر مکان بنوانے کی گزارش کی جسے حضرت کے صاحبزادگان نے تعمیر کرایا۔ اور حافظ ملت کی اپنے طلبہ پر شفقت تو ایک ایسا عنوان ہے جس کے مضامین تلامذۂ حافظ ملت کے سینوں پر نقش ہیں۔ اس میکدہ کا ہر میخوار حافظ ملت کی عنایت کے نشہ سے مخمور ہے۔

صدرالشریعہ، حافظ ملت اور محدث اعظم پاکستان:

حافظ ملت کو صدرالشریعہ کی بارگاہ میں وہ رسوخ حاصل تھا کہ آپ اپنے اور اپنے احباب ومخلصین، تلامذہ اور دیگر اسلامی اداروں اور جامعات کی ضرورتوں کو ان کی بارگاہ میں پیش کیا کرتے تھے ایک طرف انہیں مدارس کی بقا اور استحکام کی فکر رہتی تو دوسری طرف یہ خیال بھی رہتا کہ باوقار علما و مدرسین کے اوقات ضائع نہ ہوں اس لیے شروع دور ہی سے آپ علماء کی تقرریوں کے سلسلہ میں حضور صدرالشریعہ سے برابر مشاورت کرتے رہتے تھے۔

۲۴ ر رمضان ۵۷ھ رنومبر ۱۹۳۸ء کے ایک مکتوب میں بریلی شریف کے دارالعلوم کی کمزور حالت کے پیش نظر اپنے جگری رفیق محدث پاکستان حضرت علامہ مولانا محمد سردار احمد لائل پوری کی درخواست بارگاہ صدرالشریعہ میں پیش کرتے ہیں۔

''مکرمی جناب مولوی سردار احمد صاحب نے بریلی کی نازک حالت تحریر کی۔ امسال مالی نقصان بہت ہوا۔ آئندہ کے لیے بھی کوئی اطمینان نہیں ظاہر ہے ایسی حالت میں قیام دشوار ہے۔ حضور کی نظر کرم کے متمنی ہیں'' (مکتوب عزیزی ۲۴ ر رمضان ۵۷ھ)

حافظ ملت اہل سنت کے اندر پیدا ہونے والے معمولی اختلافات سے بھی بیحد پریشان ہوجایا کرتے تھے اور ان کی خواہش ہوتی کہ علما و اکابرین اور ہمارے مراکز علمیہ کے ذریعہ بھی کہیں کسی طور پر ایسی فضا پیدا نہ ہو جس سے سنیت بدنام ہو اور اکابر اہل سنت کے نام پر کوئی دھبہ آئے حافظ ملت علیہ الرحمہ فطری طور پر ایک دردمند انسان تھے جن کا دل دینی مدارس کی بدحالی اور دشواریوں پر کافی ملول ہوتا تھا نہ صرف یہ کہ آپ جس ادارہ سے متعلق ہوتے اسی کی فکر اور اسی کا خیال رہتا بلکہ شعور بخشی کے ان تمام کارخانوں پر ان کی برابر نگاہ رہتی تھی جہاں سے دین ودانش کا کام ہو رہا ہو اپنی علالت کے دوران جب آپ نینی تال میں بسلسلہ علاج تشریف فرما تھے اس زمانہ میں بھی آپ ان حالات سے غافل نہیں تھے چنانچہ نینی تال سے ہمالیہ ہوٹل کمرہ ۲۳ر سے مرسلہ مکتوب میں بریلی شریف کے حالات پہ جس انداز سے لکھتے ہیں اس سے ان کی ذہنی وسعت اور جماعتی انتشار سے اندرونی تکالیف کا اندازہ ہوتا ہے غالبًا یہ وہی دور ہے جب مدرسہ مظہر اسلام عالم وجود میں آیا تھا۔ حضرت حافظ ملت متحد و متفق ہو کر کوئی کام کرنا کامیابی کی ضمانت اور منتشر و متفرق کوششوں کو اس کے بالمقابل ہمیشہ غیر مؤثر تصور فرماتے تھے اس لیے ان کو اس حالت سے بیحد تکلیف ہوئی جس کی غماز ان کی یہ تحریر ہے۔

''موصوف (مولانا سردار احمد صاحب) نے تحریر فرمایا ہے کہ بی بی جی کی مسجد میں درس جاری کردیا ہے سب طلبہ وہیں آتے ہیں۔ بریلی کے اور واقعات کا کچھ علم نہیں کیا قضیہ ہوا۔ اور مدرسہ ایک جگہ ہو کر پہلی حالت پر آیا یا نہیں مولیٰ

تعالیٰ رحم فرمائے۔ بے دینوں کو ہنسی کا موقع نہ ملے۔،،

حضرت حافظ ملت اور حضور محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد صاحب گورداسپوری ایک دوسرے کے بڑے مخلص تھے۔ دونوں صدر الشریعہ کے خاص تلامذہ میں تھے۔ ہر قول وفعل حرکات وسکنات، نشست وبرخاست میں اتباع سنت کو ملحوظ رکھتے تھے۔

ایک دوسرے کا آئینہ:

قیام اجمیر کے دور کا مشاہدہ کرنے والے علما میں سے حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ مارہروی علیہ الرحمہ اور متعدد اکابر نے اس بات کا ذکر کیا کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ اور محدث پاکستان مولانا سردار احمد گورداسپوری علیہ الرحمہ اپنے کردار وعمل، تقویٰ شعاری، آداب اساتذہ، محنت وریاضت میں ایک دوسرے کا آئینہ تھے حافظ ملت علیہ الرحمہ محدث پاکستان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''خوف الٰہی، خشیت ربانی، زہد وتقویٰ، اتباع سنت، آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔،،

مبارک پور میں حافظ ملت کی آمد:

حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ والرضوان ۲/ذوالقعدہ ۱۳۵۲ھ کو اپنے مربی ومحسن، استاذ معظم اور مرشد اجازت حضور صدر الشریعہ علامہ مولانا محمد امجد علی اعظمی نور اللہ مرقدہ کے حکم سے مبارک پور تشریف لائے۔

آپ خود فرماتے ہیں:

''شوال ۱۳۵۲ھ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے خط بھیج کر مجھے وطن سے بریلی شریف بلایا۔ خط میں کوئی تفصیل نہیں تھی۔ وہاں پہونچا تو فرمانے لگے میرا ضلع بالکل خراب ہوگیا، دیوبندیت بڑھ رہی ہے اس لیے میں آپ کو دین کی خدمت کے لیے بھیج رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا حضور! میں ملازمت نہیں کرنا چاہتا۔ فرمایا: میں نے آپ سے ملازمت کے لیے کب کہا، میں تو خدمت کے لیے کہہ رہا ہوں۔ آپ ملازمت سمجھ کر جایئے بھی نہیں۔ میں چپ ہوگیا تو فرمانے لگے: میں آپ کو دین کی خدمت کے لیے مبارک پور بھیجتا ہوں جایئے۔ میں چلا آیا۔

حافظ ملت کی شخصیت کی ایک نور بار جھلک:

بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی رقمطراز ہیں:

''سر پر راجستھان کے کیسری رنگ میں رنگا ہوا عمامہ، جسم پر بادامی رنگ کے نیچے دامن کی شیروانی، شرعی پاجامہ اور پیر میں لدھیانہ کے سرخ رنگ کے جوتے، ہاتھ میں بانس کی چھڑی (غالباً مرزاپوری) مختصر قد اور معمولی جسم وجثہ کے انسان اور نگاہیں نیچی کر کے چلنے کی ایک امتیازی شان! تقریباً نصف صدی کی اس طویل مسافت میں زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ وقت نے کیا کیا رنگ بدلے، غلام آزاد ہوئے اور آزادوں نے حیوانوں کا روپ دھار لیا، تہذیب وتمدن بدل گیا، عقائد ورسوم بدل گئے، وضع قطع اور پوشش وخورش میں انقلاب آگیا مگر حافظ ملت کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان

کے حضور زمانہ کی نبض ٹھہرگئی ہے اور وقت کی ساعت نما میں ٹائم کا کانٹا پچاس سال پیچھے کھسک گیا ہے۔ بالوں کی سپیدی کے علاوہ زمانہ کے مرور کا کوئی اثر آپ ان پر ملاحظہ نہیں کر سکتے۔

اللہ اللہ! اس طویل مدت میں کتنے طوفان آئے، بگولے پیدا ہوئے، آندھیاں اٹھیں کہ بڑے سے بڑے پہاڑ ہل گئے لیکن آپ کی وضع قطع کیا بدلتی، چال میں بھی سرموفرق نہیں آیا۔ وہی لباس جو چالیس سال قبل تھا اور وہی رفتار جو چالیس سال پہلے تھی۔ حد یہ ہے کہ چالیس سال قبل جو کہہ دیا تھا آج بھی اس میں ترمیم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے جیسے شمع حقیقت کی لو خطرناک تھپیڑوں میں جلتی رہی، دبیز تاریکیوں میں بھی مسلسل فروزاں رہی۔

تری شمع حق نما میں ہے وہ زور رہنمائی　　　　کہ ہزار آندھیوں میں نہ بجھی نہ جھلملائی

(مدرسہ اشرفیہ سے الجامعۃ الاشرفیہ تک (قسط دوم) مشمولہ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، شمارہ جون ۱۹۸۴ء ص ۱۰)

حافظ ملت اور مبارک پور کا پہلا علمی معرکہ۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مبارک پور میں آنے سے سنیت کے خزاں رسیدہ چمن میں ایک بہار آ گئی لیکن مجنونان لیلیٰ نجد، وہابیہ، دیوبندیہ کے سینوں میں جوالا بھڑک اٹھی۔

حضور بحر العلوم علامہ مفتی عبدالمنان قبلہ اعظمی تحریر فرماتے ہیں:

''قیام وطعام کے انتظام اور طلبہ کے مشغلہ علمی کی وجہ سے پورے مبارک پور میں ایک علمی ہلچل پیدا ہو گئی جس کا اثر اشرفیہ کے حلقے سے باہر بھی محسوس کیا جانے لگا۔

اور میرے خیال میں یہی سبب بنا اس برق رفتار علمی اور دینی ترقی کا، جس کے نتیجے میں مبارک پور بے علمی وجہالت کی نچلی تہوں سے نکل کر شہرت وعروج کی اس بلند ترین سطح پر پہنچ گیا کہ بقول علامہ ارشد القادری۔

''سارے ہندوستان میں جہاں سے چاہے مبارک پور کو دیکھ سکتے ہو''

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولوی شکر اللہ صاحب جواب تک بلا شرکت غیرے مبارک پور کے علمی سرخیل بنے ہوئے تھے مبارک پور میں ہونے والی ان خوشگوار تبدیلیوں کو برداشت نہ کر سکے اور چیلنج دینا شروع کیا۔

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں ذوالقعدہ ۵۲ھ میں مبارک پور آیا، میری تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا اور محرم کی دس تاریخ آئی، عاشورا کو دن میں تقریباً ۸ ربجے سے ۱۰ ربجے تک جامع مسجد راجہ مبارک شاہ میں ذکر شہادت کی مجلس میں میرا بیان ہوا۔ جو انتہائی مؤثر، رقت انگیز اور کامیاب ہوا، اس کے تأثر میں مجمع سے خاصی تعداد میرے ساتھ پرانے مدرسہ آئی اور باتوں باتوں میں یہ تذکرہ چل نکلا کہ مولوی شکر اللہ صاحب کہتے پھرتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ یہاں کوئی ''مدرسہ اشرفیہ'' بھی ہے اگر اس کا کوئی مدرس ''شرح جامی'' پڑھا دے تو میں اس کو پانچ روپیہ دوں۔ اس پر میں نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ میری طرف سے ان سے کہہ دیں کہ ''جو کتابیں یہاں اشرفیہ میں ہو رہی ہیں اگر کسی کتاب کا ایک سبق بھی وہاں کا کوئی مدرس ہمارے

طالب علموں کو پڑھا دے تو میں اسی پانچ پر دو صفر کا اضافہ کر کے انہیں پانچ سو روپے انعام دوں گا"۔ لیکن میرے اس پیغام کا ادھر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ میرے جلسے برابر ہوتے رہے اور قبول عام بڑھتا رہا، یہاں تک کہ اس وقت اس جماعت کے ایک نہایت اہم رکن اور قصبہ کے موثر مالدار جناب حاجی محمد عمر صاحب (پورہ صوفی) نے متاثر ہو کر میرے وعظ کا اپنے یہاں انتظام کیا اور جلسہ بے حد کامیاب رہا۔ یہ چیز مولوی شکر اللہ صاحب اور ان کی جماعت کے لیے برداشت سے باہر ہوگئی کہ اگر اسی طرح ایک ایک فرد ٹوٹ ٹوٹ کر ادھر جاتا رہا تو ایک دن ہم مبارک پور میں تنہا رہ جائیں گے اس لیے ان لوگوں نے جوابی جلسہ کیا اور میری تقریر کا رد کیا۔

عوام اہل سنت میرے پاس آئے کہ اس کا جواب ہونا چاہیے۔ میں نے کہا ہم یہاں کام کرنے آئے ہیں اور الجھنے میں کام کا حرج ہوگا آپ لوگ مجھے چپ چاپ کام کرنے دیجیے وہ خود ہی کہہ سن کر خاموش ہو جائیں گے۔ لیکن عوام کا شدید اصرار ہوا کہ جواب میں تردیدی تقریر ہونی چاہیے چنانچہ ادھر سے بھی جلسہ ہوا جس میں ان کے تمام اعتراضات کے جواب دیئے گئے اور چند ایسے مواخذے بھی کیے گئے کہ وہ مجبور ہو کر جواب دیں، پھر کیا تھا مناظرانہ جلسوں کا ایک دور چل پڑا اور مسلسل چار ماہ تک یہ عالم رہا کہ ایک دن اہل سنت وجماعت کی طرف سے مبارک پور کے کسی محلے میں مجلس ترتیب دی جاتی، لوگ جمع ہوتے، تخت بچھتا، نظم خوانی ہوتی، تکبیر رسالت وغوثیت کے نعرے لگتے اور فضا دہلنے لگتی۔

دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کے جواب دیئے جاتے پھر ان پر مواخذہ ہوتا، مزید برآں ان کے مذہب کے خفیہ گوشوں کی نقاب کشائی ہوتی۔

دوسرے روز اسی مقام کے آس پاس ہی دیوبندی حضرات بھی اپنی بزم سجاتے اور جیسا کچھ ہو پاتا سنی مواخذوں کا جواب دیتے۔ اعتراضات کرتے اور مذہب حق اہل سنت وجماعت پر خود ساختہ الزامات عائد کرتے۔ اپنی دانست میں تو سنیوں کو رسوا کرتے لیکن فی الحقیقت خود ہی ننگے ہوتے اور اس کام کے لیے دیوبندی علما کی ایک پوری ٹیم رات دن جٹی رہتی۔ ادھر حافظ ملت کا یہ عالم تھا کہ یکہ وتنہا پورے مدرسہ کے طالب علموں کو روزانہ تیرہ تیرہ سبق پڑھاتے جس میں سب سے نیچی کتاب شرح جامی تھی اور دیوبندی حضرات کی تقریروں کی رپورٹ دیکھ کر ان کے تمام اعتراضات کے جواب تیار کرتے، پھر مواخذہ مرتب فرماتے، اونچے درجہ کے طلبہ کو دیتے کہ اس کو تم کہنا، اس کو تم بیان کرنا، اور خاص خاص مسائل اپنے لیے منتخب کر لیتے، پھر جلسے میں رات کے ایک ایک بجے تک تقریریں کرتے۔ الغرض اکیلے ہی پوری مشینری کو رواں دواں رکھے ہوئے تھے۔

اونچے درجے کے ان طلبہ میں جو ان جوابی جلسوں میں اہل سنت وجماعت کی بہتر ترجمانی کرتے مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب کا نام کافی اہمیت رکھتا ہے موصوف اب تو بھاری بھرکم پیر ہیں تب نہایت دبلے پتلے، ایک ذہین اور قادر الکلام مقرر تھے۔ جو لوگ انہیں ایام میں ان کی تقریروں سے بیحد متاثر ہوئے تھے بعد میں بھی اکثر ان کی خوش بیانی کی تعریفیں کرتے تھے۔

اسلام وسنیت کی فتح مبین ۔حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز کے مذکورہ بالا کام کی کثرت دیکھتے ہوئے

مبارک پور کے سنیوں نے آپ سے درخواست بھی کی کہ حضور مدد کے لیے کچھ علما کو بلا لیا جائے۔ آپ نے منع فرمایا۔ تم بے خوف رہو باطل کی تمام طاغوتی طاقتوں کے لیے غالب پروردگار کا اکیلا بندہ (عبد العزیز) ہی کافی ہے جیسے آپ کا کوئی حوصلہ بڑھانے کے لیے یہ آیت پڑھ رہا ہو۔ "لَاتَخَف اِنَّکَ اَنتَ الاَعلٰی"

حق کی فتح مبین:

اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگِ لاتخف
مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی

جیسے انہیں سنا دیا گیا ہو "جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا" حق کی آواز باطل کے غوغا سے دب نہیں سکتی اور سچائی کا نور گمرہی کی تاریکیوں سے خوف نہیں کھا سکتا۔

نہ دب سکیں گے خدائی پکار ہیں ہم لوگ
صدائے حق کسی صورت سے دب نہیں سکتی

اور واقعی چار مہینے کے بعد باطل کی ظلمت کافور تھی، حق کا نور مسکرا رہا تھا اور اہل سنت و جماعت گھر گھر کی چاندی اور کوچہ و بازار کا اجالا تھا۔

اہلِ سنت و جماعت کا آخری جلسہ محلّہ پورہ رانی میں ہوا جس میں ہزارہا انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لہریں لے رہا تھا۔ جب حضور حافظ ملت کی تقریر ختم ہوئی تو اس وقت مبارک پور کے تھانہ انچارج داروغہ فہیم احمد صاحب پورے جوش اور جذبہ میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔

"مولانا! اس پورے دوران میں دونوں طرف کے جلسوں میں شریک ہوتا رہا مجھے اپنے عہدہ کے لحاظ سے یہ کہنا نہیں چاہیے لیکن میں حق کی شہادت سے مجبور ہوں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی خوف نہیں کہ حق آپ کے ساتھ ہے اور میں آپ کی فتح کا اعلان کر رہا ہوں"۔

لیکن حقیقی اعلان فتح تو یہ تھا کہ دوسرے دن پرشوق نگاہوں اور مضطرب آرزؤں نے ہزار تلاش کیا کہ مخالف کیمپ سے بھی حسب دستور اعلان ہو، جلسہ ترتیب دیا جائے اور مولوی شکر اللہ صاحب اپنی قدیم گھن گرج کے ساتھ سریر آرائے خطابت ہوں لیکن دیدۂ شوق اور دلِ آرزومند کو مایوس ہونا پڑا۔

سنیت کی بہارِ نو:

عوام اہل سنت کی وہ بھیڑ جو حافظ ملت سے قبل مایوسیوں کے اندھیرے میں ناامیدی کے دن کاٹ رہی تھی، بے حسی کی موت نے جس کی آنکھیں پتھرا دی تھیں ایک مسیحا نفس کے دم حیات بخش کے اثر سے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ انگڑائی لے کر کھڑی ہو گئی اور بغیر کسی سابقہ ٹریننگ اور تربیت کے رضا کارانہ طور پر ہر شخص نے وہی کام اپنے ذمہ لے لیا جس کی صلاحیت وہ قدرتی طور پر رکھتا تھا مثلاً مناظرانہ جلسوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ مخالف تقریروں کی مکمل رپورٹ دستیاب ہو اور مبارک پور جیسے معمولی قصبے میں شارٹ ہینڈ رائٹروں کا وجود عنقا لیکن مرحوم محمد محمود صاحب عرائض نویس اور مددگار زکریا صاحب نے از خود یہ زحمت دور کر دی اور مسلسل چار ماہ تک مولوی شکر اللہ صاحب اور ان کے مددگار

مقروں کی مکمل تقریریں نوٹ کر کے صبح ہی صبح حضور حافظ ملت (نور اللہ مرقدہ) کی خدمت میں حاضر کر دیتے ۔ کسی کسی روز تو فل اسکیپ سائز کے بارہ بارہ ورق انہوں نے لا کر دیئے اور اس ڈیوٹی میں ایک دن بھی کوتاہی نہیں کی''۔ (مدرسہ اشرفیہ سے الجامعۃ الاشرفیہ تک مشمولہ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور بابت ماہ نومبر ۱۹۸۴، دسمبر (چوتھی و پانچویں قسط ص ۷،۶)

حق و باطل کے درمیان خط امتیاز:

اب حق واضح ہو چکا تھا ۔ سنی اور دیوبندی الگ الگ ہو گئے تھے ۔ فریقین نے ایک دوسرے سے قطعاً علیحدگی اختیار کر لی تھی ۔

تخریب میں تعمیر کا پہلو:

محرم الحرام ۵۲ھ سے شروع ہونے والے مناظرانہ جلسہ کا اختتام ہو چکا تھا۔ اشرفیہ کے ارباب حل وعقد نے اشرفیہ کی تعمیر جدید کا منصوبہ قوم کے سامنے رکھا۔ حضرت حافظ ملت نے جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ تقریر کی اور مسلمانوں کو مدرسہ کی ضرورت دکھاتے ہوئے جدید عمارت کی طرف توجہ دلائی ۔ چندہ شروع ہو گیا۔

چندہ کا سلسلہ حضرت حافظ ملت کی تشریف آوری کے ۷،۸ ماہ بعد شروع ہو کر جمادی الاخریٰ ۱۳۵۳ھ کے اخیر میں ختم ہوا۔

مدرسہ مصباح العلوم باغ فردوس کا سنگ بنیاد:

حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی، حضرت علامہ محمد محبوب اشرفی رحمۃ اللہ علیہ اور کتاب ''اشرفیہ کا ماضی اور حال'' کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''مدرسہ اہل سنت مصباح العلوم کی دینی خدمات نے شوال ۱۳۵۳ھ کا وہ وقت بھی دکھایا جو تاریخ مبارک پور میں خصوصیت رکھتا ہے کہ مدرسہ ہذا کے سالانہ جلسے اور جدید عمارت کے سنگ بنیاد کی تقریب میں حضرت مولانا شاہ علی حسین اشرفی میاں قبلہ قدس سرہ و حضرت محدث صاحب قبلہ مدظلہ و حضرت صدر الشریعہ صاحب قبلہ دامت برکاتہ وغیرہ علماء کرام نے سرزمین مبارک پور کو اپنے ورود مسعود سے زینت بخشی ۔ اسی موقع پر مدرسہ مصباح العلوم کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

بعد نماز جمعہ حضرت محدث صاحب قبلہ (محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی الجیلانی کچھوچھوی قدس سرہ) نے تقریر فرمائی، رسم بنیاد ادا کرنے کا اعلان ہوا۔

ان بزرگان دین نے اپنے مبارک ہاتھوں سے مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا۔

دوسرے روز جامع مسجد کے جلسۂ عام میں جہاں تقریباً ڈھائی ہزار کا مجمع تھا حضرت شاہ علی حسین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ (حضور اشرفی میاں کچھوچھوی نور اللہ مرقدہ) کی خدمت میں نذر پیش کرنا چاہیں مگر حضرت قبلہ نے قبول نہ فرمائیں بلکہ کئی روپیہ اپنی جیب سے اس وقت مدرسہ کو عطا فرمائے ۔ مجمع کو بھی مدرسہ کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ:

''فقیر نے تو اپنی کرنی دکھادی ۔ اب تم لوگ بھی اپنی کرنی دکھاؤ''۔

اس تعمیر جدید کی مناسبت سے مبارک پور کے ایک مشہور شاعر زمانؔ مبارک پوری نے اس کا تاریخی نام ''باغ فردوس'' تجویز فرمایا۔

۱۳۵۲ھ

اس زمانے میں مبارک پور کے شعرا جناب فقیر اللہ اسعدؔ مبارک پوری، میاں صاحب عبدالکریم عاشقؔ اور زماںؔ صاحب کی پر جوش نظموں نے بھی قلوب کو متوجہ کرنے میں کافی مدد پہنچائی''۔(مدرسہ اشرفیہ سے دارالعلوم اشرفیہ تک از مولانا عبدالمبین نعمانی مشمولہ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور۔ مئی و جون ۱۹۷۷ء)

مبارک پور میں علمی بہار کا آغاز:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے مبارک پور میں جس تعلیم کا آغاز فرمایا تھا وہ بھی چشمۂ آب حیواں سے سیرابی جیسا تھا۔ با صلاحیت طلبہ جس کے منتظر تھے۔ کچھ کو حافظ ملت نے خود بذریعہ خط بلوایا جیسا کہ حضرت مولانا سراج الہدیٰ صاحب گیاوی علیہ الرحمہ سجادہ نشیں آستانہ بیت الانوار، گیا (بہار) فرماتے ہیں:

''میں اس وقت مرادآباد جامعہ نعیمیہ میں پڑھتا تھا۔اجمیر مقدس دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کے دوران قیام حافظ ملت سے میں بہت مانوس اور متاثر تھا۔ مبارک پور تشریف لانے کے بعد سلسلۂ درس وتدریس کا آغاز کرنے کے لیے حافظ ملت کو چند منتہی طلبہ کی ضرورت پیش آئی چنانچہ حضرت نے از راہ شفقت ودلنوازی جن چند طلبہ کو خطوط لکھ کر اپنے پاس بلوایا تھا ان میں سے ایک میں بھی تھا۔ میرے بعد قاری اسد الحق صاحب، مولوی محمد خلیل کچھوچھوی، مولوی محمد عثمان ممبئی والے، مولانا محمد عباس کٹکی بھی یکے بعد دیگرے حضرت کی خدمت میں پہونچ گئے۔ (حافظ ملت نمبر ص ۱۰۷)

۱۳۵۷ھ میں حضور حافظ ملت نے درس بخاری کا آغاز کر دیا تھا۔ مبارک پور کا تعلیمی نظام شہرت پذیر ہو چکا تھا۔ لیکن ادارہ کا نظم وضبط درست نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ منتظمین ادارہ یا انتظامیہ کمیٹی کسی مدرس کا دخل انتظامی امور میں برداشت نہیں کر سکتی تھی اور خود حضور حافظ ملت بھی اس میں دخل نہیں دینا چاہتے تھے حالانکہ اہل مبارک پور ان سے حد درجہ مانوس ہو چکے تھے وہ ہر ایک کے دکھ درد اور ہنسی خوشی کے ساتھی بن چکے تھے۔ وہ اور اساتذہ طلبہ کی تعلیم اور فروغ ادارہ کے لیے جی جان سے کوشش کر رہے تھے لیکن اشرفیہ کے لیے دن رات مشقتیں اٹھانے والوں کو چار چار ماہ تک تنخواہیں نہ مل سکیں لیکن اس کے باوجود خود حضرت اور دیگر مدرسین کی پیشانیاں شکن آلود نہ ہوئیں اور اپنے فرائض میں کسی کوتاہی کے بغیر تن دہی سے اپنا کام کرتے رہے۔

ناگپور جانے کی وجہ:

حضور حافظ ملت نے دارالعلوم کی تعمیر کا کام بھی شروع کرا دیا تھا۔ باغ فردوس کے اس باغبان، ملت کے پاسبان حافظ ملت نے باغ کی آبیاری اور اسے بہاروں سے ہم کنار کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی مگر خود کا یہ عالم تھا کہ کئی بار فاقہ سے بھی رہے۔ آپ کو درد گردہ کی بھی شکایت ہوئی اور جیسے تیسے انتظام کر کے بغرض علاج بنارس تشریف لے گئے

جب کہ کئی ماہ کی تنخواہ سے آپ محروم تھے ۔ جب یہ حالات حافظ عبدالحلیم صاحب مبارک پوری کو معلوم ہوئے تو وہ چند آدمیوں کو لے کر صدر ادارہ شیخ محمد امین صاحب انصاری کے پاس حساب فہمی کے لیے گئے اور صدر صاحب مذکور سے کافی بحث وتکرار کی اور یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ سرپرست ادارہ حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کو تشریف لا کر صدر صاحب کے اختیارات میں کچھ کمی کرنی پڑی۔ صدر صاحب کو یہ گمان ہوا کہ حضرت حافظ ملت کی شہ پر حافظ عبدالحلیم صاحب نے یہ اقدام کیا ہے ۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ اسباب تھے جن کی بنا پر امین صاحب کشیدہ رہنے لگے ۔ اس ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے حافظ ملت نے حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کو پوری تفصیل لکھی اور عرض کیا کہ حضور نے جس مقصد کے لیے مجھے مبارک پور بھیجا ہے۔ وہ فوت ہو رہا ہے اور ایسی صورت میں اب ان کا وہاں رہنا نہیں ہو پائے گا۔

بالآخر انتظامی حالات کی خرابیوں نے حضور حافظ ملت کو اشرفیہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

ناگپور کی روانگی:

حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۶۱ھ میں جامعہ عربیہ ناگپور چلے گئے ۔ آپ کا اشرفیہ سے قدم نکالنا تھا کہ اشرفیہ میں انتشار و بدحالی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

اِدھر آپ کے ناگپور پہونچتے ہی وہاں ایک نئی روح دوڑ گئی ۔

ناگپور کے حالات کی بابت حضرت حافظ ملت نے حضور صدرالشریعہ کو ایک خط کے ذریعہ آگاہی بھی دی اور اشارہ بھی کر دیا کہ۔ ”اگر اسی طرح کام جاری رہا تو اگر چہ ناگپور علم کی جگہ نہیں لیکن ضرور ہو جائے گی“ (حافظ ملت نمبر ص ۲۵۷)

حضرت صدرالشریعہ بھلا یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ انہوں نے اپنے جس چہیتے کو مبارک پور کی حالت سدھارنے سنوارنے کے لیے بھیجا تھا اور جسے باغ فردوس کی باغبانی و پاسبانی کے لیے مقرر فرمایا تھا وہ کہیں اور چلا جائے۔ وہ حضرت حافظ ملت کے ناگپور جانے پر خاموش نہیں رہے اور بار بار اس بات پر زور دیتے رہے کہ آپ کو مبارک پور کی سرزمین پر رہ کر کام کرنا ہے ۔

اہل مبارک پور نے جب حضرت حافظ ملت کو کھو دیا تب پچھتاوا ہوا اور اپنی ناقدری پر کف افسوس ملنے لگے۔

مبارک پور کے باہوش مسلمانوں نے حافظ ملت سے رشتہ توڑا نہ رابطہ ختم کیا۔

حضرت صدرالشریعہ نے ناگپور میں حافظ ملت کی مقبولیت اور کامیابی پر مبارک پور کے حالات کی درستگی اور اشرفیہ کے استحکام کو مقدم سمجھا اور حافظ ملت کو مبارک پور آنے کا حکم مرحمت فرمایا۔

دوبارہ مبارک پور میں آمد:

سعادت مند شاگرد نے استاذ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور مبارک پور واپس تشریف لے آئے ۔

مبارک پور آ کر حافظ ملت تحریر فرماتے ہیں:

”کل بروز یکشنبہ بوقت عصر مبارک پور آ گیا۔ آج مدرسہ جا کر کام شروع کر دیا۔ مولوی محمد سلیمان صاحب ہفتہ

کے روز مکان گئے ہیں۔ سنا ہے آٹھ روز میں آئیں گے۔ باقی حالات بدستور ہیں۔

مری نگاہوں نے جھک جھک کے لے لیے بوسے　　جہاں جہاں سے تقاضائے حسن یار ہوا

(حافظ ملت نمبر ص ۲۵۸)

حضرت حافظ ملت قدس سرہ العزیز کا قدم دوبارہ مبارک پور میں پہنچا اور پھر سے انتظامی امور کی ترتیب ہوئی اور مدرسہ نے باقاعدگی سے کام کرنا شروع کردیا۔ اساتذہ اختلافات سے الگ ہوکر درس وتدریس میں منہمک ہوگئے۔ طلبہ حافظ ملت کا سایۂ کرم پاکر پھر اپنی علمی پیاس بجھانے لگے، پورا نظام عظیم مقصد فروغ علم کی طرف تیزی سے رواں دواں ہوگیا۔

معمولات:

''حافظ ملت فرائض وسنن کے بچپن سے پابند تھے۔ جب سے بالغ ہوئے نماز تہجد شروع کردی جس پر آخری عمر تک عمل رہا۔ صلوٰۃ الاوابین ودلائل الخیرات شریف وغیرہ روزانہ بلا ناغہ پڑھتے۔ آخری ایام میں پڑھنے سے معذور ہوگئے تو دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے، صبح کو ہر روز سورۂ یٰسین وسورۂ یوسف کی تلاوت کا التزام رکھتے اور جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کا بھی معمول تھا''۔ (حافظ ملت نمبر ص ۲۴)

حضرت حافظ ملت فرمایا کرتے عمل اتنا ہی کرو جتنا بلا ناغہ کرسکو۔

ڈاکٹر عبدالمجید صاحب مرحوم بلرام پوری رقمطراز ہیں۔ ''ایک بار ایک صاحب بیعت ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا حضور سنا ہے زیادہ درود پڑھنے سے نقصان ہے۔ فرمایا نہیں، نقصان نہیں ہے البتہ اتنا پڑھو جتنا روزانہ پڑھ سکتے ہو انہوں نے عرض کیا میں ایک ہزار بار روزانہ پڑھتا ہوں۔ فرمایا: اگر اس معمول کو تاحیات برقرار رکھ سکو تو سبحان اللہ'' (حافظ ملت نمبر ص ۶۴۸)

اس سے واضح ہے کہ حضور حافظ ملت قدس سرہ عمل کی مداومت کی تلقین کرتے تھے اور خود اس پر عمل بھی کرتے تھے۔

شب وروز کی مصروفیات:

حاجی محمد حسین صاحب مرحوم مبارک پوری تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت اپنے محلہ کی مسجد میں پابندئ وقت کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتے تھے۔ وقت کی پابندی کرنے میں میں نے ان جیسا انسان نہیں دیکھا۔ ٹھیک وقت پر نہ صرف مسجد پہنچنا ان کی عادت تھی بلکہ ہر کام اپنے وقت ہی پر کرتے تھے۔ تعلیم کے پورے وقت میں اپنی ذمہ داری کو حسن وخوبی سے ادا کرتے تھے۔ چھٹی کے بعد قیامگاہ پر لوٹتے تھے، کھانا کھا کر تھوڑی دیر قیلولہ ضرور کرتے تھے۔ قیلولہ کا وقت ہمیشہ یکساں رہتا چاہے ایک وقت کا مدرسہ ہو یا دونوں وقت کا۔ ظہر کے مقررہ وقت پر بہر حال اٹھ جاتے اور باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد اگر دوسرے وقت کا مدرسہ ہوتا تو مدرسہ چلے جاتے ورنہ کتابوں کے مطالعہ یا خارج وقت میں کسی کتاب کا درس دیتے یا حاجت مندوں کے لیے تعویذ وغیرہ میں صرف

کرتے ۔شروع زمانہ میں عصر کی نماز کے بعد تفریح کے لیے آبادی سے باہر تشریف لے جاتے تھے ۔علی نگر کے قبرستان سے گزرتے ہوئے اکثر سڑک پر کھڑے ہوکر قبروں پر فاتحہ اور ایصال ثواب کرتے ۔

حضور حافظ ملت اپنے ابتدائی دور میں عصر بعد تفریح کے عادی ضرور تھے مگر یہ تفریح کا وقت بھی صرف ہوا خوری میں صرف نہ ہوتا تھا بلکہ عالم یہ ہوتا تھا کہ طلبہ کی جماعت آپ کے ہمراہ ہوتی ۔طلبہ اس تفریح کے اوقات میں بھی آپ سے علمی سوالات کرتے جاتے تھے اور حضرت ان سوالات کے جوابات دیتے جاتے تھے۔مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھاتے اور کھانا کھا کر اپنے آنگن میں کچھ چہل قدمی فرماتے ۔اگر کسی کی عیادت کے لیے جانا ہوتا تو اس کے لیے اکثر عصر بعد ہی کا وقت ہوتا۔ عشا کی نماز کے بعد کتابوں کا مطالعہ کرتے ۔نصف رات تک باہر نکل کر پرانے مدرسے میں مقیم طلبہ کی دیکھ بھال کرتے رہتے کہ وہ مطالعہ میں مصروف ہیں یا نہیں ۔عموماً گیارہ بجے سوجاتے اور تہجد کے لیے آخر شب میں اٹھتے ،تہجد پڑھنے کے بعد بھی کچھ دیر سونا معمول تھا۔رات میں چاہے کتنا بھی بیدار رہے ہوں فجر کبھی قضا ہوتے نہ دیکھی گئی ۔ (حافظ ملت نمبر ص ۳۲۲،۳۲۳)

حضرت چڑیوں کو بھی روزانہ وقت پر دانہ چگنے کے لیے ڈالا کرتے تھے اور اگر کسی لمبے سفر میں جانا ہوتا تو اسی لحاظ سے چڑیوں کے دانے کا انتظام فرما جایا کرتے تھے ۔

نماز نصف شعبان:

حضرت حافظ ملت ہر سال ماہ شعبان میں نماز نصف شعبان پابندی سے پڑھتے تھے ۔آپ اس شب سو رکعت نماز پڑھتے اگر کسی سال چاند کی رویت میں اختلاف ہوا تو دو راتوں کو یعنی ۲۹ اور ۳۰ ر دونوں کے اعتبار سے دونوں راتوں کو نماز نصف شعبان پڑھتے ۔اور اکثر سفر میں بھی اس نماز کو ترک نہ فرماتے ،پندرہویں شعبان کو مدرسہ فیض العلوم جمشید پور کا سالانہ جلسہ ہوتا اس میں حضرت کی شرکت لازمی ہوتی ،جلسہ کی ہمہ ہمی میں بھی حضرت اس نماز کو ضرور ادا کرتے ۔

بیماری کی حالت میں بھی تدریس:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے بیماری کی حالت میں بھی تدریسی فرائض سے کوتاہی نہیں برتی۔ درد گردہ اور استطلاق بطن کی تکلیف میں بھی تدریس سے غفلت نہیں برتی ۔ (ملخصا معارف حافظ ملت ص ۱۰۱،۱۰۲)

مرشد حافظ ملت حضرت شیخ المشائخ اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ

شیخ المشائخ حضرت مولانا سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی قدس سرہ العزیز۔حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد طریقت ہیں۔

ولادت مبارکہ:

حضرت قبلہ اشرفی میاں نور اللہ مرقدہ ۲۲ ر ربیع الآخر ۱۲۶۶ھ بروز دوشنبہ کچھوچھہ مقدسہ (ضلع فیض آباد اور اب

ضلع امبیڈکر نگر) میں بوقت صبح صادق پیدا ہوئے۔

نام اور کنیت:

آپ کا نام نامی اسم گرامی ۔علی حسین'' کنیت ''ابو احمد'' خاندانی لقب ''شاہ، پیر، شیخ المشائخ '' ہے۔خطاب ''سجادہ نشین سرکار کلاں'' اور تخلص ''اشرفی'' ہے اور حضرت ممدوح کا خاندان بھی اشرفی کہلاتا ہے۔

سلسلۂ نسب:

آپ کا سلسلۂ نسب ۲۴/ویں پشت میں سرخیل اولیاء، پیر پیراں حضرت غوث اعظم دستگیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حضرت مولانا شاہ سید شاہ علی حسین ابن حاجی سید شاہ سعادت علی (م۲۲/ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ) ابن سید شاہ قلندر بخش ابن سید شاہ تراب اشرف ابن سید شاہ محمد نواز ابن سید شاہ محمد غوث ابن سید شاہ جمال الدین ابن سید شاہ عزیز الرحمٰن ابن سید شاہ محمد عثمان ابن سید شاہ ابوالفتح ابن سید شاہ محمد ابن سید شاہ محمد اشرف (م۹۱۰ھ) ابن سید شاہ حسن (م۷۹۸ھ) ابن سید شاہ عبدالرزاق ،نور العین (م۸۷۲ھ) ''مخدوم آفاق'' تاریخ وصال ہے)

آپ حضرت سید مخدوم اشرف سمنانی رضی المولیٰ عنہ کے بھانجے ہیں جن کا وصال ۸۰۸ھ میں ہوا۔''اشرف المومنین'' مادہ وفات ہے۔ابن سید عبدالغفور حسن ابن سید شاہ ابوالعباس ابن سید شاہ بدرالدین حسن ابن سید شاہ علاء الدین ابن سید شاہ شمس الدین ابن سید شاہ سیف الدین نجی ابن سید شاہ ظہیر الدین ابن سید شاہ ابونصر محمد ابن سید شاہ محمد الدین ابو صالح نصر ابن سید شاہ قاضی القضاۃ تاج الدین خلف اکبر غوث اعظم دستگیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی (م۵۶۱ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت قبلہ اشرفی میاں قدس سرہ العزیز کے والد ماجد حضرت سید شاہ سعادت علی علیہ الرحمہ بہت ہی قابل ولی کامل اور باکرامت بزرگ تھے۔آپ سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رضی المولیٰ عنہ کے بھانجے حضرت سیدنا عبدالرزاق نور العین نور اللہ مرقدہ کی اولاد سے ہیں۔

کچھوچھہ مقدسہ کی عظمت:

کچھوچھہ وہ مقدس سرزمین ہے جسے حضرت سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ عنہ نے اپنا مسکن بنایا۔ حضور مخدوم اشرف کے دربار گہر بار سے آج بھی ان کی ولایت وکرامت وروحانیت کی تجلیاں زمانہ کو نور بار کر رہی ہیں۔ آپ کے آستانۂ پاک سے امراض روحانی کی طرح سحر و آسیب کے مارے شفایاب ہوتے ہیں۔ ہر سال محرم الحرام کی ۲۸/تاریخ کو آپ کا عرس سراپا قدس تزک واحتشام سے انعقاد پذیر ہوتا ہے۔جس میں صرف ملک ہی سے نہیں ممالک غیر سے بھی زائرین شریک ہوتے ہیں۔غیر مسلمین بھی آپ کے آستانۂ پاک پر عقیدت سے سر جھکاتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔

اشرفی میاں:

خانوادۂ مقدسہ کے معمول کے مطابق جب آپ ۴؍سال ۴؍ماہ ۴؍دن کے ہوئے تو ایک اہل دل عارف کامل حضرت مولانا گل محمد خلیل آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے رسم بسم اللہ خوانی ادا فرمائی۔

آپ بچپن سے ہی نہایت صالح اور پرہیز گار اور والدین واساتذہ کے اطاعت شعار تھے۔

آپ نے حضرت مولوی امانت علی کچھوچھوی سے فارسی کی درسی کتابیں پڑھیں پھر مولوی سلامت علی گورکھپوری اور مولوی قادر بخش کچھوچھوی سے تعلیم حاصل کی اور سولہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کی۔

۱۲۸۲ھ میں اپنے برادر معظم حضرت مولانا سید شاہ ابواحمد اشرف حسین علیہ الرحمہ سے بیعت ہوکر خلافت واجازت حاصل کی۔

۱۲۸۵ بعمر ۱۹؍سال حضرت سید شاہ حمایت اشرف بسکھاری کی دختر نیک اختر سے آپ کا نکاح ہوا۔

بیعت وخلافت کے حصول کے بعد ۱۲۹۰ھ میں آپ نے پورے ایک سال تارک الدنیا ہوکر حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رضی المولیٰ عنہ کے آستانۂ پاک پر چلہ کشی فرمائی اور مجاہدے کیے۔ سرکار مخدوم اشرف کی نگاہ کرم نے آپ کو سلسلۂ اشرفیہ کا نیر تاباں بنادیا جس کی شعاعوں سے برصغیر ہندو پاک نیز دور دراز تک کی دنیا جگمگا اٹھی۔ آپ شریعت مطہرہ کے عامل تھے اور اپنے ارادت مندوں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے۔ غریبوں اور حاجت مندوں کا آپ بہت خیال فرماتے تھے اور ان کے لیے دل میں ایک خاص درد تھا۔ آپ کا دسترخوان نہایت وسیع تھا۔ آپ روحانی طبیب تھے، دلوں کو جوڑنے والے، آپ نے کبھی بھی کسی کی دل آزاری نہیں کی۔ آپ کا چہرہ مبارک نہایت منور اور روشن تھا۔ باطنی تجلی آپ کے رخساروں سے جھلکتی تھی جسے دیکھ کر کٹر دشمن بھی شیدا بن جاتا تھا اور تاریک دل انسانوں کی دنیا نور بار ہوجاتی تھی۔

حضرت اشرفی میاں مجدد اسلام امام احمد رضا کی نظر میں:

حضرت شیخ المشائخ قبلہ اشرفی میاں قدس سرہ العزیز اور مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نور اللہ مرقدہ کے مابین بہت ہی عقیدت ومحبت تھی۔

حضرت اشرفی میاں قبلہ کے صاحبزادہ ذی وقار حضرت مولانا سید احمد اشرف علیہ الرحمہ کو امام احمد رضا سے خلافت واجازت بھی تھی نیز آپ کے نواسہ حضرت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو امام احمد رضا سے تلمذ اور خلافت واجازت کا شرف بھی حاصل تھا۔

ایک بار حضرت شیخ المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک سے فاتحہ پڑھ کر نکل رہے تھے اور حضرت امام احمد رضا بغرض فاتحہ جارہے تھے کہ امام احمد رضا کی نظر حضرت شیخ المشائخ قبلہ اشرفی میاں پر پڑی تو دیکھا کہ بالکل ہمشکل محبوب الٰہی تھے اسی وقت برجستہ یہ شعر کہا:۔

اشرفی اے رخت آئینہ حسن خوباں   اے نظر کردۂ و پروردۂ سہ محبوباں

اس شعر میں سہ محبوباں سے مراد (۱) حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی (۲) حضرت محبوب یزدانی مخدوم اشرف سمنانی (۳) محبوب سبحانی حضرت سیدنا غوث اعظم جیلانی ۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

ایک بار بریلی شریف جنکشن سے گزرتے ہوئے حضرت قبلہ اشرفی میاں ٹرین ہی میں با ادب کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا: نائب رسول، قطب الارشاد جب اپنی مسند پر میرے احترام میں کھڑا ہوا تو فرزند رسول اس نائب رسول کے ادب میں کیوں نہ کھڑا ہو"۔(ماہنامہ المیز ان ممبئی)

۲۸ محرم الحرام ۱۲۹۷ھ کو آپ زیب سجادۂ مشیخت ہوئے اور خاندانی خرقۂ مبارکہ جو حضرت مخدوم اشرف قدس سرہ کا عطیہ ہے زیب تن فرمایا:

آپ نے چار بار حج وزیارت کا شرف حاصل کیا۔۱۲۹۳ھ میں آپ پہلے حج وزیارت سے شرف یاب ہوئے۔اس حج وزیارت کے موقع پر دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو بعض نعمتیں بطور خاص حاصل ہوئیں۔ دوسری بار تیس سال بعد ۱۳۲۳ھ میں آپ حج وزیارت کے لیے تشریف لے گئے اس میں مشائخ حرمین طیبین سے آپ کو بعض اذکار واشغال کی اجازت بھی حاصل ہوئی ۔تیسرا حج مبارک اس کے چھ سال بعد ۱۳۲۹ھ میں ادا کیا۔ بعد زیارت مدینہ منورہ طائف شریف، بیت المقدس اور دیگر مقامات عالیہ شام، مصر، حامہ شریف، حمص شریف و دیگر بلاد اسلامیہ کے سفر بھی کیے جس کی روداد "صحائف اشرفی" کے نام سے دو حصوں میں چھپ چکی ہے۔

چوتھا اور آخری حج آپ نے ۱۳۵۴ھ میں ادا فرمایا۔ اس سفر حج وزیارت میں صدہا علماء ومشائخ داخل سلسلہ ہوئے اور خلافت واجازت سے نوازے گئے۔

حضرت قبلہ شیخ المشائخ اشرفی میاں قدس سرہ کو سلسلہ عالیہ اشرفیہ چشتیہ کے علاوہ بھی متعدد سلاسل کی اجازتیں اور اشغال واذکار حاصل تھے۔

خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے پیرومرشد حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی رضی اللہ عنہ سے بھی خلافت حاصل تھی اور آپ ان کے خاتم الخلفاء تھے اس طرح امام احمد رضا سے آپ کا پیر بھائی کا بھی رشتہ تھا۔

خطابت اور شعر وسخن:

حضرت شیخ المشائخ قبلہ عالم ظاہر وباطن۔ شیوہ بیان خطیب ومقرر اور شاعر تھے۔تقریر میں والہانہ انداز سے مثنوی شیخ جلال الدین رومی پڑھتے تھے۔شاعری میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔آپ کا کلام فارسی، اردو اور ہندی میں موجود ہے۔سارا کلام روحانیت سے عبارت ہے۔

نثر میں آپ نے صحائف اشرفی کے نام سے ایک نہایت وقیع کتاب تحریر فرمائی جس کے دو حصے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔

خدمت دین، رشد و ہدایت:

حضرت شیخ المشائخ اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے وعظ وتقریر کے ذریعہ دین متین کی تبلیغ کا تو فریضہ انجام دیا ہے، متعدد مدارس ومساجد کے سنگ بنیاد رکھ کر نیز ان کی سرپرستی فرما کر بھی خدمات دینیہ کا فریضہ انجام دیا۔

مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیر آباد اعظم گڈھ، مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اور دیگر مدارس کو قائم فرمایا۔ عالم اسلام کی مایہ ناز درس گاہ دارالعلوم اشرفیہ (باغ فردوس)، مبارک پور کا سنگ بنیاد آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا اور تاحیات اپنی روحانی عظمتوں سے فیض پہنچایا۔

آپ نے بیعت وارشاد کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو اپنے روحانی فیوض وبرکات سے مالا مال کیا۔ سلسلۂ اشرفیہ کی مقبولیت آپ ہی کے باطنی کمال اور عرفانی وروحانی مراتب کا ثمرہ ہے۔

وصال کے وقت آپ کے ۲۳/لاکھ مریدین اور ۱۳۵۰/خلفاء تھے۔

حضرت شیخ المشائخ اور حضور حافظ ملت:

دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف کے زمانۂ طالب علمی میں حضرت حافظ ملت۔ حضور شیخ المشائخ اشرفی میاں قبلہ کے دست حق پرست پر سلسلۂ عالیہ قادریہ معمریہ میں بیعت ہوگئے تھے۔ اس سلسلۂ مقدسہ میں سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ تک صرف چار واسطے ہیں۔

جب حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں صدرالمدرسین کی حیثیت سے تشریف لائے تو قریب قریب ہر سال حضور اشرفی میاں دارالعلوم میں تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک بار جب آپ کی آمد ہوئی تو آپ نے حافظ ملت کو خلافت دینا چاہی لیکن آپ نے اپنی منکسر المزاجی کی وجہ سے عرض کی کہ حضور مجھ میں تو کچھ صلاحیت نہیں میں خلافت کیسے لوں؟ جواباً حضرت شیخ المشائخ نے یہ امتیازی تمغہ عطا فرمایا: دادحق را قابلیت شرط نیست'' اور خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔ (بروایت مولانا محمد احمد صاحب بھیروی)

حضرت حافظ ملت ہر سال جامع مسجد راجہ مبارک شاہ، مبارک پور میں ۱۱/رجب المرجب کو حضرت اشرفی میاں قبلہ کا عرس منعقد کیا کرتے تھے۔

وصال شریف:

۱۱/رجب ۱۳۵۵ھ کو ہزاروں حاضرین آپ کے ساتھ ذکر جہر میں شریک تھے کہ آپ نے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے جان جان آفریں کے حوالے کردی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

استاذ حافظ ملت، حضرت صدر الشریعہ

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے گھر پر اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن کریم ناظرہ اور حفظ قرآن کے بعد بھوجپور، پیپل سانہ اور مراد آباد سے لے کر اجمیر شریف تک متعدد اساتذہ سے تعلیم پائی لیکن اصل تعلیم وتربیت حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے ہی حاصل ہوئی۔ یہی حضرت حافظ ملت کے استاذ معظم بھی ہیں اور مرشد اجازت بھی اور انہیں کو حضور حافظ ملت اپنا مالک تسلیم کرتے تھے۔

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اس مقام سے ہے جسے ''مدینۃ العلماء'' کہا جاتا ہے یعنی قصبہ گھوسی!

گھوسی ۱۹۸۸ء سے قبل صوبہ اتر پردیش کے ضلع اعظم گڈھ میں شامل تھا۔ نومبر ۱۹۸۸ء میں جب ''مئو'' ضلع بنا تو یہ اس کے تحت آ گیا۔

گھوسی کی مختصر تاریخ:

گھوسی کی تاریخ کے بارے میں ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی رقمطراز ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ ستیہ جگ میں اجودھیا کے سوریہ ونشی راجاؤں کے خاندان کا ایک راجہ نہش گزرا ہے جس نے گھوسی آباد کیا اور یہاں کوٹ بنوایا اور اپنے نام پر اس شہر کا نام نہش نگری یا نہوشی رکھا جو بعد میں گھوسی ہو گیا۔ (ملخصا معارف شارح بخاری ۶۹ تا ۷۱)

مزید تحریر فرماتے ہیں:

''قصبہ گھوسی محلّہ کریم الدین پور میں مسلمان بہت قدیم زمانے سے آباد ہیں اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ مشہور ہے کہ خواجۂ خواجگاں خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ کے خلیفہ حضرت مفتی محمد حسن اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ گھوسی تشریف لائے اور گھوسی میں ان کا مزار شریف بھی ہے۔ اندازہ ہے کہ ان کی آمد گھوسی میں آٹھویں صدی ہجری کے اخیر میں ہوئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ چھ سو سال قبل گھوسی میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی موجود تھی۔ (ایضا)

بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہد اعظم حضرت سیدنا سالار مسعود غازی قدس سرہ ملک طاہر، ملک قاسم، ملک شدنی اور دیگر مجاہدین کو لے کر مئو آئے اس زمانے میں گھوسی میں بھی اسلام پھیلا اور مسلمان آباد ہوئے۔ اس تقدیر پر گھوسی میں نو سو سال سے مسلمان آباد ہیں۔ (آئینہ اودھ وغیرہ

گھوسی کے چند مشاہیر مشائخ:

(۱) مولانا غلام نقشبند (ولادت: ۱۰۵۱ھ، وفات ۱۱۲۶ھ)

(۲) سید میر عبد الجلیل (یہ مارہرہ مطہرہ کے خانوادے والے میر عبد الجلیل بلگرامی قدس سرہ نہیں ہیں بلکہ دوسرے بزرگ ہیں۔

(۳) مولانا نذیر احمد نوشہ گھوسوی۔ خلیفۂ سیدنا ابوالحسن احمد نوری مارہروی قدس سرہ (ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف ص ۱۸،۱۹)

خانوادۂ صدرالشریعہ:

(۱) حضرت مولانا خیرالدین (صدرالشریعہ کے پردادا) (۲) حضرت مولانا خدا بخش (صدرالشریعہ کے جدامجد) (۳) حضرت مولانا حکیم جمال الدین (والد صدرالشریعہ) (۴) حضرت مولانا محمد صدیق (صدرالشریعہ کے برادر بزرگ) (۵) حضرت صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی (۶) حضرت مولانا غلام یزدانی (۷) حضرت مولانا غلام جیلانی (شیخ العلمارحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

حضرت صدرالشریعہ کی اولادیں اور موجودہ خاندان کے سبھی صاحبزادگان علم دین سے آراستہ ہیں۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی دونوں صاحبزادیوں کو خود عالمیت کا پورا کورس پڑھا کر انہیں عالمہ بنایا۔

حضرت صدرالشریعہ کی اولاد:

(۵) مولانا حکیم شمس الہدیٰ (۶) مولانا محمد یحیٰ (۷) مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری (کراچی، پاکستان میں منتقل ہوگئے تھے وہیں وصال ہوا) (۸) قاری رضاء المصطفیٰ (کراچی، پاکستان) (۹) علامہ ضیاء المصطفیٰ (۱۰) مولانا ثناء المصطفیٰ (وصال فرما گئے) (۱۱) مولانا بہاء المصطفیٰ (۱۲) مولانا فداء المصطفیٰ

(۱۳) شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ۔

مندرجہ بالا علمائے کرام کے علاوہ گھوسی میں اور بھی بہت سے علماء ہیں لیکن سبھی کا تذکرہ مشکل ہے۔ بس حق یہی ہے کہ گھوسی واقعی علماء کا شہر ہے اور اسے مدینۃ العلماء کہا جانا حق بجانب ہے۔

گھوسی میں دارالعلوم شمس العلوم، دارالعلوم امجدیہ اور دارالعلوم بدرالعلوم کے علاوہ اور بھی مدارس خوش اسلوبی سے دینی تعلیمی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اور یہاں خواتین اسلام کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے ''کلیۃ البنات'' بھی قائم ہے اور اس اعتبار سے گھوسی کو اولیت حاصل ہے۔

یوں تو گھوسی میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ سے قبل علماء ومشائخ ہوئے ہیں لیکن عصر موجودہ میں گھوسی کو جو شہرت وعظمت حاصل ہے وہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اور ان کے گھوسوی تلامذہ نیز اولاد امجاد کے سبب ہے۔

ولادت باسعادت:

حضرت صدرالشریعہ علامہ مولانا مفتی ابوالعلا محمد امجد علی (کنیت۔ ابوالعلا) بن حکیم جمال الدین بن مولانا خدا

بخش بن مولانا خیر الدین رحمۃ اللہ علیہم ۔ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۸ء قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو۔ یوپی) محلہ کریم الدین پور میں تولد ہوئے ۔ (مولانا غلام علی: الیواقیت المہر یہ ص ۷۹)

آپ کے والد ماجد اور جد امجد فن طب اور علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔

تعلیم و تربیت:

حضرت صدر الشریعہ نے اپنے جد امجد بعد ازاں اپنے برادر اکبر حضرت مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ سے علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں پھر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری ثم جونپوری علیہ الرحمہ سے (م ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) سے اکتساب فیض کے لیے "مدرسہ حنفیہ جونپور" میں داخل ہوئے ۔ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد شیخ المحد ثین حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ (م ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) کی خدمت میں "مدرسۃ الحدیث، پیلی بھیت" میں حاضر ہوکر درس حدیث لیا اور سند فراغت حاصل کی۔

زمانۂ طالب علمی میں آپ کی علمی صلاحیت ولیاقت کا اندازہ ذیل کی تحریر سے ہوسکتا ہے جو مہتمم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت نے تحفۂ حنفیہ، پٹنہ میں شائع کرائی تھی۔

"۶/ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو بحمد اللہ تعالیٰ طلبہ کا امتحان حضرت مولانا مولوی شاہ محمد سلامت اللہ صاحب رام پوری دام فیضہ نے لیا۔ مولوی امجد علی صاحب نے بعد فراغ کتب درسیہ کے نہایت جانفشانی وکمال مستعدی سے سال بھر میں صحاح ستہ، مسند شریف، کتاب الآثار شریف، مؤطا شریف، طحاوی شریف کا قراءۃً وسماعۃً درس حاصل کر کے اعلیٰ درجہ کا امتحان دیا جس کے باعث ممتحن صاحب وحاضرین نہایت شاداں اور ان کی حسن لیاقت وفہم ذکاوت سے بہت فرحاں ہوئے اور دستار فضیلت زیب سر کی گئی" (ضیاء الدین مہتمم مدرسہ، تحفۂ حنفیہ ص ۴۴ محرم ۱۳۲۵ھ پٹنہ)

حکیم عبد الولی جھوائی ٹولہ، لکھنؤ سے علم طب حاصل کیا۔

۱۳۲۴ھ سے ۱۳۲۷ھ تک حضرت محدث سورتی کے مدرسہ میں درس دیا۔ اس کے بعد ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔

بریلی شریف میں آمد:

جس وقت حضرت صدر الشریعہ پٹنہ میں مطب کر رہے تھے اسی اثناء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف کے لیے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی ۔ استاذ گرامی مولانا وصی احمد سورتی علیہ الرحمہ کے ارشاد پر مطب چھوڑ کر بریلی شریف چلے گئے۔

آپ نے ابتداءً منظر اسلام میں تدریس کا فریضہ انجام دیا بعد ازاں مطبع اہل سنت کا انتظام، جماعت رضائے مصطفٰے کے شعبۂ علمیہ کی صدارت کے فرائض نیز افتاء کی مصروفیات علیحدہ۔

بیعت وخلافت:

بریلی شریف میں قیام کے دوران آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور جلد ہی خلافت واجازت سے نوازے گئے۔

الاستمداد میں اعلیٰ حضرت نے اپنے مشاہیر خلفاء کا جو ذکر فرمایا ہے اس میں حضرت صدرالشریعہ کے لیے اس طرح کہا ہے۔

میرا امجد مجد کا پکا اس سے بہت کچھ یاتے یہ ہیں

آپ تقریباً ۱۸ر برس تک شیخ کامل کے فیوض وبرکات سے مالا مال ہوئے۔

شان فقاہت کا اعتراف:

فتاویٰ کے سلسلے میں امام احمد رضا آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

’’آپ، یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استفتاء سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتاہوں لکھتے ہیں۔طبیعت اخاذ ہے،طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔(مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی: الملفوظ حصہ اول)

امام احمد رضا کے اسی ارشاد کے پیش نظر حضرت حافظ ملت نے آپ کو’’خاتم الفقہاء‘‘ لکھاہے۔(مضمون صدرالشریعہ کا تبحر علمی مشمولہ ماہنامہ اشرفیہ)

بریلی شریف میں صدرالشریعہ کی مصروفیات:

بریلی شریف میں قیام کے دوران حضرت صدرالشریعہ کی مصروفیات حیرت انگیز حد تک بڑھی ہوئی تھیں۔ تدریس، فتویٰ نویسی، پریس کی نگرانی، پروف ریڈنگ وغیرہ امورتن تنہا انجام دیتے۔عظیم البرکت امام احمد رضا کے فیوض وبرکات نے آپ کے اندر دین کے لیے کام کرنے کا وہ جذبہ پیدا کردیا تھا کہ کسی طرح کی اکتاہٹ یا تھکن کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔بعض حضرات کہا کرتے تھے کہ:

’’مولانا امجد علی صاحب تو کام کی مشین ہیں‘‘ (ماہنامہ پاسبان، الہ آباد، امام احمد رضا نمبر۔مارچ، اپریل ۱۹۶۲ء ص ۶۵)

کنزالایمان اورصدرالشریعہ:

اعلیٰ حضرت کا مشہور زمانہ، معتبر ومستند اور فقید المثال ترجمہ قرآن مسمیٰ باسم تاریخی ’’کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن‘‘ (۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء) حضرت صدرالشریعہ ہی کی تحریک پرشروع ہوا تھا۔

کثرت مشاغل کے سبب اعلیٰ حضرت کو ترجمہ کے لیے وقت نکالنا مشکل تھا لہذا طے ہوا کہ قیلولہ کے وقت یا رات میں سوتے وقت یہ کام شروع کیا جائے۔

ایک روز صدر الشریعہ قلم دوات لے کر بارگاہ رضا میں حاضر ہو گئے اور ترجمہ کا کام شروع ہو گیا ایک رکوع کا ترجمہ لکھوانے کے بعد حکم دیا کہ بعد میں اسے تفاسیر سے ملالیا کریں۔ چنانچہ صدر الشریعہ اس کام میں لگ گئے۔ پہلے ترجمہ لکھتے پھر تفاسیر سے ملاتے جس کی وجہ سے اکثر رات میں ۱۲ ربجے کبھی کبھی ۲ ربجے آپ اپنی رہائش گاہ پر پہنچتے۔

اس طرح حضرت صدر الشریعہ کی مساعی سے ترجمۂ قرآن کا کام پورا ہوا۔ (ملخصاً ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف، مارچ ۱۹۶۶ء)

مرکزی دارالقضاء شرعی اور صدر الشریعہ:

۱۳۳۹ھ میں جب اعلیٰ حضرت نے متحدہ ہندوستان کے لیے ''دارالقضاء شرعی'' کا قیام فرمایا تو حضرت صدر الشریعہ کو منصب اور حضرت مفتی اعظم و برہان ملت علیہم الرحمہ کو ان کا معاون قرار دیا (اکرام امام احمد رضا از برہان ملت

مطبع اہل سنت اور ماہنامہ الرضا:

تصانیف امام احمد رضا کی اشاعت کے لیے جب علماء اور ارکان ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' نے بریلی شریف میں پریس کے قیام کے لیے زور ڈالا تو امام احمد رضا نے پریس لگوادیا اور اس کا نام ''مطبع اہل سنت و جماعت'' رکھا اور حضرت صدر الشریعہ کو اس کا مہتمم مقرر کیا۔

امام احمد رضا کی سرپرستی میں نکلنے والے رسالہ ''الرضا'' کے مدیر تو برادر زادہ امام احمد رضا حضرت مولانا حسنین رضا خاں رحمہ اللہ تھے لیکن یہ پرچہ حضرت صدر الشریعہ کی نگرانی اور اہتمام و انصرام میں شائع ہوتا تھا۔

نماز جنازہ کے لیے نامزدگی:

''وصایا شریف از مولانا حسنین رضا خاں بریلی علیہ الرحمہ کے مطابق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اپنے نماز جنازہ کے سلسلے میں اس طرح فرمایا تھا:

''غسل وغیرہ سب مطابق سنت ہو، حامد رضا خاں وہ دعائیں کہ فتاویٰ میں لکھی ہیں خوب از بر کرلیں تو وہ نماز پڑھائیں ورنہ مولوی امجد علی''۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی رقمطراز ہیں:

''امام احمد رضا کا یہ فرمان بڑی اہمیت کا حامل ہے اور صدر الشریعہ کی علمیت، یادداشت اور بزرگی کی سند ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس جانب بھی اشارہ ہے کہ بعد شہزادہ و جانشین اگر امام احمد رضا کے نزدیک کوئی ان سے قریب تر ہے اور اس مرتبہ کے لائق ہے تو وہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی کی ذات ہے''۔ (صدر الشریعہ نمبر ماہنامہ اشرفیہ ص ۲۸۱)

صدر الشریعہ پر امام احمد رضا کا اعتماد:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا صدر الشریعہ کے علم وقلم اور ان کی کارکردگی پر کامل اعتماد فرماتے تھے۔ آپ نے انہیں اپنی ہر تحریک اور قائم کردہ جماعت میں نمایاں مقام دیا۔

ابوالکلام آزاد سے بریلی شریف میں جو مناظرہ ہوا تھا اور جس میں ابوالکلام کی حیثیت ایک گونگے کی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس مناظرہ کے لیے ''حجت تامہ'' کے نام سے حضرت صدر الشریعہ ہی کی صدارت میں سوالات مرتب ہوئے تھے اور پوسٹر شائع ہوا تھا۔ صدر الشریعہ مناظرین کی جماعت میں بھی شامل تھے۔

تدریسی خدمات:

دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف میں طویل عرصہ تک فرائض تدریس انجام دینے کے بعد حضرت صدر الشریعہ ''دارالعلوم معینیہ عثمانیہ، اجمیر شریف'' میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ وہاں سے پھر بریلی شریف چلے آئے اور تین سال تک قیام کیا۔ اس کے بعد نواب حاجی غلام محمد خاں شیروانی رئیس ریاست دادوں (علی گڈھ) کی دعوت پر بحیثیت صدر مدرس ''دارالعلوم حافظیہ سعدیہ'' میں تشریف لے گئے اور سات سال تک بکمال حسن وخوبی فرائض تدریس انجام دیئے۔

نواب صدر یار جنگ اور صدر الشریعہ کے فضل وکمال کا اعتراف:

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں امتحان کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپ کے فضل وکمال کا اس طرح اعتراف کیا۔

''مولانا امجد علی صاحب پورے ملک میں ان چار پانچ مدرسین میں ایک ہیں جنہیں میں منتخب جانتا ہوں'' (مولانا محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہل سنت ص ۵۳)

اس زمانے میں مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی اسی مدرسہ میں نائب صدر مدرس تھے انہوں نے اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کیا ہے:

''مولانا محمد امجد علی اعظمی سات سال سے صدر مدرس تھے۔ بریلی، اجمیر اور دوسرے مدرسوں کے صدر مدرس رہ چکے تھے۔ کہنہ مشقی کی بناء پر درسیات میں پوری مہارت رکھتے تھے'' (محمد عبدالستار خاں شیروانی: باغی ہندوستان جدید ایڈیشن ص ۴۴۰) المجمع الاسلامی مبارک پور

دادوں میں سات سال تک تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد ایک سال یا کم وبیش بنارس میں رہے بعد ازاں ۱۹۴۵ء تک دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف میں درس دیا۔

تبحر علمی اور کمال تدریس:

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے تبحر علمی اور تدریسی عظمت کی کہانی حضرت حافظ ملت قدس سرہ کی زبانی ملاحظہ

فرمایئے:

خاتم الفقہا، حجۃ العصر حضرت صدرالشریعہ مولانا شاہ ابوالعلا محمد امجد علی صاحب علیہ الرحمہ جامع الکمالات مجمع البحرین تھے آپ متبحر عالم جامع معقول ومنقول ہونے کے ساتھ اپنے علم پر عامل متبع سنت پابند شریعت تھے تبحر علمی کا یہ عالم کہ پورا درس نظامی مستحضر تھا۔ جو کتاب سامنے آتی بے دریغ پڑھاتے کماحقہ پڑھاتے ایسی جامع تقریر فرماتے کہ تمام اعتراضات وشبہات رفع ہوجاتے اور مسئلہ آفتاب کی طرح روشن ہوجاتا۔ علاوہ درسیات کے جوبھی کتاب لائی گئی کماحقہ پڑھائی۔ قاضی کا حاشیہ فضل حق اور امور عامہ کا حاشیہ عبدالحق، مولانا سید غلام جیلانی ومولانا سردار احمد صاحب جیسے ذی استعداد اور خیر الاذکیا حضرات کو پڑھایا غرضیکہ درسی اور غیر درسی جو کتاب حضرت کے سامنے آتی بے دریغ پڑھاتے ایک طالب علم افغانی سن رسیدہ جو دوسرے مدارس میں کئی بار درس نظامی کی تکمیل کر چکا تھا حضرت کی شہرت سن کر اجمیر شریف آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ درس میں بخاری شریف وغیرہ آپ سے پڑھتا تھا اس نے ''تتمہ خانقاہی'' پڑھنے کی درخواست کی حضرت نے اس کی درخواست منظور فرمالی ''تتمہ خانقاہی'' اصول فقہ میں بہت مشکل کتاب ہے ہندوستان میں رائج نہیں اس لیے نہ کتب خانہ میں تھی نہ حضرت کے پاس تھی صرف ایک ہی کتاب اس افغانی طالب علم کے پاس تھی خارج وقت میں پڑھاتے تھے اور فارسی میں تقریر فرماتے تھے کیوں کہ یہ اردو کم سمجھتا تھا۔

میں اور میرے استاذ بھائی مولانا سید غلام جیلانی ومولانا سردار احمد صاحب وغیرہ نے امام النحو حضرت مولانا سید امیر صاحب قبلہ سے شرح جامی پڑھی اس کے بعد شرح جامی کا حاشیہ عبدالغفور بھی ان سے پڑھا۔ عبدالغفور بہت مشکل کتاب ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ جہاں مجھے کچھ شبہہ رہ جاتا حضرت صدرالشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کرتا حضرت ایسی واضح تقریر فرماتے کہ شبہہ دفع ہوکر پورا اطمینان ہوجاتا ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت پہلے سے اس کی تفہیم کے لیے تیار تھے یہ آپ کے تبحر علمی کی دلیل ہے۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد

دارالخیر اجمیر شریف ہندوستان کا مشہور اور مرکزی شہر ہے۔ اہل کمال کا مرجع ہے۔ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اندرون درگاہ معلی محفل خانہ میں تھا اوقات درس میں بڑے بڑے علما ومشائخ تشریف لاتے اسباق سنتے اور بہت خوش ہوتے۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے تبحر علمی پر داد دیتے تھے۔ آپ کے تلامذہ حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب شارح بخاری وحضرت مولانا سردار احمد صاحب جیسے آفتاب علم وفضل آپ کے تبحر علمی پر روشن دلیل ہیں کیوں کہ درخت اپنے پھل اور استاذ اپنے شاگرد سے پہچانا جاتا ہے آپ کی وسعت درس کا یہ عالم تھا کہ زمانہ طالب علمی سے ہی پڑھانا شروع کیا اور اخیر عمر تک پڑھاتے رہے۔ باخبر حضرات کا بیان ہے کہ آپ کے تلامذہ کی تعداد بواسطہ اور بلا واسطہ تقریباً چار ہزار ہے حضرت صدرالشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ صاحب درس وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب قلم وصاحب لسان تھے۔ (مضمون صدرالشریعہ کا تبحر علمی مشمولہ ماہنامہ اشرفیہ)

وعظ وخطابت:

حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

آپ کی تقریر بھی ایسی جامع اور موثر ہوتی تھی کہ علماء ومشائخ جھومتے اور داد دیتے تھے۔ مراد آباد جامعہ نعیمیہ کے سالانہ اجلاس میں آپ نے تقریر فرمائی۔ سارا مجمع محوحیرت تھا۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سے فرمایا کہ مولانا آپ اس تقریر کو قلم بند کردیں تو میں اسے چھپوا کر شائع کرادوں۔

اجمیر شریف میں آپ کی تقریر اس قدر مقبول تھی کہ علما ومشائخ سب خاص عام دل کی گہرائیوں میں جگہ دیتے۔ اول سے آخر تک ہمہ تن گوش ہوکر سنا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت دیوان سید آل رسول صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ درگاہ معلٰی کے مکان پر آپ کی تقریر تھی۔ آدھا مجمع مکان کے اندر اور آدھا مکان سے باہر تھا۔ تخت اندر تھا۔ دوران تقریر بارش ہونے لگی۔ سارا مجمع ہمہ تن گوش تھا سامعین بارش میں بھیگتے رہے اور اخیر تک برابر سنتے رہے۔

اس علم وفضل کے باوجود آپ عملی میدان کے بھی شہ سوار ہیں۔ میں دس سال حضرت کی کفش برداری میں رہا۔ پوری مدت میں آپ کو متبع سنت پایا۔ (ایضا)

ذوق عبادت:

یہی حضرت حافظ ملت حضور صدر الشریعہ کے ذوق عبادت کی بابت اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

ذوق عبادت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ علیل ہوگئے شدت کا بخار تھا۔ غفلت تھی میں حاضر تھا۔ جب ذرا ہوش ہوا تو دریافت فرمایا کیا وقت ہے؟ میں نے گھڑی دیکھ کر وقت بتایا تو ظہر کا وقت ختم ہوگیا تھا۔ فوراً آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمانے لگے میری نماز ظہر قضا ہوگئی۔ روتے تھے اور بار بار فرماتے تھے میری نماز ظہر قضا ہوگئی۔

غور کا مقام ہے ایک وقت کی نماز قضا ہونے پر رو رہے ہیں اور اجمیر شریف کا ہی یہ واقعہ ہے کہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے جو حضرت سے بہت مشابہ تھے حضرت ان کو بہت پیار کرتے تھے بہت محبت کرتے تھے ان کا انتقال ہوگیا گرمی کا موسم تھا مدرسہ ایک وقت کا تھا ہم لوگ محلہ پرمٹھا دارالاقامہ میں رہتے تھے اور حضرت اندر کوٹ ترکولیا دروازہ رہتے تھے تقریبا ایک میل کا فاصلہ ہے ہمیں بہت دیر میں خبر ہوئی ہم پہونچے تو صاحبزادے دفن ہوچکے تھے ہم نے عرض کیا حضور نے ہمیں اطلاع نہیں دی فرمایا خیال ہوا کہ گرمی کا وقت ہے آپ لوگوں کو تکلیف ہوگی دفن کردیا۔ دیکھا تو چہرے مبارک پر غم بھی معلوم نہ ہوتے تھے۔ بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم شمس الہدیٰ صاحب کا انتقال ہوگیا تو حضرت اس وقت نماز تراویح ادا کررہے تھے۔ اطلاع دی گئی تشریف لائے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور فرمایا ابھی آٹھ رکعت تراویح باقی ہیں نماز میں مصروف ہوگئے۔ جس شخص کے صبر وتحمل کا یہ عالم ہے کہ اپنے فرزند دل بند کے انتقال پر ایسا صبر وضبط کرے وہ نماز قضا ہونے پر زار زار روئے اور بار بار افسوس کرے کہ میری نماز ظہر قضا ہوگئی تو اس پر تعجب

کیا ہے؟

بہر حال حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ جامع الکمالات اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت رضی اللہ عنہ کی صحیح یادگار تھے۔ خداوند کریم ہمیں ان کے علم وعمل سے حصہ دے۔ آمین (ایضا)

ایک تلمیذ صدرالشریعہ کی علمی استعداد

میدان درس وتدریس میں ایک مرحلہ مدرسین کی لیاقتوں کے باہمی تصادم اور معاصرانہ چشمک کا بھی آتا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم بھی اس سے محفوظ نہیں رہے۔ اس دور کے بعض علما امتحان کے موقع پر حضرت کے شاگردوں سے غبار خاطر کا اظہار کردیتے چنانچہ دادوں کے ایک امتحان کے دوران جناب مولانا خلیل صاحب کے ایک ممتحن خارج از کتاب سوالات کرنے لگے اور انہوں نے صدرالشریعہ کی شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنے کے بعد کہ یہ سوال میری کتاب سے بلند ہے جواب دے دیا۔

صدرالشریعہ خود اپنے تلامذہ کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے اس امتحان کی رپورٹ ملی تو فرمایا میرا خلیل انہیں درس دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تبلیغ واشاعت:

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے درس وتدریس وعظ وخطابت، کتب دینیہ کی اشاعت اور مباحثہ ومناظرہ بیعت وارشاد تصنیفات وتالیفات اور فتویٰ نویسی سے امام احمد رضا کی ہر تحریک میں شمولیت اور اپنی نمایاں کارکردگی کا ثبوت دیا۔ دراصل آپ کی حیات کا لمحہ لمحہ دین متین کی تبلیغ واشاعت کے لیے وقف تھا۔

اجمیر شریف کے قرب وجوار میں راجہ پرتھوی راج کی اولاد تھی جو اگرچہ مسلمان ہوچکی تھی لیکن ان میں فرائض وواجبات سے غفلت اور مشرکانہ رسوم بکثرت پائی جاتی تھیں۔ حضرت صدرالشریعہ کی ایماء پر آپ کے تلامذہ نے ان میں تبلیغ کا پروگرام بنایا اور جگہ جگہ جاکر مسائل شرعیہ بتائے۔ ان تبلیغی جلسوں کا خوشگوار اثر ہوا اور ان لوگوں میں مشرکانہ رسوم سے اجتناب اور دینی اقدار اپنانے کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ (مولانا مشتاق احمد نظامی: ماہنامہ پاسبان، الہ آباد، امام احمد رضا نمبر ۶۱)

مشہور مورخ پروفیسر ایوب قادری تحریر کرتے ہیں:

''اجمیر کے زمانۂ قیام میں نومسلم راجپوتوں میں مولانا امجد علی نے خوب تبلیغ کی اور اس کے بہت مفید نتائج برآمد ہوئے''۔ (یادگار بریلی ص ۱۶، کراچی ۱۹۷۰ء)

حضرت صدرالشریعہ نے اجمیر کے آس پاس کے علاقوں نصیر آباد، بیاور، لاڈنوں، جے پور، جودھپور، پالی مارواڑ، اور چتوڑ وغیرہ میں خود اور آپ کے تلامذہ نے زبردست تبلیغی فریضہ انجام دیا۔ مذہب اہل سنت کی اشاعت اور بدمذاہب کا رد کیا۔

شدھی تحریک کے انسداد میں حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا علیہ الرحمہ کے ساتھ آپ نے آگرہ، متھرا

اور راجستھان کے مختلف علاقوں میں شدھی تحریک کا زور توڑنے میں تعاون کیا۔

صدرالشریعہ بحیثیت ماہر تعلیم:

حضرت صدرالشریعہ علم وفضل اور درس وتدریس میں یکتائے روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم ماہر تعلیم بھی تھے۔

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی رقمطراز ہیں:

''مولانا عبدالعزیز امجدی مبارک پوری ابن جناب عبدالوہاب مبارک پوری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۱رذی الحجہ ۱۴۰۳ھ مدفون شاہ کے پنجے محلہ حیدرآباد (مبارک پور) محلّہ پورہ صوفی قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے باشندے تھے جن کو صدرالشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قادری رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ صدرالشریعہ جب مظہر العلوم بنارس میں صدرالمدرسین تھے اس وقت حضرت سے کچھ پڑھا تھا۔ آپ کے ذخیرۂ کتب سے ایک بوسیدہ نصاب تعلیم دستیاب ہوا جو حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے جس کا ثبوت نصاب کے سرے پر لکھی ہوئی اس عبارت سے ہوتا ہے:

نصاب تعلیم مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ مرتبہ حضرت صدرالشریعہ بدرالطریقہ مولانا مولوی محمد امجد علی صاحب قبلہ مدظلہ الاقدس'' (ماہنامہ اشرفیہ: صدرالشریعہ نمبر ص ۲۵۸)

یہ نصاب تعلیم عالمیت کے دس سالہ کورس کے لیے مرتب کیا گیا تھا۔ تفصیل صدرالشریعہ نمبر میں چھپ چکی ہے۔

صدرالشریعہ بحیثیت سیاسی مدبر:

حضرت صدرالشریعہ نے ایک مدبر اور قائد کی حیثیت سے مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کا بھی فریضہ انجام دیا۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں اہل سنت وجماعت کے علما اور دانشوروں کا اہم کردار رہا ہے مگر متعصب مورخین اور کل تک انگریزوں کے نمک خوار مگر پانسہ پلٹتے دیکھ کر کھدر دھاری بن جانے والے دیوبندی مولویوں نے علمائے اہل سنت کو یکسر نظر انداز کردیا اور ان کے کارناموں کو نہ صرف چھپانے بلکہ مٹانے کی بھرپور سعی کی ہے۔ تحریک آزادی کو پروان چڑھانے والوں میں حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، حضرت برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی، حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، حضرت پیر مانکی شریف، حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلی، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی اور حضرت صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم۔ پیش پیش تھے۔

حضرت صدرالشریعہ نے مسلمانوں کو سوراج کا بھاونا نعرہ دینے والوں نیز کانگریس کے دام فریب سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی تقریروں نے مسلمانوں کے اندر اسلامی اسپرٹ بھردی اور انہیں سیاسی شعور عطا کیا۔

صدرالشریعہ اور آل انڈیا سنی کانفرنس:

اہل سنت و جماعت کا کوئی ایسا پلیٹ فارم نہیں تھا جس کے توسط سے مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی وتہذیبی شعبہ ہائے حیات کی نشاۃِ ثانیہ کی جائے اورخاص طور سے ان کے اندر سیاسی شعور بیدار کیا جائے اس کے لیے ۱۹، ۲۰ رشعبان المعظم مطابق ۳، ۴ راکتوبر ۱۹۲۱ء کو مراد آباد میں شاہزادۂ اعلیٰ حضرت۔حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی صدارت میں اجلاس منعقد ہوا اور ایک جماعت موتمر العلماء قائم کی گئی ۔ یہی جماعت بعد میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے نام سے موسوم ہوئی ۔

۱۹۲۵ء کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں صدرالشریعہ نے اہم کردار ادا کیا اور بہترین خطاب فرمایا۔

اپریل ۱۹۴۶ء کی بنارس سنی کانفرنس کے فقید المثال اجلاس میں بھی آپ موجود تھے جس میں تقریباً پانچ ہزار علما ومشائخ شریک تھے اور اسلامی حکومت کے لیے لائحۂ عمل مرتب کرنے کے لیے جلیل القدر علما کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس کے ممتاز اراکین میں صدرالشریعہ شامل تھے ۔

تصنیفات وتالیفات:

حضرت صدرالشریعہ کا دور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصنیفات کی دھوم دھام کا دور تھا۔ فیض رضا سے اگر صدرالشریعہ اسی جانب متوجہ ہوجاتے تو ایک عظیم پیانے کا دارالتصنیف قائم کر سکتے تھے اور خود اپنے زور قلم سے تصنیفات وتالیفات کا ایک انبار چھوڑ سکتے تھے لیکن آپ نے طالبان اسلام کی تعلیم وتربیت اور علوم دینیہ کے فروغ کو اولیت دی اور اگر آپ یہ فریضۂ درس وتدریس انجام نہ دیتے تو حافظ ملت کہاں سے پیدا ہوتے، محدث اعظم پاکستان کا وجود کہاں سے ہوتا، دنیا شیخ العلماء کو کہاں سے پاتی ۔ مجاہد ملت ،صدرالعلما ،شمس العلما، امین شریعت جیسے صاحبان عظمت کہاں نصیب ہوتے ۔ بہر حال تمام تر دینی تبلیغی مصروفیات کے باوصف حضرت صدرالشریعہ نے دنیائے اسلام کو علمی و تحقیقی کتب کا بیش بیش بہا خزانہ عطا کیا ہے۔

(۱) بہارشریعت: فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف ۔صدرالشریعہ اس کے بیس حصے تیار کرنا چاہتے تھے لیکن سترہ حصے ہی تک لکھ پائے اور پھر کثرت غم واندوہ کے سبب معذور ہوگئے تو بقیہ حصوں کی تکمیل کے لیے اپنے تلامذہ کو وصیت کر دی۔

بعد میں اٹھارہ واں حصہ۔ آپ کے صاحبزادے حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری صاحب، مفتی وقار الدین صاحب اور مفتی محبوب رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہم نے پاکستان میں بیٹھ کر مکمل کیا۔

انیسواں حصہ۔ مولانا سید ظہیر احمد صاحب زیدی علی گڑھی نے مکمل کیا۔

بیسواں حصہ۔ مفتی وقارالدین قدس سرہ نے ترتیب دیا۔

اس طرح اب اس کے بیس حصے ہوگئے ۔

(۲) فتاویٰ امجدیہ۔ چار ضخیم جلدوں میں

(۳) حاشیہ شرح معانی الآثار (عربی زبان میں)

چند مشاہیر تلامذہ:

(۱) شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیتی (۲) حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (۳) محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد گورداسپوری ثم فیصل آبادی (۴) سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفے مارہروی (۵) صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی (۶) مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسوی (۷) شمس العلماء حضرت مولانا سید شمس الدین جونپوری (۸) امین شریعت حضرت مفتی رفاقت حسین (۹) حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی (۱۰) شیخ العلماء حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی (۱۱) حضرت مولانا سلیمان اشرفی بھاگل پوری (۱۲) حضرت مولانا عبدالمصطفےٰ (صاحبزادہ صدرالشریعہ) (۱۳) حضرت مولانا عبدالمصطفےٰ اعظمی (۱۴) حضرت مولانا مبین الدین امروہوی (۱۵) حضرت مولانا محمد الیاس (سیالکوٹ) (۱۶) حضرت مولانا وقار الدین کراچی (۱۷) حضرت مولانا اعجاز ولی خاں لاہور (۱۸) حضرت مولانا تقدس علی خاں پیر گوٹھ (۱۹) حضرت مولانا محبوب رضا کراچی (۲۰) حضرت مولانا سید ظہیر الدین (۲۱) حضرت مولانا وصی الدین مردان (۲۲) حضرت مولانا افضل الدین درگ (ایم، پی) (۲۳) حضرت مولانا غلام آسی بلیاوی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

حضرت صدرالشریعہ اور خانوادۂ رضویہ

اپنے مرشد اور مرشد زادوں سے محبت وعقیدت تو ہر مسترشد (مرید) میں ہونے چاہیے، مگر ایسے کچھ لوگ اس عقیدت ومحبت کا صرف زبان سے اظہار کرتے ہیں یا صرف دست بوسی اور قدم بوسی ہی تک یہ جذبہ محدود رہتا ہے۔ لیکن! حضرت صدراشریعہ اس طرح کی مصنوعی عقیدت ومحبت سے مبرا تھے۔ ان کے قول وعمل میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ انہوں نے ہر موقع پر اپنی سچی محبت وعقیدت کا عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ لاریب! صدرالشریعہ اعلیٰ حضرت کے جانثار تھے اور ان کے مسلک ومشن کے فروغ میں انہوں نے بڑا ہی اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔

حضرت صدرالشریعہ کو اپنے مرشد زادوں، امام احمد رضا کے خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں اور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہما سے بھی غایت محبت تھی اور ان کا ادب واحترام کرتے تھے اور خود یہ شاہزادگان رضا بھی صدرالشریعہ کو بہت چاہتے مانتے اور ان پر کامل اعتماد کرتے تھے اور ان کی علمی جلالت کے معترف تھے۔

عرس رضوی اور حضرت صدرالشریعہ:

۱۳۵۰ھ کے آس پاس کا واقعہ ہے کہ برسات میں عرس رضوی پڑنے کی وجہ سے دقت آتی تھی لہذا مولانا ابرار حسن خاں تلہری، مولانا محمد علی آنولوی اور جماعت رضائے مصطفےٰ کے چند اراکین نے سوچا کہ عرس رضوی کو اگلے ماہ کے لیے ہٹا دیا جائے۔ اس کے لیے ان حضرات نے مقامی اور بیرونی حضرات سے تائیدی دستخط لینے شروع کیے اور اکثریت

اس پر راضی تھی کہ عرس کو اگلے ماہ کے لیے ہٹا دیا جائے۔ لیکن ابھی چند ارباب بست وکشاد کے دستخط باقی تھے۔ اسی لیے یہ دونوں صاحبان حضرت صدرالشریعہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تجویز کی زبردست وکالت کی لیکن حضرت صدرالشریعہ نے صاف فرمادیا: ''دوسرے مہینے اور دنوں میں عرس کو منتقل کردیا جائے گا تو عرس نہیں ہوگا۔ ہاں ایک اجتماع اور مجمع ہوگا، مزار شریف پر حاضری کا فائدہ حاصل ہوگا مگر عرس شریف میں حاضری سے جو خاص فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ نہ حاصل ہوسکیں گے میں تو اسی ماہ صفر میں ان خاص تاریخوں میں بشرط استطاعت حاضری دیتا رہوں گا اور اس پر دستخط نہیں کروں گا''۔

اب حضرت صدرالشریعہ کے اس فیصلے کو جس نے بھی سنا ان کی رائے کی تحسین کی حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم ہند نے بھی ان کی رائے کو بہ نظر استحسان دیکھا اور عرس رضوی اپنی اصل تاریخوں میں ہوا اور ہوتا آرہا ہے''۔ (ملخصا۔ مضمون حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ از مولانا غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ مشمولہ ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف بابت ماہ جنوری۔فروری ۱۹۶۷ء)

(۲) عرس رضوی کا انتظام چندہ کے بغیر ہوتا تھا اور مصارف حجۃ الاسلام اور بعدہ مفتی اعظم اپنے پاس سے کرتے تھے۔ اس کا خاموش اور بہتر طریقہ حضرت صدرالشریعہ نے یہ نکالا کہ اپنے میمن مریدین اور مرید خاص حضرت مولانا پیر عبدالحق صاحب وغیرہ کو مالی مدد کا اشارہ کردیا۔ ان حضرات نے سرکار مفتی اعظم کو نذرانے میں کثیر رقوم پیش کیں اور اس بات کا احساس بھی نہ ہونے دیا کہ یہ سب عرس رضوی کے مصارف کو دیکھتے ہوئے کیا جارہا ہے۔ (مضمون حضرت غلام جیلانی علیہ الرحمہ سے تلخیص۔ جو ماہ نامہ فیض الرسول براؤں شریف میں شامل ہے)

حجۃ الاسلام اور صدرالشریعہ:

حجۃ الاسلام سے بھی صدرالشریعہ کو بہت لگاؤ تھا اور دونوں کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ حجۃ الاسلام صدرالشریعہ کے علمی وقار کے معترف تھے۔ حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

''کچھ عرصہ ہوا کہ دارالعلوم منظر اسلام (بریلی) کے ارباب بست وکشاد نے اس امر پر غور کیا کہ اس درس گاہ کا صدرالمدرسین کس کو مقرر کیا جائے تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فوقانی طلبہ ایک سبق حامد رضا خاں اور امجد علی اور رحم الٰہی ان تینوں سے پڑھ لیں اس کے بعد دیکھیں جس کی طرف ان کا میلان زیادہ پایا جائے اسی کو صدرالمدرسین بنایا جائے۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ ان طلبہ نے فن معقول کی کسی اہم کتاب کے ایک مشکل مقام کو پوشیدہ طور پر کسی سے پڑھا بعدہ طلبہ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس پڑھے ہوئے حصے کو آپ سے پڑھنا شروع کیا۔ چوں کہ یہ لوگ خوب تیار ہوکر گئے تھے لہذا اعتراضات کی بوچھار شروع کردی۔ استاذی حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے اس حصۂ کتاب کا مطالعہ بھی نہیں کیا تھا اور نہ آپ کو پہلے سے باخبر کیا گیا تھا کہ طلبہ فلاں کتاب کو فلاں جگہ سے

آپ سے پڑھیں گے مگر اس کے باوجود آپ نے ان کے ہر اعتراض کا ایسا شافی جواب دیا کہ ہر ایک کی تسلی ہوگئی اور ان میں کا ہر ایک بول اٹھا کہ اس سے بہتر تفہیم کیا ہوسکتی ہے چنانچہ دارالعلوم کے صدرالمدرسین آپ ہی مقرر ہوئے۔۔۔

حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ طلبہ کے اعتراضات اور آپ کے جوابات کو ایک خاص جگہ چھپ کر سن رہے تھے جب وہاں سے واپس آئے تو لوگوں سے بیان فرمایا:

''مولانا امجد علی صاحب جوابات دے رہے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دریائے ذخار ہے جو موجیں مار رہا ہے'' (ایضا)

مفتی اعظم ہند اور صدرالشریعہ:

حضرت صدرالشریعہ اور مفتی اعظم میں برادرانہ اور دوستانہ تعلقات تھے۔روایت ہے کہ عرس رضوی کے موقع پر جب صدرالشریعہ بریلی شریف تشریف لاتے تو سرکار مفتی اعظم انہیں لینے کے لیے سواری لے کر بریلی جنکشن جایا کرتے تھے۔

حضور مفتی اعظم نے ایک بار فرمایا کہ صدرالشریعہ نے بریلی ہی کو اپنا گھر سمجھا۔ وہ صاحب اثر بھی تھے اور کثیر التعداد طلبہ کے استاذ بھی۔ وہ چاہتے تو بآسانی کوئی دارالعلوم ایسا کھول لیتے جس پر وہ یکہ وتنہا قابض رہتے مگر ان کے خلوص نے ایسا نہیں کرنے دیا'' (ایضا)

دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف (بانی مفتی اعظم علیہ الرحمہ) کا سارا خرچ سرکار مفتی اعظم اپنے طور پر چلاتے تھے۔ایک موقع ایسا بھی آیا کہ مدرسہ کے مصارف کے سلسلے میں مفتی اعظم مقروض ہوگئے مگر کسی کو اس کی خبر نہ ہونے دی۔صدرالشریعہ نے اس بات کو محسوس کرلیا تو اپنے مریدین سے حضرت کی بارگاہ میں اس طرح نذرانہ پیش کرایا کہ مفتی اعظم کو محسوس بھی نہ ہونے پائے کہ یہ سب کچھ قرض کی سبک دوشی کے لیے ہورہا ہے اور بالآخر کثیر رقم نذرانہ میں آگئی صدرالشریعہ نے مریدین کو یہ بھی اشارہ دیا کہ یہ نذر مفتی اعظم کی بارگاہ میں نہیں بلکہ بارگاہ امام احمد رضا میں پیش کی جارہی ہے۔سبحان اللہ! (ایضاً تلخیص)

تبصرہ:

یہ حقیقت ہے کہ سیدنا صدرالشریعہ نے اپنے لیے کچھ نہیں کیا نہ مدرسہ بنایا نہ مریدین کو آج کے پیروں کی طرح صرف اپنے فائدے کے لیے ریزرو کیا بلکہ ان کو بریلی شریف کا مخلص بنادیا۔

وصال پاک

حضرت صدرالشریعہ اور سرکار مفتی اعظم دونوں اپنی اپنی اہلیہ کے ساتھ حج وزیارت کے لیے بریلی شریف سے روانہ ہوئے۔راستے میں سخت بارش کے سبب صدرالشریعہ کو ٹھنڈک لگی اور نمونیہ ہوگیا۔ممبئی اسٹیشن سے قیام گاہ پر لائے

گئے۔مفتی اعظم اپنی قیامگاہ سے عیادت کے لیے تشریف لاتے رہتے۔جس روز بحری جہاز کے کھلنے کا وقت تھا اس سے ایک دن قبل مفتی اعظم صدرالشریعہ کی عیادت کو آئے ۔ دونوں کا عجیب عالم تھا۔مفتی اعظم کے رخصت ہوتے ہی صدرالشریعہ کی حالت اور خراب ہوگئی۔۔۔۔ بالآخر آپ ممبئی ہی میں رحلت فرما گئے۔

وصال صدرالشریعہ کے آخری وقت علما اور نیاز کیشوں کا ایک مجمع تھا۔لوگوں نے اکھڑتی ہوئی سانسوں سے آپ کو ذکر کرتے ہوئے سنا۔

مادہ تاریخ: " اِنّ الْمُتّقِیْنَ فِی جَنّٰتٍ وّعُیُــوْنٍ "

شاعر مشرق علامہ شفیق جونپوری نے چہلم کے موقع پر بطور ہدیہ عقیدت یہ قطع پیش کیا۔

سلامی جا بجا ارض وسما دیں ۔۔ مہ وخورشید پیشانی جھکادیں
ترے خدام اے صدرشریعت ۔۔ جدھر جائیں فرشتے پر بچھادیں

صدرالشریعہ کی کرامت:

(۱) ایک بار برسات میں پانی کے بہاؤ کی وجہ سے صدرالشریعہ کی قبر مبارک کا ایک حصہ کھل گیا تو جس باغ میں آپ مدفون ہیں وہ پورا باغ خوشبو سے معطر ہوگیا اور جو خوشبو یہاں سونگھنے کو ملی وہ دنیا کے کسی عطر وگلاب میں نہ ملی۔ موافق ومخالف سبھی نے اس خوشبو کو محسوس کیا۔ایک مخالف نے برملا یہ کہا کہ مولوی امجد علی مرنے کے بعد بھی اپنی کرامت سے باز نہ آئے۔(حوالہ صدرالشریعہ نمبر ص ۱۸۰،۱۹۶)

خلاصۂ کلام:

فقیہ اعظم حضور صدرالشریعہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یقیناً ایک عہد کے مسیحا اور ایک دور کے مؤسس ہیں۔فعال اور حیات بخش!

عشق کی رہ میں فنا ہو گیا دیوانہ تھا ۔۔ روش کش مکش دہر سے بیگانہ تھا
ہند کی خاک کا بے مثل خطیب اعظم ۔۔ شمع محراب رسالت ترا پروانہ تھا
کس قدر سادہ و بے داغ ہیں اوراق حیات ۔۔ روشنی بخش ہیں کس درجہ تیرے نقش قدم
سنت سرور عالم کے ہیں جلوے ظاہر ۔۔ پیکر صدرِ شریعت ہے نہیں ساغر جم

حضرت حافظ ملت کے چند مشہور معاصرین:

یوں تو کسی شخص کے معاصرین میں اس کے اکابر کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے کہ جن کی حیات تک وہ اپنی زندگی کا آغاز کر چکا ہو۔اسی طرح اس کے وہ اصاغر جو اس کی مدت حیات میں اپنی عملی زندگی کا آغاز کر چکے ہوں۔

اس روشنی میں حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے ان تلامذہ کا بھی شمار ان کے معاصرین میں ہوسکتا ہے جو اُن کی

زندگی ہی میں اپنی عملی زندگی کا آغاز کر کے کسی مقام ومرتبہ کے لائق ہو گئے تھے لیکن یہاں حضرت علیہ الرحمہ کے تلامذہ کو شامل نہیں کیا جائے گا البتہ اکابر میں ان کے مرشد برحق، استاذ معظم نیز دوسرے مشاہیر کو شامل رکھا جائے گا کہ جن کی حیات ہی میں انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کر دیا تھا۔ چند مشاہیر علماء اور مشائخ کے اسماء پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں سجادہ نشین سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیر شریف

۲۔ مرشد حافظ ملت حضرت شیخ المشائخ مولانا سید علی حسین اشرفی میاں قبلہ کچھوچھہ شریف (بھارت۔ متوفی ۱۹۳۶ء)

۳۔ حافظ ملت کے مرشد اجازت اور استاذ معظم حضرت صدر الشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی (م ۱۹۴۸ء)

(رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

مشائخ مارہرہ مطہرہ

۴۔ حضرت مولانا سید اولاد رسول فخر العالم محمد مارہروی (م ۱۹۵۱ء)

۵۔ تاج العلماء حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب قبلہ (م ۱۳۷۵ء)

۶۔ حضرت سید العلماء مولانا سید آل مصطفیٰ میاں (م ۱۹۷۴ء)

۷۔ حضرت احسن العلماء مولانا سید حسن میاں قبلہ (م ۱۹۹۵ء)

۸۔ حضرت مولانا اولاد رسول اچھے میاں (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

مشائخ کچھوچھہ مقدسہ

۹۔ حضرت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد میاں اشرفی جیلانی (م ۱۹۶۳ء)

۱۰۔ حضرت مولانا سید احمد اشرف شاہ زادۂ اشرفی میاں

مشائخ بریلی شریف

۱۲۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی (م ۱۹۴۲ء)

۱۳۔ حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی (م ۱۹۸۱ء)

۱۴۔ نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مفسر اعظم مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں (م ۱۹۶۵ء) (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

خلفائے اعلیٰ حضرت بریلوی:

۱۵۔ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب۔ قطب مدینہ۔ مدینہ منورہ (م ۱۹۸۲ء)

۱۶۔ حضرت برہان ملت مولانا عبد الباقی برہان الحق جبل پوری (بھارت) متوفی ۱۹۸۴ء

۱۷۔ حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین عظیم آبادی (بھارت) متوفی ۱۹۶۲ء

۱۸۔ حضرت مولانا رحم الٰہی منگلوری۔ (بھارت) متوفی ۱۹۴۴ء

۱۹۔ حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد قادری (لاہور۔ پاکستان) متوفی ۱۹۷۸ء

۲۰۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (بھارت) متوفی ۱۹۵۴ء
۲۱۔ حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی (بھارت) متوفی ۱۹۴۸ء
۲۲۔ حضرت مولانا مفتی غلام جان ہزاروی لاہور (پاکستان) متوفی ۱۹۵۷ء
۲۳۔ حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف کوٹلی لوہاران (پاکستان) متوفی ۱۹۵۱ء

رفقاے درس:

۲۴۔ حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد گورداسپوری (لائل پور، پاکستان) متوفی ۱۹۶۲ء
۲۵۔ حضرت مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب اڑیسوی (بھارت) متوفی ۱۹۸۱ء
۲۶۔ حضرت صدرالعلماء مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی (بھارت) متوفی ۱۹۷۸ء
۲۷۔ حضرت شمس العلماء قاضی شمس الدین صاحب جونپوری (بھارت) متوفی ۱۹۸۱ء
۲۸۔ حضرت امین شریعت مولانا مفتی رفاقت حسین صاحب بھوانی پوری (بہار۔ بھارت) متوفی ۱۹۸۳ء
۲۹۔ حضرت خیرالاذکیاء مولانا غلام یزدانی صاحب اعظمی (بھارت) متوفی ۱۹۵۴ء
۳۰۔ حضرت رئیس المحققین مولانا سلیمان بھاگل پوری (بھارت) متوفی ۱۹۷۷ء

علماے گھوسی۔ (حال ضلع مئو):

۳۱۔ حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری (شہزادۂ صدرالشریعہ) کراچی۔ پاکستان (م ۱۹۸۹ء)
۳۲۔ حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی (گھوسی، مئو) بھارت۔ (م ۱۹۸۶ء)
۳۳۔ حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی (گھوسی، مئو) بھارت (م ۱۹۷۷ء)

دیگر علماے ہند:

۳۴۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں۔ پیلی بھیت۔ متوفی ۱۹۶۰ء
۳۵۔ حضرت مولانا محبوب علی خاں لکھنوی
۳۶۔ حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ دہلوی (متوفی ۱۹۶۶ء)
۳۷۔ حضرت مولانا فضل حق رام پوری پرنسپل مدرسہ عالیہ لکھنؤ۔ (متوفی ۱۹۴۰ء)
۳۸۔ حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم سمستی پوری صدر مدرس شمس العلوم بدایوں
۳۹۔ حضرت مولانا ابرار حسین صدیقی تلہری۔ مدیر یادگار رضا بریلی شریف (رحمۃ اللہ علیہم)

ممالک بیرونی کے علما و مشائخ:

۴۰۔ امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (پاکستان) متوفی ۱۹۵۱ء

۴۱۔ حضرت مولانا سید احمد سعید کاظمی۔ ملتان (پاکستان) متوفی ۱۹۸۶ء
۴۲۔ حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں بدایونی۔ جامعہ غوثیہ گجرات۔ (پاکستان) متوفی ۱۹۶۰ء
۴۳۔ حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی پیش کار اعلیٰ حضرت۔ لاہور (پاکستان) متوفی ۱۹۷۰ء
۴۴۔ حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی خان بریلوی صدر جمیعۃ علما پنجاب (پاکستان) متوفی ۱۹۷۳ء
۴۵۔ حضرت مولانا مفتی تقدس علی خاں پیر جوگوٹھ (پاکستان) متوفی ۱۹۸۸ء
۴۶۔ سراج الفقہاء حضرت مولانا مفتی سراج احمد خانپوری (پاکستان) متوفی ۱۹۷۲ء
۴۷۔ حضرت مولانا خواجہ محمد حسن جان سرہندی۔ سندھ (پاکستان) متوفی ۱۹۴۹ء
۴۸۔ چشم وچراغ خانوادۂ غوثیہ حضرت پیر سید طاہر علاء الدین گیلانی۔ کراچی پاکستان
۴۹۔ فخر دودمان غوثیہ پیر سید عبدالقادر جیلانی بغدادی سفیر عراق متعینہ سیلون و پاکستان
۵۰۔ حضرت مولانا مفتی عبدالحفیظ حقانی۔ مفتی آگرہ۔ شیخ الحدیث انوار العلوم۔ ملتان (پاکستان) متوفی ۱۹۵۸ء
۵۱۔ حضرت مولانا شاہ محمد عبدالحامد بدایونی صدر جمعیۃ العلما پاکستان۔ متوفی ۱۹۷۰ء
۵۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی، کراچی (پاکستان) متوفی ۱۹۶۶ء
۵۳۔ حضرت مولانا نبی بخش حلوائی مصنف تفسیر نبوی۔ لاہور (پاکستان) متوفی ۱۹۴۵ء
۵۴۔ حضرت مولانا پیر امین الحسنات مانکی شریف۔ پیشاور (پاکستان) متوفی ۱۹۶۰ء

حضرت حافظ ملت کے رفقائے درس

''شرکائے اسباق'' کے عنوان سے حضرت صدر العلماء علامہ غلام جیلانی صاحب قبلہ میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:
شرکائے اسباق میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر یہ اصحاب ہیں بعض حضرات بعض کتب میں شریک تھے اور بعض سب میں۔

(۱) مجاہد ملت حضرت مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی (۲) رئیس المناظرین حضرت مولانا رفاقت حسین بہاری مدظلہ العالی۔ (۳) شمس العلماء حضرت مولانا قاضی شمس الدین احمد صاحب جونپوری مدظلہ العالی (۴) حافظ الملت حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب بھوجپوری مدظلہ العالی (۵) فخر الاماثل حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگل پوری مدظلہ العالی (۶) رئیس الاذکیاء حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب (۷) رئیس الاتقیاء حضرت مولانا سردار احمد صاحب گورداسپوری مدظلہ العالی (۸) فخر العلماء حضرت مولانا محمد محسن صاحب فقیہ مدظلہ العالی (۹) راس المقررین حضرت مولانا صدیق اللہ شاہ صاحب رنگین (۱۰) رئیس القراء حضرت مولانا اسدالحق خاں صاحب مدظلہ العالی۔ (بشیر القاری از صدر العلماء)

کچھ تذکرہ نویسوں نے حضرت حافظ ملت اور ان کے پانچ شرکائے اسباق (۱) حضرت صدر العلماء، (۲) حضرت

محدث اعظم پاکستان (۳) حضرت شمس العلماء (۴) حضرت مجاہد ملت (۵) حضرت امین شریعت مفتی رفاقت حسین صاحب کو ملا کر ''شموس ستہ'' سے یاد کیا ہے۔

راقم حضرت حافظ ملت کے مندرجہ ذیل رفقائے درس کا تذکرہ کر رہا ہے:

۱۔حضرت محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد صاحب گورداس پوری

۲۔حضرت مجاہد ملت علامہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب اڑیسوی

۳۔حضرت صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی

۴۔حضرت شمس العلماء علامہ قاضی شمس الدین جونپوری

۵۔حضرت امین شریعت علامہ رفاقت حسین صاحب مظفر پوری

۶۔حضرت علامہ غلام یزدانی صاحب

۷۔حضرت علامہ محمد سلیمان بھاگل پوری

بشمول حافظ ملت۔مملکت علم و فضل و تدریس کے فرماں روائے اعظم فقیہ اعظم، صدر الشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی بارگاہ کے آٹھ رتن یا ان کے نظام شمسی تدریس کے آٹھ سیارگان بھی کہہ سکتے ہیں اور لا ریب! صدر الشریعہ کے تلامذہ کی اس جماعت کے ہر فرد کو علم و حکمت و عرفان اور درس و تدریس کے شہرستان کی ایسی شہریاری حاصل ہے کہ آج پوری دنیا میں ان کی خسروی کا پرچم لہرا رہا ہے۔

(۱) حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت:

حضرت مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ ۱۹۰۶ء بروز دوشنبہ اس جہان رنگ و بو میں جلوہ افروز ہوئے۔آپ کی ولادت باسعادت قصبہ دیال گڑھ تحصیل بٹالہ ضلع گورداس پور (پنجاب) میں چودھری میران بخش صاحب کے یہاں ہوئی جو اپنے علاقہ کے ممتاز اور دیندار زمیندار تھے۔چودھری میران بخش کے سات فرزندوں میں حضرت مولانا سردار احمد صاحب چوتھے نمبر پر تھے۔آپ کے والدین نے آپ کا نام ''سردار محمد'' تجویز فرمایا لیکن بریلی شریف میں دوران تعلیم تمام بزرگ اور احباب آپ کو ''سردار احمد'' کے نام سے یاد کرتے تھے اور آپ خود ہمیشہ اپنا نام ''محمد سردار احمد'' لکھا کرتے تھے۔

آپ کی والدہ ماجدہ آپ کے بچپن میں فرماتی تھیں کہ ''میرا یہ بچہ آئندہ عظیم شخصیت کا مالک ہوگا۔''

(محمد اصغر: سیرت محدث پاکستان ص ۸)

تعلیم وتربیت:

حضرت محدث اعظم پاکستان نے پرائمری تک کی تعلیم اپنے آبائی قصبہ دیال گڑھ میں پائی پھر ۱۸ رسال کی عمر

میں اسلامیہ ہائی اسکول بٹالہ سے میٹرک پاس کیا بعدہ لاہور آکر ایف۔اے کی تیاری شروع کردی۔

آپ بچپن ہی سے بہت دیندار اور پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔

ایف۔اے کی تیاری ہی کے دوران لاہور میں دارالعلوم حزب الاحناف کی طرف سے حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اہتمام میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں متحدہ ہندوستان کے مشاہیر علماء ومشائخ شریک تھے۔جس وقت حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ جلسۂ عام سے خطاب فرمارہے تھے بریلی شریف سے شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں صاحب قدس سرہ کی آمد کا ٹیلی گرام موصول ہوا۔

حضرت صدرالافاضل نے حضرت حجۃ الاسلام کا ایسا زبردست تعارف پیش فرمایا کہ مولانا سردار احمد صاحب نے ان کی زیارت کا ارادہ فرمالیا۔

جب حضور حجۃ الاسلام تشریف لائے تو عوام وخواص کے ساتھ مولانا سردار احمد صاحب نے ان کی دست بوسی وقدم بوسی کی اور ان کا چہرۂ زیبا دیکھ کر ان کے دیوانے ہوگئے۔آپ کے دل کی دنیا بدل چکی تھی اور سر میں حصول علم دین کا سودا سماگیا۔ آپ نے بارگاہ حجۃ الاسلام میں حاضر ہوکر بریلی شریف میں دینی تعلیم کے حصول کی التجا کی ۔ حضرت حجۃ الاسلام کی نظر ولایت نے آپ کو پہچان لیا اور کرم فرمائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں اپنے ہمراہ بریلی شریف لے آئے۔

دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں تعلیمی سلسلہ:

حضرت محدث اعظم پاکستان نے ابتدائی کتب حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ سے پڑھیں اور منیۃ المصلی وقدوری تک کی کتابیں حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ العزیز نے آپ کو خود پڑھائیں۔

حضرت صدرالشریعہ کے سایۂ کرم میں:

جس وقت حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں تعلیم دے رہے تھے حضرت محدث اعظم پاکستان بھی ان کی تدریسی شہرت سن کر اجمیر شریف چلے گئے اور حضرت صدرالشریعہ کی خدمت میں حاضر ہوکر زانوئے تلمذ طے کیا۔

آپ چھٹی کے بعد حضرت صدرالشریعہ کے دولت کدے پر حاضر ہوکر اپنی پیاس بجھاتے ۔ نماز عصر کے بعد جب حضور صدرالشریعہ سیر وتفریح کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ بھی ہاتھ میں کوئی کتاب لے کر ساتھ چلے جاتے اور سیر کے ساتھ ساتھ درس وتدریس بھی ہوتی رہتی۔

صدرالشریعہ کے حکم کا انتظار:

تقسیم ہند کے بعد جب حضرت محدث اعظم بریلی شریف سے اپنے وطن لوٹے تو وہاں کے کئی بزرگ علماء

ومشائخ نے خواہش کی کہ وہ ان کے اداروں میں کام کریں۔ کراچی کے رؤسا نے چاہا کہ وہ ان کے ذریعہ کسی مرکز تعلیم کا آغاز کریں مگر آپ نے جواباً ہر ایک سے یہی فرمایا:

''میں استاذی المحترم حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا شاہ علامہ حکیم محمد امجد علی اعظمی وسیدی سندی حضرت فیض درجت مفتی اعظم زیب آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف کے حکم کا منتظر ہوں۔ جس جگہ وہ فرمائیں گے یا غیبی اشارہ ہوگا وہیں قیام کروں گا۔''

(ہفت روزہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ ۲۵ رشعبان ۱۳۷۸ھ/ ۲۶ رمارچ ۱۹۵۹ء ص ۳، نوری کرن بریلی شریف، مارچ، اپریل ۱۹۶۳ء ص ۲۰، محدث اعظم پاکستان ازمولانا جلال الدین صاحب جلد نمبر ا ص ۲۷۴، ۲۷۵)

محدث اعظم پاکستان سے صدر الشریعہ کی محبت:

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنے مکان کی تعمیر نو میں مصروف تھے لیکن ان کا دل اجمیر مقدس اور پالی وغیرہ جانے کو بے قرار تھا اس لیے کہ وہاں کے احباب اور نیاز مندوں سے ملاقات کریں۔ ساتھ ہی ساتھ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ کو دیکھنے کے بھی ازحد مشتاق تھے۔ ملاحظہ کیجئے حضرت صدر الشریعہ کا مکتوب بنام محدث اعظم۔ تحریر فرماتے ہیں:

''تمہیں دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے اور یہاں کے سب لوگ تمہارے مشتاق ہیں۔ یہ تحریر کرو کہ تم کب یہاں آؤ گے۔ نہایت خلوص کے ساتھ دعا کرو کہ مولیٰ تعالیٰ افکار حاضرہ سے مجھے جلد اطمینان دے کر نجات بخشے۔ چھوٹے حضرت صاحب (شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد مصطفےٰ رضا بریلی علیہ الرحمہ) کو میرا اسلام کہہ دو۔۔۔ فقط

(گھوسی سے بریلی محررہ ۱۳ ار رجب ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۲ رمئی ۱۹۴۸ء'' (محدث پاکستان ص ۴۲)

(۲) حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا یہ حال تھا کہ اپنے تلامذہ کو اولاد کی طرح چاہتے تھے۔ اور لائق وفائق تلامذہ سے زیادہ محبت فرماتے تھے۔ جن میں حافظ ملت اور محدث پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری کے اسماء ممتاز ہیں۔

تحریک آزادی ہند کے وقت ہندوستان کے مسلم اکثریت والے خطے فسادات سے متاثر ہوئے تھے خصوصیت کے ساتھ بریلی، بدایوں، مرادآباد میں کشت وخون ہوا تھا۔ حضرت کے شاگرد رشید حضرت مولانا سردار احمد لائل پوری ان دنوں بریلی شریف میں تھے اور فساد کے متاثرین کی مدد کررہے تھے۔ نوجوان محافظین کی تربیت اور ہدایات کے ساتھ ساتھ لٹے پٹے مسلمان خاندانوں کی دوبارہ آبادکاری جیسے اہم امور میں مشغول تھے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت کا دولت کدہ اور مسجد وخانقاہ عین ہندو آبادی کے قلب میں ہے اس لیے اس کی پاسبانی بھی ضروری تھی۔ بریلی میں ہندو مسلم فساد کی خبریں ہندوستان میں پھیل رہی تھیں۔ اسی دوران ریاست رام پور کے مشہور اخبار ''دبدبۂ سکندری'' میں یہ خبر شائع ہوئی:

''فساد بریلی کے سلسلہ میں حضرت الحاج مولانا مولوی مفتی سردار احمد صاحب صابری چشتی قادری رضوی گورداس پوری صدر المدرسین مدرسہ مظہر اسلام بریلی مسجد بی بی جی کی شہادت کا سانحہ سن کر ایسا صدمہ عظیم پہونچا ہے جس

کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ ہم کمال خلوص ومحبت سے حضرت شبیہ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی روح پاک پر ایصال ثواب کررہے ہیں۔ افسوس ہزار افسوس ع

ایک روشن چراغ تھا نہ رہا

(دبدبۂ سکندری رام پور ۱۰ر جون ۱۹۴۷ء)

فساد بریلی اور شہادت محدث پاکستان کی غلط خبر علمی حلقہ میں جہاں جہاں پہونچی ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ گھوسی میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کو اپنے شاگرد رشید کی شہادت کا علم ہوا تو آپ پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ اس کی دوسری صبح آپ نے ان کی فاتحہ خوانی کے سلسلہ میں شاندار طریقہ سے قرآن خوانی کروائی۔ ان کے اوصاف حسنہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت کی آواز گلوگیر اور آنکھیں نم ہوگئیں۔ اسی تقریر میں صدرالشریعہ نے فرمایا ''میری زندگی میں دو ہی باذوق پڑھنے والے ملے، ایک مولوی سردار احمد صاحب تھے اور دوسرے حافظ عبدالعزیز صاحب ہیں''۔

صدرالشریعہ، حافظ ملت اور محدث اعظم پاکستان:

حافظ ملت علیہ الرحمہ کو سرکار صدرالشریعہ نور اللہ مرقدہ کی بارگاہ میں ایسا رسوخ حاصل تھا کہ وہ اپنی اور اپنے احباب وغیرہ کی ضروریات کو ان کی بارگاہ میں پیش کیا کرتے تھے۔

چوں کہ حافظ ملت اور محدث اعظم صاحب صدرالشریعہ کے خصوصی تلامذہ میں تھے اور دونوں کو ایک دوسرے سے بڑا خلوص بھی تھا۔ اسی خلوص ومحبت کے مدنظر محدث اعظم علیہ الرحمہ کی کمزور حالت کے سبب حضور صدرالشریعہ کی بارگاہ میں تحریر کرتے ہیں:

''مکرمی جناب مولوی سردار احمد صاحب نے بریلی کی نازک حالت تحریر کی۔ امسال مالی نقصان بہت ہوا۔ آئندہ کے لیے بھی کوئی اطمینان نہیں۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں قیام دشوار ہے۔ حضور کی نظر کرم کے متمنی ہیں''

(مکتوب عزیزی: ۲۴ر رمضان ۱۳۵۷ھ)

دستار فضیلت:

حصول علم کے بعد علما واکابر نے حضرت محدث اعظم کا امتحان لیا تو آپ اول آئے۔ ممتحن حضرات میں بحرالعلوم مولانا فضل حق رامپوری، حضرت صدرالافاضل، حضرت مولانا معین الدین اجمیری اور حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہم بھی شریک تھے۔

آغاز تدریس:

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے محدث اعظم صاحب کو مرکزی دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف کے لیے منتخب فرمایا اور آپ نے حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کے زیر سایہ وہاں ۵ر سال تک تدریسی خدمات انجام دیے بعدہ دارالعلوم ''مظہر اسلام'' بریلی شریف (بانی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ) میں گیارہ برس تک تعلیمی خدمات سرانجام دیے۔

خاندان رضویہ سے عقیدت ومحبت:

حضرت محدث اعظم صاحب کو خانوادۂ رضویہ کے ہر ہر فرد سے بڑی عقیدت ومحبت تھی ۔آپ ہمیشہ اس تاک میں رہتے کہ حضرت حجۃ الاسلام مسجد میں تشریف لے جائیں تو یہ ان کا نعلین پاک اٹھا کر رکھیں اور واپسی میں پھر انہیں نعلین پہنائیں۔

حضور مفتی اعظم کے بھی آپ از حد معتقد تھے۔

حضور حجۃ الاسلام اور حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہما بھی آپ پر بہت ہی کرم وشفقت فرماتے تھے۔

بیعت وخلافت:

حضرت محدث اعظم پاکستان کو اعلیٰ حضرت کے خلف اکبر حضور حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں قبلہ علیہ الرحمہ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل تھا اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت شاہ محمد سراج الحق چشتی گورداس پوری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھا۔

محدث اعظم پاکستان اور مناظرے:

حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم محدث، استاذ ومعلم اور مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ فقید المثال مناظر بھی تھے۔

پہلا مناظرہ:

ابھی آپ کو فارغ التحصیل ہوئے صرف ایک ہی سال ہوا تھا اور دار العلوم منظر اسلام میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے کہ دیوبندی مولوی منظور سنبھلی سے ۱۳۵۴ھ میں ایک فیصلہ کن مناظرہ ہوا۔

مولوی منظور سنبھلی بوکھلاہٹ کے عالم میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، حضرت صدر الشریعہ اور حضرت مفتی اعظم جیسے اکابر اہل سنت کو مناظرہ کا چیلنج دے رہا تھا۔

حضرت محدث اعظم پاکستان نے اس مناظرہ کو قبول فرمالیا اور مرزائی مسجد، شہ کہنہ، بریلی شریف، میں ۲۰ محرم الحرام تا ۲۳ محرم الحرام متواتر چار روز تک مناظرہ ہوا۔

جب مولوی منظور مولوی اشرفعلی تھانوی کے کفر کا الزام مٹا نہ سکا تو واہی تباہی بکنے لگا اور فاتحہ وایصال ثواب کی بابت بکواس کرنے لگا۔ اس سے مجمع میں اشتعال پیدا ہوگیا اور جب اسے توبہ کے لیے کہا گیا تو اپنا جبہ قبہ چھوڑ کر فرار ہوگیا۔ بریلی کے سیکڑوں دیوبندی بد مذہبیت سے تائب ہوئے۔اس مناظرہ میں محدث اعظم کی جیت کی خوشی میں حضرت صدر الشریعہ نے ان کی دستار بندی فرمائی اور تاج الفتح پیش فرمایا۔

اس وقت حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ بدایوں میں تھے جب انہوں نے محدث اعظم کی مناظرہ میں فتح کی خبر سنی تو بذریعہ مکتوب انہیں مبارکباد دی۔

حضور مفتی اعظم بغرض علاج اس وقت علی گڑھ میں رونق افروز تھے۔انہوں نے اس مناظرہ کی فتح کی خبر سن کر

مبارکپوری کے دو تار ارسال فرمائے، واپسی پر جلسہ منعقد کرایا اور محدث اعظم صاحب کی دستار بندی فرمائی۔

علاوہ ان کے دیگر اکابر علما نیز محدث اعظم کے رفقائے درس میں حضرت حافظ ملت قبلہ حضرت صدر العلما مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی اور مفتی اعظم کانپور حضرت مفتی رفاقت حسین صاحب نے مبارکپوری کے مکتوبات ارسال کیے۔

علاوہ اس مناظرہ کے احمد آباد (گجرات) اور جامعہ محمدیہ رضویہ بھکھی وغیرہ کے مناظروں میں مولویان دیوبند کو شکست فاش دی۔

حج وزیارت:

حضرت محدث اعظم پاکستان نے ۱۹۴۵ء میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ساتھ حج وزیارت کا شرف حاصل کیا۔ دوبارہ حج وزیارت کا شرف آپ کو ۱۹۵۶ء میں حاصل ہوا۔

حجۃ الاسلام کی نماز جنازہ:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے خلف اکبر حضور حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لیے وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ عزیزم مولانا سردار احمد صاحب پڑھائیں اور خاندان کا کوئی فرد اس پر معترض نہ ہو۔

اس طرح حجۃ الاسلام (وصال پاک۔ ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ) کی نماز جنازہ آپ ہی نے پڑھائی۔

ہجرت پاکستان:

۱۹۴۷ء میں آپ پاکستان ہجرت فرما گئے۔ پہلے لاہور پہنچے پھر وہاں سے وزیر آباد اور وزیر آباد سے ساروکی میں قیام فرمایا جہاں جمعہ کی امامت وخطابت پر آپ مامور ہوئے۔

لائل پور میں آمد:

ساروکی کے بعد آپ لائل پور (فیصل آباد) تشریف لے گئے اور محلہ سنت پورہ میں دورۂ حدیث شریف کا اجراء فرمایا۔ مولانا عبدالقادر شہید، مولانا معین الدین شافعی اور دوسرے تیرہ طلبہ نے اس دورۂ حدیث شریف میں شرکت کی اور اسناد حاصل کیں۔

دارالعلوم مظہر اسلام پاکستان کا قیام:

گول باغ۔ جھنگ بازار میں آپ نے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بعد میں ''دارالعلوم مظہر اسلام'' کی بنیاد رکھی۔

حکومتی مدد سے گریز:

آپ دارالعلوم کے لیے اعلانِ چندہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ دسمبر ۱۹۵۳ء میں آپ انجمن غلامان مصطفےٰ کی

دعوت پر راولپنڈی، ایک اجلاس میں تقریر فرمانے کے لیے تشریف لے گئے ۔ سامعین اجلاس میں حکومت کے اہم عہدے داران بھی تھے ۔ دوران جلسہ منتظمین میں سے کسی نے حکومت کو جامعہ رضویہ مظہر اسلام کی مالی مدد کرنے کے لیے متوجہ کیا۔ آپ نے سنا تو انہیں سختی سے منع کیا اور فرمایا:

''ہمیں مخلص عوام اہل سنت کا تعاون حاصل ہے۔حکومت کی امداد قبول کرنا ہمارا طریقہ نہیں ۔ اگر آج ہم نے حکومت کی امداد قبول کر لی تو کل حکومت کے ہر جائز وناجائز اقدام کی حمایت کرنا ہوگی ۔ ایسا ہم سے نہیں ہوسکتا۔''
(محدث اعظم پاکستان از مولانا جلال الدین ص۴۹۴)

تلامذہ:

حضرت محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے تلامذہ کی تعداد بہت کثیر ہے ۔صرف چند مشاہیر کے اسماء پیش کیے جارہے ہیں ۔

(۱) شہزادۂ صدرالشریعہ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری (۲) مفتی وقارالدین صاحب (۳) مولانا غلام رسول صاحب لائل پوری (۴) مفتی شریف الحق قبلہ (۵) علامہ تحسین رضا خاں صاحب بریلوی (۶) مفتی عبدالقیوم ہزاروی (۷) مولانا معین الدین شافعی (۸) مولانا محمد عبدالقادر صاحب ،شہید (۹) مفتی محمد حسین سکھروی (۱۰) مولانا فیض احمد اویسی (۱۱) مولانا ابراہیم خوشتر (تذکرہ جمیل از مولانا ابراہیم خوشتر)

وصال مبارک:

حضور محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ کا وصال پاک شب ۲۹؍رجب المرجب ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۹؍دسمبر ۱۹۶۲ء درمیانی رات ۱؍بج کر ۴۰؍منٹ پر ہوا۔

کراچی میں آپ کی نماز جنازہ شہزادۂ صدرالشریعہ حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی ۔ پھر جنازہ مبارکہ لائل پور لے جایا گیا۔

جنازہ میں شریک ہونے والوں کا بیان ہے کہ آپ کے تابوت مقدس پر ''محسوس نور'' کی جھما جھم بارش ہورہی تھی اور دن کی روشنی میں سب اس نورانی پھوہار کو دیکھ رہے تھے ۔(محدث پاکستان از جناب محمد اصغر)

لائل پور میں نماز جنازہ آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالقادر شہید نے پڑھائی ۔اخباری اطلاعات کے مطابق نماز جنازہ میں تین لاکھ مسلمانان اہل سنت نے شرکت کی ۔آپ کی تعمیر کردہ سنی رضوی جامع مسجد کے پہلو میں آپ کو دفن کیا گیا۔

مادہ ہائے تاریخ وصال از سرکار مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ

مر گیا فیضان جس کی موت سے ہائے وہ فیض انتما جاتا رہا ۱۳۸۲ھ

"یا مجیب اغفر لہ" تاریخ ہے کس برس وہ رہنما جاتا رہا

۱۳۸۲ھ

دیو کا سر کاٹ کرنوری کہو چاند روشن علم کا جاتا رہا

انہیں مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے حضرت محدث اعظم کے وصال پر "میرا چاند" کے عنوان سے تاثرات بھی پیش فرمائے تھے۔ (مفتی اعظم ہند از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی)

اولاد امجاد:

(۱) صاحبزادہ قاضی محمد فضل رسول حیدر رضوی سجادہ نشین

(۲) صاحبزادہ غازی فضل احمد رضا

(۳) صاحبزادہ حاجی فضل کریم

ماخذ:

(۱) محدث اعظم پاکستان از مولانا جلال الدین نوری (۲) سیرت محدث پاکستان از جناب محمد اصغر (۳) ماہنامہ نوری کرن بریلی شریف (۴) ماہنامہ اشرفیہ: حافظ ملت نمبر (۵) ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ (۶) مفتی اعظم ہند از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی۔

حضرت مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ:

شجرۂ نسب: حضرت مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ کے جد اعلیٰ حضرت شاہ کمال بلخی قدس سرہ العزیز بندگان خدا کی فیضیابی کی خاطر بلخ سے ہندوستان تشریف لائے اور پٹاسپور ضلع مدنا پور (مغربی بنگال) کو اپنا میدان عمل بنایا۔ حضرت شاہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے پرپوتے حضرت مولوی محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ نے پٹاسپور کو خیرآباد کہہ کر بھدرک ضلع بالا پور اڑیسہ تشریف لے گئے اور بھدرک ہی کو رشد و ہدایت کا مرکز بنایا۔

حضرت شاہ کمال بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت عبداللہ بن حضرت عباس (رضی اللہ عنہما) سے ملتا ہے۔

حضرت مجاہد ملت کے دادا حضرت محمد مظہر الحق عرف ملا مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادگان تھے۔

(۱) حضرت عبدالمنان (۲) حضرت عبدالدیان ۔۔۔۔ رحمۃ اللہ علیہما

حضرت عبدالمنان علیہ الرحمہ، حضور مجاہد ملت کے والد ماجد ہیں۔ حضرت عبدالمنان صاحب علیہ الرحمہ کی چار اولادیں ہوئیں۔

(۱) حضرت مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب

(۲) حضرت قاری مجیب الرحمٰن صاحب

(۴،۳) لڑکیاں

حضرت مجاہد ملت کے دادا حضرت محمد مظہر الحق صاحب کے ماموں منشی عبد الرؤف صاحب دھام نگری لاولد تھے لہذا انہوں نے محمد مظہر الحق صاحب کو گود لے کر اپنے رؤفیہ اسٹیٹ کا متولی مقرر کر دیا۔ اس طرح حضور مجاہد ملت کا خاندان ''دھام نگر'' میں آباد ہوا۔

حضور مجاہد ملت جاگیردار گھرانے کے چشم و چراغ تھے، بہت ہی رئیس اور امیر وکبیر۔ اسی لیے آپ کو ''رئیس اڑیسہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

ولادت اور تعلیم و تربیت:

حضرت مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب بمقام دھام نگر ضلع بالیسور (اڑیسہ) میں ۸؍محرم الحرام ۱۳۲۲ھ ۲؍مارچ ۱۹۰۴ء بروز شنبہ جلوہ افروز ہوئے۔ چار سال کی عمر میں آپ کے سر سے والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا اور پرورش کی ذمہ داری آپ کے عم محترم حضرت عبد الدیان علیہ الرحمہ پر آئی۔

حضرت مجاہد ملت کے والد ماجد آپ کو عالم دین بنانا چاہتے تھے لیکن آپ کے چچا انہیں مروجہ تعلیم دلا کر اعلیٰ حکومتی عہدہ پر فائز کرانا چاہتے تھے لہذا اس غرض سے اسکول میں داخلہ کرایا اور آٹھویں کلاس میں پہنچ گئے۔ اسی اثناء میں آپ سخت بیمار ہوئے، علالت کا سلسلہ پورے ماہ رمضان تک جاری رہا۔ دماغی توازن بگڑ گیا۔ کافی علاج ومعالجہ کے بعد صحت یاب ہوئے اور پھر انگریزی تعلیم کا سلسلہ منقطع کرادیا گیا۔ اور گھر ہی پر دینی تعلیم کی ابتداء ہوئی۔

ابتدائی اساتذہ کرام:

(۱) مولوی عبد العزیز صاحب اجمیری ثم کلکتوی نے میزان سے کافیہ تک کی تعلیم دی۔

آپ کی دینی تعلیم کے لیے دھام نگر میں ''مدرسہ حمیدیہ'' کا قیام عمل میں آیا جہاں آپ نے متعدد علماء سے تعلیم پائی۔

شادی خانہ آبادی:

۹؍رجب ۱۳۴۰ھ کو آپ کی شادی آپ کے چچا حضرت عبد الدیان صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔

مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں داخلہ:

۱۳۴۲ھ میں آپ نے مدرسہ سبحانیہ، الہ آباد میں داخلہ لیا اور وہاں ترمذی شریف تک کی تعلیم حاصل کی۔

درس گاہ صدر الشریعہ میں حاضری:

مزید علمی پیاس بجھانے کی خاطر آپ اس بحر ذخار کے ساحل پر پہنچے جسے زمانہ فقیہ اعظم صدر الشریعہ کے نام نامی اسم گرامی سے جانتا مانتا اور پہچانتا ہے۔ آپ نے مدرسہ معینیہ اجمیر مقدس میں داخلہ لیا اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے میر زاہد، قاضی مبارک، امور عامہ اور توضیح تلویح وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

مولانا سید حامد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عربی ادب اور مولانا عبدالحی سرحدی سے معقولات کی تعلیم لی۔

بارگاہ صدرالافاضل میں باریابی:

دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف میں حصول علم کے بعد آپ نے جامعہ نعیمیہ مرادآباد جاکر حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ سے حدیث کی بقیہ کتابوں اور طب یونانی کی تکمیل فرمائی۔

درس وتدریس:

حضرت صدرالافاضل کے حکم پر حضور مجاہد ملت نے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔ اسی دوران حضرت مولانا عبدالکافی علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا لہذا مدرسہ سبحانیہ کی تعلیمی درستگی کی خاطر آپ نے ۱۹۳۴ء میں وہاں کی صدر مدرسی قبول فرمائی۔

بیعت وخلافت:

حضور مجاہد ملت کو حضرت مولانا عبدالکافی قدس سرہ سے سلسلۂ عالیہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ میں شرف بیعت حاصل تھا۔ آپ کو مندرجہ ذیل حضرات سے بھی خلافت واجازت تھی۔

۱۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں بریلوی

۲۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا سید علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی

۳۔ خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی

۴۔ حضرت مولانا حکیم محمد احسن معروف بہ حکیم بادشاہ (رحمۃ اللہ علیہم)

خانوادۂ رضویہ سے عقیدت ومحبت:

حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ کو خانوادہ رضویہ کے شاہزادگان سے عقیدت ومحبت تھی بالخصوص سیدنا حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ سے کہ جب کبھی حامد نام سنتے تو سر جھکا لیتے۔

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں قبلہ اور نبیرۂ اعلیٰ حضرت مفسر اعظم ہند حضرت مولانا محمد ابراہیم رضا خاں قبلہ قدس سرہما کے بھی بہت نیاز مند تھے۔

حضرت حافظ ملت اور حضرت مجاہد ملت:

حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز اور حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہما کے بڑے ہی پرخلوص تعلقات تھے۔ حضور حافظ ملت نے کئی مرتبہ حضرت مجاہد ملت کو دارالعلوم اشرفیہ کے طلبہ کا امتحان لینے کے لیے بلایا اور اس کا سبب یہی تھا کہ حضرت حافظ ملت آپ کے علم وفضل سے خوب واقف تھے اور ان کی علمیت کے قدردان تھے۔ مجاہد ملت کے ایک بار بحیثیت ممتحن دارالعلوم اشرفیہ کے سالانہ جلسے میں تشریف آوری کا واقعہ اس طرح ہے:

حضرت مجاہد ملت طلبہ کے امتحان کے لیے اشرفیہ تشریف لائے اور سوال کا آغاز المقدمہ سے کیا اور پوچھا کہ اس میں حرف دال پر فتحہ ہے یا کسرہ۔ سوال وجواب اور تشریح وتوضیح کا سلسلہ گھنٹوں چلتا رہا۔ اسی ایک سوال کے بال کی کھال اتارنے میں سب طلبہ کو شریک کرلیا اور دن کا آدھا حصہ صرف ہوگیا۔

حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ اشرفیہ کے طلبہ کی استعداد سے بہت مسرور ہوئے۔

حضور حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ کے سنگ بنیاد کے موقع پر حضرت مجاہد ملت کو شامل رکھا تھا۔

حج وزیارت:

حضرت مجاہد ملت نے پہلا حج بعمر ۱۹ رسال ۱۳۴۱ھ میں کیا۔ دوسری بار حج وزیارت کا شرف ۱۹۵۵ء میں حاصل کیا۔ تیسری بار ۱۹۵۹ء میں حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ چوتھا حج ۱۹۷۳ء میں کیا۔ پانچویں بار آپ ۱۹۷۴ء میں حج وزیارت کو تشریف لے گئے۔ چھٹی بار ۱۹۷۹ء میں حج وزیارت کے لیے تشریف لے گئے مگر کچھ سنتوں کی تکمیل اس طرح کی کہ گرفتار ہوئے اور بغیر حج کے واپس کردیے گئے۔ آخری حج آپ نے ۱۹۸۰ء میں ادا کیا۔

سفر بغداد معلیٰ:

۱۹۵۴ء اور ۱۹۸۰ء میں آپ نے بغداد شریف کی حاضری دی۔

مجاہد ملت، واقعی مجاہد ملت تھے

حضور مجاہد ملت واقعی مجاہد تھے اور ایسے ہی مردان خدا کے لیے اقبال نے یہ شعر کہا ہے

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضور مجاہد ملت اللہ کے شیر تھے۔ وہ جہاں حق پرستوں اور مسلمانان اہل سنت کے لیے شاخ گل کی طرح نرم ونازک اور لچک دار تھے وہیں باطل پرستوں کے لیے تیغ آبدار تھے۔ آپ نے متعدد بار قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن باطل سے کبھی ہار نہ مانی اور ہر محاذ پر کامیاب وکامران اور سربلند رہے۔

۱۹۷۹ء کے حج وزیارت کے موقع پر سنتوں کی تکمیل کے لیے نجدی حکومت سے تن تنہا ٹکراگئے۔ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرلیں مگر مومنانہ شان پر حرف نہ آنے دیا۔

آپ نے فرنگی حکومت کے وائر ٹیکس کے خلاف احتجاج کیا، گرفتار ہوئے مگر فرنگی قانون کو تسلیم نہیں کیا۔ اسی طرح کئی بار مسلمانوں پر کیے جانے والے مظالم اور فرقہ وارانہ فسادات کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا، حکومت کے خلاف تقریریں کیں اور ہر موقع پر حق گوئی وبے باکی کا مظاہرہ کیا۔ آپ پر ''ڈی۔آئی۔آر'' اور ''مسیما'' وغیرہ کا مقدمہ چلایا گیا۔ سلطان پور، غازی پور وغیرہ جیلوں میں رہے مگر ماتھے پر شکن نہ آئی۔ ہر بار سنت شبیری وعابدی (امام زین العابدین) پر عمل کیا۔

مناظرہ:

مناظرہ سرکار مجاہد ملت کا خاص میدان تھا۔ آپ کی حیات میں جتنے بڑے بڑے مناظرے ملک میں ہوئے آپ نے سب میں شرکت فرمائی اور سنی مناظرین کی رہنمائی کی اور الحمد للہ فاتح وکامران رہے۔
آپ نے آریہ سماجوں اور عیسائی پادریوں سے بھی مناظرے کیے اور کتنے گمراہوں اور غیر مسلموں کو آپ کی بدولت صراط مستقیم اور ایمان نصیب ہوئی۔

مجاہد ملت کے چند مشاہیر تلامذہ:

(۱) حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب بلیاوی (۲)۔ حضرت مولانا عبدالرب صاحب مراد آبادی (۳) حضرت مولانا نعیم اللہ خاں علیہ الرحمہ (۴) حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی (۵) حضرت مولانا عاشق الرحمٰن صاحب (۶) حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب وغیرہم

چند مشاہیر خلفا:

(۱) حضرت مولانا عبدالوحید صاحب حبیبی (۲) حضرت مولانا عبدالرب صاحب مراد آبادی (۳) حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب بلیاوی (۴) حضرت مولانا سید عباس علوی مالکی (۵) حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی (۶) حضرت مولانا عاشق الرحمٰن (۷) حضرت مولانا مدثر حسین حبیبی (۸) حضرت مولانا قاری نعمت اللہ (۹) حضرت مولانا محمد علی جناح حبیبی (وغیرہم)

آل انڈیا تبلیغ سیرت کی بنا:

سیرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کر کے اسلامیان ہند کی صلاح وفلاح اور وقار وکامرانی کے لیے سرکار مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے ۱۳۶۸ھ میں "آل انڈیا تبلیغ سیرت" کی بنیاد رکھی۔ ملک کے مختلف صوبوں میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں اور بنگال واڑیسہ نیز ممبئی میں اس کے ذریعہ وسیع پیمانے پر اصلاحی کارنامہ انجام پذیر ہوا۔

خاکساران حق:

عنایت اللہ مشرق کی گمراہ کن "خاکسار تحریک" کے توڑ کے لیے حضرت مجاہد ملت نے "خاکساران حق" کی تشکیل فرمائی۔

خاکساران حق کے اغراض ومقاصد:

(۱) انسانی ضرورتوں کو حتی الوسع پورا کرنا اور سیاسی، معاشرتی، تعلیمی، اخلاقی، اور اقتصادی ٹھوس خدمت اور حفاظت کرنا۔

(۲) حقیقی جمہوریت کو عملی شکل دینے کے لیے جدو جہد کرنا۔

(۳) پسماندہ اقوام کو ان کے حقوق دلانے کے لیے جد و جہد کرنا۔
(۴) انسانی بنیادوں پر مساوات قائم کر کے تعصب و نفرت ختم کرنا۔
(۵) عالمی امن اور انسانی تحفظ کی خاطر جد و جہد کرنا۔
(۶) شرع مطہر کی روشنی میں ملک کے آئینی اور حکومت کے تعمیری کاموں میں تعاون کرنا۔
(۷) ملک کے جوان طبقہ کے اخلاق و کردار کو بلند کر کے ان کی جسمانی طاقت کو مستحکم کرنے نیز اطاعت گزار نظم پیدا کرنے کے لیے ایک صف میں کھڑا کر کے جسمانی ورزش پر آمادہ کرنا۔
(۸) برائیوں کو روکنا، بھلائیوں کو پھیلانا، مظلومین کی مدد کرنا، عبادت گاہوں اور مقابر کی حفاظت کے لیے عملی جد و جہد کرنا۔
(۹) تحریک کے غیر مسلم سپاہیوں کو اسلامی عبادات کے لیے مجبور نہ کیا جائے گا بلکہ ان کو جوا، شراب، بدکاری، بے حیائی خود ترک کرنے اور دوسروں کو ترک کرانے کی ترغیب دینا، اطاعت امیر بہر حال لازمی ہوگی۔
(۱۰) بلا معاوضہ خدمت خلق کرنا۔

وصال پاک:

حضور مجاہد ملت کا وصال مبارک ۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ / ۱۳ / مارچ ۱۹۸۱ء کو ممبئی میں شام ۵ / بج کر ۴۵ / منٹ پر ہوا۔

آخری آرام گاہ:

دھام نگر خانقاہ حبیبیہ کے وسیع احاطہ میں آپ کی اہلیہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا کی قبر مبارک کے بغل میں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال ۵، ۶ / جمادی الاولیٰ کو منعقد ہوتا ہے۔

(ماخذ: نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر اور ماہنامہ اشرفیہ کے مختلف شمارے)

صدر العلما حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

شجرہ نسب:

صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی بن سید غلام فخر الدین بن مولانا سید سخاوت حسین (رحمۃ اللہ علیہم)

حضرت صدر العلماء کے والد ماجد حضرت سید غلام فخر الدین نے کچھ دنیوی پریشانیوں کے سبب شرح جامی تک پڑھ کر چھوڑ دیا تھا۔ نواب احمد سعید خاں شیروانی والی ریاست دادوں ضلع علی گڑھ نے استاد زادہ ہونے کے احترام میں کاشت کے لیے تقریباً تیس بیگھہ زمین عطا فرمائی نیز مسجد اندرون گڑھی کی امامت اور جمعہ و عیدین کی خطابت پر مامور کیا۔

صدر العلماء کے جد امجد حضرت مولانا سید سخاوت حسین رحمۃ اللہ علیہ جید عالم دین اور عارف باللہ تھے۔ اعلیٰ

حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی مجلس میں جب آپ کا ذکر ہوتا تو نام مبارک سن کر تعظیماً سینے پر ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔
آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی شامل تھے۔ صرف ونحو کے امام تھے اور مناظرہ میں مہارت کاملہ تھی۔
(مقدمہ بشیر القاری از صدر العلماء)

ولادت مبارکہ:

صدر العلماء کی ولادت باسعادت ۱۱؍رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ کو ریاست دادوں ضلع علی گڑھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

جب آپ چار برس چار ماہ چار دن کے ہوئے تو اسلامی طریقے سے آپ کی تسمیہ خوانی ہوئی۔ قرآن پاک ناظرہ گھر پر پڑھنے کے بعد مکتب میں داخل ہوئے۔ مکتبی نصاب کے تکمیل کے بعد پرائمری اسکول میں داخلہ لے کر وہاں سے درجہ چہارم پاس کیا، اس کے بعد آپ کے عم محترم حضرت مولانا قطب الدین برہمچاری علیہ الرحمہ نے آپ کو مدرسہ اہل سنت دیوان بازار، مرادآباد (جواَب جامعہ نعیمیہ کی حیثیت حاصل کر گیا ہے) میں داخل کرایا۔ یہاں آپ نے کافیہ تک کی تعلیم پائی۔

ابتدائی اساتذہ:

۱۔ منشی فیض علی خاں مرحوم اترولوی
۲۔ منشی نھو خاں مرحوم

حضرت صدر الافاضل سے بھی تعلیم پائی:

حضرت صدر العلماء رقمطراز ہیں کہ:

امام المفسرین، رئیس المناظرین، استاذ العلماء، حضرت مولانا شاہ محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی قدس سرہ سے بھی شرف تلمذ حاصل ہوا۔ گلستاں، قدوری، قال اقول کے ابتدائی حصے آپ سے پڑھے۔ طبیعت میں تفحص اور جستجو کا مادہ آپ ہی کی خدمت سے پیدا ہوا تھا۔ دوپہر کو بعد طعام قیلولہ فرماتے تو پائے مبارک دبانے کی خدمت میرے سپرد تھی۔ اس وقت کسی پڑھے ہوئے مسئلہ پر اعتراض کرکے فرماتے کہ جواب سوچو اور تلاش کرکے لاؤ۔ جواب تک فہم کی رسائی نہ ہوتی تو کتب متعلقہ کی چھان بین کراتے۔ کبھی جواب مل جاتا اور کبھی نہ ملتا تو جواب کی طرف اشارہ فرماتے۔ اس پر اگر ذہن کی رسائی ہوگئی فبہا ورنہ صراحۃً جواب بیان فرمادیا کرتے تھے۔ اس طرح مشکلات کے استخراج کی استعداد پیدا ہوگئی، عربی مکالمہ اور عربی انشاء کی تمرین بھی آپ ہی نے کرائی تھی۔" (مقدمہ بشیر القاری)

مدرسہ انجمن اہل سنت کے چند اساتذہ:

حضرت صدر الافاضل علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات بھی صدر العلماء کے اساتذہ میں شامل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا عبدالعزیز خاں صاحب فتح پوری
۲۔ حضرت مفتی محمد اجمل شاہ صاحب سنبھلی (قدس سرہما)

دارالخیر اجمیر شریف کے لیے روانگی:

''جماعت رضائے مصطفٰی'' بریلی شریف کے پلیٹ فارم سے شدھی فتنہ کے انسداد میں صدرالافاضل اور مفتی محمد اجمل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی مصروفیات کی وجہ سے تعلیم میں خلل واقع ہونے لگا لہذا صدرالعلماء نے دارالخیر اجمیر شریف کا رخ کیا جہاں حضور صدرالشریعہ علامہ مولانا محمد امجد علی قبلہ اعظمی قدس سرہ کا بحرز خار موجزن تھا اور تشنگان علوم نبویہ کو سیراب کررہا تھا۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ، سالار قافلہ حافظ ضمیر حسین مراد آبادی، قاضی شمس الدین صاحب جونپوری، صدرالعلماء کے چچا زاد بھائی مولوی زین العابدین صاحب مرحوم، قاری اسدالحق صاحب، حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی وغیرہ تھے۔

امتحان کے بعد دارالعلوم معینیہ عثمانیہ میں شرح جامی کے درجہ میں داخلہ ہوا۔ ابتدائی ایام بڑی کس مپرسی کی حالت میں گزرے۔ تقریباً دو ماہ بعد ایک روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا تو اس پریشانی سے نجات ملی۔ ملاحسن کے امتحان میں آپ کے تحریری جواب پر ممتحن نے اس قدر تحسین فرمائی کہ مجلس شوریٰ نے چار روپے انعامی وظیفہ مقرر کردیا۔

دارالعلوم معینیہ عثمانیہ میں (۱) مولانا عبدالمجید اور (۲) مولانا عبدالحی افغانی سے بھی اخذ علوم کیا۔ (۳) شرح تہذیب کی منطقی ترکیب حضرت مولانا عبداللہ افغانی اور (۴) اس کا تکملہ مولانا سید امیر پنجابی سے (۵) شرح جامی مولانا مفتی امتیاز احمد انبیٹھوی (۶) نفحۃ الیمن، سبع معلقات، دیوان متنبی و دیوان حماسہ اور علامہ ابن ہشام مصری کی قطر الندیٰ حضرت مولانا حافظ سید حامد حسین اجمیری سے اور بقیہ ۷/فوقانی کتابیں اور بہت سے مطبوعہ وغیر مطبوعہ حواشی حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ سے پڑھے۔

جب ۱۳۵۱ھ میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں تشریف لائے تو آپ بھی ان کے ہمراہ یہاں آگئے۔

دستار فضیلت:

۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم منظر اسلام سے صدرالعلماء کی دستار بندی ہوئی۔

تدریسی خدمات:

بعد فراغت حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمہ نے آپ کو مدرسہ ''تاج المدارس'' قصبہ جائس، ضلع رائے بریلی بھیجا۔ ایک سال بعد نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کی دعوت پر ''دارالعلوم جامعہ عظمت نشان'' کرنال میں بحیثیت صدرالمدرسین تشریف لے گئے۔ پھر سوا سال بعد ''مدرسہ احسن المدارس قدیم'' کانپور کے صدرالمدرسین ہوئے۔ ۱۳۹۵ھ میں حضرت صدرالافاضل کے حکم پر ''مدرسہ اسلا'' میہ اندرکوٹ میرٹھ تشریف لے گئے اور منصب صدارت

پر فائز ہوئے جہاں آپ نے اخیر عمر تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ (ملخصا بشیر القاری، ملخصا صدر الشریعہ حیات وخدمات)

تصنیف وتالیف:

(۱) البشیر شرح نحو میر (۲) البشیر الکامل شرح شرح مأۃ عامل (۳) بشیر الناجیہ شرح کافیہ (۴) بشیر القاری شرح بخاری (زبان اردو میں بخاری شریف کی لاجواب شرح ہے لیکن صرف ابتدائی چند حدیثوں کی شرح ہے (۵) نظام شریعت وغیرہ

بیعت وخلافت:

حضرت صدر العلما نے بریلی شریف میں عرس رضوی کے موقع پر ۱۳۴۱ھ میں حضرت شیخ المشائخ شاہ علی حسین اشرفی میاں صاحب قبلہ کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست بیعت کا شرف حاصل کیا اور ۱۲؍ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ کو اجمیر شریف میں حضرت اشرفی میاں قبلہ نے آپ کو خلافت واجازت مرحمت فرمائی اور ساتھ ہی ساتھ ایک کلاہ اور استعمالی جبہ بھی عطا فرمایا۔

وصال مبارک:

ایک مدت دراز تک علوم وفنون کے دریا بہانے والا یہ متبحر فاضل اور نادر زمن محدث وامام النحو ۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ مطابق ۸؍ مئی ۱۹۷۸ء بروز دوشنبہ سہ پہر چار بج کر دس منٹ پر دار فنا سے دار بقا کی جانب کوچ کر گیا۔

شمس العلما علامہ قاضی شمس الدین احمد جعفری جونپوری علیہ الرحمہ

ولادت باسعادت:

خانوادہ سادات جعفریہ کے فرد باکمال حضرت شمس العلماء علامہ مولانا قاضی شمس الدین احمد جعفری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ۲۸؍ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ مطابق ۵؍ مارچ ۱۹۰۵ء کو جونپور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

حضرت شمس العلماء نے جونپور ہی میں پرورش پائی۔ آپ کی تعلیم وتربیت دینی وعلمی ماحول میں ذی علم اساتذہ اور بزرگوں کے سایۂ شفقت میں ہوئی۔ قدیم وجدید علوم وفنون جونپور ہی میں حاصل کیا بعدہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز (م ۱۳۶۷ھ) حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے درس کی شہرت سن کر اپنے کچھ ہم درسوں کے ساتھ دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ حدیث پاک اور امہات کتب کی تکمیل حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ سے کی۔ ۱۳۵۲ھ میں جب صدر الشریعہ نے اجمیر مقدس چھوڑ کر بریلی شریف مراجعت فرمائی اور چالیس طلبہ کی جماعت (جو علوم وفنون میں کامل اور چنداں آفتاب وماہتاب تھے) انہیں

کے ساتھ دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف پہنچی۔ انہیں میں حضور شمس العلماء بھی تھے۔

بیعت وارادت:

حضرت شمس العلماء نے مجدد اسلام، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ سے دس سال کی کم عمر میں شرف بیعت حاصل کیا۔

علم وفضل:

آپ فقہ، تفسیر، حدیث میں تو مہارت تامہ رکھتے ہی تھے دوسرے علوم وفنون میں بھی آپ کو دسترس تھی۔ معقولات میں آپ کو خاص طور سے بہت دلچسپی تھی۔

درس وتدریس:

حضرت شمس العلماء علیہ الرحمہ نے دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف، جامعہ نعیمیہ مراد آباد، دارالعلوم منظر حق ٹانڈہ، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اور دارالعلوم حمیدیہ رضویہ بنارس میں مسند تدریس کو زینت بخشی اور موخر الذکر چاروں مدارس میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے مناصب پر فائز رہے۔ آپ جامعہ اشرفیہ میں دوسال تک رہے۔ حضرت حافظ ملت اور آپ میں بڑی ہم آہنگی تھی چوں کہ آپ دونوں ہم عمر بھی تھے اور ہم درس بھی لہذا آپس میں ایک دوسرے کے لیے بڑا خلوص تھا۔ حضرت شمس العلماء جس وقت اشرفیہ میں تھے حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ساتھ اشرفیہ کی ترقی اور استحکام کے لیے کوشاں رہے۔

حضرت شمس العلماء جس زمانہ میں دارالعلوم منظر حق ٹانڈہ میں درس دے رہے تھے دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ کے اراکین نے اپنے مدرسہ میں آپ کی ضرورت محسوس کی اور سالانہ امتحان کے لیے بحیثیت ممتحن حضرت حافظ ملت اور شمس العلماء کی خدمت میں دعوت نامہ بھیجا۔

دونوں حضرات نے دعوت منظور کرلی اور وعدہ کے مطابق مقررہ تاریخ پر پہنچ گئے۔ اراکین مدرسہ نے موقع غنیمت دیکھ کر حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ حضور ہم لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ کو اپنے مدرسہ میں بحیثیت صدر مدرس رکھ لیں لہذا اگر حضور سفارش فرمادیں تو مدرسہ کے حق میں حضرت شمس العلماء بہت مفید ثابت ہوں گے۔

حضور حافظ ملت نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: جی ہاں! حضرت علامہ قاضی شمس الدین احمد صاحب قبلہ ’’خیر الاذکیاء‘‘ ہیں۔

بخاری شریف کا درس حضرت شمس العلماء ایسے عالمانہ اور والہانہ انداز میں دیتے کہ طلبہ آپ کی تحقیق اور نکتہ آفرینی سے جھوم جاتے۔ ادق سے ادق اعتراضات کے جوابات اس طرح بیان فرماتے جیسے سب کچھ ازبر اور نوک زبان پر ہو۔ طلبہ کے بے تکے اعتراض پر بھی بجائے اظہار برہمی کے مشفقانہ انداز میں سمجھاتے کہ اس طرح اعتراض نہیں

کرنا چاہیے۔ جس وقت بھی کوئی طالب علم اعتراض کرتا اسی وقت اس کے اعتراض کا جواب دیتے اور مطمئن کردیتے۔

رب عظیم نے حضرت شمس العلما کو اعلیٰ ذہن عطا فرمایا تھا۔آپ کے اساتذہ اور رفقائے درس بھی آپ کی خداداد ذہانت وقابلیت کے معترف تھے۔فن مناظرہ میں بھی آپ کو زبردست مہارت تھی۔

مختلف زبان وادب میں مہارت:

حضرت شمس العلماء بیک وقت عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبان وادب پر یکساں دسترس رکھتے تھے۔ اچھے اچھے انگریزی داں، کالجوں کے پروفیسر، وکلاء کی مجالس میں جب انگریزی بولنے لگتے تو وہ حیرت سے آپ کا منھ تکتے تھے۔ جانے کتنے جدید یے اور فلاسفر آپ کے ہاتھ پر تائب ہوئے۔

تواضع اور سادگی:

شکل وصورت، وضع قطع، گفتگو، چال ڈھال غرض ہر زاویے سے آپ کی شخصیت بڑی دل آویز اور باوقار تھی۔ آپ کا باطن وظاہر یکساں تھا۔آپ کبر ونخوت سے دور، انکسار وتواضع اور خلوص کے پیکر تھے۔ اپنا ہر کام خود کرلیا کرتے تھے یہاں تک کہ اپنا کپڑا خود اپنے ہاتھوں سے کاٹ کر سل لیا کرتے تھے۔ مہمانوں کو اپنے ہاتھ سے چائے یا شربت باعتبار موسم خود بنا کر پلاتے۔ طلبہ اگر آپ کا کوئی کام کرنا بھی چاہتے تو انہیں روک دیتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت ہم کو کس لیے دی ہے اس لیے کہ ہم اسے کام میں لائیں تو پھر طلبہ کو یا دوسروں کو کیوں پریشان کریں۔

فضول خرچی سے خود اجتناب کرتے اور دوسروں کو بھی اس سے باز رہنے کی تلقین فرماتے۔ درود شریف سے آپ کو بڑا شغف تھا۔

تصانیف:

آپ نے مختلف فنون پر کئی کتابیں لکھی ہیں جو بعض مدارس میں داخل نصاب ہیں۔ کئی زبانوں پر مشتمل ایک جامع نعت کی ترتیب دی جس کا نام ''کشکول'' منتخب فرمایا۔ قانون شریعت دو جلدوں میں فقہی مسائل پر بہت ہی جامع کتاب ہے۔ یہ کتاب عوام وخواص دونوں میں بہت مقبول ہے۔ اس کا ہندی اور انگریزی ایڈیشن بھی چھپ چکا ہے۔

خانوادہ رضویہ سے عقیدت:

حضرت شمس العلماء چوں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے شرف بیعت رکھتے تھے اس لیے خانوادہ رضویہ سے محبت وعقیدت فطری تھی۔ سیدنا مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ کا تو مقام بہت ہی بلند وبالا تھا۔ پوری دنیائے سنیت اور اکابر علماء ومشائخ بھی ان کا ادب واحترام کرتے تھے اور ان کی عظمت علمی کے معترف تھے۔ لیکن اس خاندان کے جوان العمر شاہزادگان کا بھی ادب واحترام آپ اس طرح کرتے تھے جیسے وہ بھی آپ کے استاذ یا مرشد ہیں۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۷۶ء میں وہ بنارس میں حضرت علامہ مفتی اختر رضا خانصاحب

ازہری کی معیت میں شمس العلماء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شمس العلماء نے کھڑے ہوکر علامہ ازہری صاحب کا استقبال فرمایا اور اپنی مسند پر انہیں بٹھایا۔

حضرت شمس العلماء سرکار مفتی اعظم ہند کے بارے میں ارشاد فرماتے کہ ''فقہ کا اتنا بڑا ماہر اس زمانے میں کوئی دوسرا نہیں۔ میں ان کی خدمت میں جب بھی حاضر ہوتا ہوں تو سر جھکا کر بیٹھا رہتا ہوں اور خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتا ہوں۔ ان سے زیادہ باتیں کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔''

مجاہد ملت اور شمس العلما:

حضرت شمس العلماء اور حضور مجاہد ملت (رحمۃ اللہ علیہما) چوں کہ ہم درس تھے لہذا ایک دوسرے سے بڑی بے تکلفی تھی۔ وصال سے ایک سال قبل حضور مجاہد ملت اور حضرت شمس العلماء سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو حضور مجاہد ملت نے فرمایا کہ بتاؤ قاضی صاحب پہلے آپ انتقال کریں گے یا میں؟ تو شمس العلماء نے فرمایا پہلے آپ پھر میں۔۔۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ پہلے حضرت مجاہد ملت کا وصال ہوا بعد میں حضرت شمس العلماء کا۔

وصال مبارک:

حضرت شمس العلماء کا وصال یکم محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۳۰ راکتوبر ۱۹۸۱ء جمعہ کی رات کے آخری حصے میں ہوا۔

نماز جنازہ حضرت مولانا شاہ عبدالوحید صاحب فریدی سجادہ نشین خانقاہ نوریہ حمیدیہ نے پڑھائی۔ آپ کی نماز جنازہ میں سرکار کلاں حضرت علامہ مولانا سید مختار اشرف صاحب قبلہ بھی شریک تھے۔

امین شریعت مفتی محمد رفاقت حسین مظفر پوری علیہ الرحمہ

آپ کی ولادت ۱۳۱۶ھ بمقام اسلام آباد (بھوانی پور) ضلع مظفر پور، بہار میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولوی عبدالرزاق (رحمۃ اللہ علیہ) تھا۔

تعلیم و تربیت:

حضرت امین شریعت نے ایک مقامی اسکول میں درجہ چہارم تک کی تعلیم پانے کے بعد قریبی بستی عارض پور کے مولوی طاہر حسین صاحب مرحوم سے ابتدائی فارسی اور گلستاں بوستاں پڑھی بعدہ چھ ماہ تک مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اتوار پوری سے کچھ تعلیم پائی۔

مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں مولانا شاہ حبیب الرحمٰن بہاری سے شرح وقایہ اور مولانا عبدالمتین صاحب سے آثار السنن پڑھ کر بورڈ سے ''ملا'' کا امتحان پاس کیا۔ ۱۳۴۵ھ میں مدرسہ حنفیہ جونپور میں مشکوٰۃ شریف اور سراجی پڑھی۔

مدرسہ معینیہ عثمانیہ دارالخیر اجمیر شریف میں داخلہ:

۱۳۴۷ھ میں فقیہ اعظم ہند حضرت صدرالشریعہ علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی شہرت سن کر اجمیر معلیٰ تشریف لے گئے۔ ''دارالعلوم معینیہ عثمانیہ'' میں حضرت صدرالشریعہ، حضرت مولانا سید عبدالحی افغانی اور حضرت مولانا مفتی امتیاز احمد امیٹھوی سے کتب درسیہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور درسیات کی تکمیل فرمائی۔

تدریسی خدمات:

۱۳۵۲ھ میں صدرالشریعہ کی معیت میں بریلی شریف آئے اور یہاں ''دارالعلوم منظر اسلام'' میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ایک سال بعد ''مدرسہ محمدیہ'' جائس (ضلع رائے بریلی) کے صدر مدرس ہو کر تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد مدرسۂ مذکور سے علیحدگی اختیار کر کے محلہ قضیانہ میں مطب شروع کیا اور ساتھ ہی ساتھ درس بھی دیتے رہے۔ یہاں پر آپ نے روافض کا رد بلیغ فرما کر ان کے زور کو توڑ دیا۔

چند سال جامع مسجد سلطان پور (یوپی) کے خطیب رہے اور یہاں بھی اپنا تبلیغی مشن جاری رکھا اور اسلام دشمن عناصر کی بیخ کنی فرمائی۔

دوبارہ مدرسہ محمدیہ جائس کے لیے روانگی:

عقیدت مندان جائس کی گزارش پر آپ پھر مدرسہ محمدیہ جائس تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً سترہ برس تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

مدرسہ احسن المدارس قدیم کانپور میں تقرری:

۱۶ر شوال المکرم ۱۳۶۹ھ میں ''مدرسہ احسن المدارس قدیم'' کانپور کے صدر مدرس ہو کر تشریف لے گئے۔

مفتی اعظم کانپور کا لقب:

۱۳۷۲ھ میں مجلس علمائے کان پور نے آپ کو ''مفتی اعظم'' کان پور کا لقب دیا۔

دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد کو روانگی:

۱۳۷۹ء میں آپ نے ''دارالعلوم شاہ عالم'' احمد آباد میں تین ماہ کے لیے بحیثیت شیخ الحدیث وصدر مدرس کے لیے تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں کے اراکین کے اصرار پر آپ نے مدت قیام بڑھا دی اور لگ بھگ ڈیڑھ سال تک تدریسی فرائض انجام دیے۔

اس کے بعد پھر کانپور واپس ہوئے۔ کچھ دنوں کے لیے ''دارالعلوم مسکینیہ'' دھوراجی (گجرات) میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔

مدرسہ احسن المدارس کی سرپرستی:

دھوراجی کے بعد آپ پھر کانپور تشریف لے آئے اور ''مدرسہ احسن المدارس قدیم'' کے سرپرست رہے اور ملک کے طول وعرض میں سلسلہ رشد وہدایت کے لیے سیاحت فرماتے رہے۔

بیعت وخلافت:

۲۸ رذی الحجہ ۱۳۷۰ھ بروز جمعرات حضرت شیخ المشائخ علامہ علی حسین اشرفی میاں قبلہ نور اللہ مرقدہ سے بیعت ہوئے۔ حضرت شیخ المشائخ کو تمام سلاسل کی خلافت واجازت بھی مرحمت فرمائی۔

حضرت امین شریعت کو امام احمد رضا کے خلف اکبر حجۃ الاسلام حضرت علامہ محمد حامد رضا خاں بریلوی اور حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ سے بھی خلافت واجازت تھی۔

حج وزیارت:

۱۳۷۲ھ میں آپ کو حج وزیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اپنی علیحدہ جماعت بنا کر نماز پڑھنے کی وجہ سے نجدی قاضی القضاۃ سے آپ کی مناظرانہ گفتگو بھی ہوئی اور وہ خائب وخاسر ہوا۔

مدینہ منورہ کی زیارت کے موقع پر خلیفہ اعلیٰ حضرت، قطب مدینہ حضرت علامہ ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سند حدیث اور سلسلہ عالیہ قادریہ کی اجازت سے سرفراز فرمایا۔

دوسرا حج آپ نے ۱۹۷۵ء میں کیا اور بغداد شریف اور کربلائے معلیٰ وغیرہ کی زیارات سے بھی مشرف ہوئے۔

جماعتی سرگرمیاں:

(۱) آپ جماعت رضائے مصطفیٰ کے نائب صدر رہے۔

(۲) کل ہند تبلیغ سیرت کے ناظم اعلیٰ پھر نائب صدر اور پھر قائم مقام صدر منتخب ہوئے۔

(۳) آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے سرپرست رہے۔

(۴) آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت کے سربراہ، سرپرست بھی رہے۔

(۵) ادارۂ شرعیہ صوبہ بہار کے صدر اعلیٰ منتخب ہوئے۔

تصنیفات وتالیفات:

(۱) قادیانی کذاب (۲) طریقہ حنفیہ (۳) الیاسی جماعت (۴) عورتوں کی نماز (۵) فتاویٰ کی دو جلدیں (۶) تفسیر سورۂ بقرہ۔

چند مشاہیر تلامذہ:

۱۔ حضرت مولانا سید نعیم اشرف صاحب جائس (رائے بریلی)

۲۔ مولانا حکیم بشارت حسین صاحب سلطان پوری

۳۔ پروفیسر حکیم احمد طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڈھ
۴۔ حضرت مولانا سعید احمد۔احسن المدارس قدیم کے سابق صدر مدرس
۵۔ حضرت مولانا سید شاہ محمد اکبر صاحب صاحب سجادہ آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف (اٹاوہ)
۶۔ صاحبزادہ حضرت مولانا سید ظل حسین اشرفی کچھوچھوی
(تذکرۂ علمائے اہل سنت از علامہ محمود احمد صاحب)

وصال شریف:

۳؍ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ ؍۱۹؍جنوری ۱۹۸۳ء ۲؍بج کر ۵۵؍منٹ پر پردہ فرمایا۔نماز جنازہ آپ کے خلف اکبر اور جانشین حضرت علامہ محمود احمد صاحب نے پڑھائی۔
(ماخذ: تذکرہ اکابر اہل سنت از مفتی شفیق احمد شریفی، تذکرہ علماے اہل سنت از علامہ محمود احمد صاحب قادری)

رئیس الاذکیاء علامہ غلام یزدانی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

نسب وولادت:

حضرت رئیس الاذکیاء علامہ غلام یزدانی اعظمی علیہ الرحمہ کے والد ماجد حضرت علامہ محمد صدیق صاحب گھوسوی قدس سرہ سابق صدر مدرس مصباح العلوم مبارک پور حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں علیہ الرحمہ (م۱۳۲۶ھ) کے خاص تلامذہ میں تھے۔آپ کا نسبی سلسلہ چوتھی پشت میں حضرت صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے جد اعلیٰ سے ملتا ہے۔
آپ کی ولادت قصبہ گھوسی محلہ کریم الدین پور ضلع اعظم گڑھ (حال ضلع مئو) میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم ایک مقامی مکتب میں ہوئی۔ فارسی عربی کی تعلیم کے لیے مدرسہ حنفیہ امروہہ تشریف لے گئے بعدہ مدرسہ عالیہ رام پور میں کچھ دنوں تک اخذ علوم کیا پھر مدرسہ معینیہ عثمانیہ دارالخیر اجمیر شریف تشریف لے گئے اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے معقولات ومنقولات کی منتہی کتابیں پڑھیں۔ پھر جب ۱۳۵۱ھ میں حضور صدر الشریعہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف تشریف لے آئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ بریلی شریف آگئے اور ۱۳۵۲ھ میں حضرت حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خاں قدس سرہ کے دست مبارک سے دستار فضیلت حاصل کی۔آپ حضرت صدر الشریعہ کے بہت چہیتے شاگرد تھے۔

تدریسی ودیگر مذہبی خدمات:

بعد فراغت مدرسہ اشرفیہ (جو اس وقت پرانی بستی میں تھا) میں بحیثیت نائب صدر المدرسین آپ کا تقرر ہوا۔ یہاں تقریباً ڈیڑھ سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مدرسہ نعمانیہ دہلی میں دینی وتعلیمی فرائض انجام دیتے

رہے۔ جلد ہی ملازمت سے دل برداشتہ ہوکر وہاجیہ طبیہ کالج لکھنؤ میں داخلہ لے لیا اور طب کی تکمیل کے بعد گھر ہی پر مطب شروع کیا۔ بعد میں صدرالشریعہ کی تنبیہ پر پھر درس وتدریس پر آمادہ ہوئے اور مدرسہ قمرالمدارس میرٹھ میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔ اس کے بعد اشرفیہ جامع مسجد بھرت پور (راجستھان) میں آپ کا تقرر ہوا جہاں کئی برسوں تک آپ نے تعلیمی خدمات انجام دیں۔ تقسیم ہند سے قبل جب فرقہ وارانہ فسادات کا زور بڑھا تو آپ ۱۹۴۲ء میں وطن تشریف لے آئے اور مطب شروع کردیا اور یہ سلسلہ ۱۹۵۰ء تک جاری رہا۔

گھوسی میں مدرسہ شمس العلوم کا قیام:

گھوسی میں طبی پریکٹس کے دوران آپ نے محسوس کیا کہ یہاں مدرسہ کی سخت ضرورت ہے اس کے لیے آپ نے قصبہ کے سر برآوردہ حضرات کو ابھارا نیز عید میلاد النبی کے جلسہ وجلوس پر لوگوں کو آمادہ کیا۔ روافض اور غیر مسلمین کی لاکھ مخالفت کے باوجود آپ نے جلسہ وجلوس کا سلسلہ شروع کیا اور الحاج شکر اللہ مرحوم سے زمین حاصل کر کے دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم قائم کیا۔ آج یہ مدرسہ ملک کے بڑے علمی مراکز میں شمار ہوتا ہے۔

دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں:

علامہ سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ کے پاکستان ہجرت کرجانے کے بعد دارالعلوم مظہر اسلام مائل بزوال ہونے لگا۔ سرکار مفتی اعظم ہند علامہ مصطفےٰ رضا خاں نور اللہ مرقدہ نے آپ کو مظہر اسلام کے منصب شیخ الحدیث کے لیے دعوت دی۔ آپ سرکار حافظ ملت اور حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی قدس سرہما کے مشورے کے بعد ۱۹۵۱ء میں مظہر اسلام تشریف لے آئے اور یہ دارالعلوم پھر سے ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا۔

بیعت وخلافت:

آپ کو سرکار صدرالشریعہ علیہ الرحمہ سے بیعت وخلافت واجازت کا شرف حاصل تھا۔

چند تصانیف:

(۱) مصرف چرم قربانی (۲) تشکیل المذہبین فی حکم رفع الیدین۔ آپ نے بہار شریعت کے بقیہ تین حصوں کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا تھا اور پورا خاکہ بھی تیار کرلیا تھا مگر عمر نے وفا نہ کی اور یہ کام تشنہ رہ گیا۔

وصال مبارک:

آخری عمر میں ایک پیر پر فالج کا حملہ ہوا اور ۴/ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ/۴/اگست ۱۹۵۴ء بروز چہار شنبہ آپ نے رحلت فرمائی۔ آپ بہت ہی ذہین وطباع، خوش خلق وخوش پوشاک تھے۔ نیز حق گو وحق پسند بھی۔

رئیس المحققین مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت صدرالشریعہ علامہ مولانا مفتی حکیم ابوالعلا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ کے شاگرد اور حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے استاذ بھائی ہیں۔

ولادت اور تعلیم وتربیت:

حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب قبلہ ایک رئیس خانوادہ کے چشم وچراغ تھے۔ مدارس سے بطور مشاہرہ جو کچھ ملتا خرچ کر ڈالتے۔

آپ کی ولادت علاقہ ماچھی پور ضلع بھاگل پور، بہار میں ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۲ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں پائی بعدہ مشائخ کچھوچھہ کی نگاہ انتخاب میں آگئے۔ ان حضرات اور سیدنا محدث اعظم ہند علامہ سید محمد میاں قبلہ کچھوچھوی نے آپ کو کچھوچھہ مقدسہ بلالیا۔ حضرت مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ سے شرح جامی تک تعلیم پائی اس کے بعد حضرت مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی قدس سرہ کے مشورے پر حضرت صدرالشریعہ نور اللہ مرقدہ کے سائبان علمی میں پہنچے۔ ان دنوں حضرت صدرالشریعہ اجمیر مقدس سے بریلی شریف منتقل ہوئے تو آپ بھی دارالعلوم منظر اسلام آگئے۔ اس طرح آپ کو شاہ درس وتدریس، فقیہ اعظم حضرت صدرالشریعہ سے علوم نقلیہ وعقلیہ کے حصول کا موقع نصیب ہوا۔ دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف سے آپ کی فراغت اور دستار بندی ہوئی۔

آپ کے رفقائے درس:

آپ کے رفقائے درس میں حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز قدس سرہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، حضرت صدرالعلماء علامہ مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی، رئیس اڑیسہ حضرت مجاہد ملت علامہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، حضرت شمس العلماء علامہ مولانا قاضی شمس الدین احمد جونپوری۔ (علیہم الرحمہ) خاص ہیں۔

درس وتدریس:

بریلی شریف سے فراغت کے بعد حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے حکم پر انہیں پہلی بار ''مدرسہ اسلامی، اندرکوٹ، میرٹھ تدریس کا موقع ملا۔ اس مدرسہ میں کچھ دیوبندی مدرسین بھی تھے۔ انہوں نے مخالفت شروع کردی اور مدرسہ کے ناظم اعلیٰ بھیا بشیرالدین صاحب کے سامنے علمی نکتہ چینی کرنے لگے۔ ناظم اعلیٰ نے اس موقع پر یہ سوچا کہ کسی باہری عالم کو بلوا کر ان کا امتحان لیا جائے۔ تاکہ معترضین کی صداقت معلوم ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے دیوبند سے قاری طیب صاحب بلائے گئے۔ یہ بات حضرت مولانا سلیمان صاحب کو صرف ایک روز بیشتر معلوم ہوئی۔ انہوں نے اپنے دل میں ٹھانی کہ اگر میں اس امتحان میں ناکام ہوا تو میزان ومنشعب سے از سر نو پھر تمام کتابوں کا درس لوں گا۔ صبح ہوئی تو آپ نے تفسیر بیضاوی کا درس شروع کیا۔ قاری طیب بھی موجود تھے۔ درس بیضاوی میں آپ نے ایسی جامع، پر مغز اور فاضلانہ نکات بیان فرمائے کہ ممتحن متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اس نے آپ کی علمی گہرائی وگیرائی کا برملا اعتراف کیا۔

جامعہ نعیمیہ مراد آباد، دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور، جامعہ حمیدیہ بنارس، احسن المدارس کانپور، دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد (گجرات) میں مختلف اوقات میں تعلیم دی اور علماء کی ایک بڑی جماعت آپ سے مستفیض ہوئی۔

بیعت وخلافت:

آپ شیخ المشائخ حضرت مولانا سید علی حسین اشرفی میاں قبلہ نور اللہ مرقدہ سے مرید ومجاز تھے۔

وصال:

لے اڑی بادِ صبا ہر پھول کا حسن وشباب　　　اپنے گلشن میں کبھی دورِ خزاں ایسا نہ تھا

عمر بھر دین متین کی خدمت انجام دینے والا، چمنستان رسالت کا عندلیب ۲؍ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۳؍مارچ ۱۹۷۷ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی جانب پرواز کر گیا۔

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھالیا

شخصیت:

آپ کے مزاج میں نفاست حد درجہ تھی، رہن سہن شاہانہ انداز کا تھا، سادات کرام سے نہایت محبت فرماتے اور ان کا حد درجہ ادب واحترام کرتے۔ آپ ایک عمدہ مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مقرر بھی تھے۔ آواز نہایت بلند اور باوقار، مضبوط قویٰ، وجیہ چہرہ پہ بھری بھری داڑھی۔ گو آپ حضور حافظ ملت کے استاذ بھائی تھے لیکن ان کی علمی گہرائی و گیرائی اور لافانی خدمات کے ہمیشہ معترف رہے۔ آپ الجامعۃ الاشرفیہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اسے سنیت کا عظیم ومستحکم قلعہ فرماتے تھے۔

تلامذۂ حافظ ملت

درس وتدریس اور تعلیم وتربیت بہت ہی عظیم اور مقدس فریضہ ہے۔

طلبہ کو علم وعمل اور اخلاق وکردار سے آراستہ کر کے ان کی شخصیت کو اجالنا اور انہیں اس طور پر نکھارنا سنوارنا کہ وہ جدھر بھی جائیں، جہاں بھی جائیں علم وعرفان اور ایمان وایقان کی روشنی بکھیرتے اور پھیلاتے ہوئے جائیں۔ اور وہ خود اللہ کے احسان یافتہ بندے اور رسول اعظم، معلم کائنات سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب رہ کر لوگوں کو صراط مستقیم پر گامزن کردیں اور ان کی حیات کا لحہ لحہ غلبۂ اسلام کے لیے وقف ہو ان مذکورہ اوصاف سے طلبہ کو آراستہ کرنا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

جب ہم ۲۰ رویں صدی عیسوی کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو شخصیت سازی کا ایسا اہم فریضہ انجام دینے والوں میں ایک تاباں ودرخشاں نام حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قبلہ۔ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا بھی نظر آتا ہے۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی تعلیم وتربیت اور شخصیت سازی کے تعلق سے حضرت رئیس القلم علامہ ارشد

القادری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

استاذ شاگرد کا تعلق عام طور پر حلقۂ درس تک محدود ہوتا ہے لیکن اپنے تلامذہ کے ساتھ حافظ ملت کے تعلقات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ پوری درسگاہ اس کے ایک گوشہ میں سماجائے۔ یہ انہی کے قلب ونظر کی ناپیدا کنار وسعت اور انہی کے جگر کا بے پایاں حوصلہ تھا کہ اپنے حلقۂ درس میں داخل ہونے والے طالب علم کی بیشمار ذمہ داریاں وہ اپنے سر لیتے تھے۔ طالب علم درس گاہ میں بیٹھے تو کتاب پڑھائیں، باہر رہے تو اخلاق وکردار کی نگرانی کریں، مجلس خاص میں شریک ہو تو ایک عالم دین کے محاسن واوصاف سے روشناس فرمائیں، بیمار پڑے تو نقوش وتعویذات سے اس کا علاج کریں، تنگدستی کا شکار ہو جائے تو مالی کفالت فرمائیں، پڑھ کر فارغ ہو تو ملازمت دلوائیں اور ملازمت کے دوران کوئی مشکل پیش آئے تو اس کی بھی عقدہ کشائی فرمائیں، طالب علم کی نجی زندگی، شادی بیاہ، دکھ سکھ سے لے کر خاندان تک کے مسائل میں دخیل وکارفرما! طالب علم زیر درس رہے یا فارغ ہو کر چلا جائے ایک باپ کی طرح ہر حال میں سرپرست اور کفیل۔ یہی ہے وہ جوہر منفرد جس نے حافظ ملت کو اپنے اقران ومعاصرین کے درمیان ایک معمار زندگی کی حیثیت سے ممتاز اور نمایاں کردیا ہے۔" (حافظ ملت نمبر ۱۲۴، ۱۲۵)

لاریب! حضور حافظ ملت اپنے عہد کے ایک منفرد معلم، ایک منفرد مربی اور ایک باکمال شخصیت ساز تھے۔

ملک اور بیرون ملک حضور حافظ ملت کے تلامذہ کی تعداد پانچ ہزار سے زائد ہی ہوگی اور ان میں ایسے ایسے ذی علم، قابل قدر وفخر اور قائدانہ صلاحیت کے افراد ہیں جن پر مذہبی، سیاسی، سماجی، علمی، روحانی، اصلاحی اور تبلیغی دنیا کو فخر وناز ہے۔

باغ فردوس سے لے کر الجامعۃ الاشرفیہ تک۔ کوئی سال ایسا نہیں گزرا کہ طلبہ میں سے چند افراد کو امتیازی حیثیت نہ حاصل رہی ہو جنہوں نے اپنی تحریر وتقریر اور تدریس وخطابت کے ذریعہ اپنی پہچان نہ بنالی ہو۔

(ملخصا مقدمہ گرد راہ از علامہ ممتاز احمد اشرف القادری)

حضور حافظ ملت کے تلامذہ میں مقدس خانوادوں اور خانقاہوں کے صاحبزادگان بھی رہے ہیں اور چند ایسے بھی ہوئے جنہوں نے روحانی مراتب حاصل کر کے، کارنامہ رشد وہدایت انجام دیے اور کرسی مشیخت پر براجمان ہوگئے۔

آپ کی درسگاہ سے فیض پانے والوں نے ایک طرف سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے آستانہ سے تعلق رکھنے والے مراکز علمی اور جامعات کو رونق بخشی تو دوسری طرف کچھوچھہ مقدسہ، پیلی بھیت، الہ آباد اور ہندوستان بھر کی متعدد خانقاہوں میں علم وعرفان کا اجالا برپا کیا، نہ صرف برصغیر ہندوپاک بلکہ ممالک بیرون میں بھی یہ مصباحی حضرات اسلام کا نور تقسیم کر رہے ہیں اور سیکڑوں درس گاہوں میں اپنے علمی چراغ روشن کیے ہوئے ہیں۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنے مرشد اجازت اور استاذ ومربی حضور صدر الشریعہ قدس سرہ کے فرزندان گرامی کے قلوب واذہان میں نہایت توقیر واحترام سے جہاں ان کے والد گرامی کی علمی امانت منتقل فرمائی وہیں محدث اعظم ہند حضرت سید محمد میاں اشرفی الجیلانی کچھوچھوی اور سرکار کلاں کے شاہزادوں نیز سادات کچھوچھہ مقدسہ کے شائقین علم کو اپنی چٹائی پر بٹھا کر نوازا۔ جن میں چند مشاہیر کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ کمیل اشرف، شہزادۂ سرکار کلاں حضرت علامہ سید اظہار اشرف، شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں، شیخ طریقت حضرت علامہ سید محمد جیلانی اشرفی، علامہ سید مجتبیٰ اشرف، علامہ سید حامد اشرف۔

دیگر خانقاہی حضرات میں مولانا سید رضوان الہدیٰ پنڈ شریف، علامہ سید شمیم گوہر الہ آبادی وغیرہم

حافظ ملت کے مشہور تلامذہ

(۱) حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف (۲) حضرت علامہ سید عبدالحق گجروی (۳) حضرت علامہ محبوب اشرفی (۴) حضرت علامہ شاہ سراج الہدیٰ گیاوی (۵) حضرت علامہ غلام آسی (۶) حضرت علامہ محمد عثمان اعظمی (۷) حضرت علامہ محمد شفیع (۸) حضرت علامہ قاری محمد یحییٰ (۹) حضرت علامہ ارشد القادری (۱۰) حضرت مفتی شریف الحق امجدی (۱۱) حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی (۱۲) حضرت علامہ عبدالشکور اعظمی (۱۳) حضرت علامہ عبدالرسول باقر علی خاں (۱۴) حضرت علامہ سید مجتبیٰ اشرف (۱۵) حضرت علامہ سید حامد اشرف (۱۶) حضرت علامہ عبدالشکور گیاوی (۱۷) حضرت علامہ خادم رسول (۱۸) علامہ ظفر ادیبی (۱۹) حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی (۲۰) حضرت مولانا غلام مصطفیٰ کوثر امجدی (۲۱) حضرت علامہ محمد اعجاز خاں ادروی (۲۲) راقم بدرالقادری (۲۳) حضرت علامہ سید کمیل اشرف بسکھاروی (۲۴) حضرت علامہ سید اظہار اشرف کچھوچھوی (۲۵) حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی (۲۶) حضرت علامہ سید مقصود اشرف جائسی (۲۷) حضرت علامہ سید محمد جیلانی اشرفی (۲۸) حضرت علامہ بدرالدین گورکھپوری (۲۹) حضرت علامہ شمس الدین گھوسی (۳۰) حضرت علامہ صابر القادری نسیم بستوی (۳۱) حضرت علامہ مشاہد رضا خاں پیلی بھیتی (۳۲) حضرت علامہ مشہود رضا خاں پیلی بھیتی (۳۳) حضرت علامہ سخاوت علی بستوی (۳۴) حضرت علامہ عبداللہ خاں عزیزی (۳۵) حضرت علامہ محمد نظام الدین بستوی (۳۶) حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ گھوسوی (۳۷) حضرت علامہ ثناء المصطفیٰ گھوسوی (۳۸) حضرت علامہ بہاء المصطفیٰ گھوسوی (۳۹) حضرت علامہ اسلم بستوی (۴۰) حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق (۴۱) حضرت علامہ محمد احمد شاہدی غازی پوری (۴۲) حضرت علامہ غلام ربانی فائق اعظمی (۴۳) حضرت علامہ رحیم اللہ خاں بلیاوی (۴۴) حضرت مولانا امام الدین بسکھاری (۴۵) حضرت مولانا محمد اسلم مصباحی گورکھپوری (۴۶) حضرت حافظ قاری عبدالحکیم (۴۷) حضرت مولانا غلام محمد خاں عزیزی (۴۸) حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی (۴۹) حضرت علامہ نصیر الدین پلاموی (۵۰) حضرت علامہ محمد احمد بھیروی مصباحی (۵۱) حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی (۵۲) حضرت مولانا محمد عبدالمبین نعمانی (۵۳) حضرت علامہ سید محمد ہاشمی کچھوچھوی (۵۴) ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی (۵۵) حضرت علامہ ڈاکٹر سید احمد حسن کچھوچھوی (۵۶) حضرت مولانا ڈاکٹر شکیل احمد گھوسوی (۵۷) حضرت مولانا عبدالقدوس مونگیری (۵۸) حضرت علامہ سید محمد قاسم اعظمی (۵۹) حضرت علامہ محمد نعمان خاں دیوگانوی (۶۰) حضرت مولانا صلاح الدین جہانگیر گنجوی (۶۱) حضرت مولانا مبین الہدیٰ گیاوی (۶۲) حضرت مولانا معین الحق علیمی (۶۳) حضرت مولانا اختر حسین دربھنگوی (۶۴) حضرت مولانا ڈاکٹر سید شمیم گوہر الہ آبادی (۶۵) حضرت علامہ انور

علی بستوی (٦٦) حضرت علامہ ڈاکٹر محمد طیب الدین بھاگل پوری (٦٧) حضرت محمد وارث جمال بستوی (٦٨) مولانا افتخار احمد قادری گھوسوی (٦٩) قاضی شہر مولانا غلام یٰسن بنارسی (٧٠) مولانا نصر اللہ رضوی بھیروی وغیرہم

خود حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے خلف اکبر اور جانشین موجودہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ،عزیز ملت بھی سرکار حافظ ملت کے تلمیذ ہیں۔ان کے علاوہ بہت سے حضرات ہیں جو حافظ ملت کے در کی گدائی کر کے علم وعرفان کے شہنشاہ ہوگئے۔

بیرون ممالک، تلامذہ حافظ ملت

(۱) حضرت علامہ قاری مصلح الدین قادری کراچی (۲) حضرت مولانا قاری رضاء المصطفےٰ کراچی (۳) حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی، کراچی (۴) حضرت علامہ عبدالغفار قبلہ بنگلہ دیش (۵) حضرت علامہ عبدالکریم۔ترکی (٦) حضرت علامہ قمرالزماں اعظمی ۔ برطانیہ (٧) حضرت مولانا قاری محمد اسمٰعیل۔برطانیہ (۸) حضرت مولانا ممتاز اشرف القادری ۔برطانیہ (۹) حضرت علامہ مفتی احمد القادری۔امریکہ (۱۰) حضرت مولانا قمر الحسن بستوی۔امریکہ (۱۱) حضرت علامہ محبوب خدا بخش۔ماریشش (۱۲) حضرت علامہ جلال الدین نوری (بغداد اوراب کراچی) (۱۳) حضرت علامہ مفتی محمد جیش قبلہ ،نیپال۔(وغیرہم) اور راقم الحروف بدر القادری

حافظ ملت کے چند مشاہیر تلامذہ کے تذکرے

یہاں صرف چند حضرات کے تذکرے پیش کیے جارہے ہیں۔حافظ ملت کے صرف چند مشاہیر ہی کے تذکروں کے لیے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے لہذا اسی پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

(۱) حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ (۲) حضرت سید شاہ عبدالحق گجہڑوی علیہ الرحمہ (۳) حضرت علامہ قاری مصلح الدین علیہ الرحمہ (۴) حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی (۵) حضرت مولانا قاری رضاء المصطفےٰ (٦) حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی قدس سرہ (٧) حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (۸) حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ (۹) حضرت علامہ محمد شفیع اعظمی (۱۰) حضرت علامہ محمد محبوب اشرفی (۱۱) حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی (۱۲) حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری (۱۳) حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں

نائب حافظ ملت علامہ عبدالرؤف بلیاوی (حافظ جی) علیہ الرحمہ

حضرت حافظ جی علیہ الرحمہ حافظ ملت قدس سرہ کے ان تلامذہ میں تھے جن کے بارے میں اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ انہیں حافظ ملت سے عشق تھا۔وہ اپنے دور میں دارالعلوم اشرفیہ کے اندر صرف ایک ماہر علوم استاذ ومعلم

کی حیثیت سے نہیں تھے۔ بلکہ ان کی ذمہ داریوں کو اگر عہدوں کی زبان میں بیان کرنا ہو تو یوں کہیے:

ناظم اعلیٰ: سنی دارالاشاعت

نگراں: شعبۂ افتاء وامتحان بورڈ

ناظم تعلیمات: دارالعلوم اشرفیہ

جج: برائے مقدمات طلبہ ومسائل اساتذہ

تربیت دہندہ: اساتذہ ومدرسین

منصوبہ ساز: الجامعۃ الاشرفیہ

نائب مطلق: حافظ ملت

حق فرمایا شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی قبلہ نے:

''جب تک وہ حیات رہے حضور حافظ ملت قدس سرہ نے اشرفیہ کا سارا نظم ونسق اور اصلاح وتربیت ان کے سپرد کردی تھی۔ اس خصوص میں ان کے امتیاز اور تفرد کی دلیل وہ اجلہ علمائے کرام ہیں جو آج ملک ہی نہیں پوری دنیائے سنیت کے آفتاب وماہتاب ہیں۔

آج دارالعلوم اشرفیہ جامعہ ہو گیا اسے دارالعلوم سے جامعہ تک پہونچانے میں موصوف کی ذات گرامی کا اتنا دخل ہے جتنا انسان کو انسان بنانے میں دماغ کا ہوتا ہے۔ اشرفیہ کی تاریخ کے زرین عنوان ہیں حافظ عبدالرؤف (علیہ الرحمہ) (تذکرہ مولانا عبدالرؤف بلیاوی از مولانا قمر بستوی ص ۵۵)

ولادت باسعادت:

حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب قبلہ ملقب بہ لقب حافظ جی کی ولادت ۱۹۱۲ء میں موضع بھوج پور پوسٹ سکھ پورہ ضلع بلیا میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام محمد اسلام تھا۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن اپنے وطن ہی میں مکمل کیا۔ درس نظامی کی تکمیل کے لیے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے اور اپنی ذہانت وفطانت، محنت اور لگن کی وجہ سے بہت جلد حضرت حافظ ملت کے ممتاز اور ارشد تلامذہ میں شمار کیے جانے لگے۔ جب چند اندرونی وجوہات کی بنا پر حضور حافظ ملت قدس سرہ ایک سال کے لیے ''جامعہ عربیہ'' ناگپور تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمراہ تھے اور وہیں پر رسم دستار بندی بھی ادا کی گئی۔ چوں کہ درس نظامیہ کی تکمیل دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں کی اس لیے جامعہ عربیہ ناگپور کی سند نہیں لی۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد ابتداءً کچھ دنوں دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں مسند تدریس پر فائز رہے۔آپ وہاں طلبہ ومدرسین، خواص وعوام میں بہت ہی مقبول وہر دلعزیز تھے خصوصاً سرکار مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ آپ کو بے پناہ چاہتے تھے چنانچہ جب استاذ العلماء حضور حافظ ملت نے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کی تدریسی خدمات کے لیے آپ کو بلالیا تو سرکار مفتی اعظم ہند بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشادفرمایا کہ ''مولانا عبدالرؤف کا جانا ہمارے مدرسہ کی موت کے مرادف ہے''۔

علمائے اکابر حضرت حافظ جی علیہ الرحمہ کے تبحر علمی سے بخوبی واقف تھے۔آپ اگر چہ نہایت خاموش طبع تھے اورخصوصاً بزرگ علماء کی محفل میں بیحد مؤدب رہتے تھے۔حتی کہ کسی بحث علمی میں بھی حصہ لینے سے گریز کرتے تھے، صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے عرس مبارک کے موقع پر حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ اورمتعدد اکابر اہل سنت تشریف فرما تھے کسی موضوع پر بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری تھا،مگرحضرت حافظ جی علیہ الرحمہ خاموشی کے ساتھ صرف سن رہے تھے۔کافی دیر بعد حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ان کا سکوت توڑنے کے لیے ازخودفرمایا''اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

سرکار مفتی اعظم کے اس فرمان سے حافظ جی کے علمی مقام کی شناخت ہوتی ہے۔

(روایت مولانا محمد اسلم گورکھپوری)

دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں تدریسی خدمات:

دارالعلوم اشرفیہ میں آپ نے تقریباً ۲۰؍سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔آپ اشرفیہ میں نائب شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔آپ کی ذات گرامی اشرفیہ کے لائق فخر اساتذہ میں شمار کی جاتی ہے۔

علم وفضل:

مولانا محمد اسلم صاحب مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

''تلامذہ حافظ ملت میں ایک سے ایک لعل وگہر آج بھی موجود ہیں مگر کسی ایک کے بارے میں یہ کہنا کہ فلاں صاحب کو ہرفن پر یکساں دسترس اورمہارت حاصل ہے شاید درست نہ ہو مگر علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ کی ذات گرامی حافظ ملت کے تلامذہ میں ایسی تھی کہ اگر کہا جائے کہ آپ کو تمامی فنون پر یکساں دسترس ہی نہیں بلکہ مہارت تامہ حاصل تھی تو شاید اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا''

ایک امتیازی خدمت:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا مجموعہ فتاویٰ مسمیٰ بہ ''**العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ**'' زبان اردو میں فقہ کا سب سے اہم سرمایہ ہے۔اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ جوابات کو سوال کے مطابق کرنا عام علماء کی دسترس سے باہر تھا۔سنی دارالاشاعت قائم کرکے یہ کام آپ نے سنبھالا تو یکے بعد دیگرے فتاویٰ رضویہ جلد سوم، چہارم، پنجم منصۂ شہود پر آتی گئیں۔(حافظ ملت نمبر تحریر مولانا محمد اسلم صاحب مصباحی گورکھپوری)

شانِ فقاہت:

یہی مولانا محمد اسلم صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ مسائل جزیہ کے استخراج کا طریقہ بیان فرمارہے تھے، درمیان میں بطورِ تمثیل فرمایا کہ دارالافتاء میں کئی استفتاء ایسے آئے کہ اب تک میرے مطالعہ سے اس طرح کا جزیہ نہیں گزرا بالآخر کافی غور وخوض کے بعد میں نے اسے کلیہ کے تحت داخل کیا۔

ان حالات کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ کی فقہی بصیرت کس معیار کی تھی، بلکہ مندرجات بالا سے یہ واضح ہورہا ہے کہ آپ کو اس بات پر بھی مہارت حاصل تھی کہ کون سا جزئی مسئلہ کس کلیہ کے تحت کیوں اور کس طرح داخل ہوگا۔

علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی گھوسوی نے علامہ عبدالرؤف علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد بلرامپور کے ایک تعزیتی جلسہ میں حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی خداداد صلاحیت اور فقہی بصیرت کا تاثر بایں طور پیش فرمایا تھا ''جب بھی مجھے کسی مسئلہ میں تردد ہوتا رہا تو میں حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ سے رجوع کرتا۔''

یہ ایک مسلم امر ہے کہ اگر کوئی شخص علم فقہ کے رموز واسرار اور جزئیات فقہیہ میں امتیاز حاصل کرنا چاہے تو صرف عالمگیری، درمختار، ردالمحتار وغیرہ کتب فقہیہ کا مطالعہ کافی نہیں ہوگا بلکہ علم حدیث، علم تفسیر کا سہارا لینا بے حد ضروری ہوگا اور قرآن وحدیث کے رموز کا سمجھنا علم ادب واصول وبلاغت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس طرح ایک فقیہ اگر علم فقہ کا ماہر ہوتا ہے تو حدیث وتفسیر، اصول وبلاغت وادب پر بھی اس کی گہری نگاہ ہوتی ہے اس بنیاد پر کسی استشہاد کے بغیر بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب اپنے وقت کے ایک بے مثال فقیہ، احادیث نبویہ کے واقف کار، تفسیر کے رمز شناس، اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر، علم کلام، علم بلاغت پر گہری نگاہ رکھنے والے تھے۔ (ایضا)

تدریسی خصوصیت:

تدریسی خصوصیت کے سلسلے میں غور کیا جائے تو ادنیٰ توجہ کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تدریس کی اہم اور بنیادی خصوصیت تفہیم ہے۔ آج عموماً تدریس کی منزل میں عربی یا اردو شرح کا سہارا لیا جاتا ہے اور اس کی روشنی میں کتاب کی تفہیم کرائی جاتی ہے مگر علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ کا موقف اس سلسلے میں بھی نرالا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

ایک مدرس کا کمال یہ نہیں ہے کہ اونچی شرح کی روشنی میں کتاب سمجھائے بلکہ تدریس کا کمال یہ ہے کہ جو کتاب سامنے ہے اس کتاب کی حیثیت سے اس کتاب کی تفہیم کرائی جائے۔ ایک مرتبہ نورالہدیٰ نامی ایک طالب علم جو جماعت کافیہ کا طالب علم تھا کافیہ کا سبق ہونے کے بعد کافیہ کی عبارت کے سلسلے میں حاضر بارگاہ ہوکر اپنی عرضی شروع کی تو فرماتے ہیں میں سمجھ رہا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو، ابھی تمہارا منصب مالہ وما علیہ کو حاصل کرنا نہیں ہے ابھی تمہارا مذہب نفس مسئلہ کو ذہن نشین کرنا ہے جب اعتراض وجواب کی منزل آئے گی تو پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ حضرت مفتی

عبدالمنان صاحب قبلہ کو ایک مرتبہ یہ فرماتے سنا کہ "علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ ہر چیز کا اصول رکھتے تھے" چنانچہ تدریس میں علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ اس اصول کے پابند تھے کہ متعلقہ کتاب کی تفہیم شروح کی روشنی میں نہ کرائی جائے ۔ میں نے کسی کتاب کے سبق میں یہ محسوس نہیں کیا کہ استاذ محترم نے کبھی کتاب کی عبارت سے الگ ہو کر شروح کی روشنی میں کسی کتاب کو سمجھایا ہو۔ عبارت کی نہ اتنی طولانی تشریح فرماتے کہ مسائل ذہن میں الجھ کر رہ جائیں اور نہ اتنا اختصار کہ عبارت کا مفہوم مغلق ہو کے رہ جائے ۔ اسی کا نام ہے تفہیم کا ملکہ!

ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جب کوئی مشکل مسئلہ آتا اور حضرت اس پر تقریر فرما لیتے تو بعد میں تلامذہ سے فرماتے سمجھ گئے بابو! اس پر اگر کوئی طالب علم عرض کرتا کہ نہیں تو دوبارہ آسان تقریر فرماتے اور پھر دریافت فرماتے حتیٰ کہ تمام طلبہ جب تک سمجھ لینے کا اقرار نہ کرتے سبق آگے نہ بڑھاتے ۔ یہ خصوصیت بہت کم مدرسین میں پائی جاتی ہے۔ (حافظ ملت نمبر)

معقولات پر بھی آپ کی گہری نظر تھی ۔ علم ہیئت اور توقیت میں بھی کمال حاصل تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ملک العلماء علامہ ظفر الدین علیہ الرحمہ کو علم توقیت کے چند قاعدے سکھا کر اس فن کو دوبارہ زندہ فرمایا۔ ملک العلماء نے "الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت" کے نام سے علم توقیت کی امانت ہم تک پہنچائی مگر رونا اس بات کا ہے کہ اس کتاب کے ملنے کے بعد بھی نقشہ سحر وافطار اور اوقات نماز کے جداول جو ہمارے سامنے آرہے ہیں ان میں اکثر کا حال یہ ہے کہ کسی جگہ کا جدول اوقات سامنے رکھ کر طول بلد کی کمی یا بیشی سے اوقات مرتب کرلیا جاتا ہے حالانکہ اس طرح جداول کی ترتیب سوفی صد صحیح نہیں ہوتی۔ حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب نے اس کمی کا احساس کیا تو علم توقیت اس کتاب کے مطالعہ سے از خود حاصل کی ۔ اس سلسلے میں ایک بات جو سننے میں آتی تھی کہ موصوف اس فن کو حاصل کرنے کے لیے مولانا ظفر الدین صاحب بہاری علیہ الرحمہ کی خدمت میں گئے تھے ۔ راقم جس وقت توقیت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی معیت میں استاذ گرامی سے پڑھ رہا تھا اس وقت نصف النہار کا قاعدہ بیان فرماتے وقت حضرت نے بیان کیا کہ میں نے اس فن کو علم الافلاک اور علم حساب کے ذریعہ حاصل کیا ہے ۔ نصف النہار کا قاعدہ تعلیم فرماتے وقت بیان فرمایا کہ اس کتاب کی بعض عبارتوں پر میرا کچھ اعتراض تھا انہیں اعتراضات کے دفعیہ کے لیے مصنف کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، ان اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ نصف النہار کے استخراج کا جو اصول بیان کیا گیا ہے ۔ اس میں ایک قاعدہ جو ہونا چاہیے وہ کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ اپنے اس اعتراض کو حضرت مصنف کی بارگاہ میں رکھا تو مصنف نے فرمایا کہ آپ صحیح کہہ رہے ہیں میں نے اس قاعدہ کو اس لیے حذف کردیا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے مجھے یوں ہی املا کرایا تھا ۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضور اعلیٰ حضرت نے جن حضرات کو یہ اصول زبانی بتادیا تھا وہ حضرات تو سمجھ لیں گے اور جنہیں یہ اصول نہیں بتایا گیا ہے وہ کیسے نصف النہار کا استخراج کرسکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ نے اس قاعدہ اور اس طرح کے دوسرے قواعد جو کتاب میں مذکور نہیں ہیں اپنی کتاب کے حاشیہ پر تحریر فرمادیے۔

جس فن میں کوئی استاذ نہیں اس میں آپ کی مہارت کا حال یہ ہے کہ ایک روز طلوع وغروب کے وقت کی مشق

بنا کے کاپی دکھانے لے گئے اتفاق کہ اسی وقت مدرسہ کے سلسلہ میں قصبہ کے کسی حصہ میں تشریف لے جانے والے تھے عجلت تھی اس لیے صرف یہ دیکھا کہ کس تاریخ کے طلوع وغروب کی مشق ہے اور مشق میں کتنے بجکر کتنے منٹ پر طلوع وغروب کا وقت ہے۔ استخراج وقت میں پندرہ منٹ کا فرق آ گیا تھا صرف مبدا اور منتہیٰ دیکھنے کے بعد فرماتے ہیں غلط ہے اس تاریخ کا طلوع تقریباً پندرہ منٹ کم آنا چاہیے پھر حساب کا جائزہ لے کر فرمایا دیکھو! یہاں حساب میں غلطی ہوئی ہے اس طرح کی مثال کہ صرف مبدا اور منتہیٰ کو دیکھ کر غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ فرمادیا ہے علم میراث کے بعض فتاویٰ میں بھی ملتی ہے۔ان واقعات سے علم توقیت کی مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ علم الحساب میں بھی یدطولیٰ رکھتے تھے۔ (ایضا)

جب یہ خبر شائع ہوئی کہ امریکہ کے سائنس داں چاند پر پہنچ گئے تو فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جاسکتے ہیں ،کوئی مشکل نہیں اس سے اسلامی معتقدات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

تدبر اور دور بینی:

حضرت علامہ عبدالرؤف علیہ الرحمہ کا تبحر علمی اور علوم وفنون میں مہارت تو مسلم آپ مدبرانہ شان کے بھی حامل تھے اور آپ کی نگاہیں موجودہ اور آنے والے حالات پر بہت گہری ہوتی تھیں۔

آپ کی مدبرانہ شان اور دور بینی کی بابت مولانا محمد اسلم صاحب فرماتے ہیں:

”حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے جب دارالعلوم اشرفیہ کے سلسلے میں اپنا خیال ظاہر فرمایا تھا کہ میرا خیال ہے کہ دارالعلوم اشرفیہ کو الجامعۃ الاشرفیہ کی شکل میں منتقل کروں اس وقت میں نے اس کے بہتر نتائج پر غور کیا ہی تھا راستہ کی دشواریوں اور رکاوٹوں کا بھی ایک خاکہ بنالیا تھا۔ حافظ ملت نے اپنے منصوبے کی تکمیل میں جتنی مسافت طے فرمائی ہے اتنی مدت میں جن رکاوٹوں کے حائل ہونے کا میرے ذہن نے فیصلہ کیا تھا وہ ساری باتیں یکے بعد دیگرے سامنے آتی گئیں مگر الحمد للہ کہ ان کے مدافعت کی صورت بھی میں نے سوچ رکھی تھی اس لیے ہمارے عزائم میں پستی نہ آسکی۔مگر افسوس کہ جس نے جامعہ کی ذہنی تعمیر مکمل کر لی تھی اسے حیات مستعار نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ جشن سنگ بنیاد کا منظر بھی دیکھ سکے۔ (حافظ ملت نمبر)

بیعت وارادت:

حضرت علامہ عبدالرؤف علیہ الرحمہ کے بڑے بھائی مولانا امین الدین حامدی کا بیان ہے کہ انھوں نے کم سنی ہی میں حافظ عبدالرؤف صاحب کو بریلی لے جا کر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں خلف اکبر امام احمد رضا علیہما الرحمہ سے مرید کرایا۔ (تذکرہ مولانا عبدالرؤف بلیاوی۔از مولانا قمرالحسن بستوی)

حافظ ملت اور حافظ جی علیہ الرحمہ:

حضرت علامہ عبدالرؤف رحمۃ اللہ علیہ حضرت حافظ ملت کے ایسے عاشق صادق اور جاں نثار تھے جس کی مثال

نہیں ملتی۔ وہ صحیح معنیٰ میں حضرت حافظ ملت کے نائب اور مظہر تھے۔ انہوں نے عسرت وتنگ دستی کی زندگی گزاری مگر اشرفیہ اور حضرت حافظ ملت کا ساتھ چھوڑنا گوارہ نہ کیا حالانکہ وہ اگر چاہتے تو کسی بھی بڑے سے بڑے مدرسہ میں اونچے سے اونچے مشاہرہ پر جاسکتے تھے۔

حضرت علامہ عبدالرؤف کی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ ان کے زمانۂ طالب علمی میں مولانا ثناء اللہ صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ یہ شخص تو طالب علمی ہی کی حالت میں علامہ معلوم ہوتا ہے نیز علامہ شمس الدین جونپوری علیہ الرحمہ نے علم فقہ ومعقولات میں ان کی مہارت کا اعتراف کیا، خود مفتی اعظم قدس سرہ ان کی شان فقاہت اور علمی صلاحیت کے معترف تھے لیکن واللہ انہوں نے خود کو حافظ ملت کا ایک ادنیٰ تلمیذ ہی سمجھا۔ اس کی صداقت کے لیے یہ واقعہ ملاحظہ کیجئے:

حافظ جی علیہ الرحمہ کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ چھٹی کی گھنٹی بجی اور حافظ ملت اپنی درسگاہ سے نکل کر قیام گاہ جانے کے لیے حافظ جی کی درسگاہ کے سامنے سے گزرنے لگے۔ حافظ جی کی نظر پڑی تو کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے، حضرت کے پاس آگئے۔ حاظ ملت رک گئے۔ حافظ جی نے کسی عبارت پر اپنا کچھ اشکال ظاہر کیا۔ حافظ ملت نے جواب دینا شروع کیا چند جملے سننے کے بعد حافظ جی نے عرض کیا حضور! اب سمجھ میں آگیا۔ حافظ ملت تشریف لے گئے اور حافظ جی درسگاہ میں لوٹ آئے۔

کچھ دور مولانا محمد اسلم گورکھپوری (جو اُن دنوں زیر تعلیم تھے) کھڑے سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ حافظ جی نے انہیں بلایا اور فرمایا:

''دیکھو یہ ہے استاذ کا مقام! ایک عبارت کے سلسلہ میں الجھا ہوا تھا ذہن میں اعتراض و جواب کی گردش چل رہی تھی حضرت نے ایک جملہ ارشاد فرمایا جس سے تمام شکوک زائل ہو گئے۔''

حضور حافظ ملت کی انتھک محنت دیکھ کر آپ کی یہی تمنا تھی کہ کسی طرح وہ خود تمام تدریسی امور سنبھال لیں اور حافظ ملت کو دیگر دینی امور میں تندہی سے کام کرنے دیں۔

حضرت حافظ ملت کے قدم قدم کے ساتھی:

حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب قبلہ بلا شبہ حضور حافظ ملت کے دست وبازو اور قدم قدم پر ان کے رفیق ومعاون تھے۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی تعمیر کا آغاز مئی ۱۹۷۲ء میں ہوا مگر ظاہر بات ہے کہ یہ سب کچھ یک بیک تو ہو نہیں گیا بلکہ تعمیری کام کی ابتداء تک بیشمار مراحل درپیش ہوئے ہوں گے۔ نہیں بلکہ ہوئے اور یہ جوئے شیر لانے میں جہاں اہل مبارک پور کے جذبات وایثار نے پیش قدمی کی وہیں اشرفیہ کے مدرسین واراکین نے بھی اپنی انتھک جدوجہد سے دریغ نہیں کیا بلکہ کسی منزل آشنا کارواں کی طرح سالار کارواں کے ہمراہ شب وروز کی مشقتیں برداشت کیں۔ اس میدان کے جیالوں میں ہم سرفہرست جس ذات کو پاتے ہیں وہ ہیں حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ نائب

شیخ الحدیث دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مبارک پور جو حافظ ملت کے دست و بازو بن کر خاموشی سے ایک عظیم مقصد کی طرف پیش قدمی میں رواں دواں رہے ۔ضعف و ناتوانی کے باوجود انہوں نے حافظ ملت کے فرمودہ ''زمین پر کام زمین کے نیچے آرام'' پر پوری جانکاہی سے عمل کیا۔ (ماہنامہ اشرفیہ نومبر ۱۹۷۷ء)

وصال:

حضرت علامہ عبدالرؤف رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مبارک ۱۳رشوال المکرم ۱۳۹۱ھ مطابق ۲ردسمبر ۱۹۷۱ء کو ہوا۔ نماز جنازہ حضرت حافظ ملت قدس سرہ نے پڑھائی۔

حافظ جی علیہ الرحمہ حافظ ملت کی نظر میں:

حضرت حافظ ملت نے حضرت علامہ عبدالرؤف قبلہ کے وصال پر اس طرح تعزیت پیش فرمائی:

(۱) ''وہ میرے دست و بازو تھے اس لیے ان کے انتقال کے بعد میں بہت مایوسی کا شکار ہوا لیکن قدرت الٰہی نے میری رہبری و یاوری فرمائی پھر ذہن میں آیا کہ یہ دنیا کارگاہ عمل ہے یہاں کتنے عظیم سے عظیم اور کتنے بڑے سے بڑے مدبر و منتظم آئے اور چلے گئے گویا ع

ہزار شمع بکشتند و انجمن باقیست

لیکن دین کا کام تائید الٰہی سے جاری رہا، مجھ کو مایوس ہوکر اس بڑے منصوبہ سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے بلکہ ادارہ کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنی سعی وجدوجہد جاری رکھنا چاہیے'' (ماہنامہ اشرفیہ، جولائی ۱۹۸۵ء)

(۲) حافظ عبدالرؤف صاحب کے انتقال سے عبدالعزیز کے بازو ٹوٹ گئے ۔ عبدالرؤف عبدالعزیز تھے اور عبدالعزیز عبدالرؤف تھے۔ (ماہنامہ اشرفیہ نومبر ۱۹۷۶ء)

مولانا شاہ عبدالحق گجہڑوی:

شجرہ نسب:

مبارک پور سے متصل موضع گجہڑا میں شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے دور حکومت میں خانوادۂ غوثیہ کے چشم و چراغ سیدالسالکین حضرت مولانا شاہ کمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بغداد سے آکر سکونت اختیار کی جن کے صاحبزادہ عہد عالمگیری میں پورے ہندوستان کے چیف جسٹس تھے۔ پیر طریقت حضرت مولانا عبدالحق علیہ الرحمہ اسی خانوادۂ مقدسہ کے چشم و چراغ کہے جاتے ہیں۔

آپ نے شروع سے آخر تک دارالعلوم اشرفیہ میں تعلیم حاصل کی اور ہمیشہ ممتاز رہے۔ باوجودے کہ آپ شاگرد تھے لیکن حضور حافظ ملت آپ کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے۔

فی سبیل اللہ دینی خدمات:

فراغت کے بعد کچھ علماء کو ساتھ لے کر ایک تبلیغی انجمن قائم کی جس کے زیر اہتمام مدھیہ پردیش کے علاقہ میں دو سال تک فی سبیل اللہ دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد مدرسہ فیض الاسلام، دھوراجی (گجرات) میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔

درس وتدریس:

سیکڑوں تشنگان علوم نبویہ کو سیراب فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علامہ ارشدالقادری علیہ الرحمہ کے پیہم اصرار پر رانچی تشریف لائے۔ یہاں کے مدرسہ غریب نواز کا قیام اوراس کی ترقی آپ ہی کے خلوص اور بے لوث خدمات کا ثمرہ ہے۔اس کے باعث رانچی اور مضافات میں تبلیغی امور میں تیزی آئی۔

بیعت وخلافت:

حضرت صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ سے آپ بیعت ہوئے اورخلافت واجازت بھی حاصل ہوئی۔ علاوہ ازیں سرکار مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں نوری بریلوی نور اللہ مرقدہ سے بھی آپ کو خلافت واجازت ہے۔

جب آپ حج وزیارت کے لیے گئے تو مدینہ منورہ میں خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خلافت واجازت مرحمت فرمائی اور مکہ معظمہ میں مقیم خانوادہ اشرفیہ کے ایک بزرگ حضرت اچھے میاں صاحب کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کو خلافت حاصل ہوئی۔

دینی وتبلیغی اسفار:

آپ علوم ظاہری وباطنی کے جامع تھے اور بزرگان دین سے آپ کو والہانہ لگاؤ تھا۔آپ نے ہندوپاک، افغانستان، عرب شریف، عراق، شام، اردن اور فلسطین وغیرہ کے سفر کیے اور وہاں کے اولیاء کرام کے مزارات پر عمر کا ایک طویل حصہ گزارا اور ساتھ ہی ساتھ تبلیغ دین اور رشد وہدایت کا بھی فریضہ انجام دیتے رہے۔

بیعت وارشاد:

آپ مرشد طریقت بھی تھے۔آپ کا حلقہٗ ارادت بہت وسیع ہے۔ بیرون ملک میں بھی آپ کے مریدین ومعتقدین موجود ہیں۔

وصال:

آپ کا وصال ۲۸؍شعبان ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۶؍اپریل ۱۹۸۸ء میں ہوا۔ آپ نے اپنے مدفن کے لیے اجمیر شریف کی سرزمین کو منتخب کیا تھا اور بعد وصال وہیں مدفون ہوئے۔

چند تصانیف:

سلطان الاذکار، چراغ راہ، نغمات سید، بچیوں کی تعلیمی کتاب

مصلح اہل سنت علامہ قاری مصلح الدین رحمۃ اللہ علیہ (کراچی)

منزل حق کا نشاں ہیں مصلح الدیں قادری
رہبر پیرو جواں ہیں مصلح الدیں قادری
قاری قرآں، خطیب بے بدل، روشن ضمیر
واقف سرِّ نہاں ہیں مصلح الدیں قادری

نام ونسب:

مصلح اہل سنت حضرت مولانا قاری مصلح الدین قادری جنہیں گھر پڑوس کی بزرگ عورتیں ''پیارے محبوب جانی'' کہا کرتی تھیں۔ صبح صادق بروز پیر ۱۱ر ربیع الاول ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۱۷ء قندھار شریف ضلع ناندیر، ریاست حیدرآباد دکن میں جلوہ افروز ہوئے۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمہ صوفی باصفا خطیب وعالم تھے پاکستان پہنچ کر ۲۵ر نومبر ۱۹۵۵ء کو کراچی میں انتقال فرمایا اور میوہ شاہ قبرستان میں دفن ہوئے۔

حضرت مصلح اہل سنت کے آباء واجداد کو شاہان سلف نے جاگیریں دے رکھی تھیں، اس لیے ''انعام دار'' کہلاتے تھے۔

شجرۂ نسب اس طرح ہے:

حضرت قاری مصلح الدین قادری بن حضرت غلام جیلانی صدیقی بن حضرت محمد نورالدین صدیقی بن شاہ محمد حسین صدیقی بن حضرت شاہ غلام جیلانی صدیقی عرف سراستاد بن حضرت شاہ غلام محی الدین صدیقی بن حضرت شاہ محمد یوسف صدیقی بن حضرت شاہ محمد صدیق بن حضرت شاہ محمد یوسف صدیقی (رحمۃ اللہ علیہم)

(مصلح الدین نمبر کراچی۔ ناشر دارالکتب حنفیہ کھارادر کراچی ۱۴۰۵ھ)

مصلح اہل سنت پر حافظ ملت کی بارش کرم:

قندھار شریف (ریاست حیدرآباد دکن) کے ایک بزرگ حضرت مولانا سید شاہ محمد اسمٰعیل صاحب علیہ الرحمہ نے اجمیر شریف میں حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے یہاں رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے کے لیے ایک اچھے حافظ کی فرمائش کی۔ حضرت صدرالشریعہ نے حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز قبلہ قدس سرہ کو نامزد فرمایا، اس طرح حضور حافظ ملت پانچ سال تک تراویح پڑھانے کے لیے برابر قندھار شریف جاتے رہے اور اسی مبارک ماہ میں ننھے

مصلح الدین کی داشت و پرداخت فرمایا کرتے۔

قاری مصلح الدین صاحب کی عمر ۸ یا ۹ سال رہی ہوگی کہ آپ کے والد ماجد کو حضرت حافظ ملت نے انہیں (قاری صاحب کو) تحفیظ قرآن کی تحریک دی۔ والد ماجد نے خود حفظ کا سلسلہ شروع کرایا۔ ہر سال جب رمضان میں حافظ ملت تشریف لاتے تو یہ (قاری صاحب) انہیں قرآن سناتے اور جو غلطیاں ہوتیں انہیں درست کرادیا کرتے۔ اس طرح ۵ رسال میں قاری صاحب نے قرآن کریم حفظ کرلیا۔ (ملخصا۔ ایضاص ۲۱۷)

حضرت قاری مصلح الدین صاحب اس طرح ۱۴ رسال یا اس سے کم عمر میں حافظ قرآن بن گئے اور حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ان کے سر پر دستار باندھی۔

پرائمری اسکول میں داخلہ:

تکمیل حفظ کے بعد قاری صاحب پرائمری اسکول میں داخل کیے گئے۔ چوں کہ آپ اپنے والدین کے اکلوتے چشم و چراغ تھے لہذا وہ انہیں اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت حافظ ملت نے ان کے سینہ و دل میں حصول علوم نبویہ اور حق شناسی کے جو بیج بوئے تھے انہیں بہر حال پروان تو چڑھنا ہی تھا۔ درجہ ہفتم تک پرائمری اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ کے علم دین کا سلسلہ شروع ہوا۔

مبارک پور میں آمد:

جب حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی تحریک پر حضرت قاری صاحب کے والدین انہیں عالم بنانے کے لیے راضی ہوگئے تو وہ مبارک پور میں حضور حافظ ملت کے سایۂ کرام میں (۱۳۵۴ھ / ۱۹۱۷ء) میں آگئے۔ حضرت قاری صاحب کے لیے سرکار حافظ ملت محض ایک استاذ ہی نہیں بلکہ وہ آپ کے مشفق و مربی بھی تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث مرحوم کی غلامی میں تقریباً ۸ رسال تک رہا۔ ان سے میں زیادہ متاثر ہوا وہ اس وجہ سے کہ وہ شفیق بھی تھے اور ہمارے لیے سب کچھ تھے۔ ایک شفیق باپ سے زیادہ شفقت فرماتے تھے اور انہوں نے مجھے انگریزی تعلیم سے دینی تعلیم کی طرف مائل کیا تھا ان کا خصوصی برتاؤ میرے ساتھ ہوتا تھا بلکہ مجھے فخر ہے کہ انہوں نے بعض موقعوں پر یہ بھی فرمایا کہ: ''مصلح الدین تو میرا بیٹا ہے'' (مصلح الدین نمبر کراچی ص ۲۲۱ وص ۲۲۲)

مصلح اہل سنت پر حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی شفقت اور کرم فرماتے تھے اور نوجوانی ہی میں ان کی نیکی سے متاثر تھے اور فرماتے تھے۔

''کسی کو نیک اور شریف طالب علم دیکھنا ہو تو مصلح الدین کو دیکھے'' حضرت مصلح اہل سنت ۸ رسال تک دارالعلوم اشرفیہ میں زیر تعلیم رہے۔ (ایضاص ۲۶۳)

حافظ ملت کے ہمراہ جامعہ عربیہ ناگپور کو روانگی:

۱۹۴۳ء میں جب سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ مبارک پور سے جامعہ عربیہ ناگپور تشریف لے گئے تو آپ بھی وہیں

منتقل ہوگئے ۔ اسی جامعہ میں فارغ التحصیل ہوئے اور وہیں حضرت محدث اعظم ہند علامہ سید محمد میاں اشرفی الجیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی موجودگی میں آپ کی دستار بندی ہوئی ۔

دیگر اساتذۂ کرام:

حضرت مصلح اہل سنت نے حضرت حافظ ملت کے علاوہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ سے بھی علمی استفادہ کیا نیز مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری اور مولانا ثناء اللہ اعظمی رحمۃ اللہ علیہم بھی آپ کے اساتذۂ کرام میں شامل ہیں۔ ان حضرات سے بھی آپ نے تعلیم حاصل کی۔

بیعت وخلافت:

آپ کو حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل تھا۔ علاوہ ازیں حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب بریلوی اور قطب مدینہ حضرت علامہ مولانا ضیاء الدین صاحب مدنی (رحمۃ اللہ علیہا) سے بھی آپ کو خلافتیں عطا ہوئیں۔ (مصلح الدین نمبر ص ۵۷)

شادی خانہ آبادی:

حضرت مصلح اہل سنت کی پہلی شادی بعمر ۲۴ رسال فاروقی خاندان میں ہوئی ۔ ان سے آپ کی دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ دوسری شادی بعمر ۳۰ ر سال جبل پور میں ایک سید گھرانے میں ہوئی جن سے ایک صاحبزادی اور تین صاحبزادے ہوئے ۔

پاکستان میں:

۱۹۴۹ء میں آپ بھارت سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لے گئے ۔ شروع میں کچھ عرصہ دارالعلوم امجدیہ آرام باغ میں مقیم رہے ۔ ۱۹۵۰ء میں کھارادر کی آخوند مسجد میں امام وخطیب مقرر ہوئے جہاں آپ نے ۱۹ رسال تک خدمات سر انجام دیں۔ اسی دوران تقریباً ڈیڑھ سال آپ نے مرکزی مسجد واہ کینٹ (راول پنڈی) میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے ۔ ۱۹۶۹ء میں آپ میمن مسجد مصلح الدین گارڈن کا نام آپ کے وصال کے بعد آپ ہی کے نام پر رکھ دیا گیا۔ پہلے اس کا نام کھوری گارڈن تھا) اس میں امام وخطیب مقرر ہوئے جہاں آپ نے ۱۴ رسال خدمات سرانجام دیں اور اپنے وصال پاک تک اسی مسجد میں تبلیغ دین اور رشد وہدایت میں مشغول رہے ۔

تدریس:

آپ نے امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ دارالعلوم امجدیہ کراچی میں تقریبا ۱۵ ربرس بطور معلم ومدرس تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔

حج وزیارت:

آپ نے ۱۹۵۴ء میں پہلے حج وزیارت کا شرف حاصل کیا۔ ۱۹۷۰ء میں دوسری بار حج وزیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اس سفر مقدس کے دوران آپ نے تاجدار بغداد غوث اعظم دستگیر سرکار شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی المولیٰ عنہ کے مزار پر انوار پر بھی حاضری دی۔

خلفا:

آپ کے مریدین کی تعداد بہت کثیر ہے۔ مریدوں میں میمن صاحبان کی تعداد زیادہ ہے آپ نے مندرجہ ذیل حضرات کو خلافت واجازت مرحمت فرمائی۔

(۱) حضرت علامہ شاہ تراب الحق قادری (۲) حضرت مولانا عبدالعظیم صاحب مدظلہ

مفتی اعظم ہند کے عرس چہلم میں شرکت:

حضرت مصلح اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کو خانوادۂ رضویہ سے بڑی محبت وعقیدت تھی۔ آپ کو سرکار مفتی اعظم ہند سے خلافت بھی تھی۔ سرکار مفتی اعظم کے عرس چہلم میں شرکت کے لیے آپ خاص طور سے (صفر ۱۴۰۲ھ / دسمبر ۱۹۸۱ء) کراچی سے بھارت آئے اور بریلی شریف میں حاضری دی اور عرس چہلم میں شرکت فرمائی۔

وصال پاک:

۷ / جمادی الآخر ۱۴۰۳ھ / ۲۲ / مارچ ۱۹۸۳ء بروز بدھ سہ پہر ساڑھے ۴ / بجے آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا انتقال اچانک ہوا۔ منگل بدھ کی درمیانی شب بعد نماز عشاء آپ نے حضرت حجۃ الاسلام علامہ مولانا شاہ حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے عرس پاک کی محفل میں میمن مسجد میں شرکت فرمائی۔ اس محفل میں تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خاں قبلہ بریلوی (ان کے ہمراہ رفیق سفر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اور علامہ ازہری صاحب کے بہنوئی حضرت شوکت میاں بھی تھے) اور علامہ تراب الحق صاحب بھی شریک تھے۔ حضرت مصلح اہل سنت اور علامہ اختر رضا خان ازہری میاں قبلہ دونوں نے موت اور روح پر تقریریں کیں۔ اگلی صبح بدھ کو دن میں حضرت مصلح اہل سنت نماز ظہر کی امامت فرما کر اپنے دولت کدہ پر تشریف لے گئے اور گیارہویں شریف کی ایک محفل میں جانے کی تیاری کرنے لگے کہ اچانک دل کا دورہ پڑا۔ بغرض علاج جاتے ہوئے راستہ ہی میں سہ پہر ساڑھے چار بجے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کے جانشین:

سوم کی فاتحہ کے موقع پر جانشین مفتی اعظم تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خاں قبلہ ازہری نے حضرت علامہ تراب الحق صاحب مدظلہ کو علماء واہل خاندان کی رائے سے مصلح اہل سنت کے جانشین کی حیثیت سے دستار بندی فرمائی اور قاری صاحب کے فرزند مصباح الدین صاحب کو شاہ تراب الحق صاحب کی سپردگی میں تعلیم وتربیت کے لیے دیا۔

مفتی ظفر علی نعمانی علیہ الرحمہ (کراچی)

ولادت اور تعلیم و تربیت:

حضرت مفتی ظفر علی نعمانی کی ولادت سید پورہ ضلع بلیا کے ایک معزز خاندان میں ۱۳۳۹ھ میں ہوئی۔ آپ بچپن سے ہی بہت ذہین و فطین اور تقریری صلاحیت کے حامل تھے۔

درس نظامیہ کی تکمیل کے لیے آپ نے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا۔ آپ کا شمار حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ممتاز اور ارشد تلامذہ میں ہوتا تھا۔ جب حضرت علیہ الرحمہ مبارک پور سے جامعہ عربیہ ناگپور تشریف لے گئے تو آپ بھی طلبہ کی جماعت کے ساتھ اس میں شامل تھے۔ رسم دستار بندی جامعہ عربیہ سے ہوئی لیکن آپ نے سند نہیں لی۔

آپ بحث و مباحثہ اور مناظروں میں اکثر حصہ لیتے۔ جس مسئلہ کے ثابت کرنے پر تل جاتے تو اسے تسلیم ہی کرا کے دم لیتے حتی کہ سینئر طلبہ اور اچھے اچھے ممتحنین بھی آپ سے متاثر و مرعوب ہو جاتے تھے۔ اساتذہ کرام کے منظور نظر اور رفقائے درس میں ہمیشہ ممتاز رہے۔

حضرت حافظ ملت قدس سرہ کے سامنے آپ کا ذکر ہوتا تو آپ بے پناہ مسرور ہوتے تھے اور آپ کی علمی لیاقت، فطری صلاحیت اور حاضر جوابی کی بہت تعریف فرماتے۔

درس و تدریس:

فراغت کے بعد بہت دنوں تک مدرسہ فیض الاسلام، دھوراجی (کاٹھیا واڑ۔ گجرات) میں تدریس و افتاء کے فرائض انجام دیتے رہے جہاں بہت جلد آپ نے تقریر و تحریر اور درس و تدریس کے ذریعہ عوام و خواص میں شہرت و مقبولیت حاصل کر لی اور قرب و جوار کے علاقہ میں دین و سنیت کی تبلیغ و اشاعت کا اہم فریضہ انجام دیا۔

بیعت وارادت:

آپ کو حضرت فقیہ اعظم، صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مولانا شاہ محمد امجد علی علیہ الرحمہ سے بیعت و خلافت و اجازت کا شرف حاصل ہوا۔

پاکستان کے لیے روانگی:

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز نے اپنی بے پناہ شفقتوں اور عنایتوں کے ساتھ خدمت دین کے لیے پاکستان روانہ کیا۔ وہاں آپ نے انتہائی جدوجہد اور جاں فشانی سے "دارالعلوم امجدیہ" کی بنیاد ڈالی اور عوام و خواص کے تعاون کے علاوہ خود اپنے صرفہ سے اسے ترقی کے مدارج عالیہ تک پہنچا دیا۔ آج "دارالعلوم امجدیہ" کا شمار ہند و پاک کے ممتاز مدارس میں ہوتا ہے اور پاکستان میں ملک گیر پیمانے پر دینی و تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ہر سال اس دارالعلوم سے کثیر تعداد میں علماء فضلاء اور حفاظ و قراء فارغ ہو کر خدمت دین کے لیے نکل پڑتے ہیں۔ یہاں کے فارغین پاکستان

کے علاوہ بیرون ممالک میں بھی تبلیغی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

آپ کا شمار پاکستان کے صف اول کے علما صنعت کاروں اور مدبروں میں ہوتا۔ اور آپ وہاں کی با اثر اور معزز شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ سانگلہ ہل (پنجاب، پاکستان) میں آپ نے قالین کا کارخانہ بھی قائم کیا تھا۔ آپ کے یہاں کی تیار کردہ قالین ملک اور غیر ممالک میں بہت مقبول ہیں۔

آپ عربی اور اردو زبان وادب میں یکساں مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کا ایک واقعہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اکثر بیان فرمایا کرتے تھے کہ:

''ایک مرتبہ ایک شامی عالم کراچی تشریف لائے۔ آپ اردو سے بھی کافی واقفیت رکھتے تھے۔ ان کے اعزاز میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ جب وہ خطابت کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا میں اردو بھی جانتا ہوں لیکن تقریر عربی زبان میں کروں گا اور میری خواہش ہے کہ کوئی ایسا ترجمان ہو جو میری تقریر کے ساتھ ساتھ اردو میں اس کی ترجمانی کرتا رہے۔ جلسہ میں چوٹی کے علماء شریک تھے مگر کسی نے بھی ترجمانی کے لیے ہامی نہیں بھری۔ بالآخر آپ ہی کھڑے ہوئے اور شامی عالم کی تقریر کی ان کے ساتھ اردو میں ترجمانی کرتے رہے۔ شامی عالم آپ کی اس ترجمانی سے ایسے متاثر ہوئے کہ دوران تقریر آپ کی پیشانی کو چوم لیا۔

مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی (کراچی)

ولادت اور تعلیم وتربیت:

حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی مدظلہ فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے تیسرے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۳۲۹ھ میں محلہ کریم الدین پور گھوسی ضلع مئو میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد گھر ہی پر ایک سال تک حفظ کیا، پھر حفظ ہی کے لیے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور آئے اور تین ماہ بعد اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کے ہمراہ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں (ضلع علی گڑھ) چلے گئے اور وہیں حفظ مکمل کیا نیز فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں بھی وہیں پڑھیں۔ بعدہ حضرت صدر الشریعہ نے آپ کو درس نظامی کی تکمیل کے لیے دار العلوم اشرفیہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیج دیا جہاں آپ نے حضور حافظ ملت کے لطف وکرم اور شفقت کے سائے میں درس نظامیہ کی تکمیل کی اور اس طرح ۱۳۶۶ھ میں آپ کی دستار بندی ہوئی۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد دو سال تک مدرسہ عربیہ اندرکوٹ میرٹھ میں اور پھر آٹھ سال تک دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا ضلع گونڈہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد پاکستان تشریف لے گئے۔

قاری صاحب پاکستان میں:

پاکستان آنے کے بعد آپ نہ صرف کراچی بلکہ پاکستان کی سب سے بڑی مسجد ''نیومیمن مسجد'' میں خطیب مقرر ہوئے۔تب سے اب تک آپ ہی اس مسجد کے خطیب ہیں۔آپ کو جامع مسجد کی خطابت کے باعث پاکستان کے اعلیٰ حکام ، عہدہ داران اوراونچے طبقہ میں دینی وعلمی خدمات کے عمدہ مواقع فراہم ہوئے، ساتھ ساتھ ''دارالعلوم امجدیہ'' کراچی کے شعبۂ تجوید میں تدریسی خدمات بھی انجام دینے لگے۔

آپ نے تجوید کی رعایت سے دوحصوں میں ایک قاعدہ بھی لکھا جس کا نام ''مدنی قاعدہ'' ہے۔آپ نے یہاں ''مکتبہ امجدیہ'' اورعظیم اشاعتی ادارہ بھی قائم کیا جس کے تحت دینی کتب ورسائل بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور صدرالشریعہ کی تصانیف کی اشاعت بھی وسیع پیمانے پرکی اور یہ کام مزید تیزی سے ہورہاہے۔آپ نے اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان کو چھاپ کر پورے پاکستان میں عام کردیا اوراردو کے دیگر تراجم سے اس کے موازنہ پر مقالہ بھی لکھ کر شائع کیا۔

آپ زبردست خطیب ومقرر بھی ہیں اورعربی زبان پر اچھا عبور رکھتے ہیں خطابت اوراشاعت کے ذریعہ آپ نے دین وسنیت کی تبلیغ کا اہم فریضہ انجام دیا اوراب بھی اسی کام کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں۔آپ ''ورلڈ اسلامک مشن'' کی پاکستان شاخ کے صدر بھی ہیں۔

مدارس کا قیام:

آپ نے کراچی میں لڑکیوں کی دینی اورعصری تعلیم کے لیے ''کلیۃ البنات'' نیز ایک دینی تعلیمی ادارہ لڑکوں کے لیے بھی قائم فرمایا۔جہاں ہاسٹل اور مطبخ کا اچھا انتظام ہے۔کلیۃ البنات میں تعلیم پانے والی لڑکیوں کو گھر سے لانے اور لے جانے کے لیے ادارہ کی طرف سے سواری کا انتظام بھی ہے۔

ریڈیائی تقریریں اورغیر ملکی اسفار:

آپ جید عالم دین اورخوش الحان قاری ہیں، پاکستان ریڈیو سے آپ کی تقریریں اورقراءت اکثر نشر ہوتی رہتی ہیں۔آپ نے متعدد بار قرأت کے ملکی اور عالمی مقابلوں میں بھی شرکت کی ہے۔

آپ نے مختلف ایشیائی، یورپی اورافریقی ممالک کے تبلیغی دورے بھی کیے ہیں۔

حضرت حافظ ملت اور قاری صاحب:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے اورآپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔جب بھی آپ پاکستان سے گھوسی تشریف لاتے تو خود حضرت حافظ ملت آپ کے استقبال کو گھوسی پہنچ جاتے اورآپ سے مل کر بہت مسرور ہوتے۔

آپ سے حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے قلبی لگاؤ کا اندازہ آپ کے نام ان کے ایک مکتوب گرامی سے لگایا جاسکتا ہے جوانہوں نے آپ کو دوران تعلیم ارسال فرمایا تھا۔لکھتے ہیں:

''عزیز محترم! ماشاء اللہ آپ عقیل وفہیم ہیں۔آپ کو کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دکھاناہے مگر محبت قلبی اتنا عرض

کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ اپنے مقصد پر نظر رکھتے ہوئے حضرت والد ماجد صاحب دامت برکاتہم القدسیہ کے طرز عمل کو اپنا معمول بنائیں۔

شخصیت:

حضرت قاری صاحب قبلہ بہت ہی بارسوخ، خوش اخلاق وخوش مزاج، خوردہ نواز انسان ہیں، مزاج میں بڑی نفاست ہے، خوش لباس بھی بہت ہیں۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ

شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ سرکار حافظ ملت قدس سرہ العزیز کے اولین تلامذہ میں ہیں۔ یوں تو حافظ ملت کے شاگردوں میں ایک سے بڑھ کر ایک علمی شخصیات ہوئی ہیں اور آج بھی الحمد للہ موجود ہیں لیکن ان صاحبان علم وفضل میں جس علمی مقام ومرتبہ پر حضرت شارح بخاری فائز تھے بالخصوص تفقہ میں ان کو وہ مقام ومرتبہ حاصل تھا جو نہ صرف حافظ ملت کے تلامذہ بلکہ شارح بخاری کے معاصر علماء میں شاید ہی کسی کو حاصل رہا ہو اور یہی سبب ہے کہ آپ ہی کو سرکار مفتی اعظم ہند علامہ مصطفےٰ رضا خاں نوری بریلوی نور اللہ مرقدہ کی نیابت کا شرف حاصل ہوا اور بجا طور پر ''نائب مفتی اعظم ہند'' تسلیم کیے گئے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے بعد مشائخ مارہرہ مطہرہ نے اگر کسی اور مفتی کو ''اپنا مفتی'' یعنی ''برکاتی مفتی'' مانا تو صرف آپ ہی کو مانا اور بالاعلان ''برکاتی مفتی'' کے لقب سے نوازا۔

دوران تعلیم ہی سرکار حافظ ملت، شارح بخاری کے جذبۂ حصول علم اور ان کی صلاحیت سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا کرتے تھے: ''میں جب تم کو پڑھانے لگتا ہوں تو میرے علم میں جوش آجاتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ جو کچھ صدر الشریعہ نے عطا فرمایا ہے سب تمہارے سینے میں انڈیل دوں'' (معارف شارح بخاری ص ۱۱۷)

حضرت صدر الشریعہ اور حضرت شارح بخاری ایک ہی خاندان سے تھے اور شارح بخاری رشتے میں صدر الشریعہ کے بھتیجے ہوتے تھے۔

ولادت اور تعلیم وتربیت:

قصبہ گھوسی ضلع مئو، یوپی کے ایک دیندار خاندان میں حضرت شارح بخاری ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں تولد ہوئے۔ آپ کے والد ماجد جناب عبد الصمد صاحب مرحوم بہت ہی پرہیزگار اور دیندار شخص تھے۔ آپ نے ناظرہ قرآن اور ابتدائی تعلیم قصبہ ہی کے مکتب میں پائی، بعدہ حضور صدر الشریعہ کے منجھلے بھائی حضرت حکیم احمد علی صاحب سے گلستاں بوستاں پڑھی۔

اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ:

ابھی ایک سال ہوا تھا کہ حضور حافظ ملت اپنے استاذ معظم ومرشد اجازت حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے حکم پر مبارک پور تشریف لے آئے، دوسرے ہی سال ۱۰ر شوال المکرم ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۴ء کو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے

ہمراہ شارح بخاری برائے حصول تعلیم اشرفیہ میں داخل ہوئے۔

آپ آٹھ سال تک حافظ ملت کے سایۂ کرم میں اشرفیہ میں رہے اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ابتدائی عربی سے لے کر ہدایہ اخیرین، ترمذی شریف، صدرا وحمد اللہ تک پڑھا۔

مدرسہ عربیہ میرٹھ کو روانگی:

آٹھ سال تک سرکار حافظ ملت کے سایۂ کرم میں رہنے کے بعد کسی سبب سے میرٹھ کی جانب مراجعت فرمائی اور وہاں مدرسہ عربیہ اندر کوٹ میں حضرت صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی علیہ الرحمہ سے شمس بازغہ، حاشیہ شرح جامی اور خیر الاذکیاء حضرت علامہ غلام یزدانی صاحب قدس سرہ سے خیالی وقاضی مبارک کا درس لیا۔ وہاں بمشکل ۷، ۸ ماہ رہے۔

دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں داخلہ اور دستار بندی:

۱۹۴۲ء میں آپ نے دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں داخلہ لیا جہاں حضرت محدث اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے صحاح ستہ پڑھ کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور یہیں سے آپ کی فراغت ہوئی اور حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، حضرت صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی اور حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی رحمۃ اللہ علیہم ودیگر مشائخ اہل سنت نے اپنے مقدس ہاتھوں سے دستار فضیلت سے نوازا۔ اس موقع پر سرکار مفتی اعظم نے آپ کو دار العلوم کی عام سند کے علاوہ اپنی سند خاص سے بھی سرفراز فرمایا۔

فتویٰ نویسی:

درس نظامی کے علاوہ فتویٰ نویسی کی تعلیم وتمرین حضرت صدر الشریعہ سے ایک سال سے زائد عرصہ تک حاصل کی۔ سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی بارگاہ میں گیارہ سال تک رہ کر فتویٰ نویسی سیکھی۔ اس طرح آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت مفتی اعظم اور حضور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہما بھی داخل ہیں۔

اساتذۂ شارح بخاری

(۱) حضرت صدر الشریعہ (۲) حضرت مفتی اعظم ہند (۳) حضرت حافظ ملت (۴) حضرت محدث اعظم پاکستان (۵) حضرت صدر العلماء (۶) حضرت علامہ غلام یزدانی اعظمی (۷) حضرت علامہ سلیمان بھاگل پوری (۸) مولانا سید شمس الحق گجہڑوی (۹) حضرت مولانا ثناء اللہ اعظمی (۱۰) حضرت قاری محمد عثمان اعظمی (۱۱) حضرت حکیم احمد علی اعظمی (۱۲) ماسٹر علیم اللہ خان اعظمی (۱۳) مولوی محمد شریف اعظمی (۱۴) مولوی غلام یاسین اعظمی (رحمۃ اللہ علیہم)

تدریسی خدمات:

(۱) مدرسہ بحر العلوم، مئو ۔ ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۳ تا ۳۱ر مئی ۱۹۴۴ء (۲) مدرسہ خیر الاسلام حسین آباد جپلہ ضلع پلاموں

بہار ۷؍جون ۱۹۴۴ء تا یکم اپریل ۱۹۴۵ء (۳) مدرسہ حنفیہ مالیگاؤں، ناسک ۶؍اپریل ۱۹۴۵ء تا ۱۷؍ستمبر ۱۹۴۵ء (۴) مدرسہ عین العلوم بیت الانوار، گیا، بہار۔ ۱۸؍ستمبر ۱۹۴۵ء تا ۲۶؍اگست ۱۹۴۷ء (۵) مدرسہ شمس العلوم گھوسی، مئو۔ یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء تا ۶؍جولائی ۱۹۵۴ء (۶) مدرسہ فضل رحمانیہ پچپڑوا ضلع گونڈہ۔ ۲۱؍جولائی ۱۹۵۴ء تا ۲۴؍مارچ ۱۹۵۶ء (۷) مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف۔ ۴؍جون ۱۹۵۶ء تا ۸؍اپریل ۱۹۶۷ء (۸) جامعہ عربیہ انوارالقرآن بلرام پور۔ ۸؍مئی ۱۹۶۷ء تا ۲۰؍اپریل ۱۹۷۵ء (۹) مدرسہ ندائے حق جلال پور ضلع امبیڈکر نگر۔ اپریل ۱۹۷۵ء تا نومبر ۱۹۷۶ء (۱۰) جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں بحیثیت صدر شعبۂ افتاء ۱۳؍دسمبر ۱۹۷۶ء۔

آپ نے کئی سال تک اعلیٰ حضرت کی مسجد ''رضا مسجد'' کی امامت کا فریضہ بھی انجام دیا اور سرکار مفتی اعظم کے نائب کی حیثیت سے ان کے دارالافتا ''رضوی دارالافتا'' بریلی شریف کے نائب مفتی بھی رہے۔

بیعت وخلافت اوراجازات واسانید:

(۱) حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کو سرکار صدرالشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی نور اللہ مرقدہ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل تھا۔ علاوہ اس کے (۲) حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں قبلہ نوری بریلوی قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ النور والبہا فی الاسانید وسلاسل الاولیاء میں مندرج ۳۹۔ سلاسل قرآن مجید واحادیث اور سلاسل اولیائے کرام کی اجازت مرحمت فرمائی نیز صحاح ستہ کی وہ خاص سند عطا فرمائی جو پوری دنیا میں سب سے عالی ہے اور بہت مختصر نیز سلسلۂ منوریہ معمریہ رضویہ کی بھی سند عطا فرمائی اور فتح الباری کے اخیر میں نسائی شریف کی حدیث جو مذکور ہے اس کی اپنی خاص سند کے ساتھ اجازت مرحمت فرمائی اور تمام سلاسل کی بھی اجازت مرحمت فرمائی (۳) حضرت محدث اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ نے حدیث مسلسل بتحریک الشفتین کی اجازت عطا فرمائی۔ (۴) حضرت احسن العلماء علامہ سید شاہ حسن میاں صاحب مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام سلاسل برکاتیہ جدیدہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔

تقریر وخطابت:

تقریر وخطابت کی قوت تاثیر وسرعت تاثیر دنیا کی ساری قوموں کے نزدیک مسلم ہے۔ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے ''ان من البیان لسحرا وان من الشعر لحکمۃ'' بیشک بعض بیان جادو ہوتا ہے اور بعض اشعار حکمت ودانائی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ رب کائنات نے علم وقلم کی تب وتاب اور توانائی کے ساتھ ساتھ حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کو زبان وبیان کی زبردست قوت وصلاحیت عطا فرمائی تھی۔ آپ نے ملک کے عظیم الشان جلسوں اور کانفرنسوں سے لے کر اعراس بزرگاں میں تقریریں فرمائی ہیں۔ آپ کی تقریر بہت ہی مدلل ومفصل ہوا کرتی تھی، علمی ومنطقی شان کے ساتھ اس میں شان ادبیت بھی ہوتی تھی۔ سامعین کو آپ کی تقریر سے کبھی بوریت محسوس کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

مناظرہ:

حضرت شارح بخاری ایک عظیم اور فقید المثال مناظر بھی تھے۔آپ کے علم وفضل اور مناظرانہ شان کے تعلق سے حضرت احسن العلماء علامہ سید شاہ حسن میاں صاحب قبلہ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ'' ہمارا مفتی۔مفتی شریف الحق۔علم کا پختہ۔ٹھنکا ٹھنکا یا مفتی ہے۔کسی بدمذہب کی کیا مجال کہ ان کے سامنے آنے کی ہمت کر سکے۔(بروایت ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلوی)

زمانۂ طالب علمی میں مناظرہ:

حضرت شارح بخاری جب ۱۳۶۲ھ میں حضور محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد صاحب گورداس پوری علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہ کر دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر رہے تھے تو آپ نے بریلی اور رام پور کے قادیانیوں سے مناظرہ کیا اور مرزائیوں کا کفر وارتداد ثابت کر کے قادیانیوں کو شکست فاش دی اور ان کے دام میں پھنسنے والے متعدد سنیوں کو کفر وگمرہی سے بچالیا۔

اس مناظرہ میں آپ کی فتح اور زمانۂ طالب علمی ہی سے آپ کی عظیم علمی صلاحیت اور مناظرانہ شان سے حضرت محدث اعظم پاکستان بہت مسرور ہوئے۔ڈھیروں دعائیں دیں۔اس کے بعد کبھی کبھی وہ تفریح میں آپ کو'' مناظر صاحب'' بھی کہہ دیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ بعد میں تو آپ جہاں جہاں بھی درس وتدریس کے سلسلے میں رہے بیشتر جگہوں پر چھوٹے بڑے مناظرے کیے۔چند خاص مناظروں میں شرکت فرمائی وہ حسب ذیل ہیں:

(۲) ضلع گیا۔دیوبندیوں سے مناظرہ (۳) رائے پور ضلع کھیری لکھیم پور (یوپی) زمانہ تدریس بریلی شریف۔ یہ مناظرہ کیا۔(۴) کرالا۔ضلع بدایوں۔مودودیوں سے مناظرہ (بزمانہ تدرس بریلی شریف) (۵) موضع سکرولی متصل بھنگاواں ضلع گونڈہ (بلرامپور کے قیام کے زمانہ میں) (۶) باندو چترو ضلع پلاموں، بہار میں دیوبندیوں سے مناظرہ (بلرام پور کے قیام کے زمانہ میں) (۷) بجرڈیہہ بنارس۔غیر مقلدین سے مناظرہ۔(۸) کٹک (اڑیسہ) دیوبندیوں سے مناظرہ (۹) ضلع سیتاپور کے ایک گاؤں میں (۱۰) بدایوں میں مولوی خلیل احمد بجنوری سے مناظرہ (۱۱) جھریا ضلع دھنباد (بہار اب جھارکھنڈ) میں دیوبندیوں سے مناظرہ۔(۱۲) کچنار ضلع لکھیم پور کھیری میں دیوبندیوں سے مناظرہ کیا اور مولوی ارشاد دیوبندی کو شکست دی۔

فتویٰ نویسی:

حضرت شارح بخاری کی فقہی بصیرت کو مدنظر رکھتے ہوئے مشائخ مارہرہ مطہرہ اور علمائے اہل سنت نے انہیں'' فقیہ اعظم ہند'' کا خطاب دیا۔جزئیات پر آپ کی بہت گہری نظر تھی۔آپ اختلافی مسائل میں ہمیشہ اعتدال برتتے۔

آپ کے فتاویٰ کی تعداد کتنی ہوگی یہ بتا پانا تو مشکل ہے البتہ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے، آپ خود فرماتے ہیں کہ'' میں نے بریلی شریف کے ایام قیام میں ۲۵ رہزار مسائل لکھے جن میں ۲۰ رہزار کے لگ بھگ وہ مسائل ہیں جن پر

حضرت (سرکار مفتی اعظم قدس سرہ) کی اصلاح ہے''۔(معارف شارح بخاری ص۸۲۴)

آپ نے قیام بلرام پور کے زمانہ میں تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ فتاوی بھی لکھے نیز الجامعۃ الاشرفیہ میں صدر شعبۂ افتا کی حیثیت سے برسوں رہے لہذا اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ لگ بھگ پچاس ہزار فتاویٰ لکھے ہوں گے آپ نے عربی میں بھی فتاویٰ لکھے ہیں۔

تصنیفات وتالیفات:

(۱) اشک رواں (۲) السراج الکامل (۳) تحقیقات (۴) اسلام اور چاند کا سفر (۵) اشرف السیر (۶) اثبات ایصال ثواب (۷) سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ (۸) مقالات امجدی (۹) فتنوں کی سرزمین کون؟ نجد یا عراق (۱۰) نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری (۹ جلدیں)۔آپ کی سب سے عظیم تصنیف ''نزہۃ القاری'' ہے جسے آپ کی زندگی کی قیمتی کمائی اور عمر بھر کے مطالعہ کا نچوڑ کہنا چاہیے۔

چند مشاہیر تلامذہ:

(۱) حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی (۲) حضرت مفتی قاضی عبدالرحیم بستوی (۳) حضرت مولانا غلام ربانی فائق اعظمی (۴) حضرت مفتی شفیق احمد شریفی (۵) حضرت مولانا ثناء المصطفیٰ گھوسوی مرحوم (۶) مولانا ڈاکٹر شکیل اعظمی گھوسوی (۷) حضرت مولانا افتخار احمد قادری (۸) حضرت مولانا رحمت اللہ بلرامپوری (۹) حضرت مفتی نظام الدین صاحب ، مبارکپور (۱۰) حضرت مولانا عبدالحق رضوی (۱۱) حضرت مولانا بدرعالم مصباحی ،مبارکپور (۱۲) حضرت مولانا معراج القادری ،مبارکپور (۱۳) مفتی نسیم مصباحی (۱۴) مولانا علی احمد گھوسوی وغیرہم

چند مشاہیر خلفاے کرام:

(۱) حضرت علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ (لاہور پاکستان)(۲) حضرت مفتی مجیب اشرف ، ناگپور(۳) حضرت مفتی شفیق احمد شریفی(۴) حضرت مولانا صغیر احمد جوکھن پوری(۵) حضرت مولانا عبدالحق، گونڈوی (۶) حضرت مولانا مفتی بدرعالم مصباحی (استاذ اشرفیہ)(۷) حضرت مولانا بشیر احمد برکاتی (اورئی۔ جالون) وغیرہم

حج وزیارت:

(۱) پہلا حج ۱۹۸۵ء (۲) پہلا عمرہ ۱۹۹۶ء (۳) دوسرا عمرہ جنوری ۱۹۹۸ء (۴) دوسرا حج ۱۹۹۸ء

غیر ملکی تبلیغی اسفار:

کولمبو، (لنکا) دوبار ۱۹۹۲ء۔۱۹۹۵ء

(۲) افریقہ: ۱۹۹۶ء (۳) پاکستان ۱۹۹۶ء، ۱۹۹۸ء

خطابات واعزازات:

(۱) رضا اکیڈمی ممبئی کی جانب سے ۱۹۹۸ء میں امام احمد رضا ایوارڈ دیا گیا۔

(۲) اکتوبر ۱۹۹۹ء کے عرس قاسمی مارہرہ مطہرہ میں درجنوں علما و مشائخ اور ہزاروں زائرین کی موجودگی میں خانقاہ برکاتیہ کے صاحب سجادہ حضرت امین ملت قبلہ نے آپ کو ''فقیہ اعظم ہند'' کا خطاب دیا اور جشن شارح بخاری ممبئی جنوری ۲۰۰۰ء میں بھی اس کا اعلان فرمایا۔

(۳) آپ کی حیات میں آپ پر سیمینار منعقد ہوا اور ''شارح بخاری'' کے نام سے آپ کی حیات و خدمات پر کتاب شائع ہوئی (مصنفہ علامہ یٰسین اختر مصباحی)

(۴) جنوری ۲۰۰۰ء میں رضا اکیڈمی ممبئی کی طرف سے ''جشن شارح بخاری'' منایا گیا اور آپ کو چاندی سے تولا گیا۔ آپ نے اس چاندی کی دو تہائی قیمت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کو اور ایک تہائی قیمت رضا اکیڈمی ممبئی کے لیے وقف فرمادی۔

شادی خانہ آبادی:

پہلی شادی کم عمری میں آپ کی ماموں زاد بہن سے ہوئی تھی ان سے ایک صاحبزادے ''محمد حبیب الحق'' تھے جن کا ۱۳۷۶ھ میں انتقال ہوگیا۔

دوسری شادی پہلی اہلیہ کی سگی بہن سے ہوئی۔ ان سے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔

(۱) مولانا ڈاکٹر محب الحق (۲) مولوی وحید الحق (۳) مولانا حافظ حمید الحق (۴) ظہیر الحق

ایک صاحبزادے جو ڈاکٹر محب الحق صاحب کے بعد ہوئے تھے ان کا چھ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا تھا (۵) صاحبزادی۔ شادی شدہ

حافظ ملت اور شارح بخاری

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو حضرت شارح بخاری سے بڑی محبت تھی، جب کسی وجہ سے شارح بخاری برائے حصول تعلیم میرٹھ چلے گئے تو سرکار حافظ ملت کو بڑا افسوس ہوا اور فرمایا: ''شریف الحق چلا گیا''؟ جب حضرت شارح بخاری نے سیدنا حافظ ملت کی بارگاہ میں معذرت کا خط لکھا تو حضرت نے اس طرح جواب دیا:

''آپ کے چلے جانے کا بیحد افسوس ہے، میں ملاقات سے محروم ہوں مگر دعائے خیر کرتا ہوں۔ آپ جہاں کہیں رہیں حسب عادت محنت اور لگن سے پڑھیں'' (معارف شارح بخاری ص ۲۱۲)

حضرت حافظ ملت شارح بخاری کے علم و فضل اور ان کے فتاویٰ پر بڑا اعتماد کرتے تھے اور کبھی کبھی مستفتی صاحبان کو فتویٰ لینے کے لیے ان کی جانب رجوع کراتے۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ آپ کو مناظروں اور جلسوں میں بھی بھیجواتے۔

حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد حضرت حافظ ملت نے ان کی جگہ پر کام کرنے کے لیے شارح بخاری کا انتخاب فرمایا:

حضرت شارح بخاری کو سرکار حافظ ملت سے بڑی عقیدت تھی بلکہ یوں کہیے کہ ان کے والہ وشیدا تھے۔

جب امریکی خلابازوں نے اپنے چاند پر پہونچنے کا دعویٰ کیا تو علماء کے ایک گروہ نے اسے خلاف شرع سمجھا اور اس کی تائید کرنے والوں کی تردید شروع کر دی۔

حضرت شارح بخاری نے ''اسلام اور چاند کا سفر'' نامی کتاب میں اپنا یہ موقف ظاہر کیا تھا کہ امریکی یا روسی خلا باز چاند پر پہنچے یا نہیں یہ الگ بات ہے البتہ چاند پر انسان کی رسائی ممکن ہے اور اس میں شرعاً وعقلاً کوئی استحالہ نہیں۔

حضرت صدر العلما مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمہ کو آپ کے موقف سے سخت اختلاف تھا لہذا انہوں نے شارح بخاری کے موقف کے رد میں ''صحیح المسلک'' نامی ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس میں انہوں نے شارح بخاری کے ساتھ ساتھ حضور حافظ ملت قدس سرہ کو بھی نشانہ بنایا اور ان پر بھی تیر ونشتر برسائے۔ لہذا ''اسلام اور چاند کا سفر'' کے دوسرے اڈیشن میں ''معذرت'' کے عنوان کے تحت جو تحریر فرمایا اس کا اقتباس ملاحظہ کریں اور حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ سے حضرت شارح بخاری کے والہانہ تعلق اور عقیدت کیشی کا اندازہ لگائیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

''میرے اوپر جو عنایت ہوئی ہیں اس کا نہ تو جواب دینا ہے نہ دوں گا اور نہ وہ میرے لیے کسی تکلیف کا باعث البتہ جہاں جہاں جلالۃ العلم، استاذ العلما حضور حافظ ملت دامت برکاتہم العالیہ پر طعن کیا گیا ہے وہ میرے لیے ضرور انتہائی تکلیف دہ واذیت ناک ہے ان کی (صدر العلما کی) عدالت میں مجرم تھا تو میں تھا اس کی سزا مجھے ملنی چاہیے تھی اور میرے سرکار نے سزا دینے میں کوئی کسر نہیں رکھی مگر میرے جرم پر حضور حافظ ملت دامت برکاتہم القدسیہ کو مورد طعن بنانا ان کو غیض وغضب کا نشانہ ٹھہرانا کسی بھی منصف کے نزدیک لائق ستائش کام نہیں۔ (اسلام اور چاند کا سفر ص۱۰)

حق گوئی و بے باکی:

حضرت شارح بخاری حق گو بھی تھے اور بے باک بھی ان کی بے باکی اعداء اسلام کے لیے تھی، اپنوں سے اختلاف میں انھوں نے اعتدال کی راہ اپنائی اور بزرگوں سے اختلاف میں احترام وادب پوری طرح ملحوظ رکھا جیسا کہ ''اسلام اور چاند کا سفر'' کے حوالے سے صدر العلما کی بابت لکھا گیا۔ حق گوئی تو ہے لیکن بانداز ملتجیانہ اسی طرح ''اشک رواں'' میں آپ کا موقف اور تحریری انداز!

لیکن جب ۱۹۵۶ء میں یوپی کے گورنر کے یم منشی نے اپنی کتاب ''لجسلیٹیو لیڈرز'' میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع میں توہین کی تو آپ نے بڑی بے باکی کے ساتھ حق گوئی کا ثبوت دیا اور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ بھنگا بازار ضلع بہرائچ یوپی کے ایک پنڈت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی جس کے جواب میں آپ نے تقریر فرمائی۔ سی، آئی، ڈی نے آپ کی تقریر پر فرقہ پرستی اور اشتعال کا لیبل لگا کر حکومت کو رپورٹ بھیج دی۔ آپ کی گرفتاری عمل میں آئی اور تین روز تک گونڈہ، جیل میں رہے مگر بے داغ رہا ہوئے۔

وصال پاک:

۶ رصفر ۱۴۲۱ھ / ۱۱رمئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات صبح پانچ بج کر ۴۰رمنٹ پر دل کا دورہ پڑنے سے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں آپ کا وصال ہوگیا۔ نماز جنازہ حضرت حضور سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی دامت برکاتہم شہزادۂ سید العلماء نے پڑھائی۔

رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ

تلامذۂ حافظ ملت میں حضرت رئیس القلم، علامہ ''ارشد القادری'' علیہ الرحمہ ایک ایسا اہم وعظیم اور تاباں ودرخشاں نام ہے جس کی عظمت وشہرت کا پرچم درس وتدریس۔ انتظام واہتمام، مناظرہ وتقریر، امامت وخطابت، تصنیف وتالیف وصحافت واشاعت، رشد وہدایت اور ملی رہبری وقیادت کے میدانوں میں آن بان کے ساتھ لہرا رہا ہے۔ اور یہ نام ہمیشہ کے لیے امر ہوکر رہ گیا ہے۔

خاندانی پس منظر اور ولادت باسعادت:

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے جدامجد حضرت مولانا عظیم اللہ اور والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہما مدرسہ حنفیہ جونپور کے فاضلین میں تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبداللطیف صاحب عارف باللہ حضرت عبدالعلیم آسی غازی پوری کے مرید تھے۔

آپ کے والد ماجد نے سلسلۂ رشیدیہ سے اکتساب فیض کرتے ہوئے آپ کا نام ''غلام رشید'' تجویز کیا مگر شہرت دوام قلمی نام ارشد القادری سے ہوئی۔ علامہ ارشد القادری صاحب کی ولادت مقام سید پورہ ضلع بلیا یوپی میں ۱۹۲۴ء میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم گھر ہی پر اپنے والد محترم سے حاصل کی اور پھر آٹھ سال تک دارالعلوم اشرفیہ میں بہت ہی محنت اور لگن سے تعلیم حاصل کی۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ آپ کے زمانۂ تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے کہ: پوری زندگی میں ارشد القادری کی طرح بخاری شریف کی عبارت پڑھنے والا کوئی نہیں ملا۔ آپ کو حضور حافظ ملت سے ایسا قرب حاصل تھا کہ جب وہ ۱۳۶۰ھ میں جامعہ عربیہ ناگپور تشریف لے گئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ ناگپور چلے گئے۔ ۱۳۶۵ھ /۱۹۴۴ء میں دارالعلوم اشرفیہ کے سالانہ اجلاس میں سند فراغ اور دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

عملی زندگی کا آغاز:

اشرفیہ سے فراغت کے بعد آپ بحیثیت مدرس ناگپور تشریف لے گئے اور ۱۹۴۴ء تا ۱۹۵۲ء وہاں مدرسہ شمس العلوم میں تدریسی فرائض انجام دیے۔

ناگپور سے جمشید پور روانگی:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حکم پر آپ ناگپور سے جمشید پور تشریف لے گئے جمشید پور کی زمین دین وسنیت کے اعتبار سے بڑی بنجر تھی اور اسے زرخیزی عطا کرنے کی ہی خاطر سرکار حافظ ملت نے علامہ صاحب کو یہاں بھیجا تھا۔

جمشید پور میں مدرسہ کا آغاز:

علامہ علیہ الرحمہ نے محلہ دھتکی ڈیہ میں ضمیر الدین صاحب صابری کے باہری برآمدے سے مکتب کا آغاز کیا پھر کبیر یہ میڈل اسکول کے طلبہ کو دینی معلومات اور تقریری مہارت عطا کر کے ایک ''جشن تعلیمی'' کا انعقاد فرمایا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے چھوٹے سے مکتب میں مسلمانان شہر کے بچوں کے داخلہ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ علامہ صاحب برآمدہ کے اندر، برآمدہ سے متصل شاہراہ کے کنارے اور کھلے مقام پر درخت کے سایہ میں ہاتھ میں چھتری لے کر چلچلاتی دھوپ میں چار سال تک طلبہ کو تعلیم دیتے رہے۔

علامہ کا دینی خلوص رنگ لایا اور ان کی انتھک مساعی سے دارالعلوم فیض العلوم کی عالی شان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

آج وہی دارالعلوم ملک کے مشہور دینی تعلیمی اداروں میں شمار ہوتا ہے۔

کانفرنسوں کا انعقاد:

علامہ علیہ الرحمہ نے ملک کے اہم مقامات پر دینی وملی مسائل کے تعلق سے کل ہند پیمانے پر تاریخ ساز کانفرنسیں بھی منعقد کیں۔ جیسے: (۱) بہار صوبائی کانفرنس سیوان (۲) کل ہند سنی اوقاف کانفرنس دہلی (۳) کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس، سیوان (۴) کل سنی ہند کانفرنس دہلی (۵) سنی کانفرنس پٹنہ وغیرہ۔

ادارہ شرعیہ بہار کی بنا:

حضرت علامہ نے ۱۲؍مئی ۱۹۶۸ء میں ''ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار'' کی بنیاد ڈالی اور حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں ادارہ کے دستور کی ترتیب، ریاستی کابینہ کی تشکیل اور دار القضاء، مدرسہ شرعیہ، بیت المال کے افتتاح اور اغراض ومقاصد سے مسلمانوں کو روشناس کرانے کے لیے ۱۲، ۱۳ نومبر ۱۹۶۸ء کو پٹنہ میں ایک اجتماع بلایا گیا جس میں ملک کے مشاہیر اہل سنت کے علاوہ صوبہ بہار کے علماء وذمہ داران اہل سنت نے شرکت کی۔

ملک میں علامہ کے قائم کردہ ادارے اور مساجد:

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے جمشید پور میں جامعہ ''فیض العلوم'' اور اس کے تحت ٹکنیکل کالج کے قیام کے علاوہ جمشید پور میں مڈل اسکول، ہائی اسکول نسواں اسکول اور مدارس بھی قائم کیے نیز رانچی، ہزاری باغ، کوڈرما، رام گڑھ وغیرہ صوبہ بہار وجھارکھنڈ۔ ہوڑہ (بنگال)، گوہاٹی (آسام)، بلیا (یوپی) اور نئی دہلی میں دینی تعلیمی ادارے قائم

فرمائے۔ جن کی تعداد تقریباً اٹھارہ ہے۔

آپ نے جمشید پور، ٹیلکو، راور کیلا، رانچی، کوڈرمہ وغیرہ میں مساجد تعمیر کرائیں جن کی تعداد آٹھ ہے۔

تحریک اشرفیہ اور علامہ ارشد القادری:

علامہ ارشد القادری صاحب دارالعلوم اشرفیہ کے قابل فخر فرزند ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ تحریک اشرفیہ کے سرگرم معاون اور پر خلوص مشیر رہے حضرت حافظ ملت اور ان کی تحریک اشرفیہ سے آپ کی وابستگی عشق کی حد تک تھی۔ آپ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے کہ میرے پاس فکر وشعور اور علم وفن کی جو بھی پونجی ہے وہ حافظ ملت کے علمی فیضان، روحانی توجہ اور ان کے مستجاب دعاؤں کی برکت سے ہے۔ مزید تحریر کرتے ہیں: "یہ شرف بھی میرے لیے باعث افتخار ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کی علمی تحریک کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ان کی حیات کے آخری لمحے تک میں ان کے معتمد اور ایک وفادار خادم کی طرح ان کے قدموں سے لگا رہا"

خود حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کو بھی علامہ پر بڑا فخر وناز تھا۔ ایک موقع پر جلسۂ عام میں حضرت نے ارشاد فرمایا تھا کہ: "اگر عبدالعزیز کو اللہ تعالیٰ اتنی دولت عطا فرما دیتا تو میں اپنے ارشد کو سونے سے تول دیتا"۔

یہ تفصیل بتانی مشکل ہے کہ حضرت علامہ علیہ الرحمہ نے تحریک اشرفیہ میں کیا کیا رول ادا کیا۔ بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ آپ نے زمین کی فراہمی، جامعہ کے نقشے، تعمیری منصوبوں اور مالی تعاون کی مہم ہر ایک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے مربی واستاذ معظم کے قدم سے قدم ملا کر چلتے رہے۔

علامہ صاحب اور مناظرہ:

حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے پناہ صلاحیتوں اور گوناگوں اوصاف کے ساتھ عظیم خطیب اور بے مثیل مناظر بھی تھے اور اگر ہم انہیں ان کے عہد کا "مناظر اعظم ہند" کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ جس مقام پر بھی آپ مناظرہ کے لیے قدم رکھ دیتے تو باطل پرستوں اور بد مذہبوں کی صفوں میں زلزلہ برپا ہو جاتا اور وہ دم دبا کر فرار کا موقع تلاش کرنے لگتے۔ بقول علامہ صاحب۔ انہوں نے سرکار مجاہد ملت جیسی عظیم علمی وروحانی شخصیت اور مناظر بے نظیر کے ساتھ بارہ مناظروں میں شرکت کا شرف حاصل کیا ہے جس میں آٹھ مناظروں میں حضرت مجاہد ملت قدس سرہ کی صدارت میں آٹھ کامیاب مناظرے کیے۔

جھریا دھنباد (بہار)، بھوابازار ضلع چھپرہ (بہار)، امراوتی (مہاراشٹر)، بولیا مندسور (راجستھان)، کٹک (اڑیسہ) وغیرہ جانے کن کن مقامات کے مناظروں میں آپ نے وہابیہ دیوبندیہ کو شکست فاش دی۔

بیرونی ممالک میں دینی خدمات:

حضرت علامہ ارشد القادری قدس سرہ نے متعدد ایشیائی، یوروپی، افریقی اور امریکی ممالک کے تبلیغی اسفار فرمائے ہیں اور ہر مقام پر اپنی دینی خدمات کی چھاپ چھوڑ کر آئے ہیں۔ آپ بیرونی ممالک کی درج ذیل کانفرنسوں میں

مندوب کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

(۱) مؤتمر جمعیات وجماعت، تہران (ایران)(۲) مؤتمر الدعوۃ الاسلامیہ العالمیہ، طرابلس (لیبیا) (۳) حجاز کانفرنس۔ لندن (برطانیہ) (۴) امام احمد رضا کانفرنس۔ کراچی (پاکستان) (۶) مؤتمر مبلغ اعظم مولانا عبدالعلیم صدیقی۔ امسٹرڈم (برطانیہ)(٦) مؤتمر عالم اسلام۔ بغداد شریف (عراق)(۷) میلاد کانفرنس۔ کراچی (پاکستان)

آپ نے مندرجہ ذیل ممالک بیرون میں تعلیمی ادارے قائم کیے:

(۱) جامعہ مدینۃ الاسلام۔ ڈین ہاگ (ہالینڈ) (۲) اسلامک مشنری کالج۔ بریڈفورڈ (برطانیہ) (۳) دارالعلوم علیمیہ۔ سوری نام (امریکہ) آپ نے جنوبی افریقہ کا بھی تبلیغی سفر کیا ہے۔ آپ نے اہل سنت کی مشہور تحریک "دعوت اسلامی" کی کراچی میں بنیاد رکھی اور مولانا محمد الیاس قادری کو اس تحریک کا امیر منتخب کیا۔

قائدانہ صلاحیت:

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ زبردست قائدانہ صلاحیت کے مالک تھے۔ آپ نے ملک میں فسادات کے انسداد کے لیے جدوجہد کی۔ مسلم پرسنل لاء، یکساں سول کوڈ، شہادت بابری مسجد اور دیگر ملی مسائل پر کھل کر اپنا موقف رکھا اور عملی اقدام کیے۔ آپ نے قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں مگر قومی وملی خدمات اور حق گوئی سے کبھی قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔

صحافتی خدمات:

حضرت رئیس القلم علامہ ارشد القادری صاحب نے "جام کوثر" اور "جام نور" دو موقر اور اہم ترین جرائد جاری کیے۔ آپ کے ادبی وصحافتی کارنامے علم وادب وصحافت کی دنیا میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تصنیفات وتالیفات:

آپ نے جانے کتنے گرانقدر اور وقیع مقالات ومضامین لکھے اور ایک سے ایک نادر نایاب دینی وعلمی کتب تصیف فرمائیں۔ ان میں چند کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

زلزلہ، زیروزبر، جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت، رسالت محمدی کا عقلی ثبوت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں، پالن حقانی کی کتاب شریعت یا جہالت کا جواب، لالہ زار، مصباح القرآن اول دوم سوم علم غیب، نقش کربلا، تعزیرات قلم، وغیرہ۔

حج وزیارت:

حضرت علامہ ارشد القادری قبلہ نے دوبار حج وزیارت کا شرف حاصل کیا۔

بیعت وخلافت:

ایک بار خود علامہ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بچپن میں وہ پٹنہ کے کسی بزرگ سے مرید ہوئے تھے۔ بعدہ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ سے طالب ہوئے اور انہیں سے خلافت واجازت بھی تھی۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی تعداد ایک اندازہ کے مطابق ڈیڑھ ہزار کے قریب ہے۔ آپ کے شاگردوں میں حضرت مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ ایک بہت ہی مشہور نام ہے۔ مولانا مفتی صفی اللہ بناری، مولانا حسیب اللہ امجدی چریاکوٹی بھی آپ کے شاگردوں میں ہیں۔

وصال پاک:

آپ کا وصال مبارک دہلی میں بتاریخ ۱۹/اپریل ۲۰۰۲ء شام ۴/بج کر ۳۵/منٹ پر ہوا۔

جمشید پور میں نماز جنازہ آپ کے بھانجے محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ نے پڑھائی اور دارالعلوم فیض العلوم کے مغربی حصے میں مین گیٹ کے جنوب میں دفن ہوئے۔

حضرت رئیس القلم صاحب طرز ادیب، مصنف، صحافی اور شیوہ بیان شاعر بھی تھے۔

مولانا قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمہ

ولادت اور تعلیم وتربیت:

حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں ۸/محرم ۱۳۴۳ھ ۹/اگست ۱۹۲۴ء کو متولد ہوئے۔ بسم اللہ میاں جی ولی صاحب مرحوم نے کرائی اور ابتدائی تعلیم انہیں کے مکتب میں حاصل کرنے کے بعد کافیہ تک کی تعلیم دارالعلوم اشرفیہ میں حاصل کی بعدہ امام معقولات حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب گھوسوی علیہ الرحمہ کے ہمراہ مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ، میرٹھ جاکر حضرت ممدوح علیہ الرحمہ ہی کی نگرانی میں دو سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔

تدریسی فرائض:

۱۹۴۳ء میں دوبارہ درس نظامیہ کی تکمیل کے لیے دارالعلوم اشرفیہ تشریف لائے۔ دوران تعلیم حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ کی ایماء پر مدرسہ سبحانیہ، الہ آباد جاکر فن قراءت وتجوید کی تکمیل کی اس کے بعد دارالعلوم اشرفیہ کے شعبۂ قرأت میں تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے اور تعلیمی سلسلہ بھی جاری رکھا اور ۱۹۴۶ء میں درس نظامیہ مکمل کیا اور درجۂ تجوید اور درجۂ عالمیت کی تدریسی خدمات پر یہیں مامور ہوئے۔ تقریباً ۱۷/سال تک اسی دارالعلوم میں تدریسی فرائض انجام دیئے اور سیکڑوں علما وقراء نے آپ سے اکتساب علم کیا۔

نظامت کی ذمہ داری:

۴ر نومبر ۱۹۶۲ء کو اشرفیہ کی کمیٹی نے ادارہ کی نظامت کے لیے نامزد کیا۔ آپ کی تنخواہ دوسو روپئے ماہانہ مقرر ہوئی۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اس وقت قاری صاحب سے فرمایا: ''آپ کو تنخواہ ۲۰۰ روپئے ملے گی لیکن آپ سے گزارش ہے کہ اس میں سے ہر ماہ ۲۵؍روپئے ادارہ کو دے دیا کریں۔''

قاری صاحب قبلہ نے اپنے مربی ومقتدا کی بات سر آنکھوں پر لی اور باضابطگی سے ہر ماہ ۲۵؍روپئے ادارہ کو دیتے رہے۔

دارالعلوم کی نظامت اعلیٰ کے لیے حافظ ملت اورارکان نے حضرت قاری صاحب کا انتخاب کرکے جس باصلاحیت شخص کو ذمہ داری دی تھی مستقبل کا جائزہ لینے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اگر چہ انتظامی امور کا بار پڑجانے کے باعث حضرت قاری صاحب اپنی علمی وفنی اور خصوصا فن تجوید وقرأت کی دولت تلامذہ میں تقسیم نہ کرسکے۔ مگر انہوں نے اپنی نظامت عظمیٰ کی ذمہ داریوں کو جس حسن وخوبی دیانت ومحنت سے پورا کیا وہ الجامعۃ الاشرفیہ کے تاسیسی استحکام کی حیثیت رکھتی ہے۔

نظامت کا چارج لیتے وقت جس دارالعلوم کا بجٹ اکتالیس ہزار ایک سو روپئے تھا۔ سبکدوشی کے وقت وہ پندرہ لاکھ تک پہونچ چکا تھا۔ اس پورے عرصہ میں کام کی نوعیت میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ دفتری امور کے لیے اسٹاف بڑھتا رہا۔ مگر ان کی شبانہ روز انتظامی مشغولیات ومصروفیات میں اخیر وقت تک کوئی کمی نہیں آئی۔ حافظ ملت کو قاری صاحب پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنی عدم موجودگی میں نیابت کی ذمہ داری بھی انہیں پر ڈالتے تھے۔

حضرت قاری صاحب نے ۱۹۷۵ء میں سفر حج کا ارادہ کیا تو ناظم اعلیٰ کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ واپسی پر اپنا کام سنبھالا۔ دوسرا حج ۱۹۷۸ء میں کیا۔ کچھ عرصہ نائب صدر رہے۔ حافظ ملت کے وصال کے بعد عزیز ملت قبلہ نے سربراہ اعلیٰ کی ذمہ داری سنبھالی تو قاری صاحب کو ناظم تعلیمات بنایا اور جناب محمد سعید صاحب کو نائب صدر مقرر کیا۔

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ نے حضور حافظ ملت کے سایۂ کرم میں اس اہم ذمہ داری کو سنبھالا اور دن دونی رات چوگنی ترقی دی۔

آپ باصلاحیت عالم ہونے کے باوصف بہترین اور خوش الحان قاری بھی تھے۔ آواز میں بے انتہا کشش تھی چنانچہ حضور حافظ ملت اکثر وبیشتر فرمایا کرتے تھے کہ: ''میں نے قاری محمد یحییٰ جیسا قاری ہندوستان میں نہ پایا''۔

حضور حافظ ملت آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے اور محبت کرتے تھے جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آخری ایام میں آپ کی نقاہت وکمزوری بہت بڑھ گئی تو مبارک پور کی جامع مسجد میں جہاں حضرت خطیب تھے، اعلان فرماکر آپ کو بحیثیت خطیب مقرر فرمایا۔

بیعت وارادت:

حضرت قاری محمد یحییٰ صاحب کو حضرت صدر الشریعہ نور اللہ مرقدہ سے بیعت وارادت کا شرف حاصل تھا۔

دوسرے حج وزیارت کے لیے حضرت صدرالشریعہ براہ بریلی ممبئی روانہ ہوئے تو آپ بھی حضرت کی زیارت کے لیے مئو حاضر ہوئے ۔ شاہ گنج کے جس ڈبہ میں حضرت صدرالشریعہ سفر کررہے تھے اسی میں علماء اشرفیہ کے ہمراہ آپ بھی تھے ۔ دوران سفر دل میں خیال ہوا کہ بیعت ہوجاؤں لہذا حضرت سے عرض کیا اور آپ نے انہیں بیعت فرمالیا۔ آپ حضرت صدرالشریعہ کے آخری مرید ہیں۔

حج وزیارت:

حضرت قاری صاحب کومولا قدیر نے دوبارہ حج وزیارت کے شرف سے مشرف کیا۔ پہلا حج آپ نے ۷۶ء میں اور دوسرا حج ۸۷ء میں ادا فرمایا۔

وصال:

آپ کا وصال ۱۵رمئی ۱۹۹۶ء کواچانک ہوا جب کہ آپ وضو بنا کر نماز فجر کے لئے مسجد جانے کی تیاری کررہے تھے۔ مبارک پور کے مشہور قبرستان (نوگزے پیر) میں حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ کے قریب مدفون ہوئے۔

مولانا قاضی محمد شفیع اعظمی ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

ولادت اور تعلیم وتربیت:

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب ۱۳۴۴ھ میں قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم محلہ کے ایک حافظ صاحب کے پاس حاصل کی، مگر وہ ابتدائی تعلیم کے بعد کامیاب نہیں ہوئے۔ پھر آپ نے دارالعلوم اشرفیہ میں داخلہ لے لیا اور یہاں پرائمری تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۲رجمادی الآخرہ ۱۳۵۵ھ میں درس نظامیہ میں داخل ہوئے۔ ۱۳۶۰ھ میں جب حضرت حافظ ملت (علیہ الرحمہ) جامعہ عربیہ ناگپور تشریف لے گئے تو آپ دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف چلے گئے۔ یہاں فاضل معقولات مفتی وقارالدین صاحب سے قطبی اور شیخ المفسرین حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب ازہری سے نفحۃ الیمن وغیرہ پڑھیں نیز محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سرداراحمد صاحب کی تربیت سے فیض یافتہ ہوئے۔

برائے تعلیم دوبارہ مبارک پور واپسی:

۱۳۶۱ھ میں جب حضور حافظ ملت ناگپور سے دوبارہ دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تو آپ بھی بریلی شریف سے مبارک پور چلے آئے۔ ۱۳۶۵ھ میں منقولات ومعقولات کی تکمیل کرکے دستارفضیلت حاصل کی۔

تدریس وتنظیم:

فراغت کے بعد ۱۳۶۶ھ میں مدرسہ انوار العلوم تلسی پور ضلع گونڈہ میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ تقریباً سات سال تک آپ نے اس مدرسہ میں بڑی خوش اسلوبی سے تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۷۳ھ میں آپ دار العلوم شمس العلوم گھوسی ضلع اعظم گڈھ (موجودہ ضلع مئو) میں بحیثیت صدر المدرسین تدریسی خدمات پر مامور ہوئے پھر تین سال بعد دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کی مسند تدریس پر فائز ہوئے اور تدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کے امور بھی انجام دیتے رہے۔

جب دار العلوم اشرفیہ کے نظام عمل میں تبدیلی ہوئی تو آپ کو ادارہ کا ناظم تعلیم اور نائب ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ آپ نے اپنے دونوں عہدوں کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھایا۔ بعد میں آپ ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہو گئے۔

علم وفضل:

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب بہترین تدریسی صلاحیت کے مالک اور درس نظامیہ کے جملہ فنون پر دسترس رکھتے تھے۔ خصوصاً عربی ادب میں بڑا کمال تھا۔

قلمی کاوش:

تمام تر مصروفیات کے باوجود آپ کی قلمی کاوش بھی جاری رہی ملک کے متعدد موقر رسائل وجرائد میں آپ کی نگارشات شائع ہو چکی ہیں۔

آپ کی تصنیف " الوسیلة السنیة الی حضرة رب البریه" عوام وخواص میں کافی مقبول ہوئی۔ زیر نظر تصنیف مسئلہ توسل پر ایک مختصر مگر جامع تحریر ہے جس میں قرآن وحدیث کے متفقہ حقائق بیان کیے گئے ہیں اور جس پر قرنہا قرن سے مسلمانان عالم کا تعامل رہا ہے۔

زیر نظر تصنیف سے حضرت علیہ الرحمہ کی زبان وبیان پر قدرت، علمی وقار، وسعت مطالعہ اور قوت استدلال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آپ کی تحریروں میں ادب کا بانکپن بھی ملتا ہے اور فکر کی گہرائی بھی، ملت کا سوز وگداز اور اہل سنت کی ترجمانی بھی۔

ملی بدحالی اور تہذیب مغرب کے رد میں آپ کے قلم کی کاٹ اور تیور ملاحظہ کیجئے۔

"تہذیب جدید کا یہ کرشمہ ہے کہ قوم ہو یا فرد اخلاقی گراوٹ میں اس طرح مبتلا ہے کہ شریف انسان کو دیکھ کر گھن آتی ہے۔ شرم وحیا، محبت ورحم دلی، مخلوق پروری وغمگساری اور عدل وانصاف وغیرہ اعلیٰ اخلاقی قدروں سے پورا معاشرہ خالی ہو چکا ہے۔ حالانکہ انہیں صفات سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگوں کے دلوں میں اس تہذیب نے ایسا بیج بویا ہے کہ خدا کے تصور اور مذہب کی قیدو بند سے آزاد ہو گئے۔

فساد قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب　　　کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

پہلا حج وزیارت: ۱۹۷۱ء ۔ دوسرا حج وزیارت: ۱۹۸۴ء

بیعت وارادت:

آپ کو حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خاں نوری بریلوی نور اللہ مرقدہ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل تھا۔

آپ کی عقیدت کے دو مراکز:

اپنے عہد کی دو عظیم شخصیات (۱) حضور مفتی اعظم (۲) حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہما سے آپ کی عقیدت عشق و وارفتگی کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے سرکار مفتی اعظم آپ کے مرشد طریقت تھے جن کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کے دل کی دنیا میں انقلاب پیدا کیا اور تزکیہ نفس کا سامان فراہم کیا۔ اور سرکار حافظ ملت وہ تھے جن کی تعلیم وتربیت نے اس ذرہ خاک کو ہم دوش ثریا کیا اور علم وفکر وفن اور بصیرت کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا۔

آپ سرکار مفتی اعظم ہند سے متعلق فرماتے ہیں:

''دنیائے اہل سنت آپ سے اس لیے عقیدت ومحبت رکھتی ہے کہ آپ علم شریعت کے عامل اور عشق رسالت کے حامل تھے۔ خشیت اور تقویٰ وورع کی بنیاد پر آپ کو ہر شخص اپنی روح سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ تقویٰ وطہارت کی شان دیکھ کر اغیار بھی گرویدہ ہوجاتے تھے۔ حضور مفتی اعظم ہند اس لیے بڑے نہیں تھے کہ آپ اعلیٰ حضرت کے صاحبزادے تھے بلکہ آپ کو اپنے علم وفن، خشیت الٰہی، عشق رسالت، عبادت وریاضت اور تقویٰ واحتیاط کے کمال نے یہ عظمت مرحمت فرمائی''۔

حضرت حافظ ملت سے متعلق یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''اس دور میں بھی حق پسند، حق گو بندگان خدا کی کمی نہیں گو ان کے افعال وکردار سے دنیا کما حقہ آشنا نہ ہو مگر تجسس کی نگاہ سے اوجھل بھی نہیں۔ انہیں بندگان خدا میں حافظ ملت کی ذات تھی جن کی پوری زندگی اخلاق فاضلہ ملکات نفسانیہ کی ایک انجمن تھی۔ کسی نے زہد وتقویٰ کو دیکھا تو ریجھ گیا، کسی نے توکل وشان استغنا دیکھی تو گرویدہ ہوگیا، کسی نے سادگی میں سطوت شاہانہ دیکھی تو دامن سے وابستہ ہوگیا، کسی نے اخلاص وللّٰہیت کا مطالعہ کیا تو اسیر ہوگیا، کسی نے خوردوں پر شفقت دیکھی تو فدائی بن گیا۔ الغرض آپ کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق اور حیات کا ایک ایک گوشہ اس قابل ہے کہ اس پر سیر حاصل بحث کی جائے اور قوم کے لیے آپ کے کردار کی ایک دستاویز مہیا کی جائے''۔

وصال:

حضرت علامہ مولانا شفیع اعظمی کا وصال ۱۹۹۱ء میں ہوا۔

مولانا مفتی محمد محبوب اشرفی مصباحی مبارک پوری علیہ الرحمہ

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی درسگاہ سے اولین دور میں اکتساب فیض کرنے والوں میں ایک مشہور نام مولانا محمد

محبوب اشرفی کا بھی ہے مبارک پور کے نواحی قریہ نوادہ میں اندازاً ۱۹۱۷ء میں جناب عبداللہ بن فرید کے گھر اس ہونہار فرزند کی ولادت ہوئی ۔ ناز ونعم کے ساتھ پالے گئے ۔ صحت وتوانا مضبوط جسم، باوقار عالمانہ لباس، شیروانی، علی گڑھی پاجامہ، سلیم شاہی جوتا، خوبصورت پھولدار دو پلی ٹوپی، گلے میں رومال، آنکھوں میں سرمہ کی رنگت، لبوں پر پان کی سرخی، ہاتھ میں نفیس چھڑی، حضرت محبوب العلماء کا یہ وہ خاکہ ہے جو راقم الحروف کے حافظہ پر مرتسم ہے ۔ اسی سج ودھج کے ساتھ وہ گھر سے باہر نکلتے اور عمر بھر یہی نفاست وپاکیزگی ان کے کردار، اخلاق، خدمات، اور وضع کا جز بن کر رہی ۔

ابتدائی تعلیم محلہ کے مکتب میں میاں جی عبدالغفار صاحب سے پائی اور پھر مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں داخل ہوکر حضرت مولانا شمس الحق گجہڑوی علیہ الرحمہ سے فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم پائی۔ اس وقت تک مبارک پور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف نہیں ہوا تھا۔ اراکین مدرسہ نے ان کی ذہانت اور حصول علم کے خداداد ذوق کو دیکھا تو اپنے خرچہ سے انہیں بریلی شریف حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے پاس پڑھنے کے لیے بھیج دیا۔ مولانا موصوف نے کچھ روز وہاں پڑھنے کے بعد، میرٹھ کا رخ کیا۔ مگر چوں کہ اب مبارک پور خود مرکز علم وادب بن رہا تھا اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے علمی فیضان کا غلغلہ متلاشیان علم کو اپنی جانب متوجہ کررہا تھا۔ لہذا مولانا موصوف بھی انہی کے دامن کرم سے وابستہ ہوگئے اور دارالعلوم اشرفیہ ہی میں آکر درس نظامیہ کی تکمیل کی ۔ افتا بھی سیکھا محسن قوم حافظ ملت علیہ الرحمہ محبوب العلماء پر خصوصی نگاہ کرم رکھتے تھے ۔مبارک پور میں دیوبندی مولویوں سے آویزش کے دور میں آپ نے اپنی عظیم الشان کتاب ''العذاب الشدید'' اپنے اسی محبوب تلمیذ کے نام طبع کروائی ۔

تدریس کے میدان میں قدم رکھا تو حافظ ملت علیہ الرحمہ نے انہیں سب سے پہلے کلکتہ بھیجا۔ مگر آپ وہاں زیادہ دن کام نہ کرسکے باصلاحیت تھے اس لیے ان کے لیے جگہوں کی کمی نہ تھی ۔ متعدد مدارس میں آپ نے درس دیا۔ جن میں کے چند نام یہ ہیں:

مدرسہ بحرالعلوم مئو، جامعہ فاروقیہ بنارس، احسن المدارس کانپور، دارالعلوم غوثیہ اشرفیہ کانپور، مدرسہ ضیاء العلوم خیراباد، نوادہ کے دارالقضاء میں بھی آپ نے اخیر عمر میں کچھ خدمات سرانجام دیں۔ افادیت کے لحاظ سے آپ کا طویل ترین زمانۂ قیام کانپور کا تھا۔ جس میں بہت سے قیمتی تلامذہ پیدا ہوئے ۔مشہور تلامذہ کے اسماء یہ ہیں: مولانا عبدالجلیل فتح پوری، مولانا قاری عبدالسمیع کانپوری قاضی شہر، مولانا عبدالرحیم گونڈوی، مولانا جہانگیر بھاگل پوری، مولانا محمد حنیف گورکھپوری، مولانا حافظ معین الدین گونڈوی، مولانا احمد علی گونڈوی، مولانا معین الدین گھوسوی، مولانا خلیق احمد گھوسوی، مولانا نصیرالدین پاکستانی، مولانا تمیزالدین بنگلہ دیشی، مولانا عنایت احمد پاکستانی، مولانا نجم الدین کانپوری۔

حضرت محبوب العلماء اپنے اساتذہ کرام اور مرشد برحق محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ سے قلبی محبت رکھتے تھے، سلف صالحین کے انداز میں زندگی گزارتے تھے، مرشد برحق نے کئی بار آپ کو خلافت دینا چاہی مگر آپ نے یہ کہہ کر معذرت خواہی کی کہ مجھے صرف حضور کی غلامی چاہیے ۔ اپنے مرشد حضور محدث اعظم ہند کے علاوہ حضور صدرالشریعہ، مفتی اعظم ہند، صدرالافاضل، علامہ غلام جیلانی گھوسوی، علامہ غلام یزدانی گھوسوی، حضرت حافظ ملت علیہم الرحمہ کی پاکیزہ نفسی اور علمی

وفکری عظمت کا آپ پر بیحد اثر تھا۔ آپ کی نظامت میں سرزمین کانپور پر ۱۹۶۳ء میں جو اسلامی کانفرنس ہوئی تھی اس کے روح پرور اثرات اب تک موجود ہیں۔ آپ شریعت کے پابند اور خاص طور سے تلاوت قرآن مجید کے شائق تھے۔ شنبہ ۳ر شوال ۱۴۱۳ھ ۲۷ر مارچ ۱۹۹۳ء کو نوادہ مبارک پور میں انتقال فرمایا۔ خلف اکبر مولانا محمد احمد اشرفی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عزیز ملت، حضرت بحر العلوم، علماے اشرفیہ اور علماے مبارک پور نے جنازہ میں شرکت کی۔ محبوب العلما نے بشمولیت مولانا محمد احمد اشرفی ۴ر صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر کروٹ کروٹ رحمت فرمائے۔ آمین (ماہنامہ اشرفیہ اگست ۱۹۹۳ء ص ۳۳ر ۳۷)

بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی دامت برکاتہم

تلامذہ حضور حافظ ملت میں دو حضرات کو بحیثیت مفتی بہت ہی شہرت ملی ہے۔

ایک حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کو اور دوسرے حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان کو (رب جلیل انہیں تادیر ہم سنیوں کے سروں پر سلامت رکھے۔ آمین!)

حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ بیک وقت محدث و مفتی، معلم و مدرس، خطیب و مقرر اور ادیب و شاعر ہیں۔ آپ بھی سیدنا حافظ ملت علیہ الرحمہ کے خاص شاگردوں میں ہیں نیز حضرت حافظ ملت سے آپ کو شرف بیعت بھی حاصل ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں ۷ر ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ کو ہوئی۔

ابتدائی تعلیم کے لیے کم عمری ہی میں دار العلوم اشرفیہ میں داخل ہوئے اور ۱۳۶۶ھ میں وہیں سے درس نظامی کی تکمیل کی اور دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

سلسلۂ درس و تدریس

بعد فراغت ۱۳۶۶ھ ہی میں مدرسہ ''ضیاء الاسلام'' گورکھپور میں صدر مدرس کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ آپ نے یہیں سے ایک رسالہ ''ایضاء'' بھی جاری کیا۔

ایک سال بعد مدرسہ ضیاء الاسلام سے مستعفی ہو کر کچھ دنوں ''دار العلوم اشرفیہ'' مبارک پور میں تعلیم دی، اس کے بعد گھر ہی پر مقیم رہے۔ ۱۳۶۸ھ میں آپ ''مدرسہ انوار العلوم'' تلشی پور (ضلع گونڈہ۔ اب ضلع بلرام پور) میں تشریف لے گئے اور وہاں تقریبا سات سال تک تدریسی فرائض انجام دیئے۔

دوبارہ اشرفیہ میں آمد:

۱۳۷۵ھ میں احباب کے اصرار اور سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حکم پر ''دار العلوم اشرفیہ'' مبارک پور تشریف لے آئے۔ آپ کو درس و تدریس کے ساتھ افتاء کی ذمہ داری بھی سونپی گئی جسے آپ نے بہت ہی حسن وخوبی کے ساتھ

تقریباً ۱۹ سال تک انجام دیا اور ملک وبیرون ملک سے آئے ہوئے سوالات کے جوابات ارسال فرمائے اور اس طرح آپ نے اپنی فقاہت اور فتوی نویسی کا عمدہ ثبوت پیش فرمایا۔

۱۳۹۶ھ میں آپ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور ایک سے بڑھ کر ایک لائق وفائق تلامذہ پیدا کیے۔

آپ کے تلامذہ میں بہت سے علماء اپنے نام کے ساتھ مصباحی کے ساتھ منانی بھی لگاتے ہیں۔

اس وقت آپ ''دارالعلوم شمس العلوم'' گھوسی ضلع مئو میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں اور درس وتدریس نیز افتاء کا مقدس فریضہ جاری ہے۔

تصنیفات وتالیفات:

حضرت بحرالعلوم ایک بہترین ادیب ومصنف ہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ صاحب طرز ادیب اور انشاء پرداز ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا، ان کے بہت سارے مضامین ومقالات جو ہندوپاک کے مختلف رسائل میں چھپ چکے ہیں اس سچائی کے مظہر ہیں۔آپ کی چند تصانیف کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

(۱) الشاہد (۲) جوابات حاضر وناظر (۳) انوکھی لڑائی (واقعات کربلا سے متعلق) (۴) مسئلہ آمین بالجہر (۵) فتاویٰ بحرالعلوم (زیر طبع) (۶) مضامین بحرالعلوم (چند مضامین کا مجموعہ)

آپ نے امام احمد رضا کے فتاویٰ، ''فتاویٰ رضویہ'' کے جلدوں کی تدوین فرمائی۔ نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی عربی تصنیف ''شمائم العنبر'' کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔

چند مشاہیر تلامذہ:

(۱) حضرت علامہ مولانا عبداللہ خاں عزیزی (۲) حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی (۳) حضرت علامہ محمد احمد مصباحی بھیروی (۴) حضرت علامہ افتخار احمد (۵) حضرت مولانا صغیر احمد جوکھن پوری (۶) حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی (۷) راقم بدرالقادری (۸) حضرت مولانا محمد حنیف بریلوی (۹) مفتی محمد نظام الدین (۱۰) ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (۱۱) علامہ نصیر الدین پلاموی (۱۲) علامہ محمد اسلم مصباحی گورکھپوری وغیرہم۔

حج وزیارت:

حضرت مفتی صاحب قبلہ کو دوبار حج وزیارت کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔

غیر ملکی تبلیغی اسفار:

آپ پاکستان کے تبلیغی دورے پر بھی جا چکے ہیں نیز دو تین بار ہالینڈ کا بھی سفر کیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ شاعر بھی ہیں۔آپ کی چند نعتیں رسائل میں چھپ چکی ہیں۔اس وقت جماعت کے اکابر علماء ومفتیان کرام نیز اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔رب عظیم آپ کو ہم مسلمانان اہل سنت کے سروں پر تادیر قائم رکھے۔آمین!

محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دامت برکاتہم

ولادت اور تعلیم وتربیت:

آپ فقیہ اعظم حضرت صدرالشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور جانشین ہیں۔ آپ کی ولادت قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو) میں ۲رشوال المکرم ۱۳۵۸ھ میں ہوئی۔ حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ نے آپ کا نام ''ضیاء المصطفیٰ محمد واجد علی'' رکھا۔

ابتدائی تعلیم حضور صدرالشریعہ سے حاصل کی۔ ابتداء سے ہی آپ کی ذہانت وفطانت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ پارۂ عم پڑھتے وقت سورۂ فیل کے سبق میں دریافت کیا کہ یہ ''ابابیل'' یہی تو نہیں جسے ہم دیکھتے ہیں اور ''سجیل'' کا کیا مطلب؟ جب حضرت صدرالشریعہ نے یہ سمجھایا تو آپ نے کہا کیا یہ انہیں ابابیل کا واقعہ ہے جنہوں نے ہاتھیوں کو مار گرایا غالباً آپ کی والدہ ماجدہ نے کبھی یہ واقعہ سنایا تھا اور وہ اب تک حاشیۂ ذہن میں محفوظ رہ گیا تھا۔ اس پر حضرت صدرالشریعہ بہت ہی مسرور ہوئے اور فرمایا کہ میرا یہ بچہ آئندہ بہت بڑا عالم ہوگا۔ پھر دوسرے سفر حج وزیارت کی روانگی سے قبل حضرت مولانا غلام آسی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ آپ کو ناگپور بھیج دیا جہاں آپ نے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ہی حضور صدرالشریعہ کے آخری شاگرد ہیں۔

دارالعلوم اشرفیہ میں داخلہ:

شوال المکرم ۱۳۶۹ھ میں درس نظامیہ کی تکمیل کے لیے دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور تشریف لائے اور اپنی محنت اور ذہانت کی وجہ سے ہمیشہ تمام رفقائے درس میں ممتاز رہے۔

حضرت حافظ ملت اور محدث کبیر:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنی خصوصی توجہ اور عنایات سے آپ کی تعلیم وتربیت فرمائی چنانچہ ''امور عامہ'' وغیرہ بغیر کسی ساتھی کے آپ کو تنہا پڑھایا اور ۱۳۷۷ھ میں دستار فضیلت حاصل کرنے کے بعد بھی مزید دوسال تک آپ کی تعلیم جاری رکھی اور آپ کی ذہانت کی تعریف فرماتے ہوئے حضرت مولانا سید عبدالحق اعظمی علیہ الرحمہ سے فرمایا کہ انہیں تنہا امور عامہ پڑھانے میں اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ سو طلبہ بھی ہوتے تو وہ خوشی نہیں ہوتی۔ آپ کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جو کچھ بھی حضرت صدرالشریعہ سے حاصل کیا وہ سب ضیاء المصطفیٰ کو دے دیا چنانچہ یہی وجہ تھی کہ ۲۲ رسال کی عمر میں ''دارالعلوم فتحیہ'' فرفرہ شریف ضلع ہگلی (بنگال) بحیثیت شیخ الحدیث آپ کو بھیجا۔ وہاں آپ کی عمر کو دیکھتے ہوئے لوگ بہت شکستہ خاطر ہوئے کہ بھلا یہ کیا اس منصب کو سنبھال پائیں گے مگر دوسرے روز بغیر مطالعہ جلالین شریف، مقامات حریری اور بخاری شریف وغیرہ کا جب درس دیا تو سب دنگ رہ گئے اور آپ کے گرویدہ ہوگئے۔ تقریباً دس سال تک وہاں بحیثیت شیخ الحدیث تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، اس کے بعد بنگال کی سنیت کی حیات تازہ کے لیے آپ نے بے پناہ

جدوجہد کے بعد ہوڑہ میں ''دارالعلوم ضیاء الاسلام'' قائم کیا جو آج بھی دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔

اشرفیہ میں تقرری:

۱۳۹۲ھ میں حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی جگہ پر آپ کو بلا کر مقرر فرمایا۔ آپ کو درس نظامیہ کے جملہ فنون پر مہارت تامہ حاصل ہے خصوصاً فن حدیث میں ایسا ملکہ ہے کہ علمی حلقوں میں آپ محدث کبیر کے خطاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ علمی صلاحیت اور تحقیقی امور میں اکابر علما نے بھی آپ کا لوہا مانا چنانچہ جب امریکی خلا بازوں نے چاند پر پہنچنے کا دعویٰ کیا تو بریلی شریف میں اس کی شرعی تحقیق کا کام آپ کے ذمہ سپرد کیا گیا اس سے آپ کی علمی لیاقت اور تحقیقی قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آپ کا انداز تدریس حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا جلتا ہے اور آپ زبردست تدریسی صلاحیت کے مالک ہیں۔ آپ عرصہ دراز تک الجامعۃ الاشرفیہ کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہنے کے بعد اب اس سے دست بردار ہو کر اپنا قائم کردہ ادارہ الجامعۃ الامجدیہ چلا رہے ہیں۔ اور اسی میں شیخ الحدیث بھی ہیں شعبۂ بنات پورے ہندوستان میں انقلابی انداز کا مدرسہ نسواں ہے جس کی عالمات وفاضلات سے ملک بھر میں خواتین کے اندر علمی وفکری بالیدگی اور دینی حرارت پیدا کیے ہوئے ہے۔ یہ شعبہ حضور نانی جان علیہا الرحمہ (اہلیہ حضور صدر الشریعہ) کے حکم پر قائم ہوا۔

تقریر وخطابت اور تحریری صلاحیت:

آپ کی خطابت کی دھوم نہ صرف پورے ملک بلکہ پاکستان سے لے کر متعدد یورپی اور افریقی ممالک میں بھی ہے آپ کی تقریر علمی تقریر ہوتی ہے اور عوام وخواص دونوں کے دلوں میں اتر جاتی ہے۔ گو تحریری کام کا آپ کو مختلف مصروفیات کی وجہ سے موقع نہیں ملا تاہم آپ تحریری صلاحیت کے بھی مالک ہیں۔ ملک کے موقر جرائد میں آپ کے متعدد علمی مقالات ومضامین شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

بیعت وارادت:

آپ کو حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہ سے بیعت وخلافت اور صحاح ستہ ودیگر کتب میں اجازت حاصل ہے۔

آپ ایک مرشد طریقت بھی ہیں۔ ہندو پاک، افریقہ وچند یورپی ممالک میں آپ کے مریدین کا اچھا خاصہ حلقہ بھی ہے۔

حج وزیارت اور غیر ملکی تبلیغی دورے:

حضرت محدث کبیر کو حج وزیارت کا کئی بار شرف حاصل ہو چکا ہے۔ آپ نے دوبئی، کویت، پاکستان، برطانیہ، ہالینڈ، افریقہ وامریکہ کے تبلیغی دورے بھی کیے ہیں اور اب بھی غیر ممالک کے تبلیغی دوروں کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

مدارس کی سرپرستی:

آپ ملک کے متعدد مدارس کی سرپرستی بھی فرما رہے ہیں خاص طور سے دارالعلوم ضیاء الاسلام آپ کی زیر سرپرستی

پروان چڑھ رہا ہے۔ علاوہ ازیں گھوسی میں ''جامعہ امجدیہ رضویہ'' اورلڑکیوں کے مدرسہ ''کلیۃ البنات الامجدیہ'' کے بانی اورسرپرست بھی آپ ہی ہیں۔

آپ کے تلامذہ کا سلسلہ ملک اور بیرون ملک کثیر تعداد میں پھیلا ہوا ہے۔

رب عظیم آپ کو ہم سنیوں کے سروں پر تادیر سلامت رکھے۔آمین!

حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی

ولادت اورتعلیم وتربیت:

حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں صاحب کی ولادت شب یکم رجب المرجب ۱۳۵۷ھ میں کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد (موجودہ ضلع امبیڈکر نگر) میں ہوئی۔آپ حضور محدث اعظم حضرت مولانا سید شاہ محمد اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں۔ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد حضرت محدث اعظم ہند قدس سرہ العزیز سے حاصل کی بعدہ ۱۳۷۱ھ میں تحصیل علوم کے لیے دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور تشریف لائے اور فارسی کی کتابوں سے تعلیم شروع کی۔جلد ہی اپنی محنت وجانفشانی اورذہانت وفطانت کی وجہ سے طلبہ میں مقبول اور اساتذہ کے منظور نظر ہوگئے۔آپ نے تیزی کے ساتھ تمام تعلیمی مراحل طے کرکے ۱۰ رشعبان المعظم ۱۳۸۲ھ میں درس نظامیہ کی تکمیل کی۔

آپ کا شمار اشرفیہ کے مشہور فارغین اور حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔

دورۂ انگلستان:

آپ نے ۱۹۷۴ء میں انگلستان کا پہلا دورہ کیا اور مسلسل چار ماہ تک ۳۵ رشہروں میں وعظ وتقریر نیز بیعت وارشاد کے ذریعہ اہم دینی تبلیغی خدمات انجام دیں۔دوبارہ ۱۹۷۶ء میں پھر بہت ہی مؤثر انداز میں اسلام کا تعارف پیش کیا۔ انگلستان کی جمودی کیفیت اورسنیت کی اشاعت کے لیے ''مرکزی جماعت رضائے مصطفٰے یو۔کے'' نام سے ایک تنظیم قائم کی جس نے اپنے اشاعتی پروگرام کی ابتدا آپ کے خطبات کے مجموعہ بنام ''خطبات برطانیہ'' سے کی۔

برطانیہ کے علاوہ دیگر یورپی اور افریقی ممالک کے بھی دورے کیے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ملک اور بیرون ملک آپ کے مریدین کی کثیر تعداد ہے۔

بیعت وارادت:

آپ کو اپنے والد ماجد حضرت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ سے بیعت وخلافت واجازت کا شرف حاصل ہے۔

تصنیفی خدمات:

آپ مصنف وادیب وانشا پرداز اوراچھے شاعر بھی ہیں۔ ملک وبیرون ملک کے رسائل وجرائد میں آپ کے مضامین

ومقالات شائع ہوکر مقبول ہوئے ہیں۔آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ چند تصانیف کے اسما یہ ہیں:

(۱) اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب (۲) اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب (۳) دین اور اقامت دین (۴) اسلام کا نظریۂ ختم نبوت اور تحذیر الناس (۵) مسئلہ حاضر وناظر (٦) فریضۂ دعوت وتبلیغ (۷) اشترا کی سوالات کے اسلامی جوابات (۸) التحقیق البارع فی حقوق الشارح کی مکمل شرح الاربعین الاشرفی ،وغیرہ۔

آپ بہت ہی عالی ظرف اوراعلیٰ خاندان،خانوادۂ اشرفیہ کے چشم و چراغ ہیں۔علم وتحقیق کے میدان کے شہسوار اور جماعت اہل سنت کی ایک معروف ومشہور ومقبول شخصیت ہیں۔

☆☆☆



دوسرا باب

حافظ ملت عادات واخلاق کے آئینے میں

پابندی اخلاق میں چہرہ متبسم
خوں ناب ہے دل امتِ مرحومہ کے غم میں
اللہ رے پابندی سنت کا توازن
جھڑتے ہیں تبسم کے گہر شدت غم میں

(بدر)

حافظ ملت عادات واخلاق کے آئینے میں

حافظ ملت اخلاق کا پیکر تھے ۔ یہ بات غلط نہیں کہ اچھے اخلاق کے بغیر انسان قبولیت عام نہیں پاتا۔صفات حمیدہ اور خصائل حسنہ سے انسان کے ہر کام میں استحکام ،پختگی اور اثر انگیزی دو چند ہو جاتی ہے ۔حافظ ملت ایک عالم ربانی، ایک مرشد طریقت ،ایک مدرس، ایک خطیب، ایک عظیم اسلامی دانشگاہ کے سربراہ اعلیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی فلاح وبہبود کے لیے انتھک کام کرنے والے سماجی کارکن بھی تھے ،ان کا رابطہ انسانی طبقات میں سے ہر طبقہ سے رہتا تھا اور اپنی حاجات وضروریات کے لیے ان سے دوست ودشمن ہر طرح کے لوگ ملتے تھے ۔اور جو بھی ان سے مل لیتا وہ ان کی صحبت کا اثر قبول کیے بغیر نہ رہتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود اس شعر پر عامل تھے ۔

اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے
خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

وہ اسلامی اخلاق وآداب کے معلم بھی تھے اور اس پر عامل بھی، اسلامی اخلاق انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے جو انسان اس سانچے پر ڈھل جائے اس کی عادتیں، اطوار، مہذب ہو جاتے ہیں۔اور وہ صداقت ودیانت کا نمونہ بن جاتا ہے۔حافظ ملت کی تحریری یادگاروں میں اخلاقیات کے متعدد موضوعات پر نہایت جاندار مضامین پائے جاتے ہیں جن میں انہوں نے قوم کو مخاطب کیا ہے مگر جب ہم بغور جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کی تحریروں کے اندر خود ان کی زندگی کی تصویر نظر آتی ہے اور اہل صفا خدمت خلق ہی کو طریقت کا نام دیتے ہیں۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادۂ و دلق نیست

حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری فرماتے ہیں:

”حضرت کی رفعت اخلاق کا یہ عالم تھا کہ ہر کس وناکس اپنے آپ کو حضرت کا مقرب ومقبول شمار کرتا۔جو لوگ آپ کی ایذاء رسانی میں کسر نہ اٹھا رکھتے جب ان سے بھی ملاقات ہوتی تو آپ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے ۔

(المصباح ص ۱۳)

حافظ ملت کے اخلاق واوصاف سے متاثر ہو کر حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا تھا۔

”بعض لوگوں نے انہیں استاذ العلما جلالۃ العلم ہی سمجھا۔لیکن وہ میری نظر میں عارف باللہ اور اللہ کے ولی ہیں۔ علم ظاہر وباطن کے ایسے سنگم جہاں ہر پیاسے کو پانی ملے ۔وہ استاذ العلما کی ذات گرامی ہے، ایک ایسا عابد شب زندہ دار کہ زہد وتقویٰ وپارسائی جس کے دامن کی حسین جھالریں ہیں“

”زمین پر آنکھیں بچھائے اس طرح گزر جائیں کہ فرش وعرش کی کائنات انہیں دیکھے، لیکن ان کی خدا شناس نگاہوں کو کوئی کچھ نہ کہہ سکے“

''لباس میں ایسی سادگی جس سے عالمانہ وقار پھوٹ پھوٹ کر برستا ہو''

''گفتار میں ایسی نرمی اور مٹھاس گویا ہونٹوں سے پھول جھڑ رہے ہوں''

''ایسے کریم وشفیق کہ بچے انہیں پاکر ماں کی گود بھول جائیں''

''اپنے بزرگوں کے ایسے ادب شناس کہ اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا وصدرالشریعہ حضرت مولانا امجد علی علیہماالرحمۃ والرضوان کا نام سنتے ہی اپنی گردن جھکالیں۔ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند ودیگر اکابر اہل سنت کے تذکرہ پر اپنی والہانہ مسرت کا اظہار، یہ حافظ ملت کی خصوصی ادائے محبت تھی''۔

اپنائیت:۔

حافظ ملت کے تلامذہ اور اہل ارادات میں بیشمار ایسے خوش نصیب لوگ بھی ہیں جن کے گھر کو حافظ ملت اپنا گھر سمجھتے تھے اور اس گھر اور گھر والوں کی خوشی اور غم ہر ایک میں برابر شریک ہوتے تھے۔ کبھی ان علاقوں میں دورہ ہوتا تو کبھی پہلے سے اطلاع فرما کر اور اگر ناگہانی سفر درپیش ہوتا تو یک بیک تشریف لے جاتے۔ اور یہ تخصیص محض بڑے شہروں اور باوسائل قصبات تک نہیں تھی بلکہ بعض نہایت پسماندہ دیہاتوں تک حافظ ملت بلا تامل اپنے اخلاق کریمانہ کے قدموں سے چل کر تشریف لے جاتے تھے۔

از خود عنایت:۔

مولانا عبداللہ خاں عزیزی، حافظ ملت کے شاگرد بھی ہیں اور نہایت عقیدت کیش مرید بھی وہ بیان کرتے ہیں:

''میرا غریب خانہ ضلع گونڈہ بھانبھر کے اس حصہ میں واقع ہے جہاں سے نیلے آسمان سے پہاڑ (ہمالیہ) کی چوٹیاں گویا سرگوشی کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اس پہاڑی علاقے میں آمدورفت کی سہولتیں ہندوستان جیسے ترقی پذیر ملک میں اب تک معدوم ہیں۔ لیکن حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ بارہا غریب خانے پر تشریف لے گئے اور اپنی نوازشوں کی بارش کی۔ بعض اوقات کسی اطلاع سابق کے بغیر ہمارے گاؤں کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے موسم برسات میں حضرت پیدل پچپڑوا اسٹیشن سے تقریباً ۴ر میل کا راستہ طے کرکے ہمارے گاؤں ناؤڈیہہ تشریف لائے۔ میں نے عرض کی کہ حضرت پیدل چلنے کی زحمت فرماتے ہیں اگر آپ اطلاع دیتے تو خادم کم از کم بیل گاڑی کا انتظام کردیتا۔

ارشاد ہوا۔ گھر آنے کے لیے اطلاع دینے کی چنداں ضرورت نہیں محسوس کرتا۔ آپ کا گھر میرا گھر ہے''

محبّ گرامی مولانا احمد رضا صاحب آفس انچارج الجامعۃ الاشرفیہ جو دارالعلوم اشرفیہ سے سند فراغ پانے کے بعد ہی سے ادارہ کی خدمت پر مامور ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ پابندی وقت، احساس ذمہ داری، اور ادارہ کی بہی خواہی اور محبت کے جذبہ سے سرشار ہیں بیان کرتے ہیں:

''وصال سے ایک روز قبل حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ادارہ کے تمام اسٹاف کو اپنے دولت کدہ پر مدعو فرمایا۔ خورد ونوش کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ کے تمام مدرسین اور ملازمین کو اپنی اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی نبھاتے رہنے کی تلقین بھی کی نیز سابقہ حسن کارکردگی پر حوصلہ افزا کلمات سے نوازا اور دعائیں دیں۔

سب لوگ مصافحہ کرکر کے رخصت ہوئے۔ میں نے سوچا کئی روز سے میں نے حاضری نہیں دی ہے۔ لہذا سب سے آخر میں مصافحہ کروں گا۔ خیریت دریافت کرکے پھر جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ مصافحہ کرنے کے لیے میں نے جب حضرت کا دست مبارک پکڑا تو حضرت دیر تک خود میرا ہاتھ تھامے رہے فرمایا۔ ماشاء اللہ! آپ ہیں۔؟

پھر خود ہی دریافت کرنے لگے ''فاطمہ تبسم کیسی ہے؟ (مولانا محترم کی بڑی صاحبزادی حضرت فخر القراء مولانا قاری محمد یحیٰ صاحب علیہ الرحمہ کی نواسی جس کو حافظ ملت بیحد پیار فرماتے تھے) مولانا کو بیٹھنے کا اشارہ فرمایا اور صاحبزادی کے لیے از خود ایک تعویذ لکھ کر عنایت کیا۔ پھر رخصت کیا۔ اسی کے دوسرے دن یہ خبر غم ملی کہ حضرت کا انتقال ہو گیا''

یہ میرے روز کے ہیں:۔

سفر بمبئی فرماتے تو عام طور پر جناب سیٹھ شمش الحق علیمی صاحب مرحوم کے مکان پر قیام ہوتا۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے چندہ کا وفد بمبئی پہونچا تو بکیل صاحب نے خواہش کی کہ حضرت کسی اعلی ترین علاقہ میں قیام پذیر ہوں جہاں بڑے بڑے اہل ثروت آنے میں کراہت نہ محسوس کریں حضرت نے فرمایا: وہاں یہ مخلص لوگ کہاں ملیں گے؟ مالدار لوگ تو آئیں گے چلے جائیں گے۔ یہ میرے روز کے ہیں''

ایک نئی راہ بن گئی دل میں
تم نے اپنا جو کہہ کے یاد کیا
بدر

حافظ ملت کے اخلاق عالیہ کی ایک طویل داستان بیان کرنے کے بعد حضرت کے ہم درس، استاذ بھائی اور معاصر عالم دین، رئیس الواعظین حضرت علامہ محمد عبد المصطفٰے اعظمی علیہ الرحمہ نہایت بیباکانہ دوٹوک فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔

''میری نگاہ نقد ونظر میں یہ حقائق حافظ ملت کی کتاب زندگی کے اتنے زرین اور تابناک اوراق ہیں کہ ان کی چمک دمک کے مقابل کشف وکرامات کے سیکڑوں دفتر اوراق پارینہ کے بنڈلوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور میرے خیال میں یہ حقائق حافظ ملت کی وہ ممتاز خصوصیات ہیں جو ان کے آسمان زندگی میں ستاروں کی طرح چمکتی اور ان کے چمنستان حیات میں پھولوں کی طرح مہکتی رہیں گی۔ اور درحقیقت ان حقائق سے چشم پوشی قاضی قلم کی منصف مزاج کچہری میں اتنا ہی بڑا اور سنگین جرم ہے جتنا کہ آنکھیں بند کرکے آفتاب عالمتاب کی روشنی کا انکار کرنا۔

(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۹۰)

محبّ گرامی حضرت مولانا محمد احمد مصباحی لکھتے ہیں:

''اب ان کے اخلاق گرانمایہ کو دیکھئے، علم وفن کی گہرائی، تحقیق وتدقیق کی گیرائی اور تعلیم وتدریس کی جولانی صرف اہل نظر کو متاثر کرتی ہے لیکن اخلاق ومروت کی شمیم جاں فزا ہر خاص وعام کے دل میں گھر کرتی ہے۔ اخلاق وکردار ہی وہ آئینہ ہے جس میں انسان کے باطن کا عکس بہت صاف دکھائی دیتا ہے۔ حافظ ملت ہمدردی وغمگساری، تواضع و انکساری، بلند ہمتی وعالی ظرفی، چشم پوشی ورواداری، صاف دلی وقدر افزائی، سخاوت وفیاضی، شجاعت وپامردی وغیرہ ہر وصف میں اس درجۂ کمال پر تھے کہ اس کمال کا ایک وصف بھی کسی میں اتر آئے تو اسے امتیاز واختصاص کے آسمان پر پہونچانے کے لیے کافی ہو'' (انوار حافظ ملت ص۱۲)

رفیق محترم حضرت مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی بانی ''دارالقلم'' دہلی رقمطراز ہیں:

''آپ کے اندر قوت اخلاق کی بے پناہ کشش تھی۔ اور ہر عالم وعامی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ تمام سہولتیں ہوتے ہوئے بھی انکسار نفس کا یہ عالم تھا کہ چائے خود اپنے ہاتھ سے بنایا کرتے تھے۔ بوقت ضرورت کپڑے بھی سل لیا کرتے تھے۔ اور اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں بڑی فرحت ومسرت محسوس کیا کرتے تھے''

(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۳۹۷)

معاصر علما میں سے ایک صاحب پس پشت شکایات کر کر کے حافظ ملت کو ایذا دیتے رہتے تھے ایک بار کا واقعہ ہے آپ ٹرین سے سفر کر رہے تھے کہ کسی نے آکر انہی صاحب کے بارے میں خبر دی کہ وہ بھی اسی ٹرین سے محو سفر ہیں۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ اگلے اسٹیشن پر اپنے ڈبہ سے اتر کر ان کے پاس گئے۔ ملاقات کی اور پورا سفر انہی کے ساتھ رہے۔ اور ان میں اس بات کا شائبہ بھی نہ گزرنے دیا کہ ان کی کوئی بات حضرت تک پہونچی ہے۔

صبر وتحمل:۔

حافظ ملت کو ان کی پر خار زندگی میں قدم قدم پر کانٹے ہی ملے مگر انہوں نے صبر وتحمل سے کام لے کر ہر سختی کو آسان کر لیا۔ بقول شاعر

غم سے جب خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے غم
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

صبر کے بارے میں حافظ ملت کی نوک قلم نے کیا انمول موتی بکھیرے ہیں ذرا انہیں بھی ملاحظہ فرمائیے۔

''صبر کا اجر بے شمار ہے، بے حساب ہے، صبر کامیابی اور نصرت الٰہی کا سبب ہے۔ اسی لیے بہت مرتبہ صابرین کی تھوڑی تعداد بھی غالب ہوئی اور صابرین کو سرداری وپیشوائی ملی۔ غور تو کرو صبر پر بے حساب اجر کا وعدہ ہے۔ صبر پر نصرت الٰہی اور امداد غیبی کا وعدہ ہے۔ صبر پر فتح دینے کا وعدہ ہے۔ (ارشاد القرآن ص۱۶)

یہ کہنا درست ہوگا کہ حضرت حافظ ملت کے صبر وتحمل، شکیبائی وبردباری نے ہی ان کی راہ سے ہر روڑے کو ہٹا دیا

اورانہیں ان کے مقصد میں کامیاب کیا۔

رفیق گرامی مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی فرماتے ہیں:

مخالفتوں کی پیہم یلغار میں بھی صبر وشکیب اور ضبط وتحمل کا دامن کبھی نہیں چھوڑا، اور اپنے کسی عمل سے بھی ناشکیبائی کا کبھی اظہار نہیں کیا۔ مشکل رکاوٹوں کے درپیش آنے پر بھی ایفائے عہد کرنا اپنا اولین فرض تصور کرتے اور عہد و پیان کو غفلت وکوتاہی کی نذر نہ ہونے دیتے۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۳۹۷)

آپ خود صبر وتحمل کے پیکر تھے اور لوگوں کو بھی اس کا درس دیتے تھے۔ جناب شیخ مزمل اللہ صاحب کو تلقین صبر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''بندہ کا کام معبود کی یاد ہے۔ اسی سے دعا کرنا ہے یہی شان بندگی ہے۔ نماز دعا وظیفہ، یہ رائگاں نہیں جاتے۔ فائدہ ہوتا ہے اور ضرور فائدہ ہوتا ہے۔ کسی ہمدرد کا ملنا اور گردش کے وقت ذرا بھی سہارا دینا بڑی بات ہے۔ رب العالمین ارحم الراحمین ہے۔ اس کے حبیب رحمۃ للعالمین ہیں۔ ان کی یاد اور ان سے دعا لغو اور بیکار نہیں۔ البتہ بندہ کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ رب کریم اور اس کے حبیب رؤف ورحیم پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ دنیا تنگ ہو۔ ہوسکتا ہے۔ لیکن آخرت کشادہ ہے۔ میری دعا ہے خداوند کریم آپ کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے''۔

(مکتوب بنام شیخ مزمل اللہ۔ آسام، یکم ربیع الاول ص ۹۴ھ)

موصوف ہی کو ایک اور مکتوب میں رقمطراز ہیں:

''آپ نے خود ہی لکھا ہے کہ مشیتِ ایزدی میں چارہ نہیں ہے۔ بات حق ہے اس پر صبر وشکر کرنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ لڑکا ہو یا لڑکی وہ اپنی قسمت ساتھ لاتا ہے۔ خداوند کریم کا ہر حال میں شکر ہی کرنا چاہئے۔

(مکتوب حافظ ملت ۱۶/ ذوالحجہ ۸۷ھ)

تواضع اور انکساری:۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''من تواضع للہ رفعہ اللہ'' اللہ کے لیے انکساری کرنے والے کو خدا سر بلند کرتا ہے۔

آج کل کے زمانے میں لوگ اونچے تعارف اور مبالغہ آمیز تعریف سے خود کو متعارف کرانے کی کوشش کرتے ہیں حضور حافظ ملت قدیم اصول تواضع وانکسار کے پورے پابند تھے بلکہ ان کی انکساری کا تو یہ حال ہے کہ اپنے خردوں کو خود سے بڑھا دیتے بعض تلامذہ کے بارے میں فرماتے ''میاں یہ مجھ سے بھی قابل ہیں'' محبّ محترم جیسے القاب جو عام طور سے لوگ اپنے دوستوں کو لکھتے ہیں حضرت اپنے تلامذہ اور چھوٹوں کو تحریر فرماتے۔

حیا:۔

حیا مومنانہ زندگی کا زیور ہے۔ حافظ ملت اس حلہ ایمانی سے آراستہ تھے راستہ چلتے تو نگاہیں نیچی رکھتے۔ فرماتے

میں لوگوں کے عیوب نہیں دیکھنا چاہتا، اپنے گھر میں ہوتے پھر بھی حیادارانہ انداز ہوتا۔ بچیاں جب بڑی ہوگئیں تو اپنے گھر میں بھی بڑے احتیاط سے رہتے ایک مخصوص کمرہ تھا جس میں قیام فرماتے۔ نکلتے اور جاتے وقت نظر محتاط رکھتے۔ گھر میں داخل ہوتے وقت چھڑی زمین پر زور سے مارتے تاکہ آواز پیدا ہو اور گھر کے لوگ خبردار ہوجائیں۔ غیر محرم عورتوں کو کبھی سامنے نہ آنے دیتے کسی کو داخل سلسلہ فرماتے تو اپنے رومال کا ایک حصہ پردے کی اوٹ میں دیدیتے، بمبئی میں سیٹھ عبدالمجید صاحب مرغی محلّہ کے مکان میں قیام پذیر تھے بلڈنگ میں رہنے والی عورتوں نے مشہور کردیا کہ مولانا صاحب عورتوں سے پردہ کرتے ہیں لوگوں سے شدہ شدہ یہ بات حضرت تک پہونچی۔ فرمایا۔

کیا کیا جائے یہ ایک اچھی چیز ہے عورتوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے اپنا لیا۔

ایفائے عہد:۔

وعدہ کرکے نبھانا مومن کامل کی ایک اہم نشانی ہے فرمان رسول ''اذا وعد وفا '' کے مطابق مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ مریض ہوں یا باصحت نزدیک ہوں یا دور اپنے وعدہ کی پابندی کو اولین ذمہ داری کے طور پر ادا کرتے تھے۔

حافظ ملت کو قوم وملت کا درد دے کر نہیں بلکہ درد بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انہیں کروٹ کروٹ اپنی قوم کی ترقی، اپنے مذہب کے ارتقاء کا درد بے آرام کیے رہتا۔ وہ ہر حال میں غلبۂ اسلام اور فلاح ملت کے خواہاں تھے۔

ایک بار کا واقعہ ہے۔ آپ نے گورکھپور کے جلسہ کی دعوت قبول کرلی مگر وقت پر طبیعت ایسی علیل ہوئی کہ سفر مشکل ہوگیا۔ بخار سے تپتا ہوا بدن، بس کا دشوار گذار سفر۔ لوگوں نے منع کیا کہ حضور بخار شدید ہے، سفر سے مزید تکلیف بڑھ جائے گی، آرام فرمائیں مگر قوم وملت کا درد رکھنے والے اس محسن نے کسی کی بات نہیں مانی اور ارشاد فرمایا: ہاں رک جانا چاہیے مگر میں نے وعدہ کرلیا ہے، نہیں پہنچوں گا تو غریبوں کا دل ٹوٹ جائے گا، مذہب کا نقصان ہوگا۔ ہاں، ہاں یہ ایفائے وعدہ ہی تھا۔ آخر حضرت نے اس عالم میں بھی جلسہ نہیں چھوڑا۔

ایک بار نوادہ میں ایک میلاد شریف کے لیے دعوت قبول کرلی اس سے پہلے دن کہیں باہر جلسے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے بھیڑ بہت زیادہ تھی ٹرین اور پلیٹ فارم پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی حضرت نے جب دیکھا کہ ٹرین میں جگہ ملتی نظر نہیں آتی تو اپنا بستر اور ناشتہ دان کھڑکی کی سلاخوں میں رومال سے باندھ دیا اور خود کسی طرح ڈبہ میں گھس پڑے مئو تک کا سفر کھڑے کھڑے کٹا رات کو تقریبا ساڑھے نو بجے سٹھیاؤں اسٹیشن پر اترے تو سواری ندارد بستر اور سامان لیے ہوئے پیدل ہی مبارکپور چل پڑے اور سوا دس بجے تک اندھیری رات میں گھر پہونچے اور طلبہ کے ساتھ لالٹین کی روشنی میں فورا نوادہ پہونچے میلاد شریف ہورہا تھا آپ سیدھے اسٹیج پر پہونچے اور شاندار تقریر فرمائی۔ باوجودیکہ صبح سے اس وقت تک کچھ نہ کھایا تھا چوں کہ ناشتے سے قبل چل پڑے تھے دوپہر کا کھانا ٹرین کے رش نے لے لیا اور نوادہ ایسے وقت پہونچے کہ لوگوں نے سمجھا کہ کھا ہی کر آئے ہوں گے مگر زور تقریر میں بھوک کی شدت کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔

ملک کے اندر متعدد ایسے سالانہ اجلاس تھے جن میں حافظ ملت کی تشریف ارزانی ہوتی تھی۔ جمشید پور مدرسہ فیض

العلوم کے جلسۂ سالانہ میں شرکت کا وعدہ فرمایا تو ہر حال میں اس کی پابندی فرماتے رہے علامہ ارشد القادری صاحب جو اس سلسلہ میں حضرت کے داعی ہیں خود جمشید پور میں موجود رہے یا نہ رہے حافظ ملت اپنے عہد کی زنجیر تھامے علالت ہو یا بے فرصتی ہر رکاوٹ عبور کر کے تشریف لے جاتے ۔ حضرت مولانا نعمان خاں اعظمی کے وطن دیوگاوں کا جلسہ میلاد النبی اس میں بھی حضرت ہر سال تشریف لے جاتے تھے ۔جن جلسوں کے لیے آپ وعدہ فرمالیتے اپنی بیماری، علالت اور کمزوری کا لحاظ کیے بغیر وہاں جانا ضروری سمجھتے ۔ جناب حکیم محمد یوسف صاحب بستوی بیان کرتے ہیں ۔

ایک بار حضرت بیماری کی حالت میں دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ ضلع بستی کے جلسہ میں تشریف لے گئے تھے ۔صدر المدرسین حضرت مولانا اعجاز احمد خاں صاحب نے بخار کی شدت کی وجہ سے حضرت کی قیام گاہ پر ایک آدمی کا پہرہ لگا دیا تھا کہ کوئی مل نہ سکے ۔ اور حضرت کو آرام مل سکے ۔ میں حسب عادات بسڈیلہ پہونچا تو معلوم ہوا حضرت کو سخت بخار ہے آرام کی سخت ضرورت کے پیش نظر کسی کو ملنے نہیں دیا جا رہا ہے ۔ میری بیچینی بڑھی اور حضرت کی قیام گاہ پہونچ گیا۔ دروازہ کھولنا چاہا تو موجود پہرہ دار نے روکا۔ میں نے اس کو ڈانٹ دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ سلام عرض کیا۔ اور دست بوسی کے وقت حیرت میں پڑ گیا کہ حضرت کا ہاتھ تپ رہا تھا۔ اور بخار ۱۰۲ ڈگری سے کم ہرگز نہیں تھا۔ (انوار حافظ ملت ص ۶۸)

باب اخلاق میں ایفائے عہد کی بڑی اہمیت ہے ۔ ایفائے احد سیرت نیک اور کردار بندہ کا امر جز ہے ۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے ۔ وَاوفو بعهد ان العهد کان مسؤلاه ،اور عہد پورا کرو ۔ بیشک عہد سے سوال ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ لوگوں کے جو اوصاف بیان فرمائے ان میں ایفائے عہد بھی ہے ۔ (قرآن مجید سورہ مومنون پارہ ۱۸ آیت ۱ تا ۹)

اس ضمن میں حدیثیں بھی آئی ہیں ۔ اسلاف کرام وعدے کی اہمیت سمجھتے تھے اور حتی المقدور اس کو پورا کرنے کی کوشش فرماتے ۔ یہاں پر استاذ الاساتذہ جلالۃ العلم ومخدومی حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے ایفائے وعدہ کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے جو یقیناً ہمارے لئے موجب عبرت ونصیحت ہے ۔ اس واقعہ کے راوی جناب ملاجی مشتاق احمد صاحب کے پیڈیا نگلہ ضلع مرادآباد ہیں ۔ آپ حضور حافظ ملت کے مرید ہیں ۔ انھوں نے یہ واقعہ مجھے ۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ کو اپنے دولت خانہ پر سنایا تھا۔ پیڈیا نگلہ قصبہ بھوجپور ضلع مرادآباد سے شمال میں واقع ہے ۔ مرادآباد سے کاشی پور کو جو ریلوے جاتی تھی وہ اس کے قریب گزرتی ہے ۔ ٹرین کے ذریعہ سفر کریں تو یہ بستی (پیڈیا نگلہ ہالٹ) اتر کر مغرب میں معمولی فاصلہ پر ہے لیکن بس کے راستے سے جائیں تو سلطان پور اتر کر جانب مشرق پانچ کلومیٹر تک پیدل چلنا پڑتا ہے ۔ درمیان میں ڈھیلا نام کی ایک ندی بھی پڑتی ہے ۔

ملاجی بیان کرتے ہیں کی ٹھیک ٹھیک تو یاد نہیں آتا ۔ اندازہ یہ ہے کہ ۴۰ ۔ ۴۵ سال پہلے کی بات ہوگی کہ حضور حافظ ملت بھوجپور تشریف فرما تھے ۔ میں نے حاضر بارگاہ ہو کر غریب خانہ پر دعوت کی درخواست پیش کی ۔ حضور حافظ ملت میرے غریب خانے پر دوبار تشریف لائے ۔ یہ دوسری مرتبہ کا واقعہ ہے ۔ بالفاظ ملاجی: حضرت حافظ ملت دعوت رد نہیں فرماتے تھے ۔ آپ بلاشبہہ بزرگوں کے حسن واخلاص کا اعلیٰ نمونہ تھے ۔

حضور حافظ ملت نے میری دعوت کو شرف قبول بخشا، اور ایک معین دن میں دو پہر والی ٹرین سے تشریف لانے کا وعدہ فرما لیا۔ میں اور کچھ دوسرے معتقدین وقت معین پر اسٹیشن پہونچے لیکن حضور حافظ ملت تشریف نہ لائے۔ محرومی کا احساس تو ہوا لیکن الحمد للہ ہمارے دل میں آپ کی طرف سے کوئی ناگواری یا شکایت پیدا نہ ہوئی۔ ہم سمجھ گئے کہ ضرور کوئی مجبوری پیش آئی ہوگی جس کی وجہ سے ہم دیدار سے محروم رہے۔

اسی دن عصر کے بعد کا وقت تھا۔ گھر کے بچے بستی سے باہر کھیل کود میں مشغول تھے۔ انھوں نے گھر آکر شور مچایا کی بڑے مولوی صاحب آرہے ہیں۔ اس وقت بھوجپور اور قرب جوار میں آپ کو عام طور پر بڑے مولوی صاحب ہی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ پہلے تو اسے بچوں کی بڑ سمجھا گیا لیکن جب کئی بچوں نے یہی بات کہی تو ان سے پوچھا گیا کہ کہاں آرہے ہیں؟ انھوں نے ندی کی سمت نشاندھی کی جس طرف سے آپ تشریف لا رہے تھے۔ ہم نے آگے بڑھ کر سامان لیا اور مصافحہ اور دست بوسی کی سعادت حاصل کی۔

ہوا یہ تھا کہ حضور حافظ ملت گھر سے نکلنے میں کچھ تاخیر ہوگئی اور اسٹیشن پر پہونچتے پہونچتے ٹرین روانہ ہوگئی گھر کو واپس ہونے کے بجائے آپ بس اسٹینڈ پر تشریف لے گئے اور بس کے ذریعہ سفر فرمایا جس بس میں سوار ہوئے اس میں رش بہت تھا جس کی وجہ سے بڑی پریشانی اٹھانی پڑی۔ آپ بس سے سلطان پور اترے، یہاں سے پیڈیا نگلہ جیسا کہ مذکور ہوا پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر راستہ کچہ اور ناہموار۔ پھر اسوقت گندم کے کھیت سینچے جارہے تھے لہذا راستہ میں جگہ جگہ کیچڑ سردی کا موسم مزید برآں درمیان میں ڈھیلا ندی یعنی سلطان پور سے پیڈ یا نگلہ تک پہونچنے میں ایک نہیں بلکہ کئی دشواریاں حائل تھیں اور حضور حافظ ملت کی شخصیت کے اعتبار سے یہ کوئی معمولی دشواریاں نہیں تھیں۔ لیکن اس مرد خدا نے ایفائے وعدہ کی راہ میں ان غیر معمولی دشواریوں کی کوئی پرواہ نہ فرمائی۔ رات کو کھانے سے فارغ ہوکر جب ہم خدمت اقدس میں بیٹھے تو فرمایا میں جیسے ہی اسٹیشن پہونچا ٹرین چل پڑی۔ بھاگ کر پکڑ نہیں سکتا تھا، لہذا بس کے ذریعہ آنا پڑا اور راستہ کی دقتوں کا ذکر بھی فرمایا میں نے عرض کی حضور اس قدر پریشانی اٹھانے کی کیا ضرورت تھی میں کل حاضر ہوجاتا اور آپ کسی دوسرے دن کے لئے یہ پروگرام طے فرما دیتے۔ ارشاد فرمایا اگر میں نہ پہونچتا تو تم لوگوں کو تکلیف ہوتی نیز تمہیں میری حالت کا علم تو تھا نہیں لہذا بدگمانی کے وبال میں بھی مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا۔

ملا جی یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد آب دیدہ ہوکر کہتے ہیں، اب ایسی ہستیاں نظر نہیں آتیں جو اپنے مریدین ومتوسلین کے لئے اس قدر شفیق ومہربان ہوں۔

یہ تو ایک واقعہ ہے ایسے بہت سارے واقعات ہونگے لیکن ان کو معلوم کرنا اور تحریر میں لانا ایک دشوار کام ہے کاش وہ حضرات جن کے علم میں ایفائے وعدہ کے واقعات ہوں وہ قلم بند کردیتے تو حیات حافظ ملت کا یہ ایک باب بھی مکمل ہوجاتا۔

استغنا :۔

حافظ ملت کو پروردگار عالم نے استغنا کی دولت سے سرفراز کیا تھا قدم قدم پر اس کی علامتیں ظاہر تھیں۔ آپ کے

بھائی جناب مولانا حکیم عبدالغفور صاحب کا بیان ہے کہ

جب میں مبارکپور میں زیر تعلیم تھا تو اس وقت طلبہ و مدرسین کے لیے مدرسہ سے مٹی کا تیل ملتا تھا۔ اور کھانے کے لیے جاگیروں کا انتظام تھا مگر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ میرے اور اپنے کھانے کا انتظام خود کرتے اور فرماتے کہ جب ہم اپنا کھاسکتے ہیں تو جاگیر کیوں کھائیں اور جب ہم اپنا تیل جلا کر مطالعہ کرنے کے لائق ہیں تو مدرسہ کا تیل کیوں خرچ کریں حضرت کبھی مدرسہ کے تیل کی روشنی میں مطالعہ نہیں فرماتے'' یونہی شروع دور تدریس سے اخیر حیات تک کبھی اضافہ تنخواہ کی درخواست نہیں دی۔

خدا کے نیک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

جمعہ مبارکہ بتاریخ یکم اگست ۷۵ء تقریبا ۵ ربجے برادر گرامی مولانا عبدالمبین نعمانی اور ہم چند لوگ حافظ ملت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نعمانی صاحب ہوڑہ سے الجامعۃ الاشرفیہ کی خدمت کے لیے۔ بعہدۂ لائبریرین بلائے گئے تھے۔ ان کو کون کون سا کام سرانجام دینا تھا۔ کمیٹی اس پر باتیں کر رہی تھی۔ اور انہیں کام سمجھا رہی تھی۔ مولانا محسوس کررہے تھے کہ ایسا نہ ہو آج میں کمیٹی کے تمام مطالبات تسلیم کرلوں اور کل کام پورا نہ کرپاؤں اس لیے جتنے کام کو وہ اپنی قدرت کے اندر سمجھتے تھے اتنا ہی لینے پر غور کررہے تھے۔ اسی الجھن کو ذہن میں لیے ہم لوگ حافظ ملت کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت نے اس موقع پر نہایت قیمتی نصیحتیں فرمائیں آپ نے ارشاد فرمایا:

''دینی مدارس کی ملازمتیں اصل میں خدمت دین ہوتی ہیں انہیں ملازمت سمجھنا ہی غلطی ہے آدمی کو خدمت سے نہیں گھبرانا چاہئے''۔

میں جب حضور صدرالشریعہ بدرالطریقہ علیہ الرحمہ کے حکم سے مبارکپور آیا، اس وقت میری تنخواہ ۳۵ ر روپئے تجویز کی گئی۔ میں نے قبول کرلیا اور اس روز سے آج تک کبھی اضافہ تنخواہ کی درخواست نہیں دی۔ اور کبھی یہ بھی نہیں کہا کہ مدرسہ کا فلاں کام میں نہیں کروں گا بلکہ جو بھی کام سامنے آیا۔ کیا۔ اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے۔ کہ آدمی کام سے بھاگے نہیں۔ جو کام سے بھاگتا ہے وہ کام نہیں کرتا، اس لیے بھی کہ انسان دنیا میں کام ہی کرنے کے لیے آیا ہے۔ صرف آرام کرنے نہیں آیا۔

ہمارے یہاں (الجامعۃ الاشرفیہ میں) کمیٹی کے اندر، جب لوگوں نے یہ فیصلہ کیا، کہ کوئی ملازم عہدہ دار نہیں ہوسکتا۔ تو میں نے فوراً تدریس سے استعفیٰ لکھ دیا۔ لوگوں میں بہت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ مجھ سے کہا گیا کہ اب یونیورسٹی کا کام کیسے چلے گا۔ میں نے کہا۔ میں کروں گا۔ ''میں نے ملازمت تدریس سے استعفیٰ دیا ہے خدمت سے نہیں''

اس پر کمیٹی نے میرے لیے تنخواہ کی برقراری کا فیصلہ کیا۔ مگر میں نے تنخواہ لینے سے انکار کردیا۔ اس پر کمیٹی نے مجھے رضا مند کرنے کے لیے بہت دیر تک گفتگو کی، مگر جب انہوں نے یہ یقین کرلیا کہ اب میں تنخواہ واقعی نہیں لوں گا۔ تو

اخیر میں لوگوں نے مجھ سے ایک سوال کیا۔ اور وہ یہ کہ تو پھر آپ کا کام کیسے چلے گا؟ اس پر میں نے کہا کہ آج تک تو میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں کہ میرا کام کیسے چلے گا؟ جواب تک کام چلاتا رہا وہی آئندہ بھی چلائے گا؟ اور بفضلہٖ تعالیٰ تقریبا تین سال ہو گئے میں مدرسہ سے ایک پیسہ نہیں لیتا۔ مگر کام چلتا ہے آج کل لوگ پڑھتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے کیا قرآن میں نہیں ہے۔

"ومن یتو کل علی الله فهو حسبه" جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اس کو اللہ ہی کافی ہے۔

سادگی:۔

آج کا تمدن، زندگی اور لوازمات زندگی میں بہت تنوع پیدا کر چکا ہے زندگی کی ضرورتیں بڑھتی جارہی ہیں۔ باوجودیکہ حافظ ملت عام غریب مسلم ماحول سے لے کر اونچی سوسائٹی (بلحاظ زمانہ) کے لوگوں سے تعلق رکھتے تھے اور ایسا نہیں کہ ان میں کھو گئے بلکہ آپ کی عالمانہ شان نے اس ماحول میں بھی اپنا ایسا تشخص برقرار رکھا کہ سوسائٹی کی عائد کردہ پابندیوں کے خوگر، حافظ ملت کے دلدادہ بن گئے اندرون خانہ آپ کی سادگی اور قناعت کا یہ حال کہ

"آپ کی بڑی صاحبزادی جمیلہ خاتون نے شب کے کھانے میں حضرت کے سامنے ڈلیا میں روٹی رکھی اور دوبارہ لا کر بغل میں دال کا پیالہ رکھ دیا۔ روشنی دور اور کم تھی۔ حضرت نے دال کو نہیں دیکھا اور صرف سوکھی روٹی کھا کر پانی پی لیا۔ اور دعا مانگنے لگے۔

"الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا و کفانا و جعلنا من المسلمین"

آپا جان نے پوچھا ابا آپ نے دال نہیں کھائی۔ حضرت نے تعجب سے پوچھا اچھا دال بھی ہے میں نے سمجھا آج صرف روٹی ہی ہے"

حضرت کی سادگی اور انکساری کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ مبارکپور یا گرد و نواح میں دور دور تک جانے کے لیے کبھی سواری کا اہتمام پسند نہیں فرماتے جناب حاجی عبد العلی ساکن موضع سکٹھی نے بیان کیا کہ "میں ایک بار حضرت کو کھانے کے لیے دعوت دینے گیا یہ ۱۹۷۵ء کی بات ہے جب وہ کافی بیمار اور کمزور رہتے تھے۔ میں پیدل ہی حضرت کی قیام گاہ پر گیا تھا۔ حضرت نے دعوت منظور فرمالی۔ میں نے عرض کی حضور وقت پر رکشہ بھیج دوں گا آپ علیل ہیں پیدل چل کر جانے میں کافی تکلیف ہوگی۔

حضرت نے فرمایا حاجی صاحب یہ کیسے ہوسکتا ہے؟۔ آپ مجھ سے حج میں بھی مقدم، عمر میں بھی مقدم، آپ تو میرے پاس پیدل آئیں اور میں آپ کے پاس سواری سے آؤں۔ نہیں۔ میں بھی پیدل ہی آؤں گا چنانچہ پیدل ہی تشریف لے گئے۔

حضرت حافظ ملت کی پوری زندگی معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا نمونہ تھی۔ آپ نے بہت ہی سادہ اور درویشانہ زندگی گزاری ہے۔ لباس جو زیب تن فرماتے وہ موٹا سوتی کپڑے کا ہوتا، کرتا لمبا، پائجامہ شرعی، ٹوپی دوپلی، عمامہ ہر موسم میں، شیروانی بھی ہمیشہ زیب تن فرماتے، جوتا ناگرہ، عصا دست مبارک میں لے کر چلتے، چلتے وقت

نگاہ نیچی رکھتے۔

پرانا مدرسہ جہاں آپ سکونت پذیر تھے وہ کھپریل کا مکان تھا، کسی آرائش وزیبائش سے عاری، بجلی کا بھی بندوبست نہیں، آپ کے جانثاروں نے ہر چند کوشش کی کہ الکٹرک کا انتظام کردیا جائے مگر آپ نے پسند نہیں فرمایا۔ اندر داخل ہونے کے بعد چند مٹی کے برتن، معمولی بوسیدہ دری، جاڑوں میں نصف چارپائی تک بچھنے والا گدّا، بس گھر کا یہی اثاثہ تھا۔ کوئی کروفر نہیں!

ایک بار کا واقعہ ہے چند جانثاروں نے عرض کیا کہ حضور موسم گرما میں بغیر ہوا کے آپ کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ ہم لوگوں کی خواہش ہے کہ بجلی لگوا کر روشنی کے ساتھ ساتھ پنکھے کا بھی انتظام کردیں تاکہ حضرت کو گرمیوں میں آرام ملے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ فقیر کو اس طرح کی کسی شی کی حاجت نہیں، جب لوگوں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر پنکھے سے ایک سے زیادہ آدمیوں کو آرام ملے وہ اچھا ہے یا صرف ایک شخص کا آرام اچھا ہے ان لوگوں نے کہا کہ حضور زیادہ لوگوں کو آرام ملے وہ اچھا۔ اس پر آپ نے فرمایا جو پنکھا میرے لیے لگانا چاہتے ہیں اسے مسجد میں لگوادیجئے تاکہ زیادہ لوگوں کو یعنی نمازیوں کو ہوا اور آرام ملے۔

درویشانہ ومومنانہ شان:

کسی موقع پر حضرت کا رہائشی مکان جو خستہ تھا اس کا تذکرہ ہوا تو فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مسلمانوں کے لیے جنت کے محل تعمیر کرائے ہیں، اب ہم چند روز کے لیے دنیا کے گھر کی فکر میں پریشانی کیوں مول لیں؟

صعوبت سفر:۔

حافظ ملت اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کے لیے شاندار، قیمتی سواری کا انتظام کیا جائے۔ دوران سفر سامان سفر بھی بہت معمولی ہوتا ایک بار گونڈہ اور بستی کا سفر در پیش تھا راقم خادمانہ ساتھ تھا۔ علما کا ایک بھاری قافلہ ہمراہ تھا۔ ایک جگہ حضرت کے لیے لوگوں نے ہاتھی کی سواری کا انتظام کیا۔ مگر حضرت ہاتھی پر سوار نہیں ہوئے۔ پیدل ہی سفر ہوا۔ اور آٹھ دس میل باوجود ضعف ونقاہت کے تشریف لے گئے۔ ایک جگہ مولانا محمد حنیف صاحب بستوی کے ساتھ ٹرک پر میں اور مولانا پیچھے کھڑے ہوئے۔ اور حضرت کو بمشکل آگے جگہ ملی۔ بیل گاڑی کا سفر بھی اسی موقع پر ہوا۔ حضرت جس وقت جہاں پہونچنے کا عزم کر لیتے بہرصورت وہاں پہونچنے کو ہر حال میں ترجیح دیتے۔

پردہ پوشی:۔

جناب حکیم محمد یوسف بستوی اپنے ضلع اور اطراف واکناف میں اہل سنت کے اکثر دینی کاموں میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ خصوصاً حافظ ملت جب ان کے علاقے میں تشریف لے جاتے تو حکیم صاحب ان کے ساتھ رہا کرتے۔

ایک بار حضرت پچپڑوا کے جلسہ میں تشریف لے گئے ۔حکیم صاحب ساتھ تھے ۔ میز بانوں نے ناشتہ وغیرہ کرایا۔ اور کچھ دیر بعد کسی کے گھر جانے کے ارادے سے حضرت اور ایک صاحب اٹھے ۔حکیم صاحب بھی خادمانہ ساتھ چلے ۔راستے میں حضرت نے حکیم صاحب سے سرگوشی میں فرمایا۔حکیم صاحب آپ ہمارے ساتھ نہ آیئے ۔حکیم صاحب وہیں سے واپس قیام گاہ پر لوٹ گئے ۔حکیم صاحب کو بعد میں اس بات کا پتہ چلا کہ حضرت کو ایک صاحب اپنے گھر داخل سلسلہ ہونے کے لیے لے گئے تھے ۔اور وہ دراصل ایک بہت غریب آدمی تھے۔حضرت نہیں چاہتے تھے کہ کوئی اور ساتھ جائے اور وہ بیچارا زیر بار ہو۔

طلبہ سے حسن سلوک:۔

حضرت الاستاذ مولانا محمد شفیع الاعظمی سابق ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ طلبہ پر حافظ ملت کی مہربان فطرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”ہر استاذ صرف اپنے ذہین، محنتی اور وفا شناس شاگردوں پر شفیق ہوتا ہے لیکن حافظ ملت کی خصوصیت یہ ہے کہ غبی سے غبی، بدھو سے بدھو اور بیگانہ سے بیگانہ شاگرد بھی انہیں اتنا ہی عزیز تھا جتنا ذہین سے ذہین، قابل سے قابل اور قریب سے قریب شاگرد۔

اور وہ مقام جہاں ہم حافظ ملت کو ایک ”منفرد شفیق استاذ“ کے پیکر میں دیکھتے ہیں یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص بھی اپنے باغی، نافرمان اور بدخواہ کے حق میں اپنی محبت وشفقت کے توازن کو برقرار نہیں رکھ سکتا لیکن حافظ ملت کی کتاب زندگی کا آپ مطالعہ کریں ورق ورق پر جہاں آپ انہیں نیاز مندوں اور وفا شناسوں کو خلعت کریمانہ سے شاد کام کرتے ہوئے دیکھیں گے وہیں وہ نافرمانوں اور ناعاقبت اندیشوں پر بھی پھول برساتے ہوئے آپ کو نظر آئیں گے۔

اور اسے بھی ہم جذبۂ شفقت ومحبت ہی کا داعیہ کہیں گے کہ بڑے سے بڑے قصور پر مدرسہ سے طلبہ کا اخراج حضرت کی طبیعت پر بہت شاق گزرتا تھا۔فرماتے تھے مدرسہ سے طلبہ کا اخراج بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنے کسی بیٹے کو عاق کردے یا جسم کے کسی بیمار عضو کو کاٹ کر الگ کر دیا جائے ۔فرماتے:

”انتظامی مصالح کے پیش نظر اگر چہ یہ شرعا مباح ہے لیکن میں اسے بھی ابغض مباحات سے سمجھتا ہوں“

ایک بار ارشاد فرمایا ” نیکوکار، صلاح پذیر اور اچھے طلبہ کو چاہنا استاذ کا کمال نہیں بلکہ شاگرد کا کمال ہے کہ اس نے اپنے آپ کو چاہے جانے کے قابل بنایا۔ استاذ کا کمال تو یہ ہے کہ جو چاہے جانے کے قابل نہ ہو اس کی اصلاح کر کے اسے چاہے جانے کے قابل بناوے“ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۲۴)

رفیق محترم مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

طلبہ اور بچوں سے شفقت ومحبت کا برتاؤ عام تھا۔ بے جا خشونت وسختی اور رعب وداب سے کوسوں دور رہتے ۔ علما ومشائخ کرام کے ساتھ توقیر واحترام سے پیش آتے ۔اور ان کی عادلانہ مدح وستائش کرتے ۔

(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۳۹۷)

عیادت وتعزیت:۔

انسانیت محض یہ نہیں ہے کہ اپنی زندگی آراستہ وپیراستہ کرنے اور فکر خویش ہی میں ساری صلاحیتیں خرچ کردی جائیں بلکہ ایک شریف انسان کا اخلاقی فریضہ ہے کہ اپنی طرح کے دوسرے انسانوں کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے بھی کوشش کرے۔ بلکہ اعلیٰ ظرف لوگوں کا تو یہ کردار ہے کہ اپنی فکر چھوڑ کر دوسروں کے لیے ہی خود کو وقف کردیتے ہیں بلکہ دوسروں کے لیے خود کو مشقت میں ڈالتے ہیں۔اہل قرابت، اہل خانہ اور مسلمان معاشرہ کی ہمدردی وغمگساری تعلیم نبوی کا لازمی حصہ ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ چونکہ سچے نائب رسول تھے اس لیے یہ جذبات ان میں بھی موجود تھے۔اپنی تمام تر مشغولیات کے باوجود مبارکپور کے اندر اور اطراف وجوانب میں نہ صرف علماء، تلامذہ، متوسلین ومخصوصین کی عیادت کے لیے۔ بلکہ معمولی سا تعلق رکھنے والے مسلمان کی علالت سنتے تو اس کی عیادت کے لیے وقت نکال کر تشریف لے جاتے۔ مبارکپور کا تو شاید کوئی سنی خانوادہ حضرت کی کرم نوازی سے محروم ہو۔گھوسی، ادری، بھیرہ، محمد آباد، ولید پور، مئو، اعظم گڈھ تک دیندار مسلمانوں میں سے جوان سے برائے نام تعلق رکھنے والا شخص ہوتا وہ بھی حافظ ملت کی عیادت سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ دارالعلوم کے مدرسین وطلبہ، اراکین ومعاونین کی عیادت کرتے۔

دور طالب علمی میں جب میں مدرسہ قدیم میں رہتا تھا، ہمراہ لے کر جناب حاجی محمد عمر صاحب سابق ناظم اشرفیہ کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ حاجی صاحب کے صاحبزادگان نے دیکھا تو پہلے باہری بیٹھک میں حضرت کو عزت واحترام سے بٹھایا پھر اندرون خانہ لے جاکر حاجی صاحب سے ملاقات کرائی۔

ایک مرتبہ برسات کی اندھیری رات میں بعد عشا سکٹھی ایک حاجی صاحب کی عیادت کے لیے جانا ہوا۔ میں ہاتھ میں ٹارچ لیے آگے آگے چل رہا تھا اور حضرت عصا سنبھالے ہوئے جارہے تھے مبارکپور آبادی سے باہر نکلنے کے بعد کھیتوں کے کنارے مینڈ سے گزرتے ہوئے بارش کی وجہ سے بھیگی ہوئی مٹی سے پاؤں پھسلتا تو عصا کے سہارے حضرت فوراً خود کو سنبھال لیتے میں خود پھسل کر گرنے کے ڈر سے بغور آگے کا راستہ بھی دیکھتا تھا اور پیچھے حضرت کو روشنی بھی دکھارہا تھا، پھسلن کی جگہ میری رفتار سست ہوتی تو فرماتے میری فکر نہ کرو آگے چلو۔ اس تکلیف دہ راستے سے گزر کر حضرت جس اہم کام کے لیے سکٹھی جارہے تھے۔ وہ ایک مسلمان کی عیادت تھی۔

اسی دور میں ہم لوگ جب کبھی بیمار ہوتے تو حضرت ہماری خبر گیری فرماتے، دوا علاج کے لیے ہدایات فرماتے۔ اور دعا فرماتے۔

مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی لکھتے ہیں: دور طالب علمی میں ایک بار میں اشرفیہ میں بیمار پڑا۔کسی طرح حضرت کو معلوم ہوگیا۔اچانک دیکھتا ہوں کہ حضرت خلاف معمول نیچے میرے کمرے میں تشریف لارہے ہیں۔قریب آئے۔

حال پوچھا۔ ہدایت کی اور دعا دے کر تشریف لے گئے۔ (انوار حافظ ملت ص ۱۳)

اہل تعلق کی علالت کا حال سنتے تو ان کے حق میں دعا فرماتے اور حتی الامکان خود جا کر عیادت کرتے۔ بعض اوقات اس سلسلے میں طویل سفر بھی فرماتے۔ اگر چہ خود علیل ہوتے۔

ایک مکتوب کا جز ملاحظہ کریں۔

"برخوردار حافظ ممتاز حسین صاحب کی علالت کا تار پاکر ۳ر ستمبر اتوار کی شام کو بھوجپور پہونچا....... میری طبیعت مبارکپور ہی سے کچھ خراب تھی، صعوبت سفر سے بخار کھانسی کی شکایت ہوگئی۔ جلد صحت ہو تو واپس مبارک پور جاؤں۔ (مکتوب حافظ ملت بنام بکل اتساہی ۱۰ر ستمبر ۸۶ء از بھوجپور)

مولانا سید عزیز احمد شاہ سجادہ نشین خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ الہ آباد لکھتے ہیں:

"چند سال پہلے میری شدید بیماری کے موقع پر حافظ ملت خاص طور سے عیادت کو الہ آباد تشریف لائے تھے۔ جنہیں دیکھ کر میں نے بے پناہ تقویت کا احساس کیا تھا۔ میری صحت کامل کے لیے ان کی دعاؤں کا بھرپور فیض جاری رہا تھا"۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص)

مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی بیان فرماتے ہیں:

حافظ ابراہیم صاحب مبارکپوری مرحوم رشتے میں والد صاحب کے بھائی ہوتے ہیں۔ اکثر ہمارے گھر ان کی آمد ہوتی۔ بڑی محبت رکھتے تھے۔ ایک بار والد صاحب بیمار ہوئے، اور حافظ ابراہیم صاحب سے کہا کہ مبارکپور جا کر حافظ ملت سے دعائے شفا کرائیں۔ اور ہو سکے تو حضرت سے ایک تعویذ لے کر بھیج دیں۔ موصوف نے حضرت سے پیغام عرض کیا اور تعویذ بھیج دیا اس کے چند دنوں بعد حضرت کا محمد آباد گوہنہ ایک اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لانا ہوا۔ (مبارکپور سے براہ ابراہیم پور، محمد آباد جانے کے لیے راستہ میں خیر آباد سے پہلے دھرہرا گھاٹ پڑتا ہے جہاں سے اتر کر ٹونس ندی پار کر کے ہمارے وطن بھیرہ تک رسائی ہوتی ہے۔ ندی سے بھیرہ تک پیادہ تقریبا ۲۰ر منٹ کا راستہ ہے) اس دن اچانک حافظ ملت اور حضرت مولانا سید حامد اشرف صاحب غریب خانہ پر پہنچے میں اس وقت خیر آباد مدرسہ ضیاء العلوم میں زیر تعلیم تھا۔ آواز دی تو ننگے سر باہر نکلا۔ حضرت کو ناگہاں دیکھ کر سخت تعجب ہوا ملاقات کی۔ اور حضرت اندر تشریف لائے۔ فوراً والد صاحب بھی ملے۔ والد صاحب کو دیکھ کر فرمایا آپ کو صحت یاب دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ عیادت کے لیے محمد آباد کا رکشہ چھوڑ کر یہاں آگیا۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۸۷)

مولانا محترم ہی نے بیان فرمایا کہ ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ کا مہینہ تھا۔ جمشید پور مدرسہ فیض العلوم کے طلبہ شام کو کسی محلّہ میں قرآن خوانی کر رہے تھے۔ گھر کے باہر سے غیر مسلموں کا ایک جلوس گزرا۔ جلوس والوں نے طلبہ پر الزام لگایا کہ ان لوگوں نے ہمارے جلوس پر پتھر پھینکے۔ نتیجۃً پولیس نے صاحب خانہ اور طلبہ کو تھانے لے جا کر زدوکوب کیا اور بند رکھا۔ رات گئے اراکین ادارہ کو پتہ چلا تو وہ طلبہ کو تھانے سے چھڑا کر لائے۔ مدرسہ ہی میں زخمی طلبہ کی مرہم پٹی ہوئی اور علاج ہونے لگا۔ اس وقت حافظ ملت علیہ الرحمہ جمشید پور محلّہ جکسلائی میں مجلس گیارہویں کے سلسلہ میں تشریف

فرماتے۔خبر ملی تو تقریباً آٹھ میل دور سے طلبہ کی عیادت کے لیے فیض العلوم تشریف لائے اور انہیں تسلی تشفی دے کر کار آمد نصیحتیں فرمائیں۔

اسی طرح جلسے اور تقاریر کے سلسلہ میں جہاں بھی جاتے ۔ بیماروں کی مزاج پرسی اور عیادت فرماتے ۔تقریر وجلسہ کی لازمی مصروفیات کے علاوہ خارج وقت آپ اسی قسم کے اخلاقی وہمدردانہ کاموں میں صرف فرماتے ۔ اور بعض اوقات اس کے لیے کئی کئی کلومیٹر پیدل چلے جاتے ۔

مکتوبات حافظ ملت کا ایک بڑا حصہ عیادت، تعزیت، مبارکبادی، نصیحت اور ہدایت پر مشتمل ہے ۔

اسی سلسلہ میں بنام مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب علیہ الرحمہ چند مکتوبات کے تراشے ملاحظہ فرمائیں۔حضرت موصوف کی پہلی زوجہ کا وصال ہوا تو حضرت حافظ ملت تحریر فرماتے ہیں:

''مرحومہ مغفورہ غفرلہا المولیٰ الغفور الرحیم کے انتقال سے سخت صدمہ ہوا مشیت ایزدی وقضاء الٰہی میں چارہ نہیں''ولہ ما اعطی و ما اخذ و کل شی عندہ باجل مسمیٰ فلتصبر ولتحتسب'' خداوند کریم مرحومہ کو اپنے جوار رحمت اور آغوش کرم میں جگہ دے ، جنت الفردوس میں بہترین مقام عطا فرمائے آپ کو صبر جمیل اور اجر جزیل مرحمت فرمائے برخوردار مبین الہدیٰ سلمہ کو صبر دے بجائے آغوش مادری کے آغوش رحم وکرم میں پرورش فرمائے ۔

(اشرفیہ نمبر ص ۳۰۰)

محبّ محترم جناب چھوٹے صاحب کی علالت سے بہت افسوس ہوا مگر مژدۂ صحت بھی ساتھ ہی تھا جس سے اطمینان ہوا خداوند کریم ان کی یہ صحت دوامی صحت قرار دے اور بہ صحت وسلامتی آپ سب حضرات کو اپنی حمایت وحفاظت میں پناہ گزیں فرمائے آمین۔

حضرت بڑے صاحب زید مجدہم کی تکلیف دورہ کی شدت معلوم ہو کر صدمہ ہوا ان کی علالت سے بے حد افسوس ہے خداوند کریم شفائے عاجل وکامل عطا فرمائے اپنا خاص فضل فرمائے جلد صحت دے اور اطمینان بخشے آمین ثم آمین۔

آج آپ کا خط ملا اور اسی کے ساتھ حضرت بڑے صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کا تار ملا استرجعہ، حضرت موصوف کے انتقال سے بہت صدمہ ہوا مولائے نعیم وغافر اپنے جوار کرم میں مغفور ومقبول فرمائے جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے آپ صبر فرمائیں جملہ متعلقین کو صبر کی تلقین فرمائیں۔

حضرت سراج العلما علیہ الرحمہ کے والد گرامی حضرت مولانا شاہ نور الہدیٰ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد حضرت صدر الشریعہ کو لکھا۔

حضرت شاہ نور الہدیٰ صاحب قدس سرہ العزیز ۱۷ر جمادی الاولیٰ یوم پنجشنبہ ساڑھے پانچ بجے بوقت عصر راہی ملک بقا ہوئے موصوف کی وفات سے سخت افسوس ہے مولیٰ تعالیٰ غریق رحمت کرے ۔

اتباع سنت حضور حافظ ملت کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف ہے اور وہ صرف عیادت اور تعزیت تک ہی محدود نہیں بلکہ انہوں نے ہر گام پر اسے مدنظر رکھا وہ ایک ایسے متبع سنت ہیں کہ جس کی نظیر دور حاضر میں مشکل سے نظر آتی

ہے۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۳۰۱)

اہل سنت کے مشہور عالم مصنف اور شاعر حضرت مولانا صابر القادری نسیم بستوی تحریر فرماتے ہیں:

۱۹۴۹ء یا ۱۹۵۰ء میں میں نے دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں داخلہ لیا اس وقت کافیہ اور شرح تہذیب وغیرہ زیر درس تھیں۔ حضور حافظ ملت پرانے مدرسہ کی عمارت میں سکونت پذیر تھے۔ کم وبیش ایک سال میں بھی پرانے مدرسہ کے بیرونی کمرہ میں حضرت مولانا شاہد رضا خاں صاحب پیلی بھیتی اور حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب بھاؤپوری وغیرہم کے ساتھ رہا اس مدت میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا نظام زندگی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ حافظ ملت ایک وضعدار، بااصول اور عبادات ومعاملات میں بہت پابند عالم وبزرگ تھے۔ اکثر غریب ونادار طلبہ کی خاموشی کے ساتھ امداد واعانت فرمایا کرتے۔

میری طبیعت خراب ہوئی، کھانسی اور نزلہ کی شکایت تھی حضرت کو جب اس کا علم ہوا تو نہایت شفقت اور بے پناہ ہمدردی کے ساتھ پیش آئے اور معجون شاہی جو کھانسی کے لیے بیحد مجرب اور سریع الاثر دوا ثابت ہوئی ہے مجھے اس کی پوری شیشی عنایت فرما کر کہنے لگے۔

اس کو پابندی کے ساتھ استعمال کیجئے کھانسی اور نزلہ کی شکایت دور ہو جائے گی اور اس میں کھٹی اور بادی چیزوں سے پرہیز بھی ضروری ہے۔ اگر جاگیر پر اس کا انتظام نہ ہوسکے تو بلا تکلف کہہ دیجئے گا۔

حافظ ملت کی یہ شفقت وہمدردی دارالعلوم اشرفیہ کے تمام طلبہ کے لیے عام تھی۔ اس قسم کے ایک دو نہیں ہزاروں واقعات ہیں جن سے حضرت کی اخلاقی جامعیت اور حسن سلوک کی ہمہ گیری ثابت ہوتی ہے۔

(ماہنامہ اشرفیہ اپریل ۷۷ء ص ۳۰)

جناب بیکل اتساہی کی والدہ ماجدہ سخت علیل تھیں اور انہی دنوں بیکل صاحب کو پروگرام کے سلسلہ میں حضرت کے پاس ممبئی پہونچنا تھا حافظ ملت کو خبر ہوئی تو۔ انہیں تلقین لکھی۔

"بلاشبہ ایسی حالت میں سفر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ وقت ان کی خدمت گزاری کا ہے آپ جیسے فرزند سعید کا ایک لمحہ جدا رہنا بھی کسی طرح مناسب نہیں، ہم لوگ مخدومہ کے لیے دعا گو ہیں خداوند جل وعلیٰ اپنے محبوب علیہ الصلوۃ والتسلیم کے صدقہ میں ان کو شفا عطا فرمائے آمین"۔ (مکتوب حافظ ملت بنام بیکل اتساہی یکم محرم ۹۳ھ)

مگر افسوس اسی کے چند روز بعد موصوفہ خدا کو پیاری ہوئیں۔ حضرت کو پتہ چلا تو لکھتے ہیں:

"آج اخبار بینوں سے یہ خبر ملی کہ آپ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ اس حادثہ سے سخت صدمہ ہے (استرجعہ) خداوند کریم مرحومہ کو مغفور فرمائے۔ اپنے جوار رحمت خاص میں جگہ دے۔ جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آپ کو اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

بیکل صاحب آپ صبر کریں۔ متعلقین کو صبر کی تلقین کریں۔ حکم ربی اور مشیت ایزدی میں بجز صبر چارہ نہیں۔ بلا

شبہ آپ کے سر سے یہ سایہ کرم ایک نعمت عظمیٰ (اٹھ گئی) لیکن دنیا میں آدمی ایک متعین عمر لے کر آتا ہے جس کو پورا کرنے پر جانا ضروری ہے۔ یہ وہ منزل ہے کہ یہاں ایسی مجبوری ہے جس کا کوئی بدل نہیں، علاج نہیں بجز صبر چارہ نہیں۔ میری طرف سے مخدومہ مرحومہ کو... (غیر واضح) قرآن مجید کا ہدیہ ایصال ثواب ہے مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے۔

(مکتوب حافظ ملت بنام بیکل اتساہی ۶ رمحرم ۱۳۹۳ھ از مصطفیٰ بازار ممبئی)

اس کے دو سال بعد حضرت بیکل اتساہی کے سر سے ان کے والد ماجد کا سایہ بھی اٹھ گیا۔ حضرت کو اطلاع ہوئی تو فوراً لکھا۔

''آج تار ملا حضرت والد صاحب کے انتقال سے صدمہ ہوا (استرجعہ) ''لہ ما اعطی ولہ ما اخذ و کل شی عندہ باجل مسمی فلتبصر ولتحتسب'' دنیا میں ہر شخص معین وقت لے کر آتا ہے پورا ہونے پر جانا ضروری ہے۔ مرحوم کا وقت پورا ہو گیا۔ مشیت ایزدی میں مجال دم زدن نہیں۔ آپ صبر کیجیے۔ متعلقین کو تلقین صبر، میں دعا کرتا ہوں۔ مولائے کریم حضرت مرحوم کو مغفور فرمائے۔ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ کو اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل مرحمت فرمائے۔ سب متعلقین کو تعزیت و سلام مسنون'' (مکتوب حافظ ملت بنام بیکل اتساہی ۷ رشعبان ۹۵ھ)

۱۷ رجمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ کو مولانا عبد اللہ خان صاحب کی والدہ ماجدہ فوت ہوئیں۔ بذریعہ خط مولانا نے حافظ ملت کو اس المناک واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت کو مولانا کا خط درسگاہ میں موصول ہوا۔ پڑھ کر بعد درس فوراً ناوڈیہہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اپنی والدہ ماجدہ کی مختصر علالت کے بعد یک بیک انتقال سے مولانا موصوف نہایت غمگین تھے حضرت نے ایک شب قیام کیا۔ میلاد شریف ہوا۔ صبر و شکیب کی تلقین فرمائی۔ مرحومہ کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ دوسرے روز وہاں سے مبارکپور کے لیے لوٹے۔

استاذ القرا حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب سابق ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ ارشاد فرماتے ہیں:

حافظ ملت کے کردار کی جزئیات میں سے ہر ایک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا عکس جھلکتا ہوا نظر آئے گا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں ہر ایک کی دلی خواہش ہوا کرتی کہ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد کاش رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ پڑھا دیں تو سکون و طمانیت کا بہت بڑا ذریعہ ہوگا اور رحمت الٰہی آغوش میں لے لے گی۔ کیوں نہ ہو خود خالق کائنات نے فرمایا ہے۔ ''وصل علیھم ان صلاتك سکن لھم'' اے حبیب اپنے فدا کار صحابہ کی نماز جنازہ پڑھایئے آپ کا نماز جنازہ پڑھانا ان کے لئے راحت و سکون کا باعث ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی رسول کا انتقال ہوا۔ رات کا وقت تاریکی پورے طور پر مسلط تھی۔ لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ اس وقت اگر سرکار کو اطلاع دی جائے تو ضرور تشریف لائیں گے مگر تشریف لائیں تو تکلیف ہوگی اس بنا پر بغیر اطلاع دیئے ہوئے تجہیز و تکفین کر دی گئی صبح کو رحمت مجسم سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو بے حد تکلیف ہوئی

بار بار فرماتے مجھے کیوں نہیں اطلاع دی گئی ۔ اس کے بعد ان صحابی کی قبر پر تشریف لے گئے ۔ فاتحہ پڑھی اور دعائے مغفرت فرمائی۔

اپنی علالت میں نماز جنازہ پڑھائی:۔

اس خصوص میں حافظ ملت کے کردار کا جائزہ لیجئے خواہ تکلیف ہو یا آرام ۔ دن کا اجالا ہو یا رات کی تاریکی، اپنی تکلیف کی پرواہ کیے بغیر ہر شخص کی خواہش کی تکمیل آپ کی زندگی کا معمول تھا۔ محلّہ پورہ باغ کے ایک شخص حاجی سلامت صاحب کا انتقال ہوا۔ جاڑے کا موسم جاڑے کی سخت تاریک رات تھی ۔ آپ شدت بخار میں مبتلا کروٹیں بدل رہے تھے۔ کچھ لوگ تقریبا ایک بجے رات کو آئے اور بتایا کہ حاجی صاحب موصوف کا انتقال ہوگیا ہے اورانہوں نے نماز جنازہ پڑھانے کے واسطے حضرت کے لیے وصیت کی ہے ۔ یہ سننا تھا کہ گویا ساری تکلیف کافور ہوگئی ۔ اسی عالم میں لوگوں کے ہمراہ تشریف لے جا کر نماز جنازہ پڑھائی ۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۳۶)

شدت گرما میں املو جا کر نماز جنازہ پڑھائی:۔

مبارکپور محلّہ پرانی بستی، قیامگاہ حافظ ملت سے ایک کلومیٹر کی دوری پر موضع املو میں ایک شخص کا انتقال ہوا مرحوم نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازے کی نماز حافظ ملت (علیہ الرحمہ) پڑھائیں سخت گرمی، چلچلاتی دھوپ کا موسم تھا۔ اوردوپہر کا وقت۔ اس دور میں قصبہ کے اندر سواری کا تو نام ونشان بھی نہیں تھا۔ خبر پاتے ہی ایک مسلمان کی وصیت پوری کرنے کے لیے پیادہ پا املوتشریف لے گئے ۔

نماز جنازہ کے بعد میت کے اہل خانہ کو گھر جا کر تسلی تشفی دیتے ۔۔۔ اور اگر کسی مسلمان کے جنازہ میں شرکت نہ ہو پاتی، بعد میں اطلاع پاتے تو بھی تعزیت کے لیے تشریف لے جاتے ۔ برادر مکرم مولانا محمد احمد مصباحی جن کا آبائی وطن بھیرہ ہے ۔ ان سے قبل ان کے آٹھ نو بھائی بہنوں کا کمسنی میں انتقال ہوا۔ اور ہر بچہ کی خبر رحلت سن کر حافظ ملت ان کے گھر تشریف لے گئے اور والدین کو تسلی و تشفی دی ۔

خوشیوں کے شریک:۔

حافظ ملت صرف اپنے اہل خانہ وخانوادہ ،رشتہ داروں، تلامذہ اور پڑوسیوں کے غم اور خوشی کے شریک وسہیم نہیں تھے بلکہ ان کا دائرہ اخلاق نہایت وسیع تھا آپ سے جو بھی تعلق رکھتا آپ اس کے اہل خانہ کی شادی بیاہ نیز تقریبات پر پیغامات ومبارکبادیاں پیش کرتے تحفے دیتے ملاقاتیوں سے اس کے گرد وپیش کے علما، تلامذہ اور بزرگوں کی خیریتیں دریافت کرتے۔ کسی کی علالت کا علم ہوتا تو عیادت کو حتی الامکان خود جاتے یا عیادت نامہ تحریر کرتے ۔ کسی کے انتقال کی خبر ملتی تو تعزیت کو جاتے ۔ علماء کرام اکابر ملت میں سے کسی کے وصال کی خبر پاتے تو بیقرار ہوجاتے ۔ اس وقت ان کی کیفیت کسی ایسے انسان جیسی ہوجاتی جس کا کوئی قیمتی سرمایہ چھن جائے ۔ چہرہ زرد، جبیں پر تفکر، آنکھیں پرنم۔

اسی طرح اہل تعلق کی خوشیوں پر مبارکباد پیش کرتے۔

بیکل صاحب کے گھر فرزند کی ولادت پر مبارکبادی کا خط ان الفاظ مبارکہ پر مشتمل ہے۔

''آج تہنیت نامہ حاضر ہے فرزند سعید کی ولادت مبارکباد۔ مولائے کریم کا بے شمار شکر و احسان۔ اس کے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے آپ کو فرزند عطا فرمایا۔ خداوند قدوس اس نور چشم کو عمر خضری وطالع اسکندری عطا فرمائے۔ علم وعمل کی لازوال دولت سے سرفراز فرمائے۔ آپ کے گھر کا چراغ بنائے، اپنی حفاظت وحمایت کے ظل کرم میں پروان چڑھائے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم'' (انوار حافظ ملت ص ۹۶)

راقم الحروف کی شادی والدین کریمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے جناب علیم الدین بن صوفی علی رضا کی صاحبزادی سے ۷ رمئی ۱۹۷۴ء کو طے کی اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں نکاح پڑھانے کی درخواست لکھی۔ حضرت ان دنوں سفر میں تھے۔ واپسی کے بعد والد مرحوم کو تحریر فرمایا۔

مکرم ومحترم جناب حافظ محمد رمضان صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ۔ مزاج شریف! طویل سفر کی واپسی پر آج ۱۴ رمئی کو شادی کا کارڈ نظر نواز ہوا۔ ۸،۹ رمئی ٹاٹا کے سفر میں گزری۔ بعدہ بالا بالا گھوسی وغیرہ کے پروگرام پر رہا۔ آج ۱۴ رکو واپسی پر ڈاک دیکھی تو عزیز مکرم مولانا بدر عالم صاحب سلمہ کی شادی کا دعوت نامہ پڑھا۔ مسرت ہوئی۔ وقت گزر گیا۔ میری مخلصانہ دعا ہے کہ خداوند کریم محبّ محترم جناب مولانا بدر عالم وعزیز مکرم جناب ارشاد احمد صاحب سلمہ کی شادی خانہ آبادی ہمیشہ کی خوشی ومسرت کا باعث ہو۔ انجام بخیر ہو۔ مولیٰ تعالیٰ اس سنت کریمہ کے برکات وحسنات سے طرفین کو مستفیض فرمائے۔ (آمین)

آپ کو اور جملہ احباب واعزا کو مبارکباد　　　والدعا والسلام　　　عبدالعزیز غفرلہ

(مکتوب حافظ ملت بنام حافظ محمد رمضان مرحوم گھوسی ۱۴ رمئی ۷۴ء)

جن سے تعلق رکھتے انہیں تو انہیں ان کے متعلقین کی بھی خبر گیری فرماتے۔ مولانا محمد احمد مصباحی فرماتے ہیں:۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ جمشید پور تشریف لے جاتے تو علامہ ارشد القادری کے بچوں کو کم وبیش ایک ایک دو دو روپیہ ہر ایک کو ضرور دیتے۔ اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا۔ مولانا محمد احمد مصباحی کے بیان کے مطابق کئی سال علامہ موجود نہیں تھے۔ (ملک کے باہر دینی کاموں میں مصروف تھے) مگر حضرت کا سلوک اپنی جگہ برقرار رہا۔ ایک بچی جو ذرا ہوشیار ہوگئی تھی ڈر کی وجہ سے سامنے نہیں آئی تو حضرت اسے بھولے نہیں۔ چلتے چلتے اسے بلوایا اور دیا۔ واپسی پر اس نے قدم پر ہاتھ رکھ کر چومنا چاہا۔ تو حضرت نے سخت ناگواری ظاہر کی۔ اور اس کے بڑے والد (حضرت مولانا غلام آسی ابوالعلائی قادری مدظلہ) کا نام لے کر فرمایا۔ کہ تم لوگوں نے یہ وہیں سے سیکھا انہوں نے تمہاری عادت بگاڑ دی۔

(انوار حافظ ملت ص ۱۵)

کفایت شعاری اور سخاوت:۔

فضول خرچی بھی آج کل داخل تہذیب ہے وہ بھی بایں طور کہ اپنی ذات کے آرام و آشائش کے لیے تو جتنا بھی صرف ہوجائے کم ہے۔مگر کسی دوسرے اہل حاجت کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

حضور حافظ ملت کا یہ عالم تھا کہ ان کے ذاتی وشخصی اخراجات وہی نپے تلے تھے جو شروع سے متعین تھے۔مگر حضرت اپنے اہل خانہ، متعلقین کے علاوہ حاجت مندوں (طلبہ، علما، ہمسایہ وغیرہ۔کے لیے) دست سخا ہمیشہ دراز رکھتے۔ اکثر دوسروں کو آرام پہونچانے کے لیے خود کو تکلیف میں ڈال دیتے، مصائب وآلام کے سائے میں گزری ہوئی حیات حافظ ملت ہی ان کی پختگیٔ کردار کی علامت ہے۔

تری نگاہ مصائب کی دھوپ میں تپ کر
خود اپنے رنگ میں دنیا کو ڈھال سکتی ہے
کچھ اور دیر بھڑک جائے گر یہ پیاس تری
پہاڑ کاٹ کر چشمے نکال سکتی ہے

حضرت اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے دوسروں پر خرچ کرکے خوشی محسوس کرتے تھے۔ وہ حضرات جن پر حافظ ملت کا ابر کرم برستا تھا، ان کا دائرہ بہت وسیع تھا۔حضرت کے وصال کے بعد، شہزادۂ گرامی حضرت عزیز ملت قبلہ کی مہربانی سے راقم الحروف کو حضرت کی پرانی ڈاک کی ایک گھڑی ملی تھی۔جس میں ملک بھر کے اہل تعلق کے خطوط تھے۔ان میں متعدد سفید پوش علما اور خدام دین کی ایسی تحریریں اور تشکر نامے تھے حافظ ملت جن کی مدد فرمایا کرتے تھے۔

جو شخص غیروں کا اتنا غمگسار، ہمدرد اور مددگار ہو۔اپنوں کے ساتھ اس کے حسن اخلاق کا کیا عالم ہوگا بتانے کی ضرورت نہیں۔

حضرت کے چھوٹے بھائی جناب حافظ عبدالرشید صاحب مرحوم کا بیان ہے:

حافظ ملت کی عادت ہے کہ گھر پر ہم لوگوں کو کوئی سامان یا کھانے پینے کی چیز لاکر دیا کرتے ہیں اور انکار کرنے پر اصرار کرکے فرماتے ہیں کہ

''ملتے کو انکار نہیں کرتے''

انہوں ہی نے یہ بھی فرمایا:

''انہوں (حافظ ملت) نے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دی۔ خدا ان کا سایہ دراز فرمائے ہمیں ان کا صدمہ نہ دکھائے۔ ہمارے بہت بعد تک انہیں باقی رکھے''۔ (انوارص۵)

ایک روز حافظ ملت کے سامنے دستر خوان پر ایک ہی روٹی تھی۔ دروازہ پر سائل نے صدا لگائی۔''خدا کے نام پر روٹی کھلادو بابا'' آپ نے آدھی روٹی فقیر کے حوالے کردی اور آدھی روٹی کھا کر شکر ادا کیا۔ پاس کھڑا ایک طالب علم حیرت سے دیکھنے لگا۔تو فرمایا۔شیخ سعدی نے لکھا ہے۔

نیم نانے گر خورد مرد خدا
بذل درویشاں کند نیم دگر

تو بتایئے ہم لوگ تو اسے پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ اگر ہمارا ہی عمل اس کے خلاف ہوگا تو عمل کون کرے گا؟
خود تحریر فرماتے ہیں: ”الٰہی عظمتوں اور خدا کی رفعتوں کے سامنے سر نیاز جھکانا ہی شان بندگی ہے اس مالک و مولا تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی نیاز مندی اور قربانی پیش کرنا ہی سرمایۂ عبودیت ہے عبد و معبود کا رشتہ وعلاقہ وہ ہے کہ جان ومال عزت وآبرو ہر چیز کی قربانی کی جاسکتی ہے معبود حقیقی کی رضا وخوشنودی کے لیے قربانی بندہ کی سرفرازی وسربلندی ہے۔
(معارف حدیث ص۱۳۴)

مسیحاے مبارکپور:۔

اہل مبارکپور پر جب بھی کوئی پریشانی کا وقت آتا حافظ ملت ان کے غمگسار، دکھ کے ساتھی اور ہمدرد ہوتے۔ وبائی امراض کے زمانے میں جب کہ ہیضہ، طاعون، اور اسی قسم کی دیگر متعدی بیماریوں کا حملہ ہوتا تو آبادیوں میں موت کا سناٹا چھا جاتا۔ ایسے موقعوں پر مبارکپور کے سن رسیدہ بزرگوں سے یہ روایتیں سنی گئیں کہ جب بھی مبارک پور یا اس کے قرب وجوار میں کسی وبائی مرض کا زور ہوا۔ لوگوں نے انہیں ایک بجے۔ دو بجے رات میں آبادی کے گرد اگرد آتے جاتے دیکھا۔
مولانا اسلم صاحب عزیزی بیان کرتے ہیں کہ ان کی طالب علمی کے زمانہ میں ایک بار کالرہ کا وبائی مرض محلّہ کٹرہ وغیرہ میں شروع ہوگیا تھا تو اس وقت حضرت حافظ ملت نے وبائی امراض کے تعویذات خود لکھ کر اور دوسرے اساتذہ سے لکھوا کر متاثرہ علاقوں میں تقسیم کرایا تھا۔
تعلیمی کانفرنس ۱۹۷۲ء کے موقع پر جب کہ مسلمانان اہل سنت آبادی سے باہر میدان کانفرنس میں ہوں گے۔ اس وقت قصبہ کی حفاظت کے لیے کوئی بھی انتظام کرنا چاہئے۔ یہ بات کانفرنس کی تیاری کے دوران ایک میٹنگ میں درپیش ہوئی۔ مگر کانفرنس کا کام خود اتنا وسیع اور متنوع تھا کہ اس جانب لوگوں کو خیال کرنے کا وقت نہیں ملا۔ مگر حافظ ملت کو مبارکپور کی آبادی کی حفاظت کا پورا خیال تھا، چنانچہ کانفرنس سے چند روز قبل لوگوں نے آپ کو آدھی رات کے بعد قصبہ کے باہر تنہا حصار کرتے ہوئے دیکھا۔
جناب قاری محمد حسین صاحب اعظمی خطیب جگسلائی مسجد جمشید پور جن دنوں حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ساتھ طلب علم کے سلسلہ میں قیام کرتے تھے ان دنوں کا ذکر کرتے ہیں:۔
”ایک بار مبارکپور میں کاروبار پر سخت انحطاط آیا۔ یوں تو کساد بازاری ہوتی رہتی تھی، لیکن اس وقت مندا اتنا زیادہ تھا کہ بہت سے گھروں میں فاقہ کی نوبت آگئی تھی۔ لوگ طرح طرح کی پریشانیوں سے دوچار تھے۔ کچھ لوگ حضرت کے گھر تنہائی کے وقت آتے۔ حضرت ان کی سقیم حالت دیکھ کر سمجھ جاتے۔ اور کچھ کہے بغیر اندر سے دال چاول وغیرہ اور کچھ نقد لاکر چپکے سے دے دیتے۔ یہ معاملہ میں نے بہت سے لوگوں کے ساتھ دیکھا، اور بارہا دیکھا۔۔۔ حافظ ملت کا یہ سلوک ایسا تھا جس سے پاس پڑوس کے لوگ اور لینے والوں کے قریبی آشنا بھی واقف نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے کہ حافظ ملت تو اسے کبھی زبان پر لا ہی نہ سکتے تھے ہر طرح اخفاہی کی کوشش کرتے اور لینے والے بھی اپنی عزت

کے خیال سے اس کا ذکر نہیں کر سکتے تھے۔ خود میں اگر گھر کے ایک فرد کی طرح وہاں قیام پذیر نہ ہوتا تو مجھے بھی اس کی کوئی خبر نہ ہوتی۔ (انوار حافظ ملت ص ۱۴،۱۵)

بلاوجہ ناراض نہ ہوئے:

احباب واہل تعلق سے دینی وشرعی اور اخلاقی وجوہات کے علاوہ کسی وجہ سے اظہار ناراضگی نہ فرماتے۔ ایک بار کافی عرصہ تک حضرت کا کرمنامہ نہ ملنے پر کسی خط میں میں نے لکھ دیا کہ شاید حضرت مجھ سے ناراض ہیں۔ فوراً جواب آیا اور اپنی مصروفیت تحریر فرمانے کے بعد لکھا کہ

''آپ جیسے لوگوں سے ناراضگی کا خیال بھی خواب وخیال ہے''

حضرت بیکل اتساہی کو کسی ایسی ہی صورت حال کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''آج آپ کا خط ملا جس میں لکھنؤ کا ذکر کرتے ہوئے میری ناراضگی کا شبہ ظاہر کیا ہے۔ آپ قطعا مطمئن رہیں۔ آپ جیسے پیکر اخلاص سے نہ میں کبھی ناراض ہوا نہ ہوں نہ ہوسکتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ہمارے میزبان خاں صاحب بڑے ہی نفیس نہایت قابل قدر شخص ہیں مولا تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ ہمیشہ بصحت وسلامتی مع متعلقین کے شاد وآباد رکھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ کو صحت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین'' (مکتوب حافظ ملت بنام بیکل اتساہی ۲؍ربیع الآخر ۸۶ھ)

مظلومین کی امداد:۔

ہندوستان انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہونے کے بعد متواتر باہمی آویزشوں کا شکار ہے۔ اور ملکی سالمیت کے دشمن، شرپسند فاسسٹ جماعتیں ہمیشہ یہاں مذہبی منافرت انگیزی اور علاقائی تعصب خیزی کے ذریعہ بالخصوص مسلمانوں پر ظلم وستم کر رہی ہیں آئے دن مسلم کش فسادات ہوتے ہیں جن میں مسلمانوں کا زیادہ ترجانی ومالی نقصان ہوتا ہے۔ اور اب تو ہندوستان کا مسلمان ان مظالم کا عادی ہو چکا ہے۔ بھاگلپور، ملیانہ، احمد آباد، سورت وغیرہ کے فسادات نے تو بین الاقوامی سطح پر ہندوستان میں مسلم کشی کو مشہور کر دیا ہے۔ حافظ ملت کے دور میں بھی فسادات ہوتے تھے۔ اور جب بھی کہیں ایسا ہوا۔ حافظ ملت اور ان کے تلامذہ نے مظلوم مسلمانوں کی باز آباد کاری اور مسلمانوں کی دادرسی کے لیے اپنی مساعی صرف کیں۔ جمشید پور وغیرہ کے فسادات کے لیے حضور حافظ ملت نے خود اپنے قریبی حلقوں کو خطوط کے ذریعہ مظلومین کی امداد پر کمربستہ کیا۔ چنانچہ اپنے ایک شاگرد رشید حضرت مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب سجادہ نشین آستانہ بیت الانوار گیا کو تحریر فرماتے ہیں:

''آپ سے گزارش ہے کہ اس طرف توجہ فرمائیں اور اپنے حلقہ اثر میں احباب کو مظلومین کی امداد کی طرف مناسب طریقہ سے متوجہ فرمائیں اگر چہ یہ تکلیف دہی آپ کے شایان شان نہیں۔ اسی لیے اب تک عرض نہیں کیا تھا۔

(حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ ص ۳۰۲)

سیلاب زدگان کی مدد:۔

اسی طرح ۱۹۵۵ء/ ۵۶ء کے تباہ کن سیلاب کے موقع پر حافظ ملت، ان کے رفقا مدرسین اوراراکین اشرفیہ نے سیلاب سے متاثر ہوکر تباہ وبرباد ہونے والوں کی جس طرح مدد کی وہ خدمت خلق کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔اس سیلاب کی تباہ کاریوں کی داستان ہزاروں چھوٹی بڑی دیہی بستیوں کی بربادی کی صورت میں ظاہر ہوئی حافظ ملت اوردارالعلوم اشرفیہ کے مدرسین و متعلقین نے اس موقع پر بلا امتیاز مذہب وملت ہر انسان کی ، غلے، کپڑے اورضروریات زندگی کی لازمی اشیاء سے دل کھول کر مدد کی ۔ مدرسین اور طلبہ نے کشتیوں کے ذریعہ خطرناک مقامات پر پھنسے ہوئے لوگوں کی جانیں بچائیں۔ اورشب وروز محنت کر کے نشیبی علاقوں کے باہر باندھ تیار کرنے میں مدد دی ۔اس موقع پر محلّہ کٹرہ کی صورتحال پر علامہ شرر مصباحی روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’’۱۹۵۵ء کے ہولناک سیلاب کوکون بھلاسکتا ہے۔آج بھی اس کے تصور سے کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، اور موت سر پر منڈلانے لگتی ہے محلّہ کٹرہ چاروں طرف سے پانی میں گھر گیا تھا۔اور یہ خطرہ تھا کہ اگر پانی فٹ دوفٹ اوراونچا ہوا تو پورا محلّہ جل تھل ہوجائے گا۔ اثاثے تباہ ہوجائیں گے۔ اوراس میں دیر بھی کیا تھی ۔ جو پانی ٹونس ندی سے پھیلتا ہوا قصبہ تک آچکا تھا۔گھر کی دیواروں سے ٹکرانے لگا تھا۔ اس کوفٹ دوفٹ اور بڑھنے میں کیامانع تھا۔ اس قیامت خیز اور نفسی نفسی کے عالم میں قریب تھا کہ اہل محلّہ کسی محفوظ مقام پر منتقل ہونے کا ارادہ کرتے ۔ یکا یک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی کہ حافظ ملت آگئے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ لوگوں کی آنکھیں اشک برسانے لگیں اور دلوں میں ایک غیرشعوری اطمینان جنم لینے لگا۔ حافظ صاحب میرے غریب خانے پر آئے شیروانی اتار کر مولوی مشاہد رضا (ابن شیر بیشۂ اہل سنت) کو دی اور والد محترم سے کہا۔عبدالسمیع صاحب پھاوڑا ہوتو مجھے دے دیجئے ۔ اتنا سننا تھا کہ موقع پر موجود لوگ خود پر قابو نہ پاسکے ۔اور زاروقطار رونے لگے۔ گھگھیاں بندھ گئیں۔لوگوں نے بندھی آوازوں میں کہا۔حضور آپ آگئے ہیں۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔آپ دعا فرماتے رہیں۔ شاید حافظ ملت نے گھر پر آتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ صحن کو پاٹ پاٹ کر اونچا کیا گیا ہے ۔وہ خود بھی ہاتھ بٹانا چاہتے تھے۔ بہر حال سیلاب کا زوراسی دن ٹوٹ گیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ پانی دریا کے پیٹ میں چلا گیا ایسی نازک گھڑی میں جب کہ اہل محلّہ کی جان کے لالے پڑے تھے۔اور قریب تھا کہ لوگ محلّہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے ۔ حافظ ملت اپنی جان عزیز کی پرواہ کیے بغیر موت کے منہ میں چلے آئے تھے۔ (حافظ ملت افکار اور کارنامے ص ۱۰۵)

مولانا محمد احمد مصباحی راوی ہیں:۔

مولانا قاری محمد حسین اعظمی امام جامع مسجد جگسلائی جمشید پور نے فرمایا:

’’جب میں اشرفیہ میں زیر تعلیم تھا، ایک وقت والد صاحب نے خانگی پریشانیوں کی وجہ سے، مجھے تعلیم چھوڑنے کے لیے کہا۔لیکن حافظ ملت کو معلوم ہوا تو انہوں نے تکمیل کا حکم دیا۔ اور میری کفالت خود اپنے ذمہ کرلی بعد میں والد صاحب نے میری شادی کردی کہ شاید اس وجہ سے ترک تعلیم پر مجبور ہو، مگر حافظ ملت نے میرے ساتھ میری اہلیہ کے

اخراجات کا بھی ذمہ لے لیا۔ اور کئی سال یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ میری فراغت ہوگئی۔ (انوار حافظ ملت ص ۱۴)

ہر شخص سمجھتا کہ میں ہی مقرب ہوں:۔

حاجی محمد حسین مبارکپوری سے سنئے۔

''حضرت کے وصال کے بعد بہت ایسے مواقع آئے۔ جب خلوت وجلوت میں ان کا سراپا تصور کے آئینے میں ابھرا۔ اور میں نا معلوم احساس سے بلک پڑا۔ دل میں اک درد اٹھا آنکھ میں آنسو بھر آئے۔ بیٹھے بیٹھے مجھے کیا جانے کیا یاد آیا کیا میں یتیم ہوگیا۔؟ یتیم تو کئی سال پہلے ہو چکا تھا۔ مگر حافظ ملت کی شفقت اور پدرانہ محبت نے مجھے یتیمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ ان کی محبت اور پیار میرے ساتھ اور میرے بڑے بھائی حاجی غلام حسین کے ساتھ ہی نہیں گھر کے ایک ایک فرد کے ساتھ بالکل گھریلو اور مشفقانہ تھا۔ حضرت نے ہمیشہ اپنی خصوصی توجہات سے نوازا۔ میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں کہ صرف میں ہی وہ خوش نصیب ہوں جسے حضور حافظ ملت کا سب سے زیادہ پیار ملا۔ ان کا اخلاق اور ان کی محبت تو اپنے پڑوسیوں میں سے ہر ایک کے لیے عام تھی اور ہر شخص انہیں اپنے گھر کے افراد میں سب سے اہم فرد سمجھتا تھا۔ وہ اکیلے تھے مگر ہزاروں انہیں اپنوں میں کا ایک سمجھتے تھے۔ اور لوگوں کے ساتھ ان کے ظاہری وباطنی تعلقات نہایت مخلصانہ اور ہمدردانہ تھے۔ جس کی تفصیل ہر پڑوسی خود بتا سکتا ہے۔ مگر مجھے ان کی ذات سے جتنا کرم جتنی مہربانی اور جتنی محبت ملی وہ ناقابل بیان ہے ... حضور حافظ ملت جب مبارک پور تشریف لائے تو وہ میرے بچپن کا زمانہ تھا جب ہوش سنبھالا تو حضرت کو جانا پہچانا۔ ابتدائی دور میں کھیلتے کودتے بچوں کے جھنڈ میں میں بھی ہوتا۔ اتنا یاد ہے کہ حضرت کا گزر جب ہم لوگوں کے پاس ہوتا تو ہم لوگ اپنا کھیل تماشا چھوڑ چھاڑ کر ایک طرف کھڑے ہوجاتے اور سب کی زبان سے نکلتا۔ مولانا ابا! السلام علیکم۔ حضرت ہم لوگوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت فرماتے۔ بچپن میں حضرت کو سلام کرنا اور ایک طرف کھڑے ہوجانا۔ اپنے ساتھی بچوں کو دیکھا دیکھی تھا یا اور کسی لاشعوری طور پر یہ کام ہم سے سرزد ہوتا تھا۔ مگر جب ہوش کی آنکھیں کھلیں تو دیکھا کہ حضرت جس راہ سے گزرتے ہیں لوگ راستہ دینے کے لیے خود کنارے ہوجاتے ہیں''۔

(حافظ ملت میری نگاہ میں ص ۱۸، ۱۹)

دوستوں کی پریشانی سے پریشان ہوتے:۔

حافظ ملت اپنے احباب اور اہل تعلق کی خوشیوں کے ساتھی ہی نہیں تھے بلکہ ان کی ہر تکلیف اور پریشانی میں غمگسار بھی تھے۔ جناب بکل صاحب ایک بار ایک کار میں سفر کر رہے تھے۔ کنارے پر بیٹھے تھے۔ چلتی کار کا دروازہ کھل گیا۔ مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان کہ بکل صاحب کو کوئی زیادہ جسمانی گزند نہیں پہونچا۔ حافظ ملت کو اطلاع ہوئی تو تحریر فرماتے ہیں۔

''آپ کی صحت سے بے اندازہ مسرت ہے آپ کو اور آپ کے تمام احباب کل متعلقین کو مبارکباد۔ مولائے کریم کا ہزار بلکہ بے شمار شکر واحسان کہ اس نے آپ کی حفاظت فرمائی اور صحت بخشی۔ خداوند قدوس ہمیشہ اپنی حفاظت میں

رکھے۔ دین متین کی ممتاز ونمایاں بیش از بیش خدمات انجام دلائے ۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ آج مبارکبادی کا تار بھی حاضر کیا ہے، ملا ہوگا۔ اشرفیہ کے پورے اسٹاف وارا کین ومسلمانان مبارکپور کی طرف سے مبارکباد۔

سواری کے خطرہ سے محفوظ رہنے کے لیے، یہ دعا نہایت مجرب ہے ۔ گویا خطرات سے تحفظ کی ضمانت ہے ۔ اور بلا شبہ کلام حق کا ضرور ضرور یہی اثر ہے شرط یہ ہے کہ ہر سواری پر سوار ہوتے وقت اس کو ضرور پڑھے ۔ صرف ایک ہی بار پڑھنا کافی ہے سواری خواہ رکشہ ہو، یکّہ ہو، کار ہو، موٹر ہو، ریل ہو، ہوائی جہاز ہو، بحری جہاز ہو، پالکی ہو، جس قسم کی سواری ہو جب سوار ہو ایک بار ضرور پڑھے ۔ دعا یہ ہے: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم اٰمنت باللہ وتوکلت علی اللہ سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الیٰ ربنا لمنقلبون“

(مکتوب حافظ ملت بنام بیکل اتساہی ۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ)

ایک نرم خو، با اخلاق انسان کی فطرت سلیمہ سے دنیا اور دنیا والوں کو جو خیر وخوبی نصیب آسکتی ہے ۔ وہ قوم وملت کو حافظ ملت سے بھی ملی ۔ اس بارے میں بڑے دلنشین پیرائے میں شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی کے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر محبّ الحق قادری اظہار خیال فرماتے ہیں:

اسلام کی فطرت سلیمہ کے مانند اس بندۂ مومن میں رب کائنات نے اتنی لچک دی تھی کہ اس کے عزم وحوصلوں کو جتنا دبایا گیا وہ اتنا ہی ابھرتا گیا اور اس قدر ابھرا کہ خاکدان گیتی پر ایک ایسا مبارک گوشہ بنا گیا جو رشک جہاں ہے، ایسا جہانِ رنگین کہ اس کے شب وروز اور شام وسحر کا ہر لمحہ قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دلنواز سے گونج رہا ہے ۔ اور دیدۂ کور کے لیے وہاں کا ذرہ ذرہ سرمہ بصارت ہے کہ حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اولاد، خویش واقرباء کے لیے کچھ نہیں کیا۔ بلکہ اس سچے شیدائی اسلام نے عمر عزیز اور عزیز اولاد کو اس قلعہ معلیٰ کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اس مرکز میں مہمانان رسول شائقین نونہالوں کی انجمن صدا بہار، وارثین انبیاء کا ہجوم ۔ وہ درسگاہ جس سے تلقین غزالی اور درس حنفی کا رس گھلتا ہوا نظر آتا ہے اور کیوں نہ ہو؟

ولایت، بادشاہی، علم اشیا کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں

(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر)

ہر طبقہ فیض یاب:۔

استاذ محترم حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ جنہوں نے کم از کم سال کی تین دہائیاں حافظ ملت کی صحبت میں گزاری تھیں موصوف نے ان کے فیضان عام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

”موجودہ صدی میں مسند علم ودانش سے کتاب وسنت کی نقیب ایک ایسی شخصیت ابھری جو ابھرتی ہی گئی یہاں

تک کہ آسمان سنیت پر چھاگئی ۔ پھر وہ وقت آیا کہ اس ہستی کی عبقری شان دن کے اجالے کی طرح دنیا کے سامنے اجاگر ہوگئی ۔ اور قوم نے حافظ دین وملت کا موقر خطاب دے کر اعتراف حقیقت کیا۔ آپ کی فیض بخش ذات بابرکات اگر چہ مجمع کمالات تھی لیکن ان تمام کمالات کا تجزیہ کیا جائے، تو دین کے فروغ کے لیے تمام تر جدو جہد اور اتباع سنت آپ کا مرکزی کردار ٹھہرے گا۔ اور سارے کمالات اسی محور پر گردش کریں گے ۔

واقعات کی روشنی میں دیکھنے والی نگاہیں اس دعوے کی تصدیق کریں گی، آپ کی متنوع شخصیت سے ہر طبقہ کے لوگ فیض یاب ہوتے ۔ فیض حاصل کرنے والے، طلبا کی جماعت رہی ہو یا عوام الناس کا ہجوم، طبقۂ خواص رہا ہو یا ارادت مندوں کی انجمن، حاجت مند محتاج آیا ہو یا صاحب ثروت، ہر ایک کے ساتھ مہر ومروت وحسن اخلاق کا یکساں برتاؤ رہتا۔ طلبہ کو احساس ہوتا حافظ ملت کی محبت ومہربانیاں صرف ہمارے لیے ہیں ۔ عوام سمجھتے حافظ ملت کی زندگی صرف ہمارے لیے وقف ہے ۔ خواص ومخلصین کو خیال گزرتا کہ حافظ ملت کی ساری توجہات صرف ہمارے حصہ میں ہیں ۔

ہر کس بہ خیال خویش خوش است (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۳۵)

دل آویز:

جناب ڈاکٹر محمد عرفان صاحب پروفیسر صدر شعبہ اردو شبلی کالج لکھتے ہیں:

مولانا کی تعلیم وتربیت پرانے طریقوں پر پرانے استاذوں اور بزرگوں کے سایۂ شفقت اور پرانی فضاؤں میں ہوئی تھی، جدید علوم وفنون میں براہ راست انہوں نے کسی سے استفادہ نہیں کیا تھا مگر کہیں وہ اجنبی نہیں معلوم ہوتے تھے، چاہے وہ اہل علم کا حلقہ ہو، چاہے ارباب سیاست کی مجلس خواہ طالب علموں کی جماعت ہو خواہ عامۃ الناس کا اجتماع جدید افکار اور رجحانات سے کوئی کتنا آشنا کیوں نہ ہوتا مولانا سے تبادلۂ خیال کرتے وقت اسے کبھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ ایک ایسے شخص سے گفتگو کر رہا ہے جس کی معلومات روایتی ہیں یا جس کا ذہن بندھے ٹکے خانوں میں اسیر ہے ۔ یا جس کی فکر ونظر کا دائرہ تنگ ہے ۔ شکل وصورت، وضع قطع، چال ڈھال، بات چیت ہر اعتبار سے مولانا کی شخصیت بڑی دل آویز اور قابل احترام تھی ان کو دیکھ کر اور پاکر ایک طرح کی تقویت محسوس ہوتی تھی کہ وہ شفقت کریں گے، رسوا نہ کریں گے اور جب تک ساتھ رہیں گے زندگی میں بڑائی اور حلاوت محسوس ہوگی جیسے وہ اپنی طرح طرح کی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہیں اپنی ہی نہیں ہماری ذمہ داریوں کا بھی احساس رکھیں گے ۔ وہ ہمیشہ صاف ستھرے رہتے تھے ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے ہر کام خود کر لیا کرتے تھے“۔

محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری لکھتے ہیں:

”حلم وعفو میں آپ کو وہ کمال حاصل تھا کہ بعض اشخاص غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ۔ لیکن نا قابل اصلاح حالات میں آپ کی گرفت لرزہ خیز ثابت ہوتی ۔ ایک بار (ایسی ہی) کسی صورت حال کا برہمی کے ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لوگ سمجھتے ہیں کہ حافظ صاحب سیدھے ہیں، ان سے جو کام چاہے لے لو، میں سیدھا تو ضرور ہوں مگر بیوقوف نہیں ہوں۔ انکساری اور تواضع میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ پھر بھی وقار وہیبت کی یہ شان تھی کہ کسی کو آنکھیں ملانے کی جرأت نہ ہوتی تھی، ہمیں یاد ہے کہ علامہ عبد المصطفٰی اعظمی صاحب نے آج سے ۱۸/سال قبل فرمایا تھا کہ وقار وطمانیت میں حافظ صاحب بے مثال فرد ہیں'' انکسار نفس کی وجہ سے آپ اپنے تلامذہ کو شاگردی کی نسبت سے نہیں یاد فرماتے، بلکہ کبھی حضرت، کبھی مولانا فرماتے۔ اور ان کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے بہت محظوظ ہوتے۔'' (المصباح ص۱۴)

ہمسفروں کا خیال:

حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنے ہمسفروں کا بہت خیال فرماتے۔ ساتھ میں اگر کوئی طالب علم بھی خدمت کے لیے ہوتا تو اس کی ضرورت، کھانے، اور شوق تک کا لحاظ فرماتے۔ ٹرین اسٹیشنوں سے پھل فروٹ اور کھانے کی چیزیں خرید کر عنایت فرماتے۔ کسی دعوت میں اگر کوئی حضرت کے ساتھ ہوتا تو جب تک وہ نہ ہوتا آپ اکیلے کھانا ناپسند فرماتے۔ خورد نوازی کا ایک واقعہ مولانا محمد احمد مصباحی بیان فرماتے ہیں:

''جمشید پور محلّہ آزادنگر کے اجلاس میں شرکت کے لیے حضرت تشریف لے گئے تھے۔ قیام دھتکی ڈیہہ مدرسہ فیض العلوم میں تھا۔ دونوں محلوں میں قریبا آٹھ کلومیٹر فاصلہ ہوگا۔ جلسہ میں شرکت کے لیے ایک سامع کی طرح میں بھی پہونچ گیا۔ اختتام کے بعد روڈ کی طرف آیا کہ کوئی سواری ملے تو دھتکی ڈیہہ جاؤں۔ رات ایک بجے کا وقت تھا۔ سواری ملنے میں پریشانی لازمی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک ٹیکسی جانے والی ہے، اس کی طرف بڑھا، قریب پہونچا تو یہ دیکھا کہ اس ٹیکسی میں حافظ ملت اور دوسرے بزرگ علما تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس وقت میں فیض العلوم میں سینئر مدرس تھا، مگر کم عمری کی وجہ سے میری حیثیت ایک طالب علم سے زیادہ نہ تھی۔ اس لیے معزز مہمانوں نے پہچاننے کے باوجود التفات کی کوئی ضرورت نہ سمجھی۔ میں بھی مطمئن تھا کہ اور بھی سامعین (وہاں سے) آئے ہیں، کسی ٹیکسی والے کو تیار ہی کرلیا جائے گا۔ اتنے میں حافظ ملت نے مجھے دیکھ لیا اور فرمایا، بیٹھ جاؤ میں نے عرض کیا، اس میں تو جگہ نہیں ہے فرمایا:

''جگہ تو دل میں ہوتی ہے''

حضرت کی زبان سے یہ سننا تھا کہ بزرگ ہمنشینوں کو خیال ہوا اور آسانی سے میرے لیے جگہ نکل آئی۔''

(انوار حافظ ملت ص۱۶)

ضلع بستی کے ایک پروگرام میں جناب حکیم محمد یوسف صاحب حضرت کے ساتھ تھے۔ میزبانوں کے پاس پہونچ کر حکیم صاحب تھوڑی دیر کے لیے کہیں چلے گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا، خود انہی کی زبانی سنیں۔

حضرت کے ناشتہ کے لیے مٹھائیاں نمکین چائے وغیرہ کا انتظام کردیا گیا اور حضرت خاموش بیٹھے ہیں، کسی صاحب نے عرض کیا حضور! ناشتہ حاضر ہے۔

حضرت نے فرمایا: حکیم صاحب؟

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر کسی نے کہا حضرت شروع فرمائیں۔ حضرت نے کہا حکیم صاحب؟ تیسری بار جب حضرت سے پانی پینے کے لیے گزارش کی گئی تو فرمایا:

''ایک حکیم صاحب میرے ساتھ ہیں ان کو بلاؤ وہ کہاں ہیں؟ ایک صاحب پکارتے ہوئے باہر نکلے۔ ارے بھائی کون حکیم صاحب حضرت کے ساتھ آئے ہیں؟ حضرت ان کا انتظار کررہے ہیں اور انہوں نے ابھی تک پانی نہیں پیا۔

حکیم صاحب وہاں پہونچ کر حاجی امراؤ شاہ سے دوسرے کمرے میں محو گفتگو تھے۔ آواز سن کر حضرت کے پاس پہونچے۔ اس کے بعد حضرت نے ساتھ ناشتہ کیا۔ (انوار حافظ ملت ص ۵۸)

خود راقم الحروف حضرت کے ساتھ دوران سفر ان کی خصوصی عنایات اور توجہات کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ کسی اسٹیشن پر ٹرین رکی، خوانچے والوں نے آوازیں لگانی شروع کیں۔ حضرت نے خود ان میں سے ایک کو روکا، مونگ پھلی خریدی اور مجھے عنایت کی۔ میں حیران رہ گیا کہ حضرت یہ کیا کر رہے ہیں۔ اور پھر بار بار کہہ کر کھلایا۔

چڑیوں اور کتوں کا خیال:

حافظ ملت اپنے گھر میں اکیلے ہوتے تو چھوٹی چھوٹی چڑیاں ان کے اردگرد بے خوفی سے آتیں جاتیں۔ آپ ان چڑیوں سے بیحد محبت فرماتے تھے اور ان کی خوراک کا خیال بھی رکھتے تھے۔ جتنے روز کے لیے باہر جانا ہوتا اسی مناسبت سے دانے پانی مہیا کر کے سفر پہ جاتے اور جب آپ طویل سفر سے اپنے دولت کدہ میں لوٹتے اور دن کا وقت ہوتا تو چڑیوں کی پر مسرت نغمہ سنجی سے پورا آنگن گونج اٹھتا۔ آپ ان کی شادمانی سے خوش ہوتے۔

آپ کی قیامگاہ کی چھت کھپریل کی تھی جن میں ان چڑیوں کے پچاسوں گھونسلے تھے۔ زمین پر ان کی بیٹ بکھری رہتی۔ مگر کیا مجال کہ کوئی ان چڑیوں کے گھونسلوں کو غلط نگاہ سے دیکھ لے۔ واقعتاً آپ کو ان سے، اور ان چڑیوں کو آپ سے بیحد پیار تھا۔

اسی طرح محلّہ کے کتوں کا حال تھا، رات کو کافی دیر بعد بھی حافظ ملت اگر گھر لوٹتے تو محلے کے کتے دیکھتے ہی دُم ہلا ہلا کر آپ کے آگے پیچھے کللیلیں کرتے۔ بعض لوگ جو ان کتوں کے مزاج سے نا آشنا ہوتے انہیں ہنکانے کی کوشش کرتے۔ مگر حضرت انہیں ایسا کرنے سے باز رکھتے۔ حضرت اپنے دروازے پر پہونچ کر قفل کھولنے میں مشغول ہوتے تو کتے آپ کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے آپ کھانا کھانے کے بعد کتوں کو لقمہ ڈالتے۔

حضرت مولانا سید شاہ اخلاص حسین پھپھوندوی علیہ الرحمہ متوفی ۱۳۳۸ھ جو حضرت شاہ عبدالصمد پھپھوندوی کے فیض یافتہ تھے۔ ان کے احوال میں ہے کہ چڑیاں عام طور پر ان کے شانوں اور ہاتھوں پر آکر بیٹھ جایا کرتی تھیں لوگ دیکھتے تو پوچھتے کہ حضرت یہ چڑیاں آپ سے اس قدر مانوس ہیں؟ فرماتے میری آدمیت غائب ہو چکی ہے، جانور

ہو گیا ہوں۔ اس لیے یہ آجاتی ہیں۔ حضرت موصوف نے قدیم صوفیا کی طرح سخت ریاضت و مجاہدہ فرمایا تھا''
یہی حال حافظ ملت کا تھا۔ گھر میں پرورش پانے والی چڑیاں، بلیاں، اور کتے حافظ ملت کو خوب پہچانتے تھے ایک بار مولانا علی احمد بسمل عزیزی بستوی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے انہیں بیٹھنے کو فرمایا اور خود ان کے لیے شربت تیار کرنے لگے۔ مولانا نے سوچا جب تک میں بھی حضرت کے گھر کا کوئی کام کر ڈالوں انہوں نے دیکھا کہ ایک ڈول میں کچھ ناصاف سا پانی بھرا ہے۔ بلاضرورت سمجھ کر پانی گرادیا اور بالٹی صاف کردی۔ خالی ڈول پر حضرت کی نظر پڑی تو فرمایا:
''ارے جنّتی! یہ کیا کیا؟ یہ پانی چڑیوں کے لیے رکھا تھا۔ چڑیاں اتر کر اسے پیتی ہیں اور پھر خود ہی دوسرا پانی بھر کر رکھ دیا۔ مولانا فرماتے ہیں:
''کمرے سے تھوڑا سا اناج نکال کر آنگن میں بکھیرنے لگے۔ اور فرماتے تھے ''یہ چڑیوں کی خوراک ہے'' باہری دروازے کے پاس آکر ایک طاقچہ سے ایک روٹی اور آدھا پیالہ گوشت اتارا کتوں کے سامنے ڈال دیا۔ ایک کتا ذرا بیمار تھا اسے زیادہ دیا'' (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۵۰۸)

اوصاف ذاتی:۔

چہرہ میں جاذبیت، شب زندہ داری کی نورانیت۔ خاموشی میں وقار وطمانیت نمایاں، پیشانی چمکدار، جبہ ودستار زیب تن فرمالیں تو لطافت روحانیت پورے پیکر کو محتوی۔ مقام درس اور مسند ارشاد پر بیٹھیں تو جلالت علمی کا ترشح۔ عام بات چیت میں نرم روی۔ سنجیدگی اور محبت ورافت کی جھلملاہٹ، ملاقاتیوں سے ہمدردانہ انداز میں زیادہ سننے اور اپنی جانب سے کم بولنے کی عادت۔ مناظرہ ومباحثہ میں مخالف کی حرکت پر چیتے جیسی نگاہ۔ شکرے جیسی جھپٹ۔ اور شیر جیسی گھن گرج۔ مبہوت کن حملہ۔ درس گاہ میں باوقار۔ محققانہ انداز کلام۔ عام نشستوں میں بار حیا سے نظریں جھکائے آگے کو قدرے سرخمیدہ۔ مگر مجلس بھر میں نمایاں۔ راستہ چلنے میں نگاہیں نیچی۔ چلتے وقت جسم آگے کو مائل۔
رفتار سیدھی تیر کی طرح پر سکون۔ لمبے قدم سے ہمیشہ دائیں چلتے۔ بات چیت کے دوران کسی بات پر تائید کے لیے سر کو جنبش دیتے۔ اور فرماتے ''جی ہاں'' الفاظ کی ادائیگی میں پورا زور ہوتا۔ بہت خوشی میں بھی قہقہہ نہ لگاتے بلکہ مطابق سنت دانت کی سفیدی نظر آجاتی۔ اور کبھی ہنسی ضبط کرنے میں آنکھیں نمناک ہوجاتیں۔ گرمی کے موسم میں بھی پسینہ میں کسی طرح کی بو نہ ہوتی، فرماتے۔ یہ قرآن عظیم کی برکت ہے۔
رفیق گرامی حضرت مولانا افتخار احمد القادری (مقیم مدینہ منورہ) حافظ ملت کے اخلاق عالیہ کو استفہام اقراری کے حسین ودلنشین پیرائے میں رقم طراز ہیں:۔
کیا عبادت آپ کی زیبائش وآرائش نہ تھی؟ کیا فقر آپ کا اعزاز نہ تھا؟ کیا طاعت آپ کی شیرینی نہ تھی؟ کیا اللہ کی محبت آپ کی حقیقی لذت نہ تھی؟ کیا تقویٰ آپ کا توشہ نہ تھا؟۔ کیا ہدایت آپ کی سواری نہ تھی؟ قال اللہ آپ کا سخن خاص نہ تھا؟۔ کیا ذکر الہی آپ کی زینت نہ تھی؟ قناعت آپ کا غنا نہ تھا؟ عبادت آپ کا کسب نہ تھا؟، شیطان آپ کا دشمن

نہ تھا ؟اس کو دشمن تو سبھی کہتے ہیں لیکن کیا شیطان کی دشمنی کو سب برت بھی پاتے ہیں ۔ کیا حق آپ کا نگہبان نہ تھا، کیا دن آپ کے لیے سامان عبرت نہ تھا، کیا شب آپ کے لیے لمحۂ فکریہ نہ تھی ؟ کیا آپ کی زندگی مکمل سفر نہ تھی ؟ اور اس حدیث "کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل" (تم دنیا میں مسافر رہو یا رہگزار کی طرح) کی کھلی تصویر نہ تھی ؟۔

کیا موت آپ کی منزل نہ تھی، اس نے آپ کو چین وسکون بہم نہ پہونچایا ہوگا قبر آپ کا قلعہ اور جنت الفردوس آپ کا ٹھکانہ نہ ہوا ہوگا اور کیا رب العالمین کا دیدار آپ کی سب سے بڑی اور آخری آرزو نہ تھی ؟ حافظ ملت کی حیات جن جن کے سامنے ہے وہ سب کہیں گے ہاں اور ہاں اور یقیناً ہاں ۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۴۷۹)

شبلی کالج اعظم گڑھ کے صدر شعبۂ اردو جناب ڈاکٹر عرفان صاحب لکھتے ہیں :

"آپ نہایت نرم خو، نرم جو اور نرم گفتار تھے ہر ایک سے محبت فرماتے ۔ ہر ایک کے ساتھ حسن خلق سے پیش آتے ۔ ہر ایک کی عزت کرتے اور کبھی کسی کی دل شکنی نہ فرماتے تھے آپ نہایت خلیق، منکسر المزاج اور مہمان نواز تھے بااین ہمہ دین کے معاملہ میں اور اللہ جل وعلا اور اس کے حبیب پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات کے بارے میں ایک مومن کامل کی طرح بڑے حساس اور نازک مزاج تھے کسی ادنیٰ سی ادنیٰ بدعقیدگی کو برداشت کر لینا ان کی قوت ایمانی کے لیے ناممکن تھا۔ مبدأ فیاض نے آپ کو حسن تدبیر کا جوہر خاص بھی عطا فرمایا تھا۔ معاملات دین ودنیا میں اللہ جل وعلا نے آپ کو وہ بصیرت خاص بھی ارزاں فرمائی تھی جس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے کہ "اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله" مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ۔

آپ نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ مبارک پور میں گزارا اور اسی بستی کو اپنی آخری آرام گاہ ہونے کا بھی شرف بخشا۔ اہل مبارک پور نے آپ کی صبح وشام بھی دیکھی اور روز وشب بھی ۔ انہوں نے آپ کو خلوت میں بھی دیکھا اور جلوت میں بھی، آپ کو انجمن آراء بھی دیکھا اور گوشۂ عزلت میں بھی ۔ مسند تدریس پر بھی دیکھا اور سجادۂ عبادت پر بھی ۔ بازار میں بھی دیکھا اور گھر بار میں بھی غرض انہوں نے آپ کو ہر حیثیت، ہر حالت اور ہر کیفیت میں دیکھا لیکن آپ کے کردار میں کہیں داغ نظر نہ آیا آپ کا ظاہر و باطن ہم آہنگ تھا۔ اتباع اسوۂ رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام میں آپ نے ابتدا ہی سے جس سادہ زندگی کو اپنایا تھا آخر تک آپ کی زندگی میں وہی سادگی رہی ۔ سادہ لباس، سادہ غذا، سادہ رہن سہن آپ کا طریقہ تھا" ۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر)

انسانی اخلاق ہی کے مطابق اس کے عادات واطوار بھی ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ ایک اعلیٰ اخلاق کے حامل انسان کی ہر عادت سے انسانی اقدار کی شعاعیں مچلتی اور خوشبوئیں پھوٹتی رہتی ہیں۔

اخلاق ہی سے مومن کی پہچان ہوتی ہے اور حق یہی ہے کہ اعلیٰ اخلاق اور عظمت کردار کا حامل ایک مومن ہی ہوتا ہے ۔ وہ مومن ایک عالم ربانی اور نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے اس کی تو خو بو ہی نرالی ہوتی ہے، اس کی تو ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ ہوتی ہے ۔

انسانیت کے محسنِ اعظم ،معلمِ کائنات، رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق وکردار سے ہی دلوں کو

مسخر کیا۔

خود خدائے لم یزل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کی تعریف ''وانک لعلیٰ خلق عظیم'' فرما کر کی ہے۔ (سورۂ قلم:۴)

اور بے شک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔ (کنزالایمان)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ'' سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہے''۔ یعنی قرآن کریم پر عمل کر کے اور عمل کرا کر حضور معلم کائنات علیہ التحیۃ والثنا نے خلق عظیم کا نمونہ پیش فرمایا اور یہی سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم ہے۔

حدیث پاک ہے: خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق ومحاسن افعال کی تکمیل وتتمیم کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ اور لاریب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی سب سے بہتر ہے اور اسی پیروی میں بہتری ہے۔

"لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة" (احزاب:۲۱)

بیشک تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بہتر ہے۔ (کنزالایمان)

اسلامی اخلاق پوری زندگی اور لوازمات زندگی کو حاوی ہے۔

دائرۂ اخلاق میں، حیا، رحم دلی، نرم خوئی، حسن سلوک، انکسار وتواضع، صبر وتوکل، استغنا، وعدہ وفائی، حق گوئی وثبات قدمی وغیرہ سبھی شامل ہیں۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان سراپا اخلاق تھے آپ کی زندگی ایک آئیڈیل زندگی تھی اور خود ان کے اپنے عہد سے لے کر عہد موجود تک کے مسلمانوں نیز آنے والی نسلوں کے لیے ان کی سیرت مقدسہ ایک نمونہ ہے۔

مولانا سید ظہیر الدین صاحب زیدی علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''آپ (حافظ ملت) نہایت نرم خو، نرم جو اور نرم گفتار تھے۔ ہر ایک سے برابر محبت فرماتے، ہر ایک کے ساتھ حسن خلق سے پیش آتے، ہر ایک کی عزت کرتے اور کبھی کسی کی دل شکنی نہ فرماتے تھے، آپ نہایت خلیق، منکسر المزاج اور مہمان نواز تھے۔ بایں ہمہ دین کے معاملہ میں اور اللہ جل وعلا اور اس کے حبیب پاک علیہ التحیۃ والسلام کی ذات کے بارے میں ایک مومن کامل کی طرح بڑے حساس اور نازک مزاج تھے۔ کسی ادنیٰ بدعقیدگی کو برداشت کر لینا ان کی قوت ایمانی کے لیے ناممکن تھا۔۔۔ (حافظ ملت نمبر ص ۱۰۴)

مولانا محمد اسلم مصباحی غازی پوری تحریر کرتے ہیں:

''مزاج میں جرأت وبے باکی تھی اور اخلاق میں درویشی کا توازن تھا'' (حافظ ملت نمبر ص ۵۱۶)

حضرت رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:

''تحمل، ایثار، اخلاص، بلند ہمتی، حلم ودرگزر، استقامت واستقلال، ہمدردی وغمگساری، احسان وکرم، سخاوت

وفیاضی، بے غرضی واستغنا، مشقت و پرسوزی، خیر خواہی وخوش اندیشی اور صبر وضبط یہ کل کے کل شفقت ومحبت ہی کی انجمن کے حاشیہ نشین اور ارکان مجلس ہیں۔ اس لیے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حافظ ملت اپنے دور کے ایک بے مثال شفیق استاد تھے تو اسی کے ذیل میں ہم اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ان محاسن میں بھی وہ اپنے عہد کے ایک منفرد معلم تھے، ایک منفرد مربی تھے اور اسی کے ساتھ ایک منفرد مرشد ومزکی بھی تھے۔ (حافظ ملت نمبر ص ۱۲۵)

حضور حافظ ملت عظمت علمی، شہرت ومقبولیت اور عزت وتکریم کے باوجود حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ان کا عالم ایسا ہی تھا کہ درخت جس قدر ثمر بار ہوجاتا ہے اسی قدر جھک جاتا ہے اور لچکدار ہوجاتا ہے۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''جب انسان غرور علم میں مبتلا ہوجاتا ہے خاص کر جب اسے قبول فی الخلق مل جائے تو غرباء ومساکین کس گنتی میں ہیں، بڑوں بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتا مگر حافظ ملت جس دن مبارک پور تشریف لائے اس دن سے لے کر دنیا سے تشریف لے جانے کے وقت تک چھوٹے بڑے امیر وغریب، عالم وجاہل، تلمیذ وغیر تلمیذ سے اس طرح ملتے تھے کہ ہر ملاقاتی یہ محسوس کرتا کہ مجھے سب سے زیادہ مانتے ہیں''۔ (ماہنامہ اشرفیہ، فروری ۱۹۹۱ء ص ۳۶)

اسی سلسلے میں حضرت مفتی عبدالمنان الاعظمی صاحب قبلہ سابق شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ مکارم اخلاق کی اس بلندی پر فائز تھے۔ جس کو بلاشبہ انبیاء اور اولیاء کی اتباع کبریٰ کا مقام دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر مستثنیات سے قطع نظر کرلی جائے تو آپ سے تعلق رکھنے والے ہزار ہا شاگردوں، کئی ہزار مریدوں اور بے شمار معتقدوں اور متعلقین میں یہ ایک عام خیال ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ جس سے بھی ملتے وہ یہ سمجھتا کہ حضرت مجھ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں اور جناب والا مجھ پر خاص نظر کرم فرماتے ہیں۔

لیکن میرے خیال میں اس خیال کی خاص وجہ یہ تھی کہ آپ ہر شخص سے اس کے منصب کے موافق برتاؤ کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں واقعہ بیان فرماتے ہیں:

''مولانا عبداللہ صاحب سلمہ ربہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں آپ (راقم الحروف) کے ساتھ حضور حافظ ملت کی خدمت میں گیا تو آپ کو کرسی پر بیٹھایا اور مجھے فرش پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا............اور جب میں مولانا غلام حسین سلمہ کے ساتھ گیا تو مجھے کرسی پر اور انہیں فرش پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ ایسا موقع بھی ضرور آیا ہوگا جب مولانا غلام حسین صاحب زید مجدہم کو کرسی پر بیٹھایا ہو اور ان سے کم درجہ کوئی آدمی ان کے ساتھ رہا ہو تو اس کو فرش پر بیٹھنے کا حکم دیا ہو۔ یعنی ہر شخص کی قرار واقعی تکریم حضرت کا وطیرہ تھا''۔ (انمول موتی، ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۵۳)

حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ نے جو واقعہ بیان فرمایا ہے، اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک سے مطابقت بھی ہوتی ہے۔

حدیث پاک ہے: ابو داؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ میں اتارو یعنی ہر شخص کے ساتھ اس طرح پیش آؤ جو اس کے مرتبے کے مناسب

ہو۔سب کے ساتھ ایک سا برتاؤ نہ ہو مگر اس میں یہ لحاظ کرنا ہوگا کہ دوسرے کی تحقیر وتذلیل نہ ہو۔

☆ اس سلسلے میں رئیس القلم علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان بھی سننے کے لائق ہے۔

فرماتے ہیں:

''جہاں تک شفقت کا تعلق ہے، حافظ ملت تلامذہ پر باپ سے زیادہ شفیق تھے، باپ کی محبت بھی کبھی کبھی چند بیٹوں کے درمیان غیر متوازن ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ باپ کے خلاف بعض اولاد کو امتیازی سلوک کا شکوہ ہونے لگتا ہے، لیکن اپنے ہزاروں تلامذہ کے ساتھ حافظ ملت کا مشفقانہ سلوک اتنا عجیب تھا کہ ہر شخص اس خیال میں مگن رہتا کہ حضرت مجھی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ محبت کی متوازن تقسیم یوں بھی ہوسکتی تھی کہ ہر شخص یہ محسوس کرتا کہ حضرت سب کو مساوی طور پر چاہتے ہیں لیکن ہر شخص کی یہ خوش عقیدگی کہ حضرت مجھی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں، بلا شبہ شفقت ہی کا نہیں ذہانت وتدبر کا بھی کمال ہے''۔ (انوار حافظ ملت ص ۴۴)

غرباء نوازی:

یتیموں کے ماویٰ، غریبوں مسکینوں کے ملجا، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی سنت جمیلہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے بھی غرباء نوازی کا حسین مظاہرہ فرمایا ہے:

حضرت نادار طلبہ پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ طلبہ کو تو وہ مثل اولاد سمجھتے تھے، عام غرباء کی بھی امداد فرماتے رہتے تھے۔ البتہ معاملہ ایسا تھا کہ اِس ہاتھ سے دیا اس ہاتھ کو خبر نہیں یعنی کبھی دکھاوے کے طور پر اس طرح کا مظاہرہ نہیں فرمایا۔

حسن سلوک:

اپنا ہو یا پرایا ہر ایک سے نرمی کا برتاؤ رحم دلی، دل جوئی وغیرہ بھی حسن سلوک میں شمار ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں عیادت بھی اس ضمن میں آتی ہے اور مہمان نوازی بھی۔ حضور حافظ ملت طلبہ، مریدین، پڑوسیوں اور عامۃ المسلمین وغیرہ سے بڑے ہی اچھے انداز میں پیش آتے تھے۔

عیادت:

حاجی محمد عمر صاحب جو پہلے دار العلوم اشرفیہ کے ناظم اعلیٰ تھے۔ نظامت سے سبکدوش ہونے کے بعد لوگ انہیں حضور حافظ ملت کا حریف خیال کرنے لگے تھے مگر خود حضور حافظ ملت کے دل میں حاجی صاحب کی بڑی قدر تھی۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضرت اپنے دولت کدے سے برآمد ہوئے اور مجھے اپنے ہمراہ چلنے کا اشارہ کیا۔ میں فوراً چل پڑا۔ بازار طے کرکے آپ پورہ صوفی میں داخل ہوئے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد حضرت حاجی محمد عمر صاحب کے دولت کدے پر پہنچے میں نے گھر والوں کو حضرت کے آنے کی خبر دی۔ حاجی صاحب کے صاحب زادے نے بیٹھک کا دروازہ کھولا اور حضرت کو عزت سے بٹھایا حضرت نے فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حاجی صاحب علیل ہیں اس لیے عیادت کے لیے حاضر ہوگیا ہوں۔

(۲) شاگرد کی عیادت:

مولانا محمد اسلم صاحب عزیزی مصباحی تحریر کرتے ہیں:

''راقم کے ہم سبق مولانا عبدالستار صاحب پرولیاوی کی علالت کی خبر درسگاہ میں ملی، قیامگاہ جاتے وقت مولانا عبدالستار صاحب کے کمرہ میں تشریف لے گئے، خیریت پوچھی، دعادی اور تسکین کے کلمات سے تسلی دی اس کے بعد قیام گاہ تشریف لے گئے۔ (معارف حافظ ملت ص ۹۸)

مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی علیہ الرحمہ حضور حافظ ملت کے انکسار واعلیٰ ظرفی کے تعلق سے بیان کرتے ہیں:

جب حضرت حج وزیارت کے بعد تشریف لائے تو عجب اتفاق کہ میرے محبوب شاگرد مولوی اعجاز احمد صاحب مبارک پوری نے محمد آباد مجھے اپنے اجلاس میں مدعو کیا۔ اسی اجلاس میں حافظ ملت بھی مدعو تھے۔ میں حضرت سے پہلے ہی پہنچ گیا اور حضرت عین اس وقت جلسہ میں رونق افروز ہوئے جب کہ میں پورے جوش وخروش کے ساتھ تقریر کر رہا تھا اور مولانا سید مختار اشرف محمد میاں صاحب قبلہ سجادہ نشین صدر اجلاس تھے۔ حضرت حافظ ملت سیدھے اسٹیج پر تشریف لائے اور بھرے مجمع میں ہم دونوں بغل گیر ہوگئے۔ میں نے احتراماً تقریر ختم کردی اور حضرت سے تقریر فرمانے کی استدعا کی چنانچہ حضرت نے پرجوش تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا اور اسی حالت میں قیام گاہ پر تشریف لائے اور نماز فجر تک گفتگو کا سلسلہ دراز قائم رہا۔

اہل محلّہ اور پڑوسیوں سے برتاو:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنے اہل محلّہ اور پڑوسیوں کا حد درجہ خیال فرماتے تھے۔

الحاج محمد حسین صاحب مبارک پوری لکھتے ہیں:

''حضرت اپنے پڑوسیوں، محلّہ والوں اور اپنی مسجد کے مصلیوں کا گھر کے افراد کی طرح خیال فرماتے تھے، ان کے دکھ درد، خوشی اور غم میں برابر شریک رہتے۔ کسی کے بارے میں خبر مل جاتی کہ بیمار ہے تو نماز کے بعد عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ آپ جاتے تو ساتھ ساتھ مصلیان مسجد بھی جاتے کیفیت پوچھتے، دعا کرتے اور مفید علاج کے سلسلہ میں مشورہ دیتے تھے۔ یہ اخلاق صرف محلّہ والوں اور پڑوسیوں کے لیے مخصوص نہ تھا بلکہ آپ ہر اس شخص کی عیادت کو تشریف لے جاتے جس سے مدرسہ یا کسی اور طرح سے آپ کا رابطہ ہوتا۔

برائی کے عوض بھلائی:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے کبھی کسی کی برائی کی نہ غیبت۔ وہ اپنے جانی دشمن سے بھی انتقام نہ لیتے تھے اور نہ ہی حق کے معاملے میں اپنے دوستوں سے مداہنت برتتے۔ وہ طعن وتشنیع، بغض وحسد، عناد وعداوت سے کوسوں دور تھے۔

مولانا عبدالحلیم صاحب نوری بھیروی رقم طراز ہیں:

’’یونیورسٹی کی بنیاد کے سلسلے میں اور اس کے بعد بھی مخالفین کی خود رائی کے سبب حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کو جو روحانی اذیت اور تکلیف پہنچی ان پر سب وشتم اور عتاب وبدگوئی تو درکنار کسی ملاقات میں رنج کا اظہار بھی نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ ان سے مہربانی ونرمی کے ساتھ ملتے رہے اور کف اللسان من القول بالسوء پر عامل رہے۔ایک دفعہ میں خدمت میں حاضر ہوا۔ حافظ نثار احمد صاحب مدرس مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد بھی حاضر تھے ایک شخص نے عرض کیا حضور مخالفین آپ کو دشنام دے رہے ہیں۔آپ نے فرمایا الحمد للہ! میں سنت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عامل ہوں پھر میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا۔مولانا مجھے اس وقت بڑی خوشی ہوتی ہے جب کوئی میری بدگوئی کرتا ہے کیوں کہ میرے رسول کی سنت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی کسی کو برا نہیں کہا اس لیے حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ بھی مخالفین کی ادائے بد کے مقابلہ میں خصائص حسنہ پیش فرماتے اور مخالفین کے کلمات بدسن کر اس کا جواب قول بد سے نہ دیتے بلکہ اس سے اعراض فرماتے، ساتھ ہی ساتھ اس آیت مبارکہ پر بھی عمل فرماتے۔

’’وَيَدْرَؤُنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ......الجاھلین (پارہ ۲۰ سورۃ القصص، آیت ۵۵)

اور وہ بھلائی سے برائی کو ٹالتے ہیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں اس سے تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمہارے لیے تمہارے عمل۔ بس تم پر سلام ہم جاہلوں کے غرضی نہیں۔ (کنزالایمان، حافظ ملت نمبر ص ۵۱۵)

(۲) مولانا محمد اسلم صاحب عزیزی مصباحی رقمطراز ہیں:

’’ایک مرتبہ ایک صاحب حاضر بارگاہ ہوئے۔حضرت نے پوچھا کیسے آنا ہوا۔عرض کیا حضور بڑی خاص بات ہے۔اس کا مطلب یہ تھا کہ طلبہ کو ہٹا دیا جائے تو عرض کروں مگر طلبہ سے کچھ کہنا تو درکنار فرمایا میں کسی کی ایسی بات نہیں سنتا کہ اگر کہیں اس کا ذکر آجائے تو اس میں آپ کا نقصان ہو۔اگر ایسی بات ہو تو نہ کہیے۔

(۳) حضرت قاری عبدالحکیم صاحب قبلہ نے بیان کیا کہ تلشی پور کے ایک معتقد بلرامپور بغرض ملاقات تشریف لائے اور حاضر بارگاہ ہوئے۔ درمیان گفتگو عرض کرنے لگے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب حضرت کو ایسا ایسا کہتے ہیں۔فرمایا جی ہاں مولانا عتیق الرحمٰن صاحب قبلہ ایک جید عالم دین ہیں، سنیت کے خادم ہیں، حضرت مولانا بہت بڑے عالم ہیں، بڑوں کو حق ہے کہ چھوٹوں کو جو چاہیں کہہ لیں مگر چھوٹوں کو حق نہیں کہ بڑوں کا جواب دیں۔

(۴) اسی طرح کا واقعہ ۱۹۷۱ء میں پیش آیا جب اہل مبارک پور نے حافظ ملت کے خلاف ایک پمفلٹ کے جواب کی اجازت چاہی تو فرمایا: یہ مخدوم زادوں کی طرف سے ہے۔خادم کو حق نہیں کہ مخدوم زادوں کا جواب دے اس لیے میری طرف سے جواب دینے کی اجازت نہیں ہے۔اگر ایسا کیا گیا تو مجھے بے حد تکلیف ہوگی۔

(۵) حضرت مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی نے بیان فرمایا، بلکہ ایک موقع پر جب عقیدت مندوں نے جوابی

کارروائی پر اصرار کیا تو سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: جو میری طرف سے جواب دے گا وہ میرا نہیں، میرا نہیں، میرا نہیں۔۔۔۔، (معارف حافظ ملت ص ۸۵ ص ۸۶)

بے سبب دخل اندازی سے پرہیز:

حضور حافظ ملت جن کمیٹیوں کی سرپرستی فرماتے ان کے فیصلوں میں بلاوجہ کی دخل اندازی کو ناپسند فرماتے چنانچہ دارالعلوم انوارالقرآن بلرامپور کے بارے میں بیکل صاحب کو لکھتے ہیں:

''مولوی غلام محمد صاحب کے متعلق کمیٹی نے جو تجویز کیا بہر حال کمیٹی مختار ہے، ذمہ دار ہے میں ان کے لیے کمیٹی کے لیے دعا کرتا ہوں'' (مکتوب بنام بیکل اتساہی)

بڑوں کا ادب واحترام:

ادب واحترام اخلاق عالیہ کا حصہ ہے اس خزانہ سے حضور حافظ ملت کو وافر حصہ ملا تھا۔حافظ ملت اپنے والدین کریمین کے تو حد درجہ ادب شناس تھے کیوں کہ آپ نے جن والدین کی آغوش میں پرورش پائی تھی وہاں تعلیم سے زیادہ تربیت پر زور دیا جاتا تھا۔

جب حضور حافظ ملت نے تعلیمی میدان میں قدم رکھا تو اپنے ہر استاد کا اس درجہ ادب واحترام کیا کہ اس کا دل جیت لیا۔ اور اپنی خدمت گزاری اور نیاز مندی کے سبب اس کی کامل توجہ، ہمدردی اور علم بخشی کے مستحق ہوئے۔

حکیم محمد شریف صاحب مرادآبادی جن کا مطب شہر مرادآباد میں تھا وہ مرادآباد سے بھوج پور (وطن حافظ ملت) آیا کرتے تھے۔ حکیم صاحب آتے تو حافظ ملت کی اقتدا میں نماز پڑھتے۔ امام مسجد ہونے کے باوجود حافظ ملت حکیم صاحب سے اس طرح ادب واحترام سے ملتے کہ ان کے دل میں از خود یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اس باصلاحیت اور باادب نوجوان میں اپنا علم طب منتقل کردیں۔

خود حضور حافظ ملت بیان فرماتے ہیں:

''میرے اوپر ان کی نظر عنایت ہوئی۔فرمایا حافظ صاحب! میں آپ کو طب پڑھاؤں گا۔ میں نے کہا حکیم صاحب! میں غریب آدمی، میرے والد کثیر العیال، گھر کا دارومدار مجھی پر ہے میں باہر نہیں جاسکتا۔حکیم صاحب نے فرمایا ٹرین سے مرادآباد آؤ سبق پڑھ کر واپس آجایا کرو تمہارا نقصان نہیں ہوگا، آمدورفت کا کرایہ بھی میں دوں گا۔۔۔'' (حافظ ملت نمبر ص ۶۶)

وہ جوہر ادب ہی تھا جس نے حکیم صاحب کے دل میں جگہ بنائی اور وہ اپنی طرف سے کرایہ دے کر بلانے اور پڑھانے پر آمادہ ہوگئے۔

صدرالشریعہ کا ادب واحترام:

یوں تو حافظ ملت اپنے تمام اساتذہ، مشایخ اور اکابرین اہل سنت کا بیحد ادب کرتے تھے مگر جس شخصیت کے علم وفضل نے حافظ ملت کی ذات پر سب سے زیادہ اثر ڈالا تھا وہ تھے حضرت صدرالشریعہ مولانا شاہ امجد علی القادری رحمۃ اللہ علیہ!

جب حضرت صدرالشریعہ اپنے وطن گھوسی تشریف لاتے تو آپ سے نیاز حاصل کرنے کے لیے علما ،فضلا، رؤسا اور زائرین کی بھیڑ جمع رہتی اور آپ کی نشست گاہ ہر وقت بھری رہتی ۔ اگر صدرالشریعہ بیٹھک سے کسی کام کے لیے اٹھ کر اندر جاتے تو تمام اہل مجلس سروقد کھڑے ہوجاتے اور واپس تشریف لاتے تو دوبارہ کھڑے ہوجاتے اور آپ کے بیٹھنے پر سب لوگ بیٹھتے مگر اس مجلس میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو اس وقت تک سروقد برابر کھڑا رہتا جب تک حضرت خود اسے بیٹھنے کے لیے نہ کہتے اور وہ بیٹھتا بھی تو باادب، دوزانو............

یہ تھا حضرت صدرالشریعہ کا چہیتا شاگرد عبدالعزیز جسے دنیا نے آگے چل کر حافظ ملت، محدث مبارکپوری اور محدث مرادآبادی کے القاب سے پہچانا۔ سچ ہے:

باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب

حافظ ملت خود باادب تھے اور یہی جوہر انہوں نے اپنے فرزندوں اور تلامذہ میں منتقل فرمایا۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کو اپنے استاذ ومرشد اجازت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ سے دلی محبت تھی جب بھی نام نامی لیتے نہایت ادب واحترام سے ''حضرت صدرالشریعہ بدرالطریقہ'' فرماتے ۔ سیدی اعلیٰ حضرت یا اکابر اہل سنت میں جب کسی کا ذکر فرماتے تو تعظیم واحترام سے آپ کی گردن خم ہوجاتی اور ان کی محبت میں آپ کی آنکھیں نمناک ہوجاتیں ،دور طالب علمی میں راقم الحروف نے سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے متعلق ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی میں ایک مضمون لکھا۔ جب وہ چھپ کر آیا تو لے کر حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ اپنی قیام گاہ پر تشریف فرما تھے ۔تخت پر بیٹھے کچھ تحریر فرمارہے تھے.......... میں نے رسالہ پیش کیا اور دعا چاہی ۔ حضرت نے میرے مضمون کو پڑھنا شروع کیا، پھر میں نے دیکھا کہ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ''عشق رسول'' کی باتیں پڑھ کر حافظ ملت کی آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے ۔ حافظ ملت علم ومعرفت اور عادات واخلاق میں حضور صدرالشریعہ کے مظہر تھے ۔ آپ اپنے استاذ ومرشد کی شخصیت ہی نہیں بلکہ ان کی ایک ایک صفت سے محبت فرماتے تھے ۔ ان کے عزیز واقارب اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر شی حافظ ملت کو محبوب تھی ۔

ایک دور میں حضرت مولانا علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری بن صدرالشریعہ علیہما الرحمہ دارالعلوم اشرفیہ میں مدرس تھے ۔ حافظ ملت دارالعلوم کے صدرالمدرسین تھے اس کے باوجود استاد زادے کا بیحد ادب واحترام کرتے تھے ۔اور ان کے شایان شان تکریم فرماتے تھے ۔

علامہ عبدالمصطفٰے ازہری فرماتے ہیں:

”حافظ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی چند خصوصیات میں سے ایک یہ خصوصیت تھی کہ وہ اپنے اساتذہ اور اپنے تمام مشائخ اور ان کے متعلقین کا پورا پورا ادب کرتے تھے کسی فعل یا قول سے یا ترکیب سے وہ ایسا ظاہر نہیں کرتے تھے کہ کسی بزرگ سے تعلق میں کوئی کمی ظاہر کریں۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۸۴)

حافظ ملت اپنی محسن شخصیات کے متعلقین اور اساتذہ و مشائخ کی اولاد کا بھی حد درجہ احترام فرماتے تھے۔ حضرت علامہ ازہری کا بیان ہے:

”میں جب ۱۹۶۱ء میں ہندوستان حاضر ہوا تو حافظ صاحب خود میرے مکان پر ملنے کے لیے تشریف لائے۔ اتفاق سے میں دوسری جگہ تھا تو وہاں تشریف لائے اور ملاقات کی اور نہایت ہی محبت سے پیش آئے۔ اور یہ میری آخری ملاقات تھی“۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۸۸)

حافظ ملت، قوم وملت کے بہی خواہ تھے ان کی شفقتیں عام تھیں وہ اپنے ماتحت مدرسین علما کی علمی ترقی اور کمال کی راہیں بھی استوار فرماتے تھے۔ جس کا احساس عالی ظرف علما واساتذہ کو تھا۔ حضرت علامہ ازہری بن صدرالشریعہ علیہما الرحمہ لکھتے ہیں:

”جب میں دارالعلوم اشرفیہ میں مدرس تھا تو حافظ صاحب نے مسلم شریف میرے متعلق کی تھی۔ اور کئی سال تک جب تک میں مبارک پور رہا دورہ کے طلبہ کو مسلم شریف پڑھایا کرتا تھا۔ بعد میں جب بحیثیت شیخ کے جامعہ محمدی شریف آیا تو مجھے بخاری پڑھانے میں کسی قسم کی خاص دشواری پیش نہیں آئی“۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۸۸)

صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی زوجہ محترمہ علیہا الرحمۃ (المتوفیہ ۲۹ر رجب ۱۴۱۵ھ ریکم جنوری ۱۹۹۵ء) کا حافظ ملت عمر بھر ماں کی طرح ادب ولحاظ فرماتے رہے۔

ان کی ہر بات حافظ ملت کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ گھوسی اور اس کے مضافات کے لوگ مخدومہ نانی جان صاحبہ کی وساطت سے حافظ ملت کی خدمت میں اہم سے اہم مسئلہ کو بھی پیش کرنا آسان سمجھتے تھے۔ دارالعلوم اشرفیہ میں طلبہ کے داخلے عموماً نصف شوال سے پہلے ہوا کرتے تھے۔ اور اس کے لیے بھی مجلس انتظامیہ کی طرف سے ایک تعداد مقرر کی جاتی تھی۔ مگر وقت گزر جانے کے بعد اور مقررہ کوٹہ پورا ہو چکنے کے باوجود اگر کسی طالب علم کے لیے مخدومہ علیہا الرحمۃ سفارش فرمادیتیں تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اسے مبارک پور سے واپس جانا پڑا ہو۔ قصبہ خاص گھوسی سے حاجی عظیم اللہ مرحوم بالکل اسی اندا میں شوال کی تاریخیں گزر جانے کے بعد حافظ محمد عین الدین وحافظ محمد انوارالحق کو دارالعلوم اشرفیہ شعبۂ حفظ میں داخل کرانے کے لیے لے گئے تھے۔ راقم الحروف ان دنوں مبارک پور ہی میں زیر تعلیم تھا۔ طلبہ کا معینہ کوٹہ پورا ہو چکا تھا۔ مگر حاجی صاحب مرحوم نے حافظ ملت کے سامنے مخدومہ نانی جان صاحبہ کا رقعہ پیش کیا تو حافظ ملت علیہ الرحمہ نے درخواست پر تحریر فرمایا کہ ان لوگوں کا داخلہ حضور مخدومہ ملت کی سفارش پر کیا گیا۔

شوال ۱۳۹۲ھ کا پر بہار مہینہ تھا جب الجامعۃ الاشرفیہ ”درسگاہ کی سینٹرل بلڈنگ کا جشن افتتاح ہوا۔ شہزادۂ امام احمد

رضا، حضور مفتی اعظم ہند بخاری شریف کا درس آغاز کرنے کے لیے تشریف فرما تھے۔ علما، مشائخ، مفسرین، شیوخ الحدیث کا اجتماع تھا۔ مسلمانان اہل سنت بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ اس وقت کھڑے ہوتے ہیں اور مفتی اعظم ہند کی شخصیت کا تعارف کراتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

حضور مفتی اعظم ہند قبلہ بلا شبہ ولی کامل ہیں۔ آج جوان سے ایک سبق پڑھے گا وہ آئندہ اس پر فخر کرے گا۔ جو ان کے ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ اس پر فخر کرے گا۔ جو ان کی دست بوسی کرے گا وہ اس پر فخر کرے گا۔ اور جو ان کی زیارت سے مشرف ہوگا وہ اسے بھی فخر یہ بیان کرے گا کہ میں نے حضور مفتی اعظم کی زیارت کی ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ مذکورہ باتیں کہتے جاتے تھے اور الجامعۃ الاشرفیہ کے شیخ الحدیث شمس العلماء حضرت مولانا قاضی شمس الدین جعفری علیہ الرحمہ ایک ایک بات کی تصدیق کرتے جاتے تھے۔

جن لوگوں نے حضور مفتی اعظم ہند شہزادۂ اعلیٰ حضرت محمد مصطفےٰ رضا خاں قدس سرہ سے حافظ ملت کے حصول نیاز اور ملاقات کا منظر دیکھا ہے وہ گواہی دیں گے کہ حافظ ملت ہمیشہ دست بوسی کی کوشش فرماتے اور سرکار مفتی اعظم انہیں سینے سے لگاتے، اپنے پاس بٹھانے پر اصرار فرماتے مگر حافظ ملت کچھ فاصلہ پر نہایت مؤدب بیٹھتے۔

حضور مجاہد ملت کی شانِ درویشی کا تو حال ہی الگ تھا یہ دونوں واقفان راز جب باہم ملتے تو ایک دوسرے کا حد درجہ احترام فرماتے ایک دوسرے کی دست بوسی وقدم بوسی کی کوشش فرماتے۔ یہی ادب ولحاظ حافظ ملت اپنے جملہ معاصرین اور صاحبانِ سنیت کا فرماتے۔

حافظ ملت کے دم قدم کی برکت سے دارالعلوم اشرفیہ نے اپنا مقام بنالیا تو اراکین اور ارباب حل وعقد نے ملک کے مشاہیر علماء اور ماہرین علوم کو یہاں لانے کا پروگرام بنایا۔۔۔ ایک بار یہ بات سامنے آئی کہ سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلیفۂ ارشد، اور شاگرد رشید ملک العلما علامہ ظفر الدین احمد بہاری علیہ الرحمہ کو لایا جائے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے سنا تو بہت خوش ہوئے۔۔۔ اور اپنی عادت مبارکہ کے مطابق فرمایا:

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ حضرت تشریف لائیں، میں خادم ہوں خدمت کرتا رہوں گا، میں نے دس سال حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمہ کی کفش برداری کی ہے، حضرت مولانا تشریف رکھیں گے اور میں ان کے سامنے درس دوں گا۔

مہمان نوازی:

مہمان نوازی معلم کائنات، محسن انسانیت حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جمیلہ ہے۔

(۱) الجامعۃ الاشرفیہ کے سنگ بنیاد اور تعلیمی کانفرنس کی تیاریوں کا زمانہ ہے۔ روزانہ علما، اکابرین، مشائخ اور تلامذہ ومریدین کی آمد تھی۔ حضرت سے ملنے جو بھی آتا حضرت بدست خود اس کی مہمان نوازی فرماتے۔ اس کے لیے

شربت یا چائے بناتے، مہمان کو چارپائی یا تخت پر بٹھاتے اور خود باورچی خانہ میں آگ جلا کر چائے بناتے یا شربت بنا کر ضیافت کرتے۔

مولانا علی احمد بسمل عزیزی مصباحی۔ دھرم سنگھوا بازار بستی تعلیمی کانفرنس میں تعاون کے لیے قبل از وقت مبارک پور آگئے تھے۔ ایک روز بعد عصر ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمہ نے انہیں حافظ ملت کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ حضرت کونوادہ جانے کے لیے قاری صاحب کا پیغام دیں۔ حضرت نے پیغام سننے کے بعد پہلے مولانا کو چارپائی پر بٹھایا، خود اٹھ کر سِل پر بادام اور شکر پیس کر شربت تیار کیا۔ مولانا کی ضیافت کی اس کے بعد نوادہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۵۰۸)

(۲) مہمان کی خاطر وتواضع:

مولانا محمد احمد صاحب بھیروی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور رقمطراز ہیں:

''بارہا سیکڑوں اور ہزاروں افراد کو حافظ ملت کی قیام گاہ مدرسۂ قدیم میں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہوگا۔ وہاں جانے والے مہمانوں کے لیے حضرت بنفس نفیس خود چولہا جلاتے، چائے بناتے، اور پلاتے، گرمی کا موسم ہوتا تو شربت کا اہتمام کرتے۔ چاہے یہ حاضر ہونے والا، اپنا مرید وشاگرد ہی کیوں نہ ہو۔ اور کمال تو یہ ہے کہ مہمان اگر ان کے کام میں ہاتھ بٹاتا، یا کوئی خدمت کرنا چاہتا تو ہرگز گوارا نہ کرتے۔ مولوی عبدالحلیم صاحب بھیروی کے والد عبدالشکور صاحب جو حضرت کے مرید ہیں ایک بار حاضر خدمت ہوئے، چاہا کہ پنکھا جھلیں، گوارا نہ کیا اور فرمایا ''آپ مہمان ہیں''

(۳) مرید حافظ ملت عاصم گونڈوی ایڈیٹر تاجور۔ گورکھپور لکھتے ہیں:

''آپ کی مہمان نوازی کا یہ حال کہ ایک دفعہ میں دارالعلوم اشرفیہ پہنچا، حضرت سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت ایک میزبان کی حیثیت سے جس خندہ پیشانی، جس خلوص ومحبت اور جس شفقت وعنایت کا مظاہرہ فرمایا میں اس کے بیان سے قاصر ہوں۔ مجھے وہاں سے مہراج گنج ضلع گیا جانا تھا۔ دوسرے دن صبح میں قاری عبدالحکیم صاحب کے کمرے میں تھا کہ حافظ ملت اپنے ہاتھ میں ایک بنڈل لیے ہوئے تشریف لائے اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ لیجیے راستہ کا توشہ ہے۔ یہی حسن سلوک ان کا ہر ایک کے ساتھ تھا۔ (حافظ ملت نمبر ص ۲۱۷)

اخوت ومساوات:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اخوت ومساوات کے علمبردار تھے۔ آپ نے اخیر دم تک مساوات اسلامی کی تبلیغ فرمائی اور اخوت ایمانی کا درس دیا۔ خود تحریر فرماتے ہیں:

"آئی ہے میرے ساتھ مساوات کی شعاع
یہ آفتاب وقت کی پہلی کرن نہیں

"مذہب اسلام کی خشتِ اول سے لے کر اس کی تعمیر ثیریا تک مساوات کی تعلیم ہے۔حقیقی مساوات صرف اسلام کا طغرۂ امتیاز ہے۔ اسلام سے قبل مساوات کا لفظ دنیا نے بہت سنا تھا مگر تاریخ شاہد ہے کہ اس کا صحیح مفہوم بھی دماغوں میں نہ آیا تھا۔

دنیا وحشت و بربریت کے بحرانی دور سے گزر رہی تھی۔ درندگی اور گزندگی ہی کو مساوات تصور کرلیا تھا۔ ارحم الراحمین نے فضل فرمایا کہ اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ جن کی تعلیم نے دنیا کو درسِ انسانیت دیا، مساوات سکھائی، صحیح اور حقیقی مساوات کا عامل بنایا جس نے غلامی اور آقائی کا فرق اٹھادیا، شاہی وگدائی کا امتیاز مٹادیا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

(معارف حدیث ص۸۳)

آگے چل کر فرماتے ہیں:

"مسلمانو! غور کرو تمہارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہے کہ غلاموں کے ساتھ اس درجہ مساوات ہے کہ لباس اور غذا میں برابری ہے، سوار اور پیدل چلنے میں برابری ہے تو اپنے اعزا واقربا بھائیوں برادروں کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے۔

بلاشبہ اسلامی تعلیم یہی سبق دیتی ہے کہ بھائی کو کم از کم اپنے برابر اپنی بلند سطح پر ضرور رکھنا چاہیے۔ اپنے آرام کی فکر ہو تو اپنے بھائی کے آرام وراحت کو بھی ضرور یاد رکھے۔ خود تکلیف سے بچے تو اپنے بھائی کو بھی تکلیف سے بچائے۔ نوکروں، ملازموں اور مزدوروں کے ساتھ بھی نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے ان کے راحت و آرام کا بھی ضرور ضرور خیال رکھے"۔ (ایضاص ۸۵)

خردنوازی:

(۲) مولانا مبین الہدیٰ صاحب نورانی گیاوی لکھتے ہیں:

"اپنے شاگردوں کی دینی خدمات کو سراہنا، ان کے کارناموں پر ان کی حوصلہ افزائی کرنا، انہیں اپنی دعاؤں سے نوازنا، اور ان کی قابلیتوں کا برملا اعتراف کرنا حافظ ملت کی ایسی دلنواز ادائیں ہیں جن کا جواب نہیں۔

جانوروں اور پرندوں کا خیال:

ایک مومن بے وجہ شرعی اللہ کی کسی بھی مخلوق کو گزند نہیں پہنچاتا بلکہ اپنے رب کی ہر مخلوق کے ساتھ اپنے مومنانہ

برتاؤ کو روا رکھتا ہے۔

آقائے دو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی جانوروں اور پرندوں وغیرہ کا خیال فرمایا ہے۔ چڑیوں نے ان کی بارگاہ میں فریاد پیش کی ہے، جانوروں نے ان سے داد چاہی ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب حضور حافظ ملت نے بھی آقائے نامدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حسین وجمیل سنت پر عمل کیا ہے۔

کفایت شعاری اور سخاوت:

آج فضول خرچی بھی فیشن اور تہذیب میں داخل ہے وہ بھی بایں طور کہ اپنی ذات کے آرام وآسائش کے لیے تو جتنا بھی صرف ہو جائے کم ہے مگر کسی دوسرے اہل حاجت کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

حضور حافظ ملت کا یہ عالم تھا کہ ان کے ذاتی وشخصی اخراجات وہی نپے تلے تھے جو شروع سے متعین تھے۔ مگر حضرت اپنے اہل خانہ، متعلقین کے علاوہ حاجت مندوں (طلبہ، علما وہمسایہ وغیرہ کے لیے) دست سخا ہمیشہ دراز رکھتے۔ اکثر دوسروں کو آرام پہونچانے کے لیے خود کو تکلیف میں ڈال دیتے، مصائب وآلام کے سائے میں گزری ہوئی حیات حافظ ملت ہی ان کے کردار کی پختگی کی علامت ہے۔

تری نگاہ مصائب کی دھوپ میں تپ کر
خود اپنے رنگ میں دنیا کو ڈھال سکتی ہے
کچھ اور دیر بھڑک جائے گریہ پیاس تری
پہاڑ کاٹ کے چشمے نکال سکتی ہے

(۲) بلاوجہ مدرسہ کے پیسے کیوں خرچ کیے جائیں:

۱۹۷۳ء میں ضلع بستی کے قصبہ مہندوپار کے مدرسہ شمس العلوم کا جلسہ تھا۔ مہنداول سے مہندوپار ۸/ میل تک ناپختہ ناہموار راستہ تھا جس پر پیدل یا بیل گاڑی اور سائیکل کے علاوہ کسی سواری سے جانا دشوار ہوتا تھا البتہ ناگزیر حالات میں جیپ آتی جاتی تھی مگر اس کا خرچ زیادہ لگتا تھا۔ اس آٹھ میل کے راستے کو طے کرنے میں کتنے مضبوط اعصاب والوں کی بھی ہمتیں جواب دے جاتی تھیں۔ لوگوں نے حضرت کو بتایا کہ جیپ والا پچاس روپے مانگ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''میں سائیکل کے پیچھے سیٹ پر بیٹھ کر چلوں گا بلاوجہ مدرسہ کے پچاس روپے کیوں خرچ کیے جائیں؟''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور حضرت اپنی ضعیفی اور نقاہت کے باوجود سائیکل کے پیچھے بیٹھے اور لہراتی بل کھاتی، ہچکتی، پچکتی دو پیروں کی اس سواری پر ہی آٹھ میل کا راستہ طے فرمایا اور آپ کی جبین مبارک پر بل تک نہ آیا۔ ناہموار اور نشیب وفراز سے بھرے راستے پر سائیکل کے پیچھے بیٹھنے والے بخوبی جانتے ہوں گے کہ ایسے سفر میں سائیکل چلانے والے سے زیادہ بیٹھنے والے کو بار بار شدید جھٹکوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے پورا جسم جھنجھنا اٹھتا ہے۔ مگر قربان جائیے اس ملت کے حافظ کی ثبات قدمی اور مشقت برداری پر کہ خود اپنی جان پر تکلیفیں اٹھالیں اور مدرسہ کے پچاس روپے خرچ

نہ ہونے دیجئے۔

اسی سفر میں واپسی کے وقت حضرت نے مدرسہ احمدیہ معراج العلوم کا معائنہ فرمایا۔ اس کے بعد جناب مولانا محمد ادریس صاحب (نائب ناظم الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور) نے حضرت کو جیپ میں بٹھایا اور روانگی ہوئی۔ کچھ ہی راستہ طے ہوا تھا کہ جیپ کا ڈرائیور اتر کر دست بستہ کھڑا ہو گیا کہ خراب راستہ کی وجہ سے گاڑی نے پٹرول ضرورت سے زیادہ کھالیا۔ اب یہ اس سے آگے نہیں جاسکتی۔ یہ سن کر سب لوگوں کو پریشانی ہوئی۔ حافظ ملت نے اس وقت پر اعتماد انداز میں فرمایا: لے چلو! گاڑی چلے گی۔ انشاء اللہ

حضرت کے فرمانے پر ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ خدا کا شکر کہ مہنداول پہونچنے تک کہیں گاڑی نہیں رکی۔ اور خیر وخوبی سے سفر پورا ہوا۔ شامہ اعظمی نے سچ کہا:

کردار تو اے حافظ ملت مراسوفات
پُر عزم وجواں حوصلہ، بیگانہ خدشات
بر عالم اسلام تو احسان نمودی
تو آبجور، آوردہ از پردۂ ظلمات

حافظ ملت کا یہ فرمانا کہ ”لے چلو! گاڑی چلے گی۔ گاڑی چلی جب کہ ڈرائیور گاڑی کے چلنے کی امید چھوڑ چکا تھا“۔ اس سے حضرت کی کرامت بھی ظاہر ہے۔

اسراف سے احتراز

کسی موقع پر معتقدین نے مبارک پور واپسی کے لیے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ منگانے کا ذکر کیا تو فرمایا جب میں تھرڈ کلاس سے سفر کرسکتا ہوں تو فرسٹ کلاس کا ٹکٹ منگانا فضول خرچی ہوگی۔ (معارف حافظ ملت از مولانا محمد اسلم عزیزی مصباحی ص ٦٦)

چلنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہ دیکھا گویا زمین آپ کے لیے لپٹی جارہی تھی۔ ہم اپنی پوری طاقت صرف کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلف چلتے“۔ (انوار غوثیہ شرح شمائل ص ۱۷۷)

مولائے کائنات سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی رفتار کا تعارف کراتے تو فرماتے:۔

”جب حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم چلتے تو زمین سے پاؤں زور کے ساتھ اٹھاتے گویا آپ اوپر سے نیچے کی طرف اتر رہے ہوں“۔ (انوار غوثیہ شرح شمائل ص ۱۷۹)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت اس طرح ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب چلتے تو بلا رکاوٹ آگے کو جھکے ہوئے چلتے تھے جیسے نشیب کی طرف قدم اٹھا رہے ہوں'' (ایضاً)

حضرت ہند بن ابو ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب قدم اٹھاتے تو مضبوط قدم اٹھاتے اور آگے کو جھک کر چلتے اور باوقار چلتے اور جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ بلندی سے پستی کی طرف جا رہے ہیں اور جب آپ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو آپ کی نظر نیچی ہوتی''۔ (ایضاً)

حضرت مولانا افتخار احمد مصباحی رقم طراز ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مضبوطی سے قدم اٹھاتے آگے کو جھک کر باوقار چلتے، تیز رفتاری سے چلتے جیسے آپ فراز سے نشیب کی طرف اتر رہے ہوں نظریں آپ کی جھکی ہوتیں۔

کیا ہمارا اور تمام مشاہدین کا یہ مشاہدہ نہیں کہ حافظ ملت اسی سنت کریمہ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش فرماتے آپ زمین پر وقار اور سکینت کے ساتھ چلتے۔ آپ کی رفتار تواضع وخاکساری کی آئینہ دار ہوتی نگاہیں نیچی ہوتیں ایسے چلتے، جیسے نشیب کی طرف اتر رہے ہوں اور اپنی پیرانہ سالی میں بھی اتنی تیزی سے چلتے کہ جوانوں کا ساتھ چلنا مشکل ہو جاتا۔

ادری کا ایک واقعہ ہے صدیق مکرم مولانا یٰسین اختر اعظمی اس کے راوی ہیں:

آج سے کئی سال پہلے خالص پور ادری مئو کے ایک جلسے میں حافظ ملت تشریف لے گئے مولانا مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ، مولانا ابوالوفا فصیحی مرحوم اور بیکل اتساہی بھی شریک اجلاس تھے اختتام تقریر کے بعد یہ حضرات اپنی ٹرین کے لیے اندارا اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے بیکل صاحب وغیرہ کی ٹرین گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تھی اس لیے وہ بہت پہلے اسٹیشن پہنچ چکے تھے تقریباً ۴۵ رمنٹ یا پونے ایک گھنٹہ بعد حافظ ملت اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے اسٹیشن پہونچانے والے عقیدت مندوں بالخصوص جناب لعل محمد، جناب احمد علی، جناب محمد سلیمان وغیرہم کا بیان ہے کہ حضرت حافظ ملت اتنی تیزی سے چل رہے تھے کہ بعض اوقات ہم لوگوں کو دوڑنا پڑتا اور بڑی مشکل سے حضرت کا ساتھ دے پاتے تھے۔ ادری جب پہونچے تو لوگوں نے بتایا کہ حضرت کی ٹرین کا وقت ختم ہو چکا ہے اب اس کے ملنے کی کوئی توقع نہیں اس کے باوجود حافظ ملت چلتے رہے اور یہ فرمایا انشاء اللہ ضرور ملے گی۔ اسٹیشن پہونچے تو بیکل صاحب ابھی موجود تھے اور حافظ ملت کی ٹرین ابھی آئی ہی نہ تھی حافظ ملت کو دیکھتے ہی بیکل صاحب اور دیگر علمائے کرام نے ان کے قدم چوم لیے۔ ایسا نہیں کہ حافظ ملت اس طرح کے مخصوص حالات ہی میں تیز رفتاری سے چلتے تھے بلکہ عام حالات میں بھی آپ کی رفتار سنت کے مطابق تیز ہوا کرتی تھی۔

جوتے بھی سنت کے مطابق:

حافظ ملت کے جوتے بھی سنت کے مطابق ہوتے ۔ جن میں دائیں اور بائیں کا امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ تلامذہ اور اہل عقیدت انہیں سیدھے کرنے کے وقت بعض اوقات ردو بدل کرتے کہ داہنا کون ہے اور بایاں کون۔ اس موقع پر آپ فرماتے جوتے میرے پیروں کے تابع ہیں میرے پاؤں جوتوں کے تابع نہیں، مولانا محمد اسلم گورکھپوری اپنے ہم جماعت مولوی عبدالرحمٰن کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ وہ جوتے سیدھے کرتے ہوئے داہنے کو بائیں اور بائیں کو داہنے کرنے لگے۔ حافظ ملت نے یہ کیفیت دیکھ کر فرمایا:

''میں ایسا جوتا نہیں پہنتا جس کی پابندی پیر کو کرنی پڑے''۔

جوتا یا چپل پہن کر وضو کرنے میں اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ وضو کرتے وقت پیروں کے دھلنے میں اکثر لوگ دائیں پیر کا جوتا نکا کر دایاں پیر دھل کر دائیں پیر میں جوتا پہن لیتے ہیں اس صورت میں پیروں سے جوتا اتارنا خلاف سنت ہوا پھر بائیں کا جوتا نکال کر بایاں پیر دھلتے ہیں اس صورت میں بائیں پیر کا جوتا نکالنا اور پہننا دونوں خلاف سنت ہوا۔ مگر حضور حافظ ملت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ پہلے بائیں کا جوتا اتارتے پھر دائیں کا اتارتے اور جوتوں پر پیر رکھ کر وضو کے لیے اس پر پیر رکھ کر بیٹھ جاتے پھر پیروں کے دھلنے میں پہلے دایاں پیر دھل کر دائیں پیر کا جوتا پہن لیتے پھر بایاں پیر دھل کر بائیں کا جوتا بائیں پیر میں پہنتے اس صورت میں جوتوں کا اتارنا سنت کے موافق ہے اور پہننا بھی سنت کے موافق ہے۔

(بروایت مولانا محمد اسلم عزیزی مصباحی)

ضیافت اور عمل بالسنہ:

گرمیوں کے موسم میں ایک بار دوپہر کے بعد حکم ہوا اور ساتھ چل پڑا۔ حضرت نے داعی کے گھر تشریف فرما ہوتے ہی ضیافت کے انتظام کو محسوس کرلیا تو فرمایا: پہلے وہ کام جس کے لیے آیا ہوں چائے وغیرہ بعد میں''۔ (ملخصا معارف حافظ ملت از مولانا محمد اسلم مصباحی)

یہی مولانا محمد اسلم صاحب فرماتے ہیں:

''پہلے وہ کام جس کے لیے آیا ہوں ذہن کے نہاں خانے میں موجود تھا۔ بخاری شریف یا مسلم شریف میں مندرجہ ذیل حدیث پڑھا تو سمجھ میں آیا کہ حضور حافظ ملت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ وارضاہ عناہ کا فرمان ''پہلے وہ کام جس کے لیے آیا ہوں چائے وغیرہ بعد میں'' رسول پاک کی سنت پر عمل تھا۔

صحابی رسول حضرت عتبان ابن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری خواہش ہے کہ سرکار غریب خانہ پر تشریف فرما ہو کر گھر کے کسی حصہ میں نماز ادا فرمادیں تو میں اس جگہ کو اپنے نماز پڑھنے کی جگہ بنا لوں اللہ کے رسول نے منظور فرمایا۔ تشریف لے گئے اور حضرت عتبان کے گھر میں پہلے نماز ادا فرمائی اس کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ ماحضر تناول فرمایا۔ (معارف حافظ ملت ص ۴۷)

خلوص وایثار:

حضور حافظ ملت کے خلوص کا یہ عالم تھا کہ زندگی میں کوئی بھی کام اپنی کسی ذاتی غرض کی خاطر نہیں کیا۔ پوری زندگی اللہ کے لیے جینے اور اللہ کے لیے مرنے کی تفسیر تھی۔ ایثار وقربانی آپ کی زندگی میں ایسا رچا بسا تھا کہ وہ اس کی عملی تفسیر تھے۔ اس ضمن میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فراغت کے بعد شاہی جامع مسجد آگرہ کے مرکزی دارالافتاء کا عہدہ قبول کرنے کے لیے حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ جہاں اس وقت سو روپے مشاہرہ تھا۔ یعنی آج کے سات ہزار۔ مگر معذرت فرمادی۔ اور مبارک پور صرف ۳۵/روپے خشک مشاہرے پر تشریف لے آئے۔ آپ حضرات ذرا ذہن کی گرہ کھول کر سوچیں۔ کہاں مبارکپور کہاں آگرہ۔ کہاں سو روپے کہاں ۳۵/روپے کہاں ایک عظیم عہدے سے سرفرازی اور کہاں مبارکپور کا معمولی مکتب۔ آگرہ ایک مرکزی شہر ہے جو برسوں شاہان ہند کا دارالسلطنت رہ چکا ہے وہاں مقامی طور پر بھی میلا دشریف کے اجلاس بکثرت ہوتے تھے اور اس وقت تو بہت زیادہ ہوتے تھے اور وہاں ہر جلسے میں کچھ نہ کچھ نذرانے کا رواج عام تھا۔ علاوہ ازیں وہاں کے لوگ مفتی شہر کو مختلف اوقات میں نذرانے پیش کیا کرتے تھے۔ پھر دور دراز کے شہروں میں بھی وہاں رہ کر تعارف لازمی تھا۔ جس کا نتیجہ کم منفعت بخش نہیں تھا، رہ گیا مبارک پور یہ ایک گمنام قصبہ تھا جہاں اس وقت آمد ورفت کے ذرائع محدود تھے جہاں کی اکثر آبادی مزدور تنگ دست مفلوک الحال افراد کی تھی۔ مدرسے کی ایک مختصر سی خام سفالہ پوش عمارت تھی۔ قصبے کے باہر کوئی اس مدرسہ کو جانتا بھی نہ تھا مگر ایثار وقربانی کے اس سلطان بے کلاہ نے مبارک پور کو ترجیح دی۔ ان کی کشفی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مبارک پور کی بظاہر اس بنجر زمین کی تہ میں قسام ازل نے روز اول ہی آب حیات کا وہ چشمہ ودیعت کردیا جو اپنے خضر کا انتظار کررہا ہے۔ جو اسے حاصل کر کے خود بھی زندہ جاوید ہوجائے گا اور نہ جانے کتنوں کو پلا پلا کر زندہ جاوید بنا دے گا۔ (ماہنامہ اشرفیہ فروری ۱۹۹۱ء ص ۳۷)

حضور حافظ ملت ایثار وخلوص کا پیکر تھے۔ آپ کی حیات کا لحہ لحہ خدمت دین متین اور خدمت خلق کے لیے وقف تھا۔ ایک بار خلوص کے ساتھ خدمت دین کی تعلیم دیتے ہوئے بیان فرمایا:

گورکھپور کے ایک وکیل صاحب نے میلا دشریف کے لیے ایک بار مدعو کیا، گیا، تقریر ہوئی اور واپسی ہوگئی۔ اس کے بعد ہر سال دعوت آتی رہی بخوشی منظوری دیتا اور حاضر ہوتا کہ نہ جانے میں دنیاوی منفعت کے دخل کا شائبہ تھا۔ گویا وکیل صاحب بھی مخلص ہی تھے جن کے نزدیک نہ سفر خرچ کی حاجت تھی اور نہ نذر ونیاز کی ضرورت۔ (معارف حافظ ملت ازمولانا محمد اسلم عزیزی مصباحی ص ۵۵)

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے خلوص وایثار کے تعلق سے محدث کبیر مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ فرماتے ہیں:

''حافظ ملت اپنی اجتماعی زندگی میں جدو جہد اور اخلاص وایثار کا مرقع تھے ان کی زندگی کے اس رخ کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں تعلیم دینی اور خدمت خلق۔ (حافظ ملت نمبر ص ۱۵۹)

مزید تحریر فرماتے ہیں:

''آپ نے مبارک پور تقریبا نصف صدی کا عرصہ گزار دیا لیکن کسی دور میں بھی آپ کا مشاہرہ دوسو پچاس تک نہ پہنچا اور اس بیچ میں نہ تو آپ نے کبھی اضافۂ تنخواہ کی درخواست گزاری اور نہ کبھی کوئی خواہش ہی ظاہر کی۔ اس ضمن میں حضرت کے وہ زرّیں عطیات بھی شمار کیے جا سکتے ہیں جو الجامعۃ الاشرفیہ کی تاسیس وفراہمی زر کے لیے راہبر ثابت ہوئے۔ بات یہیں پر بس نہیں ہوئی بلکہ قربانیوں کا ایک گوشہ یہ بھی ہے کہ جب اہل مبارک پور نے باتفاق رائے آپ کو دارالعلوم اشرفیہ کی باگ ڈور سپرد کر دی اور آپ سربراہ اعلیٰ کی حیثیت سے منتخب کر لیے گئے تو اس کے بعد ۲ے۷ء سے آپ نے اشرفیہ سے مشاہرہ لینا بھی موقوف کر دیا۔

ایام مرض میں شاہزادہ گرامی قدر مولانا عبدالحفیظ صاحب سے فرمایا: لوگ الاؤنس کے لیے مجھ سے اصرار کر کے کامیاب نہیں ہو سکے لیکن تم خیال رکھنا کہ کہیں تم کو کچھ نہ دے دیں۔

حافظ ملت کے بعد جب مولانا عبدالحفیظ صاحب کو باتفاق رائے اشرفیہ کا سربراہ اعلیٰ چن لیا گیا تو سمجھا گیا کہ حضرت کا اشارہ کس مستقبل کی طرف تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ لائق فرزند نے قربانیوں کی وراثت باقی رکھی اور آپ نے بھی مشاہرہ والاؤنس کا قضیہ نہیں پالا۔ انکار کی قوت اصرار پر بھاری ثابت ہوئی۔

زندگی بھر تو حافظ ملت اشرفیہ کے لیے قربانیاں دیتے ہی رہے اس پر بھی قرار نہ آیا تو خون کا آخری قطرہ بھی اشرفیہ کے لیے نچوڑ دیا اور اپنا مدفن بھی اشرفیہ کو سونپتے گئے۔

مقدر سے ملا کرتی ہے دولت عشق وعرفاں کی

(حافظ ملت نمبر ص ۱۵۷ ۱۶۰)

اپنے کام کی فکر کرنی چاہیے:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کا جذبہ ایثار ملاحظہ کیجیے۔ مولانا شمس ضیائی خیر آبادی رقم طراز ہیں:

''ایک بار ایک جلسہ کے منتظمین نے حضرت کو تقریر کے لیے بلایا اور حضرت گئے تو تقریر کرائی اور رات محلہ کی مسجد کے فرش پر گزارنی پڑی صبح کو واپسی کے وقت کوئی نہ ملا اس بدخلقی پر میں نے اظہار ناراضگی کیا۔ تو حضرت نے فرمایا۔ انسان کو دوسروں کی ذمہ داریوں کے بجائے اپنے کام کی فکر کرنی چاہیے۔ الحمد للہ! ہم لوگوں نے اپنا کام کر دیا۔

(حافظ ملت نمبر ص ۵۰۹)

دنیا طلبی سے بے نیازی:

حضرت حافظ ملت نے خود کو دین وملت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ انہوں نے مالی منفعت یا دنیاوی شان وشوکت کو دل میں داخلہ کی اجازت ہی نہ دی۔

اس سلسلے میں مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی لکھتے ہیں:

''آج کے اس دور انحطاط میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ دین کے نام پر ادارہ بناتے ہیں اور پھر اس سے سستی شہرت، دنیاوی منفعت اور کنبہ پروری وغیرہ گھٹیا مقاصد کے پیش نظر اپنی کوششوں کا گھوڑا آگے بڑھاتے ہیں۔ مگر حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اخلاص کا کیا کہنا کہ کبھی بھی آپ نے اس قسم کے معمولی اور دنیاوی مقاصد کو اپنے کام کی بنیاد نہیں بنایا۔ ایک مرتبہ فرمایا:

میں نے کبھی اضافہ تنخواہ کی درخواست نہیں دی، جو ملا لے لیا۔ اور اب تو کئی سال سے بلا تنخواہ ہی کام کر رہا ہوں۔ پھر بھی اللہ کا فضل ہے کہ مجھ میں کوئی فرق نہیں آیا اور سارا کام بدستور چل رہا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ خدا کا وعدہ ہے "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ" اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا''۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے بلکہ آج کل عام ماحول ہے کہ کام کرنے کے بعد ستائش وصلہ اور شہرت کی فکر ہو جایا کرتی ہے اور آدمی زیادہ سے زیادہ اپنا نام اجاگر کرنا چاہتا ہے۔ مگر حافظ ملت علیہ الرحمہ نے کبھی اشارے کنائے میں بھی اس کی خواہش نہیں کی آپ اکثر فرمایا کرتے۔

''آدمی کو کام کرنا چاہیے، شہرت اور ناموری کی فکر میں نہیں پڑنا چاہیے کام کرو خود ہی اس کے صدقہ میں نام اور شہرت حاصل ہو جائے گی اور جو شہرت کی فکر میں پڑتا ہے وہ اصل میں کام نہیں کرتا نام کرتا ہے۔ (حافظ ملت نمبر ص ۴۱۰)

خدمت خلق سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

خدمت خلق عبادت ہے رضائے الٰہی اور رضائے رسالت پناہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

حضرت حافظ ملت نے خالص دینی رخ پر جو کارنامہ انجام دیا وہ تو آپ اپنی نظیر ہے ساتھ ہی ساتھ عوام الناس کی خدمت کا بھی فریضۂ احسن انجام دیا۔ اپنے محلّہ اور پڑوسیوں کے دکھ درد کا خیال، ان کی حفاظت، پریشان حالوں کو دعا وتعویذ دینا۔ یہ سارے کے سارے امور جو آپ نے انجام دیئے سب خدمت خلق ہی تو ہے۔

انسان تو انسان آپ نے چڑیوں اور کتوں کی خوراک اور ان کے بھی آرام کا خیال رکھا۔

توکل:

توکل کے بارے میں قوم کو یوں خطاب فرمایا ہے:

''بندہ جب اپنے رب پر ایمان لایا ہے اور مسلمان ہے تو اس کو اپنے رب پر توکل کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ اگر بندہ کو اپنے رب پر بھروسہ نہیں تو اس کا ایمان ہی کیا ہے اسی لیے تو فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ پر توکل کرو کسی دوسرے پر بھروسہ نہ کرو وہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم اپنے سب کاموں میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہو یا اس کے غیر پر۔ اگر تم نے اپنے ہر کام میں اپنے رب پر بھروسہ کیا تو واقعی تم اپنے رب کے فرمانبردار بندے ہو اور اس کے اکرام وانعام کے مستحق ہو۔ اگر تم نے اپنے کسی کام میں بھی اپنے رب کے غیر پر بھروسہ کیا تو تم مجرم ہو۔ اپنے رب پر ایمان لانے کے بعد غیر پر بھروسہ کرنا بڑا جرم ہے۔ (ارشاد القرآن ص ۱۲،۱۱)

توکل پر خاص زور دیتے ہوئے یوں فرماتے ''تَوَكُّلْ ہی تو، کُل ہے''

آپ اس باب میں اکثر یہ شعر بھی پڑھتے :

سب کام اپنے کرنا تقدیر کے حوالے
نزدیک عاقلوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

ثبات قدمی و حق گوئی:

ثبات قدمی، حق گوئی، جرأت و بے باکی مرد مومن کی پہچان اور اس کی شان ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

جب حق کا کہنا جرم قرار دے دیا جائے اس وقت حق کا ایک کلمہ بھی زبان سے ادا کر دینا بہت بڑی بہادری ہے۔

ثبات قدمی تو یہ ہے کہ جب بندۂ مومن کے قدم صراط مستقیم پر اٹھ جائیں تو کوئی بھی خوف یا لالچ اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ لا سکے۔ ہمالیہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے لیکن بندۂ مومن کے قدم صراط مستقیم اور راہ حق سے کبھی بھی نہیں ہٹتے۔

بس حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی ہی شان تھی۔

وہ ایک بے خوف، نڈر، جری، بہادر انسان تھے، انہیں کسی کا خوف نہ تھا اس لیے کہ وہ خدا سے اس طرح ڈرتے تھے جو ڈرنے کا حق ہے۔ مسلمانوں کو بھی زندگی بھر خوف خداوندی کی تعلیم فرمائی۔ یہ اس لیے تا کہ وہ خوف دنیا سے بے نیاز ہو جائیں۔ خدا سے ڈرنے والا کسی اور سے ہرگز نہیں ڈرتا۔ حافظ ملت کی ذات اس کا زندہ ثبوت ہے۔

مسلمانوں کو مخاطب کر کے جس مجاہدانہ طمطراق کے ساتھ عالم سے بیخوف ہونے کا سبق دے رہے ہیں وہ انہیں کا حق ہے۔

''مسلمان خدا سے ڈریں اور پورا ڈریں، صرف خدا سے ڈریں، خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ غیرت خداوندی کو یہ ہرگز گوارہ نہیں کہ اس کا بندہ ہو کر، اس کا پرستار ہو کر اس کے سوا کسی سے ڈرے'' (ارشاد القرآن ص ۷،۸)

حافظ ملت کو رب تعالیٰ پر ایسا ایمان محکم ہے کہ اس کے علاوہ وہ سب سے بے نیاز ہیں اور دوسروں کو اسی بے نیازی کی تعلیم دیتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

''کائنات عالم کے تمام تصرفات اسی مالک حقیقی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ وہی خالق اور مالک ہے، وہی زندہ کرنے والا ہے اور وہی مارنے والا ہے۔ جس کو وہ مارے کوئی جلا نہیں سکتا اور جس کو وہ زندہ رکھے کوئی مار نہیں سکتا اور جس کو وہ عزت دے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا، جس کو وہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا مسلمان کا ایمان تو یہی ہے''۔ (ارشاد القرآن)

توحید تو جب ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

ثبات قدمی وجرأت مومنانہ:

(۱) مولانا محمد اسلم عزیز مصباحی راوی ہیں:

''محمد آباد یا خیر آباد کے ایک جلسہ میں علمائے اہل سنت اسٹیج پر موجود تھے تقریر کا سلسلہ جاری تھا اسی وقت دیوبندیوں، وہابیوں نے اینٹ پتھر پھینکنے شروع کردیئے۔ یہ حالت دیکھ کر شور مچ گیا۔ لوگ اٹھ اٹھ کر بھاگنے لگے۔ علما سے اسٹیج خالی ہوگیا۔ مگر حافظ ملت اسٹیج پر اپنی جگہ جیسے تشریف فرما تھے ویسے ہی رہے۔ اس وقت آپ کی ثبات قدمی، بے خوفی، اور مومنانہ جرأت دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔۔۔ تھوڑی دیر بعد حضرت کے گرد علما اور پھر جلسہ گاہ میں سامعین آکر جم گئے۔ اور پھر کامیاب تقریریں ہوئیں''۔ (معارف ص ۷۰)

(۲) مومنانہ جلال:

بانسی ضلع سدھارتھ نگر کے رہنے والے محمد شفیع نامی ایک شخص حضور حافظ ملت کے مرید تھے۔ ایک جلسہ میں حضرت سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور میلاد شریف کی دعوت بھی خدمت میں عرض کیا۔ منظوری مل گئی اور حضرت تشریف لے گئے چوں کہ تنہا محمد شفیع صاحب پورے محلّہ میں سنی تھے اس لیے تقریر سننے والوں میں اکثر دیوبندی ہی تھے۔

حضرت کا بیان شروع ہوکر ختم بھی ہوا۔ مگر تقریر کے کسی حصہ پر کچھ کہنے کا کسی کو موقع نہ مل سکا جب کہ سب کے سب بدنیتی کے ساتھ آئے تھے۔ تقریر کے بعد حضرت کی قیام گاہ پر مجمع سا لگ گیا، اکثر کے ہاتھوں میں لاٹھی اور بعض کے ہاتھوں میں دوسرے ہتھیار بھی تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے حضور حافظ ملت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حضور حافظ ملت نے اپنے انداز کے نرم لہجہ میں فرمایا جو خیال ہے'' ہے'' مجمع سے پھر وہی آواز آئی۔ حضرت نے دوبارہ پھر اپنا وہی جواب دہرادیا جو خیال ہے '' ہے'' اب ایک شخص نے انداز بدلتے ہوئے کہا آپ صاف صاف اپنا خیال کیوں نہیں ظاہر کرتے۔ اب حضور حافظ ملت نے اپنی گرجدار آواز میں فرمایا جب پوچھتے ہی ہو تو لو سنو اپنے کفریات اور شان رسالت میں گستاخی کی وجہ سے کافر تھا۔ مرتد تھا اور کیا تھا اس کے بعد کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی اور سب کے سب الٹے قدم واپس چلے گئے۔

محمد شفیع صاحب نے بیان کیا کہ ان سبھوں کی نیت خراب تھی میں تو گھبرایا ہوا تھا اور عزم بھی کر چکا تھا کہ جان دیدوں گا مگر حضرت کی ذات پر آنچ تک نہ آنے دوں گا''۔ (معارف حافظ ملت ص ۷۹ بروایت قاری عبدالحکیم صاحب)

(۳) دبدبۂ مومن:

''مولانا حکیم محمد نعیم الدین صاحب برادر حضرت مولانا بدرالدین صاحب علیہ الرحمۃ گورکھپوری بیان کرتے ہیں

کہ ایک بار حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان مراد آباد سے تشریف لا رہے تھے۔ ایک اسٹیشن پر نماز کے وقت اتر کر وضو کے لیے نل کے پاس جا رہے تھے۔ غیر مسلموں نے ایک مسلمان کو دیکھا تو اپنے اپنے ہاتھوں میں ہتھیار لیے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ وہ ایام ایسے ہی تھے جس میں مسلمان کاٹے اور مارے جا رہے تھے۔ جب حضرت کے قریب پہنچے تو اپنی گرجدار آواز میں فرمایا ''خبر دار قریب نہ آنا ورنہ خیر نہیں'' یہ سنتے ہی سب کے سب پیچھے ہٹنے لگے۔ حضرت حافظ ملت نے اطمینان کے ساتھ وضو فرما کر مصلیٰ بچھایا اور اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہو گئے اور کسی غیر مسلم کی ہمت نہ ہوئی کہ دوبارہ ادھر کا رخ کر سکے''۔ (ایضاً ص ۷۹ بروایت قاری عبدالحکیم صاحب)

(۴) ہولی اور حافظ ملت کا گزر:

ایک بار ہولی کے موقع پر اشرفیہ کے تعلیمی ایام چل رہے تھے۔ حضور حافظ ملت اس دن صبح دارالعلوم تشریف لائے اور درس دیا گیارہ بجے قیام گاہ تشریف لے گئے دوسرے وقت مدرسہ آنے کا وہی ٹائم تھا جو مدرسہ کے قریب اگجنٹی پر ہولی کھیلنے والوں کا وقت تھا۔ بڑے طلبہ کے ذہنوں میں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ حضرت سے دوسرے وقت نہ آنے کے لیے عرض کیا جائے تو وجہ بتانا ہوگا پھر روکنے کی کوئی صورت نہ ہو سکے گی اسی کش مکش میں وہ وقت بھی آ گیا کہ ہولی کھیلنے والے اگجنٹی پر پہنچ کر ہولی کھیلنے لگے۔ اور اسی وقت حضرت حافظ ملت پورب سے آتے دکھائی پڑے۔ اب تو یہ تھا کہ اگر حضرت کے اوپر رنگ پڑ گیا تو کیا ہوگا۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان عادت کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے نظریں نیچے جھکائے چلے آ رہے تھے۔ جیسے ہی ہولی کھیلنے والوں کی نگاہیں حافظ ملت پر پڑیں سب کے سب یک لخت کنارے ہو گئے، اگجنٹی پر سناٹا سا چھا گیا۔ حضرت حافظ ملت کے گزر جانے کے بعد وہ لوگ اپنے کام میں مصروف ہو گئے''۔ (معارف حافظ ملت ص ۸۰)

(۵) آئین جوانمردی:

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں:

''تقسیم ہند کے بعد جب پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا تو جمعیۃ العلماء ہند جو ہمیشہ سے گورنمنٹ کی نمک خوار جماعت رہی ہے جس کے پاس کبھی تعمیر ملت کا کوئی پروگرام نہیں رہا، اس کا صرف یہ کام رہ گیا کہ غلط یا صحیح مسلم لیگیوں کی نشاندہی کرتی اور ان کی گرفتاری عمل میں آتی۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے عام طور پر سیاسی بازیگر جمعیۃ العلماء کا سہارا ڈھونڈتے اور اس کے ممبر بنتے۔ اسی خیال کے پیش نظر مبارک پور کے کچھ سیاسی لوگوں نے مولانا شاہد فاخری، مولوی ابو القاسم، مولوی ابو الوفا شاہجہانپوری کو مبارک پور آنے کی دعوت دی۔ یہ لوگ مبارک پور آئے تو ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بساط سیاست کے مہرے اول الذکر دو صاحبان کو دارالعلوم اشرفیہ میں لا کر دارالعلوم کا معائنہ کرایا اور رات کو وہیں ٹھہرایا۔

دوسرے روز جمعہ کا دن تھا۔ مولانا شاہد فاخری سنیوں کی جامع مسجد راجہ مبارک شاہ میں نماز ادا کرنے گئے۔ بعد

نماز دارالعلوم کے دو تین طالب علموں نے دارالعلوم کو سیاسی داؤں پر لگانے اور توہین رسالت کے مرتکب اکابر دیوبند کو پیشوا ماننے والے مولوی ابوالقاسم کو دارالعلوم میں ٹھہرانے پر اپنی بیزاری اور اس کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کیا۔ اخیر میں ایک طالب علم نے اپنی تقریر میں نہایت تلخ لب ولہجہ میں مولانا شاہد فاخری صاحب کو خطاب کیا۔ چوں کہ انداز بیان شائستگی سے گرا ہوا تھا پھر مہمان کے ساتھ اس طرح کا انداز کلام کسی طرح مناسب نہیں تھا اس لیے حافظ ملت نے برہمی کا اظہار کیا اور اس کو ڈانٹا۔ اسی درمیان کچھ لوگ مجمع سے کھڑے ہوئے اور کہا کہ مولوی صاحب تہذیب سے بات کیجیے۔ اس پر شور وغوغا ہوا جس کے نتیجے میں تمام لوگ مسجد سے نکل آئے۔

دوسرے روز کچھ لوگوں نے کلکٹر ضلع کے وہاں شکایت پہنچائی کہ مولانا عبدالعزیز صاحب، حاجی محمد عمر ومولوی باقر علی لیگی ہیں ان لوگوں کی وجہ سے مبارک پور کا امن وامان درہم برہم ہونے کا سخت اندیشہ ہے اس لیے ان کو حراست میں لینا ضروری ہے تاکہ امن وامان قائم رہے چنانچہ شکایت کے نتیجے میں کلکٹر کی طرف سے ان حضرات کی گرفتاری کا پروانہ جاری ہوا۔

قصبہ میں اس خبر کا مشتہر ہونا تھا کہ پورے قصبہ میں بھونچال آ گیا۔ ارادت مندوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھانے پہنچ گیا جہاں پولیس والے حیلہ بہانہ بنا کر آپ کو لے گئے تھے اور وہاں پہونچنے پر وارنٹ دکھایا۔ جب جیپ پر بٹھا کر اعظم گڑھ روانہ ہونے لگے اس وقت تک تھانے پر ہزاروں مسلمان پہنچ چکے تھے۔ آپ نے جیپ ہی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امن وامان برقرار رکھنے کی نصیحت فرمائی، سب کو صبر وضبط کی تلقین کی اور فرمایا سنت سجاد پر عمل باقی رہ گیا تھا اس کی ادائیگی کے لیے جا رہا ہوں۔ آپ لوگ اطمینان رکھیں، اللہ تعالیٰ حافظ وناصر ہے۔ (حافظ ملت نمبر ص ۱۲۹، ص ۱۳۰)

بالآخر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو جیل جانا پڑا۔ وکلا نے کلکٹر سے ملاقات کی اور کہا کہ حضرت کی گرفتاری سے قصبہ میں سخت ہیجان ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مبارک پور کا امن وامان قائم نہ رہ سکے۔ کلکٹر نے کہا کہ مجھے آپ لوگوں کی باتوں پر اعتماد ہے لیکن چھوڑنے کے لیے کوئی وجہ ہونی چاہیے۔

بالآخر کلکٹر نے ایک مضمون بتا کر اس کی درخواست لانے کو کہا وکلا نے کہا کہ اس طرح کی تحریر پر حضرت دستخط کرنے کو ہرگز تیار نہ ہوں گے۔ جب درخواست دستخط کے لیے حضرت کے پاس گئی تو پڑھ کر فرمایا اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں نے کچھ کیا ہے اور اب ضمانت دوں کہ آئندہ ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ حضرت نے فرمایا میں رہا ہوں یا نہ ہوں مگر خلاف واقعہ درخواست پر دستخط نہیں کروں گا۔

جب وکیل صاحبان جیل کے گیٹ سے باہر ہوئے تو صلاح الدین صاحب نے لوگوں سے کہا کہ وکیل ہونے کی حیثیت سے میرا سابقہ ہر طرح کے لوگوں سے پڑتا رہتا ہے لیکن میں نے اپنی زندگی میں اتنے بلند کردار کا انسان نہیں دیکھا۔ (ملخصا حافظ ملت نمبر ص ۱۳۰، ۱۳۱)

یہی حضرت مولانا محمد شفیع علیہ الرحمہ مزید فرماتے ہیں:

"دارالعلوم کا داخلی مسئلہ رہا ہو یا خارجی جو مسئلہ بھی سامنے آیا آپ نے حسن تدبیر سے اس کی گتھی سلجھائی اور کسی

مسئلہ میں بھی حق پسندی وحق گوئی کے موقف سے سر مو پیچھے نہیں ہٹے۔ اس سلسلہ میں متعلقہ لوگوں کی طرف سے خواہ ستائش وحمایت کی سوغات ملی ہو یا مخالفت کی تلخی۔

ایک معزز طالب علم کا خارجہ:

ابھی چند برسوں کی بات ہے، ایک معزز خاندان کے طالب علم کی وجہ سے قصبہ میں زبردست ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی۔ آپ نے خاندانی وجاہت کالحاظ کرتے ہوئے ان کے سرپرست کولکھا کہ ان کی وجہ سے قصبہ کے امن وامان اور خود دارالعلوم کوسخت خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ اس لیے دارالعلوم میں موصوف کا قیام مناسب نہیں ہے۔ آپ انہیں فوراً بلا لیں۔

چوں کہ قصبہ کی فضا نہایت گرم ہوچکی تھی ۔ طالب علم مذکور کے مکان چلے جانے کے باوجود مخالف جماعت کا جوش انتقام ٹھنڈا نہیں ہوا۔ جلسہ کا اعلان کرکے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر سب وشتم کی بارش کی ۔ اس جماعت کی اس حرکت سے پورا قصبہ شعلۂ جوالہ بن گیا۔ مشتعل سنی نوجوانوں کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ انہی طالب علم سے تقریر کا جواب دلایا جائے بالآخر کمیٹی کا اعلان ہوا۔ کمیٹی کے ارکان کے علاوہ قصبہ کے نوجوانوں کا طبقہ کمیٹی میں شرکت کے لیے امنڈ پڑا۔ کمیٹی کی کارروائی شروع ہوئی ۔ تو نوجوانوں نے طالب علم مذکور کے داخلہ کا مطالبہ کیا نوجوانوں کے جوش کے سامنے کمیٹی کے ارکان نے گھٹنے ٹیک دیئے ۔ مگر حافظ ملت نے فرمایا ان کا داخلہ دارالعلوم کے حق میں زہر قاتل ہے ۔ میں داخلہ کی صورت میں دارالعلوم کی تباہی دیکھتا ہوں، اس لیے داخلہ کرنے سے معذور ہوں اساتذہ کے علاوہ تقریباً پوری کمیٹی داخلہ کے لیے زور لگاتی اور اصرار کرتی رہی اور حضرت ہر ایک کی تفہیم کرتے ہوئے بار بار داخلہ سے معذوری ظاہر فرماتے ۔ اسی طرح تقریر کے جواب کے سلسلہ میں فرماتے ۔ آپ حضرات اطمینان رکھیں ہمارے اساتذہ میں آل انڈیا سطح کے مقرر ہیں انشاء اللہ مدلل اور بھرپور جواب دیں گے۔

سوال وجواب کا سلسلہ ایک بجے تک قائم رہا جب داخلہ کی کوئی سبیل پیدا نہیں ہوئی تو ایک محلّہ کے لوگ یہ کہتے ہوئے طیش میں کھڑے ہوگئے کہ داخلہ نہیں ہوتا تو ہم لوگ جارہے ہیں۔ یہ وارننگ تھی کہ دارالعلوم کی امداد سے ہم لوگ دست کش ہوجائیں گے ۔ چوں کہ طلبہ کی بہت بڑی تعداد کی جاگیر اسی محلّہ سے وابستہ تھی ۔ جاگیریں بند ہونے سے دارالعلوم کی مالیات پر بہت بڑا بار پڑے گا جس کا متحمل دارالعلوم نہ ہوسکے گا۔ لازمی طور پر مالیات کا توازن برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اس سنگین صورت حال میں بھی حافظ ملت کے پائے ثبات میں لغزش پیدا ہوئی نہ آپ کی حق گوئی ذرہ برابر متاثر ہوئی۔ فرمایا آپ حضرات داخلہ کے حق میں ہیں تو کمیٹی کو اختیار ہے داخلہ کرے ۔ لیکن اس کے جواثرات مرتب ہوں گے ان کی ذمہ داری کمیٹی پر ہوگی ۔ عبدالعزیز ذمہ دار نہیں ہوگا۔

مبارک پور کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ حافظ ملت کا تدبر یا آپ کی دوربین نگاہیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں وہ حرف بحرف پورا ہوا۔ جس ذات شریف کے داخلہ کا اصرار تھا بالآخر کیا گیا، طرفین سے اشتعال انگیز تقریروں کا تبادلہ ہوا۔ تین آدمیوں کا قتل ہوا۔ لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح پکڑ پکڑ کر جیلوں میں بھر دیئے گئے ۔ کچھ لوگوں نے سزائیں کاٹیں بے پناہ سرمایہ

خرچ ہوا۔ مگر الحمد للہ دار العلوم کے اسٹاف اور دار العلوم پر کوئی آنچ نہیں آئی۔

چاقو مارنے کی دھمکی:

اس باب میں یہ واقعہ بھی آپ کے اس وصف خاص کا بہت بڑا آئینہ دار ہے جسے حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی ناظم اشرفیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نکاح پڑھانے کے لیے آپ کو لے گئے۔ آپ نکاح پڑھا کر فارغ ہوئے مسجد سے باہر تشریف لا رہے تھے کہ قابل اعتماد ایک شخص نے بتایا کہ حضرت لڑکی سنی گھرانے کی ہے مگر لڑکا دیوبندی مسلک کا ہے۔ اس علم کے بعد افسوس کیا اور پلٹ کر فرمایا نکاح نہیں ہوا۔ اس بات کا دیوبندی حلقہ میں چرچا ہوا تو ان لوگوں میں بہت زیادہ برہمی پیدا ہوئی۔

ایک نوجوان نے اپنی دولت کے زعم میں یہاں تک کہا کہ میں حافظ ملت کو چاقو ماردوں گا۔ اس کی اطلاع جب ہمارے دار العلوم کے اہم رکن جناب سیٹھ حاجی محمد عمر صاحب کو ہوئی تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت اس وقت آنے جانے میں ذرا احتیاط برتیں یا کسی کو ساتھ لے لیا کریں۔ حضرت نے دریافت فرمایا ایسا کیوں کروں۔ حاجی صاحب نے ماجرا بیان کیا۔

آپ نے فرمایا حاجی صاحب مومن کی شان ہونی چاہیے کہ اپنے رب پر بھروسہ کرے اس کا ارشاد ہے "وھو معکم اینما کنتم" الحمد للہ مجھے اپنے رب پر کامل اعتماد ہے کہ وہ میرا حافظ و ناصر ہے۔ میں جس حال میں جہاں بھی رہوں۔ انشاء اللہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی میرا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ (حافظ ملت نمبر ص ۱۳۱، ۱۳۲)

مجاہدانہ زندگی کا ایک جائزہ:

حضرت مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی مبارکپور میں حضور حافظ ملت کی مجاہدانہ زندگی کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

"یہ ادارہ بنتے وقت اور اس کے بعد کتنی مشکلیں پیش آئیں۔ کتنے خطرات سے دو چار ہونا پڑا۔ ہوا خیزی کی کتنی کوشش کی گئی۔۔۔ یہ ایک بڑی تکلیف دہ داستان ہے۔۔۔ جس کی تفصیل کی گراں باری ان مختصر صفحات کی وسعت سے باہر ہے۔

آپ کے عزم و عمل اور استقلال و پامردی کا کارواں تدبر و دانائی کے جلو میں آگے بڑھتا رہا، صبر و تحمل، ضبط نفس، ایثار و قربانی کے بے شمار واقعات سامنے آتے رہے۔ آپ گردش روزگار سے بے پرواہ ہو کر اپنے مقاصد کی تکمیل میں مصروف رہے۔ اس دوران مایوسیاں آگے بڑھیں تو امیدوں نے بڑھ کر ان کا گلا گھونٹ دیا۔ تیرگیوں نے اپنا بسیرا کرنا چاہا تو ضیا بار کرنوں نے ان کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ مشکلات و مصائب کے حملے ہوئے تو صبر و ضبط تدبر و دانائی نے ان کا سر قلم کردیا۔ دشمنوں نے دست و بازو آزمانا چاہا تو نصرت الٰہی اور آپ کی قوت بازو نے ان کا پنجہ مروڑ کر رکھ دیا۔ اگر کبھی قدم ڈگمگاتے نظر آئے تو توفیق الٰہی نے بڑھ کر انہیں سہارا دیا۔ الزام تراشیوں نے ان کے وقار و آبرو پر خاک ڈالنا چاہی تو عزت و عظمت خدا داد نے انہیں ہباءً منثورا بنادیا۔ اور شکست و ریخت کی گرم بازاری ہوئی تو تاسیس

وتعمیر کی قطاریں کھڑی نظر آئیں۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ کبھی نہ بھلائی جانے والی حقیقتیں ہیں۔ جن کی گواہی مبارک پور کے در و دیوار بھی دے سکتے ہیں۔ آپ نے بہت سے ناگفتہ بہ حالات پر جس طرح قابو پایا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ کسی دوسرے کے بس کی بات نہ تھی۔ ہر موڑ پر آپ عزیمت واستقلال کا پہاڑ بنے کھڑے رہے۔ علوم اسلامیہ سے بے رغبتی اور بے اعتنائی، زندگی کے میدان سے کنارہ کشی ملت اسلامیہ ہند کی زبوں حالی، انتشار وخلفشار باہمی تباغض وتحاسد یہ اور ان جیسی متعدد خرابیوں کی اصلاح، اور ان کے حملوں کے دفاع کی مہم آپ کی زندگی کے آخری ایام میں ایک سوالیہ نشان بن کر کھڑی ہوگئی۔ جس کی کامیاب تدابیر اور منصوبوں کے غور وخوض میں آپ کی صلاحیتوں کا بہترین حصہ صرف ہونے لگا۔ ایک نجات دہندہ نتیجہ تک پہونچنے کے بعد جب اسے عملی شکل دینی چاہی تو پورا ہندوستان اس کی تحسین وتائید میں پیش پیش نظر آنے لگا۔ ہر طرف سے ہمت افزائی کی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ مخالفتوں کا بھی اتنا طوفان اٹھا کہ کتنے رفقاء کار ہراساں وسراسیمہ نظر آنے لگے۔ کتنوں کی امیدوں کے چراغ بجھتے نظر آئے۔ پھر بھی آپ اپنی جگہ پہاڑ کی طرح اٹل اپنے تکمیل مقصد کی دھن میں اس طرح محو کہ تعمیر کے علاوہ تخریب کا لفظ بھی سننا گوارہ نہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی تاسیس کے وقت اور اس کے بعد جو کچھ ہوا اور جتنے روڑے اٹکائے گئے۔ اس کا جواب آپ نے جس صبر وضبط، استقلال وخموشی اور پامردی سے دیا وہ ہر خاص وعام پر روشن ہے۔ (حافظ ملت نمبر)

اسی ضمن میں حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''دارالعلوم اشرفیہ کی صدر مدرسی سے لے کر سربراہ اعلیٰ کے منصب پر فائز ہونے تک آپ کی زندگی میں بہت سے نشیب وفراز آئے اور آزمائش کی راہ سے گزرنا پڑا۔ لیکن ہر منزل میں وہی کیا جسے حق سمجھا۔ اور اسی موقف پر ہمالیہ کی طرح جمے رہے''۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۲۹)

موقف پر ثبات قدمی:

یہ حقیقت ہے کہ: حافظ ملت علیہ الرحمہ رزم گاہ عمل میں سیدنا خالد وطارق رضی اللہ عنہما مجاہدین اسلام کی طرح بیباکانہ داد شجاعت دیتے تھے۔ ہر مسئلہ میں نہایت تدبر وتفکر کرتے، اور پھر جو موقف اختیار کر لیتے اس پر پامردی سے قائم رہتے۔ اس وقت حالات اور عوامی بے چینی، کے کسی سرد وگرم کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ آپ اپنے فیصلہ پر جبل شامخ کی طرح ڈٹے رہتے اور وقتی طوفان تھم جانے کے بعد پھر ہر ذی فہم کہنے پر مجبور ہوتا کہ یقیناً وہی حق پر تھے۔

اور یہی طرز عمل تمام علمائے سلف کا رہا ہے۔ خود مجدد عصر سابق سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو بھی ''تحریک خلافت'' اور ''ندوہ تحریک'' کے معاملات میں ایسے ہی حالات سے گزرنا پڑا تھا اور انہوں نے بھی اپنے شرعی موقف کی تائید میں ہر مخالف طوفان کا نہایت پامردی سے مقابلہ فرمایا تھا۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ اس امام دہر کے نائب تھے .... اور آپ کو بھی اپنی عملی زندگی میں اسی صبر وضبط کا ثبوت دینا پڑا تھا۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کے کارناموں کا تجزیہ کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ ان کی پامردی، اور ثبات قدمی کی صفات

نے ہی انہیں علمائے عصر میں ممتاز کیا۔

کردار کا جادو:

حضور حافظ ملت نے مبارک پور آ کر اپنی علمی و عملی زندگی کی کتاب کا آغاز کیا تو لوگوں نے ملاحظہ کیا کہ وہ فضل وکمال طہارت فکر وکردار کی عظیم بلندیوں پر فائز ہیں۔ وہ زہد و ورع میں منفرد ہیں۔ ایثار واخلاق کا پیکر ہیں۔ خوش خلقی اور غمگساری ان کے ضمیر میں شامل ہے۔ وہ محض ایک معلم اور مدرس کی حیثیت سے نہیں بلکہ اہل مبارک پور کی نگاہوں میں سچے نائب رسول کی طرح رچ بس گئے۔ مبارک پور کے مسلمانوں کی پریشانی پر وہ سب سے زیادہ رنجیدہ ہوتے اور مسلمانان مبارک پور کی خوشیاں سب سے زیادہ ان کی مسرت کا سبب بنتیں۔ لوگ حافظ ملت کے پاس اپنے ذاتی شخصی ،سماجی اور ملی غموں کو لے کر جاتے اور ان کا یہ طریقہ تھا کہ ہر آنے والے سے اس کی حیثیت کے مطابق نہایت عزت اور وقار کے ساتھ پیار اور ہمدردی فرماتے۔ یوں اہل مبارک پور کے دلوں میں حافظ ملت نے مقام عزت حاصل کرلیا۔ حافظ ملت نے رونے والوں کے آنسو پونچھے، پریشاں حالوں کی غمگساری کی۔ بیماروں کی عیادت کی، مصیبت زدوں کو تسلی دی، دولت مندوں اور غرباء کے ساتھ یکساں برتاؤ رکھا بلکہ مسکینوں پر زیادہ توجہ فرمائی۔ جنازوں میں بھی شرکت کرتے اور شادیوں کی دعوتیں بھی قبول کرتے اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں کئی کئی میل پیدل چل کر جانا حافظ ملت نے اپنا معمول بنایا۔ پھر کیوں نہ ہو کہ مبارک پور کا بچہ بچہ حافظ ملت کے نام کا دیوانہ بن جائے۔ اور ایسا ہی ہوا۔

تحفظ اوقات:

ہر بااصول اور باکردار شخص وقت کا بڑا قدردان ہوتا ہے۔ جو وقت کی قدر نہیں کرتے وہ ناکام رہتے ہیں اور انہیں وقت نکل جانے کے بعد پچھتانا پڑتا ہے۔

وقت کی اہمیت:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان طلبہ کے اوقات کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ''اعظم المصائب فوت الوقت بلا فائدۃ'' اپنے وقت کو بیکار گزار دینا سب سے بڑی مصیبت ہے۔

اس ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں: جمعرات اور جمعہ کی چھٹیاں ہفتہ بھر میں پڑھے ہوئے اسباق کو دیکھنے کے لیے ہوتی ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا: ''ہر سبق اس طرح پڑھنا چاہیے کہ اسی سبق کا امتحان دینا ہے''

طلبہ پر حافظ ملت کی نصیحتوں کا اثر یہ تھا کہ حضرت حافظ ملت کے تلامذہ میں اکثر جماعتیں ایسی ہوتیں جن میں دو چار طلبہ بہت اچھے اور قابل ہوتے اور نسبتاً جو اچھے نہیں ہوتے وہ بھی آج کے لائق ذکر طلبہ سے اچھے ہوتے۔

(معارف حافظ ملت از مولانا محمد اسلم عزیزی مصباحی ص ۵۴)

حافظ ملت وقت کے قدر داں:

ہمارے سلف صالحین میں اوقات کی پابندی کا جوہر بھی وافر موجود تھا۔ اس کا خوبصورت نمونہ ہم حضور حافظ ملت کی زندگی میں دیکھ سکتے ہیں۔ مدرسہ کا نظام الاوقات ہو یا مسجد میں وقت جماعت، جلسہ، جلوس اور کانفرنسیں ہوں یا شورائی میٹنگیں، مشاغل و معمولات ہوں یا نجی دعوتیں اور ملاقاتیں ہر جگہ حافظ ملت وقت کی پابندی کرتے تھے

حافظ ملت اپنے متعینہ وقت پر صبح خیزی فرماتے تھے، استنجاء اور وضو سے فراغت کے بعد نماز فجر کے لیے مسجد کے لیے نکلتے۔ ہر زمانے میں مدرسہ قدیمہ (پرانے مدرسے) میں طلبہ کا قیام رہتا۔ جو حضرت کی اتباع میں صبح بر وقت بیدار ہو کر مساجد میں منتشر ہو جاتے۔ کوئی جامع مسجد راجہ مبارک شاہ میں کوئی قاضی کی مسجد میں اور کوئی کھجوا تالاب کے کنارے بنی ہوئی حافظ ملت کی مسجد میں نماز کے لیے پہونچتا۔ پرانے مدرسہ کے بیشتر طلبہ حافظ ملت ہی کی مسجد میں ادائے صلوٰۃ کو فوقیت دیتے۔ نماز کے بعد حافظ ملت علیہ الرحمہ گھر لوٹ کر اپنا ناشتہ خود تیار کرتے۔ وہ کیا تھا۔ چند بادام اور مغزیات پتھر کی سل پر خود پیستے، پھر پکاتے، چائے تیار کرتے، حضرت کے آخری وقت تک غالباً حضرت کے آنگن میں ہینڈ پائپ ہی فٹ تھا۔ ٹنکی کا پانی نہیں تھا اور حضرت کے ہینڈ پائپ کا پانی ہمیشہ گدلا آتا تھا اس لیے حضرت پینے کا پانی کبھی ماسٹر محمد نذیر صاحب کے کنویں اور کبھی خلیل احمد رنگ والے صاحب کے ہینڈ پائپ سے لیتے۔ صبح نماز کے بعد کے کاموں میں ایک کام پینے کا پانی لینا بھی تھا۔ گرمی کے دنوں میں کبھی یہ کام شام کو بھی ہوتا۔

صبح کے وقت کبھی کبھی حضرت اپنے ہاتھ میں گوشت رکھنے کا جھولا لیے طلبہ کے کمروں کی طرف نکلتے اور ان سے گوشت منگوا کر حاجی سلامت اللہ صاحب کے گھر بھیجواتے۔ جنہیں زمانہ دراز تک حضرت حافظ ملت کی ضیافت کا شرف حاصل ہوا۔

نماز فجر پڑھ کر چلت پھرت کی ان مصروفیات کے دوران آپ کی زبان تلاوت میں مشغول رہتی۔ تا آنکہ دارالعلوم جانے کا وقت آجاتا۔ کبھی فجر کی نماز کے بعد مطالعہ بھی فرمایا کرتے تھے۔

گھر سے چل کر دارالعلوم تشریف لے جانے کے اوقات اتنے نپے تلے ہوتے کہ راستے کے دوکاندار حضرت کا گزرنا دیکھ کر اپنی گھڑیاں درست کیا کرتے تھے۔ آپ درسگاہ میں ہمیشہ وقت سے پیشتر پہونچتے مدرسین کی حاضری کا رجسٹر آپ کی درسگاہ میں ایک طرف ٹیبل پر رکھا ہوتا۔ کئی مدرسین حضرت کے رعب و وقار کے سبب وقت سے پہلے ہی پہونچ کر دستخط کر آتے۔

درس کی گھنٹی بجنے کے بعد طلبہ کو حکم تھا کہ بلا تاخیر درسگاہ میں حاضر ہو جایا کریں۔ ذرا بھی تاخیر کرنے پر حضرت اظہار برہمی فرماتے۔ اور وقت کی قدر و قیمت سمجھاتے۔

درس کا وقت کسی دوسرے کام میں لگانا حضرت کو پسند نہیں تھا، وہ مدرسہ کے مدرسین و ملازمین کے علمی اوقات کو مدرسہ کی امانت خیال فرماتے تھے اور اسے مدرسہ ہی کے کام میں لگانا روا جانتے تھے۔

دوران درس اگر کوئی آجاتا تو اس کے لیے آپ درس کو ہرگز موقوف نہ کرتے ۔ بلکہ درس جاری رہتا آنے والا بھی اس طرح قال اللہ وقال الرسول کی اس بزم میں شرکت سے فیضیاب ہوتا۔ درس ختم کرکے آپ ملاقات کرتے ۔ دارالعلوم سے دوپہر قریب چھٹی کے بعد گھر آکر کھانا تناول فرماتے ۔ اس کے بعد قیلولہ کرتے ۔ قیلوہ خواہ مختصر ہوتا۔ مگر اس کی عادت گرمی، سردی، بارش ہر موسم میں تھی ۔ فرماتے ۔ قیلولہ سحر خیزی کو آسان بنادیتا ہے۔ ظہر کے وقت مسجد پہنچ کر نماز پڑھاتے ۔۔۔ اگر کوئی ضروری ڈاک ہوتی تو ظہر سے قبل ہی اس کا جواب لکھتے تعلیم اگر دونوں وقت کی ہوتی تو ظہر بعد فوراً دارالعلوم جاتے ۔ ورنہ نماز ظہر کے بعد کا وقت مطالعہ کرنے ،خط لکھنے یا ملاقاتیں کرنے میں صرف فرماتے ۔

عہد کہولت سے قبل تک عصر کی نماز کے بعد تفریح کے لیے طلبہ کے جلو میں آبادی کے باہر مشرقی جانب تشریف لے جاتے ۔ بعد میں چل کر تفریح کے لیے کوئی وقت نہیں تھا۔ بلکہ عصر کی نماز پڑھ کر کوئی مریض ہوتا تو اس کی عیادت کے لیے جاتے ۔ چنانچہ راقم الحروف کو ساتھ لے کر دارالعلوم اشرفیہ کے سابق ناظم اعلیٰ حاجی محمد عمر صاحب کی عیادت کے لیے، عصر بعد ہی تشریف لے گئے تھے ۔ لکھنے پڑھنے کا کام عصر بعد نہ کرتے ۔ مغرب کی نماز کے بعد کھانا تناول فرماتے ۔ اس وقت اگر کوئی ملنے آتا تو ملاقات کرتے ۔ کھانا کھا کر گھر کے آنگن ہی میں چہل قدمی کرتے ۔ کہا جاتا ہے کہ حافظ ملت اپنی جوانی کے عہد میں ورزش کے بھی عادی تھے ۔ جس کی وجہ سے آپ کے اعصاب مضبوط تھے ۔ عشا سے قبل اور کبھی فوراً بعد طلبہ سر پر مالش کرنے اور پاؤں دبانے کے لیے حاضر ہوتے ۔ اس خدمت کے دوران بھی حضرت انہیں قیمتی علمی باتوں سے بہرہ ور فرماتے رہتے ۔ عشاء کے بعد مطالعۂ کتب کا وقت تھا۔ جس کے دوران کبھی کبھی پرانے مدرسہ میں مقیم طلبہ کی نگرانی کے لیے دولت کدہ سے باہر نکلتے ۔ ۱۱ر بجے استراحت کے لیے بستر پر لیٹتے ۔ شب کے آخری حصے میں تہجد کے لیے بیدار ہوجاتے ۔ انہیں شب خیزی کے لیے کبھی کسی الارم کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

وقت کی پابندی:

دنیا میں اعلیٰ مقاصد سے وابستہ ہستیاں ہر دور میں وقت کی پابندی ملحوظ رکھتی ہیں ۔ حافظ ملت اپنے عہد میں اس کی اعلیٰ مثال تھے سردی ہو یا گرمی ، آندھی ہو یا برسات، صعوبت سفر سے چور چور ہوں خواہ اور کوئی دشواری، حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنا ہر ضروری کام وقت پر کیا کرتے تھے ۔ مشغولیات اور کام میں اضافہ ضرور ہوتا گیا۔ مگر اصل معمول میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا ۔ دارالعلوم درس دینے کے لیے پہنچنے کا آپ کا جو وقت تھا ۔ اس میں کیا مجال جو منٹ دو منٹ کی تاخیر ہوجائے ۔ بلکہ آٹھ بجے صبح اگر تعلیم شروع ہونے کا وقت ہے تو آپ ہمیشہ ۵ر منٹ پیشتر اپنی درسگاہ میں پہنچ چکے ہوتے تھے ۔ قیامگاہ سے نکلنے، اور راستہ طے کرنے میں آپ کتنے قدم چلتے تھے ۔ گھڑی کی سوئیوں کے مانند وہ بھی متعین تھا۔ لوگ آپ کی آمد سے اپنی گھڑیاں درست کرنا چاہتے تو کرلیا کرتے ۔

سفر درپیش ہوتا تو ٹرین اسٹیشن ہمیشہ وقت سے کچھ پہلے پہنچتے ، اور ٹکٹ حاصل کرکے رفقاء سفر کے ساتھ کسی

درخت کے سائے میں یا گھاس پر تشریف رکھتے۔ایک بار راقم الحروف نعال برداری کے لیے ساتھ تھا۔ سٹھیاؤں اسٹیشن پر بھیڑ زیادہ تھی اور دھوپ چمک رہی تھی سورج ڈھل چکا تھا لوگ سائے کی جگہوں میں سمٹے ہوئے تھے۔حضرت نے دھوپ میں ایک خالی تپائی پر تشریف ارزانی کی۔اور فرمایا:

علما کو اتنا نازک مزاج نہیں ہونا چاہیے بلکہ سختی اور مشقت برداشت کرنے کی عادت رکھنی چاہیے نہ ہم لوگ موم کی طرح ایسے نرم ہیں کہ اتنی سی دھوپ میں پگھل جائیں اور نہ ہی ہمارا جسم بتاشے کی طرح ہے کہ پانی کے چند چھینٹے پڑیں تو گھل جائیں۔

وقت کی قدر:

مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی فرماتے ہیں:

''ایک بار مدارک شریف کے سبق میں ہم لوگ تین چار منٹ تاخیر سے پہنچے تو سخت برہم ہوئے اور باز پرس فرمائی کہ دیر کیوں کی؟ جواب کسی کے پاس نہ تھا۔اس لیے کہ کسی ضروری کام میں مصروفیت یا کوئی معقول عذر تو تھا نہیں، جسے پیش کر سکتے۔چار منٹ کا وقفہ ان کی درسگاہ کے سامنے ہی بیکاری میں گزرا تھا۔میں نے سمجھ لیا کہ کوئی اس سوال کا جواب دے گا۔اور نہ اس کے بغیر حضرت سبق پڑھائیں گے اور آج یونہی واپس جانا ہوگا۔۔۔خیر ہمارے رفیق درس مولانا نصیر الدین صاحب کو آخر بات سمجھ میں آگئی۔عرض کیا: معاف فرمائیں آئندہ ایسا نہ ہوگا'' اتنا سننے کے بعد حضرت کا چہرہ بدل گیا۔''ہاں'' کہا اور سبق شروع کرادیا''۔(انوار حافظ ملت ص ۲۷،۲۸)

''ایسے ہی ایک بار ملاحسن کے درس میں مولانا حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ کے یہاں تاخیر ہوگئی تھی انہوں نے بھی اس کا بہت سخت نوٹس لیا۔بس یہی دو اتفاق ایسا ہوا۔اور سخت تنبیہ سے دوچار ہونا پڑا۔اس سے ظاہر ہے کہ ان ذمہ دار اساتذہ کو نہ اپنے وقت کا ضیاع گوارہ تھا نہ طلبہ کے وقت کی بربادی وہ دیکھ سکتے تھے۔ان حضرات کا بڑا زبردست مجاہدہ یہ تھا کہ ادارہ کے غیر تعلیمی کاموں کو ہمیشہ غیر درسی اوقات میں ہی نپٹانے کی کوشش کرتے تھے۔خواہ اس کے لیے جو بھی مشقت جھیلنی پڑے۔مگر اسباق کا ناغہ گوارہ نہ تھا''۔

(بروایت مولانا محمد اسلم مصباحی،انوار حافظ ملت ص ۲۹)

زہد و تقویٰ:

تقویٰ کیا ہے؟ اپنے رب جل جلالہ سے ڈرنا یعنی خشیت الٰہی۔اور جب بندہ اپنے رب سے ڈرتا ہے تو اس کے احکامات و فرامین پر عمل پیرا رہتا ہے۔یہی خشیت ربانی اسے مرد کامل اور حقیقی مومن بنائے رکھتی ہے۔وہ اپنے اور رب کے حبیب لبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی یعنی شریعت و سنت کی پیروی کو اپنی زندگی کا اولین مقصد بنالیتا ہے۔

قرآن کریم میں رب عظیم نے مسلمانوں کو خوف الٰہی کی تعلیم دی ہے اور اس کے فائدے بھی بیان فرمائے ہیں:

رب ذوالجلال کا ارشاد ہے: "یَآ یُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" (آل عمران:۱۲)

یعنی: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور اخیر دم تک اسلام پر قائم رہو۔

اللہ سے ڈرنے ہی میں فلاح ونجات ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"فَاتَّقُوا اللّٰہَ یَا اُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" (المائدہ:۱۲)

یعنی: اے عقلمندو! اللہ سے ڈرو تا کہ فلاح پاؤ۔

خود حضور حافظ ملت ارشاد فرماتے ہیں:

''خوف الٰہی سے قلب آراستہ ہوتا ہے..........قلب کی زندگی ذکر وفکر ہے۔ یاد الٰہی سے مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کا تقرب ونزدیکی حاصل ہوتی ہے''۔ (معارف حدیث از حافظ ملت ص۸۵)

حضرت حافظ ملت خلوص وایثار کے بھی پیکر تھے اور زہد وتقویٰ کے بھی مرقع تھے۔

مولانا نصر اللہ صاحب حضرت حافظ ملت کی عبادت وریاضت اور تقویٰ وپرہیزگاری کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

''وہ انتہائی متقی پرہیزگار، شعائر اسلامی کے پابند، اور فرائض وواجبات کی ادائیگی پر سختی سے عامل ہونے کے ساتھ ساتھ سنن ومستحباب کا بھی خیال رکھتے تھے۔ سفر وحضر، تندرستی وبیماری، سکون والجھن کے دنوں میں بھی ارشادات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعمیل کا التزام رکھتے تھے۔ آپ کے پاس دنیوی دولت تو نہ تھی لیکن زہد وورع استغنا اور دینداری اور خودداری کی عظیم دولت ونعمت سے مالا مال تھے۔ اپنے رب کی ریاضت وعبادت میں خاص لذت پاتے۔ یہاں تک کہ سفر وحضر میں تہجد پر بھی پابندی برتتے۔ ریاضت ومجاہدات کے ذریعہ طہارت قلب اور تزکیہ نفس کے بلند مقام پر فائز تھے، ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہا کرتے کہ ذکر ہی قلب کی زندگی ہے''۔ (انوار حافظ ملت ص۲۹)

حضرت مولانا عبد اللہ خاں عزیزی بڑی دل لگتی بات کہتے ہیں:

''دنیوی امور سے قطع نظر صرف دینی امور پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت زیادہ آشکارا ہوکر سامنے آئے گی کہ اگر کوئی شخص علم حدیث، فقہ وتفسیر، کلام واصول میں عبقری شخصیت کا حامل ہو لیکن ان علوم سے اس کی روح متاثر نہ ہوئی ہو، دینداری، دیانتداری، تقویٰ وخشیت الٰہی اس میں نہ پیدا ہوئی ہو تو اس کے یہ سارے کمالات ادنیٰ درجہ کی وقعت وحیثیت رکھتے ہیں پس ثابت ہوا کہ انسان کے اندر لازوال عظمت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کمالات انسانی کے ساتھ ساتھ طہارت نفس ونکوکاری کا جذبہ غالب ہوجائے۔ شمائل کریمہ وخصائل حمیدہ کے انوار وتجلیات سے اس کا ظاہر وباطن جگمگا اٹھے۔ اِس نقطۂ نظر سے جب میں غور کرتا ہوں تو مرشد کامل، آقائے نعمت، نائب رسول، مولانا وماؤنا حضرت حافظ ملت نور اللہ مرقدہ کی ذات ستودہ صفات کو میں ایک عظیم انسان قرار دیتا ہوں۔ وہ اعلیٰ درجہ کے ایک ایسے محدث تھے جنہوں نے ۴۰ر سال کی طویل مدت تک درس حدیث دیا اور اس کے نکات اور باریکیوں سے اپنے سینکڑوں تلامذہ کو مستفیض فرمایا۔ وہ قرآن حکیم کے معارف وحقائق کے ایسے محرم اسرار تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اس کی تلاوت

وتفسیر وبیان میں صرف کیا وہ بڑے پرخلوص خطیب ومقرر تھے جن کے خطبہ وتقریر کے اثرات عرصہ تک دلوں کو گرماتے رہیں گے۔ وہ اگر چہ اہل تصوف کے ایسے گروہ میں نہیں شمار کیے جاتے تھے جنہوں نے حیات کے ہنگاموں سے قطع تعلق کر کے تجرد کی زندگی اختیار کرلی ہوتا ہم ان کا باطن یادالٰہی اور رضائے حق میں مصروف عمل تھا۔

دیگر کمالات انسانی کے ساتھ ان میں طہارت نفس، تقویٰ وخشیت ربانی کے پاک عناصر غالب تھے۔ ان کا ظاہر عام انسانوں جیسا ظاہر نہیں تھا بلکہ شریعت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا ان کا باطن معمولی انسانوں جیسا نہیں تھا بلکہ اس میں خلوص وللٰہیت کا بحر بیکراں تلاطم خیز تھا، ان کے اطوار وعادات کے آئینے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی جھلکیاں صاف دیکھی جاسکتی ہیں"۔ (حافظ ملت نمبر ۱۷۰)

حضرت مولانا قمر الزماں خان صاحب اعظمی (برطانیہ) حضور سید العلماء مولانا سید شاہ آل مصطفےٰ میاں مارہروی قدس سرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"حضرت سید العلماء مولانا سید آل مصطفےٰ رحمۃ اللہ علیہ نے سنی جمعیۃ العلما کے آفس میں علما کبار کی موجودگی میں ارشاد فرمایا: میں نے زمانۂ طالب علمی میں اجمیر مقدس کے دوران حافظ ملت سے زیادہ کسی کو عابد وزاہد نہیں پایا" (حافظ ملت نمبر ص ۳۴۵)

نماز کی پابندی:

مولانا مرغوب حسن صاحب قادری تحریر کرتے ہیں:

"حافظ ملت جس قدر نماز کے پابند تھے اور خاص کر جماعت کے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب فرماتے تھے کلکتہ کی جانب کئی بار سفر میں جب کہ ہم لوگوں کو بیٹھنے کی جگہ بعض دفعہ نہیں ملتی ہم لوگ کھڑے ہو کر سفر کر رہے تھے لیکن اس عالم میں بھی حافظ ملت نے اپنے لیے جگہ بنالی اور چلتی ہوئی ٹرین میں پنج وقتہ نماز کی تو اور بات ہے نماز تہجد ادا کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

"نماز کے بارے میں اکثر تاکید کرتے اور فرماتے: بندۂ مومن کو سب سے زیادہ اپنے خالق کی قربت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ وہ سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔ اسی قربت کے یقین نے انہیں سفر وحضر ہر مقام پر نماز کا پابند رکھا تھا"۔ (ایضاً ۳۱۰)

پابندی نماز کا معیار:

بہت سے لوگ نماز تو پڑھتے ہیں مگر پابندی کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ ایسے لوگوں کو یوں تنبیہ فرماتے: ایک وقت کی نماز نہ پڑھنے والا بھی بے نمازی ہے۔ (معارف حافظ ملت ص ۹۶)

نماز کی اہمیت اور فرضیت:

میلاد شریف کے ایک جلسہ میں نماز کی اہمیت اور فرضیت کا بیان کرتے ہوئے فجر کے وقت نیند نہ کھلنے کے عمومی

عذر کو پیش کر کے فرمایا: بتاؤ ایسا انسان جو کئی راتوں کا جگا ہو، تھکا ہارا ہو، کسی اچھے کمرہ میں اس کے لیے اچھے سے اچھا آرام دہ بستر لگا دو اور ہر طرح کے آرام کا سامان مہیا کر دو اب اس تھکے ہارے انسان سے اس کمرے میں سونے کے لیے کہہ دو اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دو کہ کمرہ میں ایک سانپ رہتا ہے تو بتاؤ اس تھکے ماندے اور کئی راتوں کے جگے ہوئے انسان کو اس آرام دہ کمرہ میں نیند آئے گی۔

مجمع میں سے کسی نے کہا نہیں! تو فرمایا کیوں نیند نہیں آئے گی اسی لیے تو کہ اس انسان کے دل میں سانپ کا ڈر سما گیا، سانپ کا خوف پیدا ہو گیا تو اب اس کی نیند غائب ہو گئی۔ جب سانپ کے خوف سے نیند اڑ سکتی ہے تو خدا کا خوف دل میں ہو اور نماز کے وقت نیند آجائے یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ (معارف حافظ ملت ص ۶۹)

شب بیداری اور نماز فجر:

وقت پر نماز کی ادائیگی تو حضر میں آسان ہے مگر سفر میں وقت نماز میں نماز پڑھنا آج کے دور میں انتہائی مشکل امر ہے مگر حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان سفر میں بھی نماز کا وقت ہو جانے کے بعد جس اسٹیشن پر بھی ہوتے وہیں نماز کی ادائیگی میں مصروف ہو جاتے نہ ٹرین چھوٹنے کا خیال ہوتا نہ کسی اور پریشانی کا وہم۔ یہ اور بات ہے کہ ٹرین نے کبھی حضرت حافظ ملت کو نہیں چھوڑا۔ منزل پر پہونچنے کے بعد نہ تکان کا احساس فرماتے اور نہ کبھی مسجد سے غیر حاضری ہوتی بلکہ تا وقت قیام نماز جماعت کی پابندی فرماتے۔

نماز تہجد کی پابندی:

مولانا افتخار احمد مصباحی رقمطراز ہیں:

"حافظ ملت دن کے مجاہد تھے تو رات کے زاہد شب زندہ دار عابد اور تہجد گزار تھے۔ عالم شباب میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی۔

آپ کی زندگی کے آخری ایام مصروف سے مصروف تر ہوتے چلے گئے تھے۔ مسلسل تبلیغی سفر اور تعمیری دورے فرماتے، سفر و حضر دونوں میں متوسلین و معتقدین کا ہجوم ہوتا لیکن آپ کے معمولات کی پابندی میں کوئی فرق نہ پڑتا نوافل و تہجد گزاری کا اہتمام والتزام بدستور رہا۔

"مشہور روایت ہے کہ زمانہ طالب علمی سے ہی حافظ ملت نماز تہجد کے پابند رہے"۔ (حافظ ملت نمبر ص ۴۸۱،۴۸۲)

کم سنی ہی سے نماز کی پابندی:

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے حوالے سے طیش صدیقی صاحب تحریر کرتے ہیں:

"میرے والد ایک باخدا درویش تھے، ان پر دین غالب تھا۔ والدہ بھی صوم وصلوٰۃ کی پابند اور تہجد گزار تھیں۔ والد صاحب کا نماز سے عشق کا یہ عالم تھا کہ نمازی مہمان کی تواضع خوب کرتے اور بے نمازی کو کھانا تو کھلا دیتے لیکن ٹھہراتے نہیں تھے۔

۷؍سال کی عمر ہی سے مجھ کو نماز پڑھنے کی تاکید اور کھیل، تماشوں، میلوں ٹھیلوں سے دور رہنے کی تلقین اور دیندار بنانے کی مساعی کی جانے لگی یہاں تک کہ جب میری عمر ۱۳؍سال کی پہنچی تو میں اگر چہ پکا نمازی بن چکا تھا لیکن والد صاحب فجر کی نماز کو جاتے ہوئے حسب عادت مجھے جگاتے ضرور اور اگر اتفاق سے کسی دن نیند کے غلبہ سے مغلوب ہو کر میں کروٹ بدل کر سو جاتا تو نماز سے واپس آکر مجھے آواز دیتے نہ ہاتھ پکڑ کر جگاتے بلکہ کان پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیتے۔ (حافظ ملت نمبر ص ۴۶۰)

سب چھوٹ جائے نماز نہ چھوٹے:

ٹرین کا سفر ہو یا بس کا حضرت حافظ ملت نماز کی پابندی کرتے تھے۔

راقم کا مشاہدہ ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ نے بس کے سفر میں بھی نماز کی پابندی فرمائی ہے۔ اسی طرح ٹرین کے تھرڈ کلاس ڈبہ میں بے پناہ رش کے باوجود باہر نکل کر وضو کیا ہے اور پھر پلیٹ فارم پر نماز پڑھی ہے۔ ٹرین جائے یا رہے اس کی فکر نہیں۔

ایسا چند بار ہوا ہے کہ حضرت پلیٹ فارم پر نماز میں مصروف ہیں ٹرین چالو ہو گئی مگر کوئی فکر نہ کی اور نہ ہی خشوع وخضوع میں فرق آیا۔ اب یہ تو حضرت کی کرامت ہے کہ ٹرین دو ڈھائی میل چل کر پھر اسی مقام پر لوٹ آئی ہے جس مقام پر حضرت نماز پڑھ رہے تھے۔

اس طرح کے چند واقعات ''کرامت کے باب'' میں آچکے ہیں لہذا انہیں تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

خلاصۂ کلام:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

"احب الاعمال الی اللہ ادومھا" اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی ہو۔

حضرت حافظ ملت فرائض وسنن کے بچپن سے پابند تھے۔ جب سے بالغ ہوئے نماز تہجد شروع کر دی جس پر آخری عمر تک عمل رہا۔ صلوٰۃ الاوابین ودلائل الخیرات شریف وغیرہ روزانہ بلا ناغہ پڑھتے۔ آخری ایام میں پڑھنے سے معذور ہو گئے تو دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے۔ صبح کو ہر روز سورۂ یٰسین وسورۂ یوسف کی تلاوت کا التزام رکھتے اور جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کا بھی معمول تھا۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

''اے غافل انسان! تجھے اپنا کردار درست کرنا چاہیے۔ نیک عمل ہی تیرے ساتھ جائے گا، تیرا ساتھ دے گا، تیرے کام آئے گا۔ تو اپنے عزیزوں، قریبی رشتہ داروں، دوستوں کی خوشنودی، رضا جوئی میں منہمک ہے، مال و دولت کی تحصیل میں سرگرداں ہے، ان کو اپنا مونس وغمخوار اور خیر خواہ سمجھا ہے یہ تیری نادانی وغفلت ہے۔ تیرا خیر خواہ وغم خوار تیرا نیک عمل ہے، یہ وہاں کام آئے گا جہاں تیرے کوئی کام نہ آئے گا۔ (معارف حدیث ص ۱۳)

اِتّقا:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ایلو پیتھک اور ہومیو پیتھک دواؤں سے جن میں الکحل یا اسپرٹ کا جز ملا ہو، سختی سے احتراز فرماتے، بعض مرتبہ تو جان پر بن آئی مگر ایسی دوا کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ (انوار حافظ ملت ص ۳۴)

رات کے باسی کھانے کو صبح ناشتہ میں پسند کرتے۔ وجہ دریافت کرنے پر بتایا کہ اس کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب ہے اس لیے مجھے پسند ہے۔

حج وزیارت کے لیے بغیر فوٹو کے تشریف لے گئے یہ شریعت وسنت پر عمل کے ساتھ ساتھ آپ کے تقویٰ کی بھی ایک زبردست مثال ہے۔

دوران حج حجاز مقدس میں بازار کا سالن نہیں کھایا، کبھی بازار کا گوشت نہیں کھایا۔ فرماتے سالن میں وہ گھی ہوتا ہے جس میں شاید خنزیر کی چربی ہوتی ہے۔ (حافظ ملت نمبر ص ۲۳۶)

☆☆☆



(تیسرا باب)

حافظ ملت کا تاریخی سفر حجاز

قانون حکومت ہو کہ دستور زمانہ
مذہب کا مخالف ہو تو مومن نہیں پابند
اس دور میں کس مرد مجاہد نے کیا فاش
اوہام سے آزاد ہے اسلام کا فرزند
(بدر)

حافظ ملت اور عشق مدینہ

محبوب اور محبّ کے راز و نیاز مخفی ہوتے ہیں ۔ظاہر نہیں کئے جاتے ۔عاشق آشفتہ حال عنفوان شباب کی امنگوں کے دور سے لے کر زمانۂ کہولت تک اور کہولت سے گزر کر عہد شیخوخت تک شب و روز جس محبوب گرامی وقار، عروس بزم خوباں، آئینۂ حسن لازوال کے قیل وقال کے چمنستان کی آبیاری کرتا رہا......اس کی بارگاہ ناز میں حاضری کے لئے کس کس انداز میں جسم کے لہو کو اشک آرزو بنا کر نہ بہایا ہوگا......بیشمار راتیں نذر اشتیاق ہوئی ہوں گی، بیشمار سجدوں نے ہچکیوں میں ہچکولے کھائے ہوں گے......ہر سال قافلۂ حجاز کو رقت بھری دعاؤں کے ساتھ سوئے مدینہ بھیجتے ....اور خود پلٹ کر اپنے کنج خمولی کی چٹائی پر رات بھر اشکوں کے موتی رولتے....دن کے اجالے میں پھر اسی محبوب مدنی علیہ ﷺ کی چاکری میں لگ جاتے ......زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا...عشق کی آگ چنگاری سے انگارہ اور انگارہ سے آتش فشاں بنتی گئی آرزوئے مدینہ.....شوق مدینہ......اور پھر جذب مدینہ کا رنگ اختیار کرتی گئی......خود فرماتے ہیں ۔

انسانی تمناؤں اور آرزوؤں کی دنیا بڑی وسیع و عریض ہے ۔مختلف الخیال لوگوں کی مختلف الانواع آرزوئیں ہوتی ہیں ......کسی کا مطمح نظر دین ہے کسی کا دنیا ۔کسی کے دل میں آل و اولاد کی خواہش پرورش پاتی ہے......تو کوئی مال و دولت چاہتا ہے، کوئی جاہ وحشمت کا طالب ہے تو کوئی عزت وعظمت کا جویاں، اور ہر ایک اپنے مقصود و مطلوب کے حصول میں کوشاں اور سرگرداں ہے ۔مگر ایک مسلمان کے نزدیک سب سے بڑی قلبی آرزو بارگاہ رسالت کی حاضری ہے ۔ایک مرد مومن کا یہی جذبۂ ایمانی بھی ہونا چاہئے ۔اور یہی جذبۂ ایمانی مجھے بھی بیچین کر رہا تھا ۔حاضری حرمین طیبین کا والہانہ جذبہ بیتاب کر رہا تھا۔اور مدت دراز سے یہی دعا کرتا رہا۔

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولا تری رحمت برستی ہے

اور کبھی اس طرح دعا کرتا۔

وہ دن خدا کرے کہ مدینے کو جائیں ہم
خاک در رسول کا سرمہ لگائیں ہم

حافظ ملت ہمیشہ رخصتوں پر عمل کے بجائے عزیمتوں کے دلدادہ رہے۔آپ کی مکمل کتاب زندگی کا بغور مطالعہ کر جائیے آپ اس میں ناہموار سنگلاخ چٹانوں کو روندنے کا عزم رواں دواں پائیں گے۔ان کی حاضری حرمین بھی عشق و عرفان اور جذب ومستی کی ایک ایسی داستان بننے والی تھی جس سے اسلامیان ہند، عالم اسلام میں خود کو سر بلند کرسکیں ۔

مبارک پور کے گوشۂ گمنامی میں بیٹھا ہوا، مدنی تاجدار کا یہ قلندر اپنی خلوت سے روحانی لاسلکی زیر غور کے ذریعہ ہر شب تار میں نہ جانے اپنے آقا و مولا کو کیا کیا پیغام بھیجتا رہا۔اور کرامت نواز آقا سے سرگوشیوں میں نہ معلوم کیا کیا سنتا رہا۔ دنیا کو صرف اتنا پتہ ہے کہ اس نے اپنے اس سربستہ راز کا ایک صفحہ اپنے محبوب مرید جناب بیکل اتساہی کے حوالے کر دیا تھا قرائن سے ہم نے تو یہ سمجھا ہے کہ سلطان دارین کے حضور سے حافظ ملت کو اذن حضوری پہلے ہی عطا ہو چکا تھا

مگر سرفرازیِ عشق کی اس داستان کو منصۂ عالم پر لانے کے لئے ظاہری اسباب کا کام بیکل صاحب کے ذریعہ شروع ہوا۔

محرم راز:

جناب بیکل اتساہی عزیزی کو حافظ ملت کی بارگاہ میں بڑا قرب نصیب تھا جسے وہ خود بایں الفاظ بیان کرتے ہیں

''سفر حرمین میں کفش برداری کا شرف حاصل کر چکا ہوں جسے ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر میں مولانا اسلم بستوی نے پیش کر دیا ہے۔ میں حضرت کی خدمت اقدس میں اکثر رہا ہوں''
بہت سی باتیں ہمیں حضرت نے لکھنے اور کہنے سے روکا تھا۔اب اگر ہمارے علما اور فقہا اجازت دیں تو (انہیں) کاغذ پر لایا جائے۔ (انوار حافظ ملت ص ۹۵)

ایک بار فرمایا:

''میری زندگی کی تمام کامیابیاں حضور حافظ ملت کی رہین منت ہیں'' (انوار حافظ ملت ص ۹۳)

جناب بیکل اتساہی حافظ ملت کے مرید صادق اور محبّ بھی ہیں اور راز دار بھی، بارگاہ رسول میں حاضری کی مساعی کا آغاز ہوا۔اور حافظ ملت نے بیکل صاحب کو حکم دیا کہ میرے سفر حج کے لئے بلا فوٹو پاسپورٹ بنانے کی درخواست حکومت ہند کو دو۔جناب بیکل صاحب نے تعمیل حکم میں کارروائی کا آغاز کیا۔تاریخی چھان بین سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۳۸۴ھ یا ۸۵ھ کا سال تھا۔حافظ ملت کے اہل خانہ، برادران، فرزندان، نیز مبارکپور میں شب و روز ساتھ رہنے والے علمائے اشرفیہ، مدرسین وطلبہ اور اراکین اشرفیہ میں سے بھی کسی کو ابھی کانو کان خبر نہیں تھی۔پاسپورٹ آفس کے چیف آفیسر جناب وراثت حسین قدوائی کے سامنے جب حافظ ملت کے پاسپورٹ (بلا فوٹو) کی درخواست پیش ہوئی تو اولاً وہ خود بھی اس بات پر حیران و سرگردان ہوئے۔مگر جناب بیکل اتساہی نے جب ان کے سامنے علم وتقوی کے اس جبل شامخ کا تعارف کرایا۔تو پھر انہوں نے اس درخواست کو نہایت عقیدت ومحبت کے ساتھ وزارت خارجہ تک پہونچایا۔درخواست دینے کے بعد مرید صادق نے مرشد کامل کو اس کی خبر دی تو انہوں نے دعاؤں کی سوغات کے ساتھ انہیں جوابی خط میں لکھا:

''پاسپورٹ کے متعلق خوشخبری ملی آپ کی محبت قابل قدر ولائق تحسین ہے مولائے قدیر کامیاب فرمائے۔اس خصوصی کامیابی میں امتیازی سہرا آپ ہی کے سر ہوگا۔آمین و بہ نستعین۔ (مکتوب حافظ ملت بنام بیکل اتساہی ۱۳؍محرم ۸۵ھ)

حافظ ملت کے پاسپورٹ کا مسئلہ چونکہ عام انداز کا نہیں تھا اس لئے اس میں تاخیر ہونا لازمی بات تھی۔ادھر اس محسن قوم وملت کے عشق وعرفان کی خوشبوں کے متوالے ملک تو ملک بیرون ہند سے بھی حصول فیضان کی درخواستیں پیش کر رہے تھے۔خود پاکستان میں حافظ ملت کے تلامذہ اور اہل محبت کا ایک وسیع حلقہ تھا جو انہیں پاکستان بلانا چاہتا تھا۔ انہی اہل محبت میں سے ایک جناب سیٹھ عبدالمجید صاحب کراچی والے بھی تھے۔وہ اپنے گھر کو حافظ ملت کے قدوم میمنت

لزوم سے نوازنا چاہتے تھے۔اور برابر اس بات کی گزارش کرتے رہتے تھے۔حافظ ملت جناب بیکل صاحب سے ان کے اسی قسم کے ایک عریضہ کا ذکر فرماتے ہیں۔

"کراچی سے سیٹھ عبد المجید صاحب کا خط آیا ہے ....انہوں نے مزید اصرار کے ساتھ بلایا ہے۔داخل سلسلہ ہونا چاہتے ہیں۔مگر میرے لئے بڑی دشواری ہے آپ ہی اس کا کوئی حل نکال سکتے ہیں۔اگر کسی طرح بھی میں اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے پہونچ سکوں تو ارادہ ضرور ہے" (۳جمادی الاولیٰ۸۵ھ)

حرمت تصویر کی احادیث مبارکہ:

اسلام میں جاندار کی تصویر بنانا بنوانا خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، عکسی ہو یا قلمی آدھی ہو یا پوری حرام و نا جائز ہے۔ علماء اسلام نے ہر ذی روح کی صورت گری کو سخت حرام، اور عتاب ربانی کا موجب فرمایا ہے۔اس بارے میں ارشادات رسول ملاحظہ ہوں۔

کل مصور فی النار یجعل الله له بکل صورة صورها نفسا فتعذبه فی جهنم.

(بخاری ومسلم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

ہر مصور دوزخ میں ہے۔ہر تصویر کے بدلے جو اس نے بنائی ہے، اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا جو اسے عذاب دے گی۔

ان اشد الناس عذابا یوم القیمة المصورون (صحیحین عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

بیشک قیامت کے دن تصویر بنانے والوں پر نہایت سخت عذاب ہے

قال الله تعالیٰ و من اظلم ممن ذهب یخلق لخلقی فیخلقوا ذرة او لیخلقواحبة او لیخلقوا شعیرة. (صحیحین عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

اللہ عز وجل فرماتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم کون؟ جو میرے بنائے ہوئے کی طرح بنانے چلے۔بھلا کوئی چیونٹی یا گیہوں یا جو کا دانا تو بنادے۔

ان الذین یصنعون هذه الصور یعذبون یوم القیمة یقال لهم احیوا ماخلقتم .

(صحیحین وسنن نسائی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

بیشک یہ لوگ جو تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن عذاب کئے جائیں گے ان سے کہا جائے گا یہ صورتیں جو تم نے بنائی تھیں ان میں جان ڈالو۔

یخرج عنق من النار یوم القیمة له عینان یبصر بهما و اذنان یسمعان و لسان ینطق یقول انی وکلت بثلثة بمن جعل مع الله الها آخر و بکل جبار عنید وبالمصورین.

(مسند احمد و جامع ترمذی عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

روز قیامت جہنم سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی دیکھنے والی، دو کان سننے والے، ایک زبان

کلام کرتی ۔ وہ کہے گی میں تین فرقوں پر مسلط کی گئی ہوں ،(۱) جو اللہ کا شریک بنائے (۲) ظاہر ہٹ دھرم پر (۳) اور تصویر بنانے والے پر ۔

ان اشد الناس عذابا یوم القیٰمة من قتل نبیا او قتله نبی او قتل احد والدیه والمصورون و عالم لم ینتفع بعلمه . (بیہقی شعب الایمان عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

بیشک روز قیامت سب سے زیادہ عذاب میں وہ ہوگا جو کسی نبی کو شہید کرے یا کوئی نبی جہاد میں اسے قتل فرمائے یا جو اپنے ماں یا باپ کو قتل کرے اور تصویر بنانے والے اور وہ عالم جو اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھائے (یعنی بے راہ)

امام مالک ،امام بخاری ،امام مسلم ونسائی وابن ماجہ حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں

رسول اللہ ﷺ سفر سے تشریف فرما ہوئے تھے ۔میں نے ایک دروازے پر تصویر دار پردہ لٹکایا تھا۔جب حضور اقدس ﷺ واپس تشریف لائے اسے ملاحظہ فرمایا تو چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا۔اندر تشریف نہ لائے ۔ام المؤمنین فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ !میں اللہ کی طرف اور اللہ کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں ۔مجھ سے کیا خطا ہوئی۔حضور اقدس ﷺ نے وہ پردہ اتار کر پھینک دیا۔اور فرمایا اے عائشہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت تر عذاب روز قیامت ان مصوروں پر ہے جو خدا کے بنائے ہوئے کی نقل کرتے ہیں ۔ان پر روز قیامت عذاب ہوگا ان سے کہا جائیگا یہ جو تم نے بنایا ہے اس میں جان ڈالو،جس گھر میں یہ تصویریں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔

جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

انا لا ندخل بیتا فیه کلب او صورة ۔ہم ملائکہ رحمت اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

(رواہ البخاری عن ابن عمر ومسلم عن السیدۃ عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہم)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جبریل امین نے عرض کی تین چیزیں ہیں کہ جب تک ان میں سے ایک بھی گھر میں ہوگی کوئی فرشتۂ رحمت اس گھر میں داخل نہیں ہوگا کتا یا جنبی یا جاندار کی تصویر۔

لا تدخل الملائکة بیتا فیه صورة و لاکلب ولا جنب

(رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ عن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ)

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

لا تدخل الملٰئکة بیتا فیه کلب و لا صورة . رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔(رواہ احمد والبخاری ومسلم عن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ)

حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں:

میں نے حضور پرنور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ کی دعوت کی ۔حضور تشریف فرما ہوئے ۔پردے پر کچھ تصویریں بنی دیکھیں واپس تشریف لے گئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ !میرے ماں باپ حضور پر قربان ۔کس سبب سے سرکار

واپس ہوئے؟ فرمایا گھر میں ایک پردے پر تصویریں تھیں اور ملائکہ رحمت اس گھر میں نہیں جاتے ہیں جس میں تصویریں ہوں۔(النسائی وابن ماجہ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

ان النبی ﷺ لم یکن یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصاویر الا نقضہ.

بیشک نبی کریم ﷺ گھر کے اندر جس چیز میں تصویر دیکھتے اسے بے توڑے نہ چھوڑتے۔

(صحیح بخاری وسنن ابی داؤد عن ام المؤمنین رضی اللہ عنہا)

''مولائے کائنات علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے حبان بن حصین سے فرمایا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے بھیجاوہ یہ کہ

ان لا تدع صورۃ الا طمستھا ولا قبرا مشرفا الا سویتـــــــــــہ.

جو تصویر دیکھو اسے مٹا دو اور جو قبر حد شرع سے اونچی دیکھو اسے (حد شرع کے) برابر کر دو۔

(مسلم وترمذی عن حبان بن حصین)

واضح رہے کہ بلندی قبر میں حد شرع ایک بالشت ہے۔

امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں۔رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں تھے۔فرمایا تم میں سے کون ایسا ہے جو مدینہ جا کر ہر بت کو توڑ دے اور ہر قبر کو برابر کر دے اور ہر تصویر کو مٹا دے۔ایک صحابی نے عرض کی میں یا رسول اللہ ! فرمایا تو جاؤ۔وہ جا کر واپس آئے اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے سب بت توڑ دیئے اور سب قبریں برابر کر دیں اور سب تصویریں مٹا دیں۔سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

من عاد الی صنعۃ شیئ من ھذا فقد کفر بما انزل علی محمد

اب جو یہ سب چیزیں بنائے گا وہ کفر وانکار کرے گا اس چیز کے ساتھ جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوئی۔(العیاذ باللہ)

(امام احمد عن امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہ)

ان احادیث مبارکہ اور آثار طیبہ کی روشنی میں قرون اولٰی سے تا امروز علماء حق تصویر بنانے، بنوانے اور رکھنے کی حرمت بیان کرتے آئے ہیں۔

حضرت ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

قال اصحابنا و غیرھم من العلماء تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم و ھو من الکبائر لانہ یتوعد علیہ بھذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث۔ (مرقاۃ ص ۴۸۳ جلد ۴)

ہمارے ائمہ اور دیگر علما نے بیان فرمایا کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے سخت حرام اور یہ گناہ کبیرہ ہے اسلئے کہ اس پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ میں جاندار کی صورت گری کو مطلقا حرام فرمایا۔اور یہ واضح کیا کہ

ذی روح کی تصویر سازی یا دوسروں سے بنوانا۔اعزاز واحترام سے پاس رکھنا سب حرام ہے اس پر سخت وعیدوں کا ذکر فرمایا۔اور فرمایا کہ حرمت تصویر کی احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔اور تصویر کی حرمت یقینی ہے۔

اور علامہ نووی نے شرح مسلم شریف میں اسے حرام شدید حرام اور گناہ کبیرہ بتایا۔البتہ صاحب درمختار نے لکھا کہ اگر کسی جاندار کی تصویر کے کسی ایسے عضو کو کاٹ دیا جائے یا مٹا دیا جائے جس کے بغیر زندگی ممکن نہ ہو تو باقی حصہ جماد محض کے قسم میں ہے تصویر اس طرح بنانا رکھنا جائز ہے لیکن اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے عطایا القدیر فی حکم التصویر میں درمختار کی اس تعمیم کو غیر صحیح ثابت کیا ہے اور اس پر دلائل قاہرہ لائے ہیں۔آپ نے اپنے اس عالی شان فتوے میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ تصویر کی حرمت صرف اسلامی شریعت ہی میں نہیں بلکہ ہر شریعت نے اپنے دور میں اسے حرام ہی بتایا ہے۔

حکم اباحت اور حافظ ملت کی عزیمت:

سلطنت عثمانیہ کا زوال ہوا۔اور اسلام دشمن قوتوں نے فروغ پایا۔یہود و نصاریٰ کی سیاسی ملی بھگت نے دوسری عالمی جنگ کے بعد دنیا کے تمام ممالک پر پاسپورٹ ،با تصویر کا قانون پیش کیا مسلم ممالک میں سر براہان مملکت کے اندر اتنا دم خم باقی نہیں رہ گیا تھا کہ اس کی مخالفت کریں یا کم از کم اپنے مقدس اسفار ہی کو اس قانون سے مستثنیٰ قرار دلالیں۔مسلمانوں کے بہت سے ممالک میں یہود و نصاریٰ نواز لیڈروں کی حکومتیں تھیں۔لہٰذا یورپ وامریکہ کے یہود و نصاریٰ جو کچھ طے کرتے رہے وہی ان کے لئے قانون ہو جاتا علما اور مفکرین اسلام اپنی رسائی کے مطابق ایک وقت تک احتیاط سے عمل کرتے رہے۔مگر تا کجے؟

بالآخر ایک وقت آیا کہ مسلمانان عالم کے حج فرض کے لیے انہوں نے پاسپورٹ اور ویزے کے لئے تصویر لازم کر دی۔حافظ ملت علامہ مفتی عبد العزیز محدث مبارکپوری اس عالمی پریشانی سے غافل نہیں تھے۔مگر رب تعالیٰ نے انہیں تفقہ کے ساتھ ساتھ تقویٰ اور نظافت باطنی کی جو دولت عطا فرمائی تھی وہ اسے تصویر برائے حج کھنچوا کر داغدار کرنے پر تیار نہیں تھی فرماتے ہیں۔

''میں سفر حج اور حاضری بارگاہ رسالت کے لئے بیقرار ہوں۔تصویر کھنچوانے کو ناجائز سمجھتا ہوں اگر بغیر تصویر کے مجھے اجازت مل گئی تو میں ضرور جاؤں گا اور میری یہ دیرینہ آرزو امید کہ ضرور پوری ہوگی۔

(آداب حج وزیارت از مولانا اسلم بستوی ص ۵۳)

اپنے تلمیذ مولانا تجمل ہدیٰ گیاوی کو ایک خط میں رقمطراز ہیں:

''کسی طرح فوٹو کی لعنت اٹھ جائے یا مجھ پر کسی طرح مسئلہ کا انکشاف ہو جائے۔

روداد سفر حج میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''اس قانونی پابندی سے سخت مجبوری تھی اگر چہ علماء کرام اور مفتیان اسلام نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا لیکن میری سمجھ میں مسئلہ نہیں آیا تھا اس لئے بلا فوٹو کے حاضری کا طالب تھا''

(آداب حج وزیارت از مولانا اسلم بستوی ص ۸۳)

حافظ ملت ہندوستان میں سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے اکابر علما میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔اس لئے یہ بعید نہیں کہ لکھنؤ پاسپورٹ آفس سے لے کر وزارت خارجہ دہلی تک اس سفر کی درخواست کے دوران ہی مخالفین اہل سنت کے سرغنوں کو خبر ہوگئی درخواست گزاری کے بعد ان کی طرف سے منفی متعدد مساعی کی گئیں۔کئی ماہ شدید انتظار میں گزر گئے۔اس عرصہ میں حافظ ملت کی بے چینی ان کے اس مکتوب گرامی میں محسوس کی جاسکتی ہے۔

''اگر فضا پرسکون ہوتی توجہ کے متعلق آپ ضرور کامیاب ہوتے لیکن اس پرآشوب دور میں ناممکن ہے بہر حال امسال اور دیکھ لیں ورنہ آئندہ سال بہر حال حاضر ہونا ضروری ہے۔کیونکہ یہ فریضہ اہم ہے اور بتقاضائے عمرانحطاط روز افزوں ہے'' (مکتوب حافظ ملت بنام بیکل اتساہی ۱۰ جمادی الثانی ۸۵ھ)

ایک طرف مدینہ طیبہ کی حاضری کا اشتیاق حافظ ملت کے رگ و پے میں آتش سیال بن کر دوڑ رہا تھا دوسری طرف ملکی انتشار سیاسی بد حالی اور تیسری جانب مخالفین حافظ ملت اور معاندین سنیت کی لابی کے دوررس اثرات کا زور ایسے میں عاشق مہجور کی بے چینی اور اضطراب کا کیا حال رہا ہوگا کون اندازہ کرسکتا ہے؟

بارگاہ رسول میں درخواست:

اپنے تلامذہ اور اہل روابط میں سے کسی کو سفر حرمین کے لئے روانہ کرتے تو اس کے ذریعہ بارگاہ ناز میں اپنی درخواست پیش فرماتے۔

مولانا تجمل ھدیٰ القادری گیاوی کے نام ان کے سفرحج وزیارت کے وقت جوگرامی نامہ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس میں حافظ ملت کے بیقرار دل کی کیفیت نمایاں ہے۔

۷۸۶

''محب محترم ذوالمجد والکرم زیدت مکارمکم ادعیہ وافرہ وسلام مسنون! خط ملا حاضری حرمین طیبین کا مبارک قصد تو بہت ہی مبارک قابل صد مبارکباد ہے مولائے کریم اپنے دربار اور اپنے حبیب کی سرکار میں باریابی نصیب کرے اور حرمین طیبین کے برکات وحسنات سے بھرپور حصہ دے حج وزیارت قبول فرمائے اور فیوض و برکات ظاہری و باطنی عطا فرمائے بلاشبہ حرمین طیبین، کی حاضری زندگی کی معراج ہے کیسا خوش نصیب ہے عازم حرمین طیبین! کہ ہر قدم پر اس کو دربار الٰہی و دربار مصطفوی کا قرب نصیب ہوتا ہے بالآخر بیت اللہ اور بیت الرسول کی حاضری سے مشرف ہوتا ہے۔ مولائے قدیر آپ کو اپنی حفاظت میں بعافیت لے جائے اور بہ سلامتی بامقصد واپس لائے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔ بہزار ادب میرا سلام بارگاہ رسالت میں پیش کرنا اور حاضری کی درخواست بھی۔کسی طرح فوٹو کی لعنت اٹھ جائے یا مجھ پر کسی طرح مسئلہ کا انکشاف ہوجائے بہر حال کسی طرح حاضری نصیب ہو۔قوی امید ہے کہ آپ اپنی مخلصانہ دعاؤں میں یاد رکھیں گے ساری ہدایتوں اور تمام آداب کی روح ،میلان قلب اور مخلصانہ جذبات میں اللہ ورسول ہی کی طرف خیال و دھیان ہوانہیں کی یاد ہو اسی طرف توجہ رہے۔''

حسان الہند بریکل اتساہی بلرام پوری کے ذریعہ ایک طرف حکومت ہند سے بلا فوٹو پاسپورٹ کی درخواست پر کوشش جاری تھی دوسری طرف اپنے خصوصی نمائندوں کے ذریعہ سلطان کونین مالک دارین حضور محمد رسول اللہ ﷺ کے حضور بھی درخواستوں کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ آپ کے استاذ زادے اور تلمیذ ارشد حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ القادری امجدی (جانشین صدر الشریعہ) کے ذریعہ سرکار مدینہ میں عرضی پیش کرائی خود تحریر فرماتے ہیں۔

''سالہا سال مختلف ذرائع سے اس مقصد کے حصول میں کوشش بھی کی مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ بڑی پریشانی نہایت مایوسی تھی کہ میرے مخدوم زادے حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب خلف الرشید حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ ایک سال قبل حاضر بارگاہ رسالت ہوئے ان کے ذریعے میں نے سرکار کی بارگاہ میں درخواست بھیجی''

(آداب حج وزیارت از مولانا محمد اسلم بستوی ص ۵۴)

ربط روحانی:

عاشقان مصطفیٰ کو باد نسیم سے بھی بڑی رسم وراہ ہے کیوں کہ اس کا رخ اس مقدس سرزمین کی جانب ہوتا ہے جو آرزؤں اور تمناؤں کا مرکز ہے۔ اہل تعلق اسی کو اپنا پیامبر اور دل پر گزرنے والی واردات بھیجنے کے لئے قاصد بناتے ہیں حضور حافظ ملت بھی کبھی یوں ترنم ریز ہوتے۔

صبا حضور سے کہنا مرے سلام کے بعد
تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

اور نسیم سبک خرام کبھی ان کے پاس سے ہو کر گزرتی تو محسوس ہوتا کہ محبوب دلنواز کا پیامی کچھ سنا گیا۔ اس وقت کی اندرونی کیفیات زبان پر اس طرح برآمد ہوتیں۔

آئی نسیم کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھنچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اور کبھی تو ایسا ہوتا کہ ہوا کا کوئی جھونکا آتا اور جسم وروح کی پوری صلاحیت کے ساتھ محبوب دل آرا کے تصور میں کھو جاتے۔ اردگرد کا ماحول ان کے واردات قلبی سے نا آشنا ہوتا مگر وہ کسی اجنبی خوشبو سے خوب خوب لذت اندوز ہوتے اور گنگنا اٹھتے۔

باد نسیم آج بہت خوشگوار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

مدینے جانے والوں کو تاسف بھری نگاہوں سے دیکھتے، آہیں بھرتے، آنسو بہاتے اور اپنے جانے کے لمحات کا انتظار کرتے رہتے۔ ہر جانے والے سے کہتے دیار پاک میں پہنچ کر میرا غلامانہ سلام عرض کیجئے اور عرض کیجئے کہ سرکار اپنے اس بندۂ عاجز کو کب طلب فرما رہے ہیں؟ مشایعت سے لوٹتے تو یہ شعر زبان پہ ہوتا۔

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہونچا میں رہا جاتا ہوں

(آداب حج وزیارت از مولانا محمد اسلم بستوی ص ۵۴)

عشق حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شخصیت کو خوب خوب نکھار دیا تھا۔ درحقیقت عشق مصطفیٰ کا امانت دار دامن زیست کو تار تار رکھتا ہے مگر ہزاروں تعمیریں ان کی گدڑیوں کے خستہ دھاگوں سے وابستہ ہوتی ہیں اس بحر سلسبیل و کوثر کا غوطہ خور کبھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ یہ دولت لازوال ہاتھ سے جائے بلکہ خواہش ہوتی ہے کہ لذت درد میں مست و بیخود رہیں۔ جذب و عشق کی ہزار سالہ بیخودی اس ایک لمحہ کی آرزو پر قربان۔ اللہ اللہ، جل رہے ہیں بھن رہے ہیں۔ تڑپ رہے ہیں، بلک رہے ہیں کسی کے ہجر میں کسی کی یاد میں کسی کے تصور میں مگر سوزش کا علاج درد کی دوا تپش کا مداوا سامنے آتا ہے تو اس کی ناز برداری بھی گوارا نہیں۔ کیونکہ وہی سوز و تپش تو عشق کا سرمایہ اور محبت کا انعام ہے۔ لیجئے امام احمد رضا کا وہ قول حافظ ملت کی زبان سے ملاحظہ فرمایئے اور تصور کیجئے کہ ایک درویش خرقہ پوش شب تار میں اشکوں کے دیپ جلائے گریہ وزاری کے ساز پر کیا کہہ رہے ہیں۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دنیا اور اہل دنیا کے در پر نیاز مندی اور امید و رجا کا دامن پھیلانا توہین عشق ہے مگر ان کی بارگاہ کی گداگری اور کاسہ لیسی معراجِ عشق۔

ان دنوں حضرت کی عجیب کیفیت تھی اکثر دیار پاک بطحا کا ذکر فرماتے ہر رات ان کا جذبۂ عقیدت دل کے نہاں خانے میں تصویر جاناں کی زیارت سے مشرف ہوتا صبح ہوتی تو منتظر نگاہیں وادئ حجاز کی طرف امید و آس میں اٹھی رہتیں کہ

دیار طیبہ سے کاش لے کر صبا نوید بہار آئے
مہک اٹھیں میرے دل کی کلیاں گلوں کے رخ پر نکھار آئے

یہ کسی حرماں نصیب سودائی کی آہیں نہ تھیں جو برباد ہو جائیں۔ یہ کسی شوریدہ سر کے نالے نہ تھے جو صدا بصحرا ثابت ہوتے اور وہ زبان حال سے یہ کہنے پر مجبور ہوتا۔

گلشن یاس سے کچھ پھول اکٹھا کرکے اے غم دوست میں اک ہار بنا لیتا ہوں
اور ہر رات یونہی صبح سے پہلے پہلے اپنی ناکام تمنا کو پنہا دیتا ہوں

بلکہ یہاں دل کے پھپھولے پھوٹے وہاں دوعالم کے طبیب روحانی نے دست شفا بڑھایا یہاں آنکھوں کے پرنالے بہے وہاں مونس بیکساں کا دامن کرم اشک شوئی کے لئے لپکا۔ یہاں صبر و ضبط کی کشتی نے ہچکولے کھائے وہاں سے کشتی دوعالم کے کھیون ہار کا دست ناخدائی دراز ہوا۔ حضور حافظ ملت کا جذبۂ حب رسول اس بلند منزل پر تھا کہ دستور

زمانہ اور قانون حکومت جس جگہ پہونچ کر جبین سائی کریں۔

قانون حکومت ہو کہ دستور زمانہ مذہت کا مخالف ہو تو مومن نہیں پابند
اس دور میں کس مرد مجاہد نے کیا فاش اوہام سے آزاد ہے مذہب کا گلو بند

عشق کا آتش فشاں صبر وشکیب کا سارا اثاثہ پھونک چکا تھا رحمۃ للعالمین کے فضل خاص کی طرف سراپا نیاز متوجہ تھے آنسو کا ہر قطرہ یہی صدا لگا رہا تھا۔

ہند میں بیٹھ کر دے رہا ہوں ندا ، ہے یقین سن رہے ہیں مرے مصطفیٰ
یہ سلامت رہے عشق کا رابطہ میں نے مانا مدینہ بہت دور ہے

سچ ہے محبت کی تپش بعد مسافت کے باوجود لذت قرب سے سرفراز کر دیتی ہے۔زمین کے فاصلے ،سمندر کی موجیں، آبادیوں کے سلسلے ،دشت وجبل کی فصیلیں حائل نہیں ہوتیں۔

کسی شب پچھلے پہر ٹوٹی ہوئی چٹائی پر سر جھکائے محو ناز و نیاز رہے ہوں گے کہ نسیم سحری کا مقدس جھونکا آیا ہوگا مدینہ والے کا پیامی بن کر دل کی امنگیں آنکھوں میں عود کر آتی ہوں گی، عمر عزیز کی متاع گراں بہا جس کے جلووں کی تمنا میں لٹائی، فکر وعمل کی ساری توانائیاں جس نورانی گنبد والے کے لئے صرف کیں، جس کے در کے منادی بن کر سالہا سال بایں حال گزار دیئے گویا

ع صدا دے رہا ہوں کہ آواز آئے

اہل عشق و وفا کو فراق و جدائی کے لحات میں اپنے محبوب کی ناز برداری کی گھڑیاں بھی ان کی معراج سے کم نہیں ہوتیں۔ ہر آہٹ پر کان، ہر دستک پر التفات اور ہر آنے والے پر پیامی محبوب کا گمان ہوتا ہے۔قلب وروح کی اس گوش برآوازی کو اہل محبت ہی جانیں۔

روح کیوں گوش بر آواز ہوئی جاتی ہے
مجھ کو سرکار دوعالم نے پکارا تو نہیں

ادھر عاشق صادق اپنے محبوب دلنواز کی نیاز مندیوں میں مشغول اپنی کشتی اسی کی مرضی پر ڈال کر لنگر اٹھا چکا ہے دوسری طرف حاسدین اور معاندین عشق کی ان سرفرازیوں سے جل بھن کر نت نئے روڑے سرراہ لانے کی ترکیبوں میں مشغول ہیں۔

بالآخر حکومت ہند نے حافظ ملت کا بلا فوٹو پاسپورٹ ایشو کرنا بایں شرط منظور کر لیا کہ سعودی حکومت بھی راضی ہو اور اسے کوئی اعتراض نہ ہو۔کام آخر جذبہ بے اختیار آ ہی گیا رفتہ رفتہ ان کی رحمت کو بھی پیار آ ہی گیا۔

بات الفت کی عام ہو کے رہی:

جناب بیکل اتساہی نے اپنے مرشد کے اس راز کو راز ہی رکھا مگر تا بکے۔آخر بات ہونٹوں سے نکلی اور کوٹھوں چڑھی۔

بات کہاں سے نکلی اور کیسے پھیلی اس سلسلہ میں حافظ ملت کی روداد سفر حج اور مکتوب سے روشنی ملتی ہے۔

بلرام پور اور وطن بھوجپور میں لوگوں کو اس کا سراغ کیسے لگا اس سلسلہ میں جناب بیکل صاحب کو لکھتے ہیں

میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ جب تک پاسپورٹ نہ بن جائے اظہار مناسب نہیں مگر مکان سے مولوی عبدالحفیظ کا خط آیا کہ حافظ محمد حنیف صاحب نے یہ سب کچھ ظاہر کر دیا مگر یہ قبل از مرگ واویلا ہے۔ بے نتیجہ بلکہ مضر ہے۔(مکتوب حافظ ملت بنام بیکل اتساہی ۲۹ ربیع الاول ۸۶ھ)

مبارکپور میں لوگوں کو یہ خبر کیسے پہونچی خود حافظ ملت روداد سفر حج میں رقم طراز ہیں:

”بیکل صاحب نے میرے اس خصوص میں کوشش کی تو حالات سے مجھے مطلع کرتے رہے میں نے اس کو صیغۂ راز میں رکھا۔ میں خوب سمجھتا تھا کہ اگر یہ راز فاش ہوا تو مخالفین نیش زنی کریں گے اور پوری طاقت کے ساتھ رخنہ اندازی کر کے مجھے اس مقصد میں ناکام کرنے کی کوشش کریں گے اس لئے میں نے کسی سے ذکر تک نہیں کیا مگر عجیب اتفاق ہوا کہ بیکل صاحب کا خط دارالعلوم اشرفیہ کے دفتر میں آ گیا دفتر میں خط کا آنا تھا گویا آل انڈیا ریڈیو پر اعلان ہو گیا ہر طرف خبر پہنچ گئی سب کو معلوم ہو گیا اب کیا تھا مخالفین تیار ہو گئے طاقتوں ریشہ دوانیوں اور منظّم سازشوں سے میری مخالفت شروع کر دی مبارک پور سے دہلی اور بمبئی تک ساری طاقتیں پوری قوتیں خرچ کر دیں“

(آداب حج وزیارت مولانا محمد اسلم بستوی ص ۵۵)

جلال عشق کا ایک منظر:

دارالعلوم اشرفیہ کے دفتر میں حافظ ملت کے بلا فوٹو پاسپورٹ کے ساتھ سفر حج کی کوششوں کی بات پہنچی۔ چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں بات دارالعلوم کی حدود سے نکل کر مبارک پور کے قہوہ خانوں تک پہنچی۔ اور پھر ہندوستان بھر میں شور مچ گیا انہی دنوں کی بات ہے ایک روز نیاز مندوں میں سے کسی نے عرض کیا۔ ’حضور! یہ تو ایسے ہی ہے جیسے مشرق کے بجائے مغرب سے سورج کا طلوع ہونا“

اس جملہ پر حضرت کے چہرہ پر جلال محبت کی طغیانی دیکھی گئی اور آپ نے فرمایا: ”کیا پورب کے بجائے پچھّم سے سورج کا نکلنا محال ہے؟ اب تو سب لوگ خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا ناممکن ومحال نہیں بلکہ ایسا واقعہ ہو چکا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ ایک بار پچھّم سے سورج بلند ہوا تھا کیا یہ بھی کوئی غیر معروف حقیقت ہے کہ مقام صہبا میں حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کے زانو پر سر رکھ کر اللہ کے پیارے حبیب سید عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ آرام فرما رہے تھے اور حضرت علی کی نماز عصر قضا ہو رہی تھی سورج غروب ہو رہا تھا مگر احترام مصطفیٰ پر شیر خدا نے اپنی نماز نچھاور کر دی اور حضور کے آرام میں ذرہ برابر خلل نہ آنے دیا سرکار کی چشم مبارک اس وقت کھلی جب سورج ڈوب چکا تھا۔ سرکار نے حضرت علی کا اضطراب دیکھا حضور کو معلوم ہوا کہ علی نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی اور سورج ڈوب گیا تو مالک کونین نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ الٰہ العالمین! علی تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے تو ان کے لئے سورج کو لوٹا دے“

چنانچہ اس روز مشرق کے بجائے مغرب سے سورج ابھرا، بلند ہوا۔اور نماز عصر کا وقت ہوگیا تو جس مالک کونین کے اشارہ پر ایک بار مغرب سے سورج نکلا اگر وہ چاہیں تو ایک ہزار مرتبہ اور یہی واقعہ رونما ہوسکتا ہے یہ سن کر مجلس پر سناٹا چھا گیا اور لوگ رخصت ہو گئے۔

مخالفین اہل سنت میں حضور حافظ ملت کے بلافوٹو سفر کی تیاری کا حال سن کر ایک عجیب منفی جوش وخروش کا عالم تھا۔دہلی کے جمعیت آفس سے لیکر حکومتی ایوان تک رسائی رکھنے والے تمام کھدر پوش دیوبندیوں تبلیغیوں اور وہابیوں نے مل کر اس کو اپنی انا کا مسئلہ قرار دے لیا اور حافظ ملت کے سفر میں رخنہ اندازی کرنے لگے۔سرزمین حجاز پر ان کے نمائندوں نے بھی ادھر سعودی حکومت تک اپنے رسوخ استعمال کئے تا کہ حافظ ملت کو بایں اعزاز واکرام سعادت حج و زیارت نہ مل سکے۔مگر ع وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

سعودی سفارت خانے کی منظوری:

ادھر حکومت ہند نے بھی اس دیوانۂ رسول کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے بلا فوٹو پاسپورٹ کی درخواست کو منظور کیا۔اور دوسری طرف حکومت حجاز نے بھی اس کا لحاظ رکھا اور کوئی احتجاج نہیں کیا مگر ایسے معاملات میں زبانی رضا مندی کو قانونی شکل اس وقت ملتی ہے جب کوئی تحریری ثبوت ہو اسی دوران جناب بیکل صاحب کے ایما پر حافظ ملت علیہ الرحمہ نے سعودی سفارت خانے میں ایک اور درخواست بھی بھجوائی جس کا ذکر ایک خط کے اندر ہے۔

جناب بیکل صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

''سفر حج سے متعلق آپ کی ہدایت کے مطابق درخواست ٹائپ کرا کے دہلی روانہ کردی تھی۔آج دہلی سے مراسلہ آیا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آپ کی درخواست بسلسلہ حج موصول ہوئی جو زیر غور ہے۔جو فیصلہ ہوگا فوراً مطلع کیا جائے گا اگر اس وقت کسی مزید کوشش کی ضرورت ہو تو ضرور کی جائے'' (مکتوب حافظ ملت بنام بیکل اتساہی ۱۱محرم ۸۶ھ)

دہلی سے اس کے بعد درخواست کی منظوری کا خط پا کر حافظ ملت جناب بیکل کو رقم طراز ہیں:

''خط ملا منظوری سے مسرت ہوئی ،مولائے کریم تمام مراحل بحسن وخوبی طے کرادے اور حاضری نصیب کرے۔آپ بھی ساتھ ہوں فریضہ کی ادائیگی تو ضروری ہے امسال ہی ہوجائے آپ تیار ہوجائیں تو حاضری بڑی پر کیف ہو خدا کرے ایسا ہی ہو آمین آمین !! (مکتوب حافظ ملت بنام بیکل اتساہی ۲۲ ربیع الاول ۸۶ھ)

غالباً یہ انہی ایام کا ذکر ہے کہ حافظ ملت کی درخواست حج کی منظوری کا پروانہ ملنے پر حلقۂ عزیزی اور حلقۂ اشرفیہ میں ہر طرف چرچے تھے۔لوگ حافظ ملت کی بارگاہ میں تہنیت پیش کرنے پہنچ رہے تھے۔حضور حافظ ملت ان تمام کامیابیوں کو محض اور محض سرکار دوعالم ،مختار کونین ﷺ کا کرم فرمایا کرتے تھے۔احباب کے اظہار مسرت پر خوش ہو کر فرمایا۔

ان کے دریائے کرم میں موج اٹھتی ہے ضرور
مانگنے والا کوئی دل سے پکارے تو سہی

حصول پاسپورٹ:

حافظ ملت کے سفر حج کے لئے سعودی ایمبیسیڈر نے درخواست تو منظور کرلی۔مگر پاسپورٹ کا تکمیلی کام ہنوز تشنہ ہی رہا جس کے لئے حافظ ملت لحہ لحہ بے چین نظر آتے ہیں بکل صاحب کو لکھا۔

''آج کاٹھمنڈو نیپال کا روانہ کردہ آپ کا خط ملا.....................

میری درخواست کا ابھی کوئی جواب نہیں آیا پاسپورٹ کی اخیر منزل تک آپ کی توجہ ضروری ہے خدا کرے امسال حاضری نصیب ہو اور آپ کی معیت ہو آپ تیار ہو جائیں زیادہ وقت نہ مل سکے تو فضائی سفر ہو بہر حال میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔(مکتوب بنام بکل ۲۹ ربیع الاول ۸۶ھ)

اپنے پیرو مرشد کے ارشاد پر جناب بکل نے پاسپورٹ کی تکمیل پر اپنی مزید کوششوں کا آغاز کیا لکھنؤ دہلی اور بمبئی ہر جگہ بار بار سفر کیا حکام،وزراء اور سفارت خانے سے روابط کئے۔مخالفین کی دسیسہ کاریوں اور رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کی بالآخر خدا خدا کر کے پاسپورٹ مل گیا لکھتے ہیں:

''آج کے خط سے مسرت ہوئی آپ کی مخلصانہ کوشش اور جناب قدوائی صاحب کی کرم فرمائی کا شکریہ! مولائے کریم آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے،دارین کی برکتوں نعمتوں سے مالا مال فرمائے،تمام الجھنیں دور کر کے اطمنان قلب نصیب کرے۔آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین!

اب بفضلہ تعالی مرحلہ طے ہوگیا اطمنان ہے۔لیکن ضابطہ اور قانون کے تحت میرے پاس ایسی تحریر ضروری ہے جس سے کہیں بھی کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو اس کا آپ ضرور خیال رکھیں مغل لین سے ابھی منظوری نہیں آئی ہے۔

(بنام بکل انساہی ۱۱ رجب ۸۶ھ)

اسی سلسلہ کے دوسرے مکتوب میں جناب بکل کو اپنی قلبی دعاؤں سے نوازتے ہوئے لکھتے ہیں

''میرے اس نیک مقصد میں آپ کی یہ سعی قابل تحسین اور لائق صد شکریہ ہے ''فجزاکم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء فی الدنیا والاخرۃ''

مولائے نعیم وغافر آپ کو دونوں جہان کی نعمتوں،دولتوں سے سرفراز فرمائے،مقاصد دارین میں کامران وسرفراز فرمائے،ہر ہر منزل پر مظفر و منصور فرمائے،اپنی حفاظت وحمایت کے ظل کرم میں بصحت وسلامتی شاد وآباد رکھے،جان و مال،اہل وعیال کی پوری پوری حفاظت فرمائے،اپنی رضا اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خوشنودی خاص عطا فرمائے،آپ کو اور آپ کے احباب و متعلقین کو حرمین طیبین کی حاضری نصیب کرے،حج وزیارت سے مشرف فرمائے اور قبول فرمائے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین!

حکومت ہند اور حکومت سعودیہ دونوں نے حافظ ملت کے سفر بلا فوٹو کی منظوری دے دی اب مرحلہ رہا حصول ویزا اور حکومت ہند کی طرف سے بحری جہازوں کے ذریعہ حجاج کو لانے لے جانے والے ادارۂ مغل لائن کی منظوری کا

ہندوستانی حجاج کے لئے حج کمیٹی ،مغل لائن کا طریقہ کار یہ ہے کہ کمیٹی درخواست دہندگان کے ناموں کا قرعہ اندازی کر کے قرعہ میں نکلنے والے حجاج کوسفر کا موقع دیتی ہے ورنہ نہیں۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کو جب دونوں حکومتوں کی اجازت کا علم ہوا تو انہوں نے بحری جہاز میں جگہ حاصل کرنے کے لیے درخواست بھیجوائی جو نا منظور ہوئی۔ نامنظوری کی اطلاع ملتے ہی بیکل صاحب نے کوشش کر کے خاص حکومتی کوٹے میں سے حافظ ملت اور ان کے بھائی مولانا حکیم عبد الغفور صاحب کے لیے دو سیٹیں منظور کروائیں۔

منظوری کے کاغذات سمیت جب دوبارہ حج کمیٹی مغل لائن میں حافظ ملت کی درخواست گئی تو وہاں سے پھر نامنظوری ملی اب بات سمجھ میں آگئی کہ مخالفین اہل سنت اور معاندین حافظ ملت کی نیش زنی ہے جو سارے کام کو خراب کر رہی ہے۔ تفصیل خود حافظ ملت سے سماعت فرمائیں۔

''میرے بلا فوٹو سفر حجاز کی اطلاع پورے ہندوستان کے طول وعرض میں تھی ہندوستان کے باشندے ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی وغیرہ کثیر التعداد مذاہب کے ہیں۔ سیاسی حیثیت سے کانگریسی، جن سنگھی، مہا سبھائی وغیرہ کافی پارٹیوں کے لوگ ہیں مگر نہ کسی ہندو نے میری مخالفت کی، نہ کسی عیسائی نے، نہ کسی یہودی نے اسی طرح کسی سیاسی جماعت یا پارٹی نے میری مخالفت نہ کی بلکہ غیر مسلموں نے تو تائید بھی کی۔ ہاں میرے حج بیت اللہ کو بغیر فوٹو جانے کی مخالفت کی تو ایک مخصوص مکتب فکر کے مولویوں نے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن اسی مکتب فکر کے لوگ ہیں جنہوں نے اخیر دم تک پوری قوت سے مجھے روکنا چاہا اور اس نشہ میں ایسے مدہوش ہوئے کہ مسئلہ شرعیہ کی نوعیت بھی بھول گئے۔

ادائے فریضۂ حج کیلئے علما کرام نے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس کی وجہ تو صرف یہی ہے کہ حج فرض ہے اور اہم فرض ہے فوٹو اگر چہ حرام ہے لیکن قانونی مجبوری ہے کہ بغیر فوٹو کے حج ادا نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس مجبوری کی بنا پر ادائے حج فرض کیلئے فوٹو جائز ہے۔

لیکن جو شخص اس قانون سے مستثنیٰ کیا جا رہا ہے، دونوں حکومتیں بغیر فوٹو کے اجازت دے رہی ہیں وہ تو مجبور نہیں ہے۔ اس کے لئے فوٹو قطعا بے ضرورت ہے، حرام ہے، اس پر یہ فتویٰ کہاں لاگو ہے، مگر اس مکتب فکر کے مولوی لوگ اس کو بھی فوٹو کھنچوانے پر مجبور کرتے ہیں اور اس سے بلا ضرورت ارتکاب حرام کروا رہے ہیں، ان کی یہ کوشش مسئلہ شرعیہ کے تحت حرام ہے۔

جب حکومت ہند، حکومت حجاز نے میرا اسپیشل کیس بلا فوٹو منظور کر لیا اور کاغذات مرتب ہو کر میرے پاس آگئے تو میں نے برادر عزیز مولوی حکیم عبد الغفور صاحب کی درخواست کے ساتھ اپنی درخواست مغل لین روانہ کی مغل لین نے ہماری دونوں درخواستوں کو نا منظور کر کے کینسل کر دیا اور مجھے واپس بھیج دیا یہ خیال ہوا کہ جس طرح دوسرے حجاج کی درخواستیں نا منظور ہو کر واپس ہوئی ہیں ویسے ہی ہماری درخواست بھی نا منظور ہوئی ہوگی، سیٹوں کا انتظام نہ ہو سکا ہوگا، اس لئے درخواست کینسل کر دی گئی۔

اس پر بیکل صاحب نے دہلی سے کوشش کی تو حکومت ہند نے اپنی مخصوص سیٹوں میں مظفری جہاز کی دو سیٹیں ہمیں دیدی۔ اس منظوری کے ساتھ ہم نے پھر مغل لین کو دوبارہ درخواستیں بھیجیں، بھائی صاحب کی درخواست فوٹو کے ساتھ تھی میری درخواست بلا فوٹو تھی۔

اس مرتبہ مغل لائن نے میری درخواست پھر کینسل کر کے واپس کردی اور اس پر لکھ دیا کہ ''آپ فوٹو بھیجئے تب درخواست منظور ہوگی اور مطلوبہ سیٹ مل سکے گی''، مغل لین کا یہ جواب مخالفین کی بھر پور کوششوں کا نتیجہ تھا۔

(آداب حج وزیارت ص ۵۷/۵۶)

دوبارہ درخواست مسترد ہونے کے بعد حافظ ملت نے پھر از خود کوئی درخواست حج کمیٹی کو نہیں لکھی بلکہ جناب بیکل صاحب کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد بیکل صاحب خود بمبئی گئے۔ وہ بھی حضرت کے قلم سے ملاحظہ کریں۔

''بیکل صاحب بمبئی پہونچے اور مغل لین کے کارکنوں سے مطالبہ کیا کہ جب حکومت ہند نے بلا فوٹو درخواست منظور کی ہے تو آپ کو فوٹو طلب کرنے کا کیا حق ہے؟ آپ کس قانون سے فوٹو مانگتے ہیں؟ آپ نے درخواست کینسل کر کے کیوں واپس کردی؟ آپ کو صرف جہاز کی سیٹوں کا اختیار ہے اور وہ بھی اپنی سیٹوں کا حکومت ہند نے جب کہ مخصوص سیٹیں دی ہیں تو آپ روکنے والے کون ہوتے ہیں؟ تو مغل لین کا دفتر مجبور ہوا اور فورا میرا پاسپورٹ مکمل کر کے بیکل صاحب کو دے دیا بیکل صاحب نے بذریعہ رجسٹری میرے نام روانہ کردیا۔ وصول ہوگیا، بات ختم ہوگئی، اطمنان ہوگیا۔

(آداب حج وزیادرت ص ۵۹/۵۸)

دیو بندیوں اور وہابیوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود حج کمیٹی مغل لائن کو حافظ ملت کے لئے جہاز کی منظوری دینی پڑی۔ اس شکست فاش کے بعد وہ زخمی سانپ بن گئے۔ اور ''کہاں پاؤں کہاں ڈسوں'' کے انداز میں اپنا آخری حربہ آزمانے کیلئے استمداد اور توسل کو شرک و بدعت گردانںنے والے نجدی حکمرانوں سے مدد مانگنے پر متوجہ ہوئے۔ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ کے مرکزی سفارت خانے سے وہاں کے سفیر نے تو حافظ ملت کو بلا فوٹو سفر کی اجازت لکھ کر دیدی۔ اب اسی کی بنیاد پر بمبئی کے کونسلٹ کو ویزے کی مہر لگانی تھی اس مختصر سی فرصت نے دشمنان حافظ ملت کو پھر مستعد کردیا حافظ ملت تحریر فرماتے ہیں۔

''اعلان کے بموجب جہاز کی روانگی سے پانچ روز قبل ہم لوگ بمبئی پہنچے بیکل صاحب میرا پاسپورٹ بلا فوٹو لے کر حکومت سعودیہ کے سفیر کے پاس ویزا کیلئے پہنچے اس نے پاسپورٹ دیکھا کہ بلا فوٹو منظوری کے کاغذات ہمرشتہ تھے ویزا دینے سے انکار نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ آپ کل آئیے میں ویزا دے دونگا۔ دوسرے روز پہنچے تو تیسرے روز پر ٹالا۔ تیسرے روز پہنچے تو چوتھے روز پر ٹالا۔ اسی طرح ٹالتا رہا یہاں تک کہ جہاز کی روانگی میں چند گھنٹے باقی رہ گئے تو ویزا دینے سے انکار کردیا کہ میں بلا فوٹو کے ویزا نہیں دوں گا پوری دنیا میں یہی ایک شخص ہیں جو فوٹو کو حرام کہتے ہیں ساری دنیا فوٹو کیساتھ حج کیلئے آرہی ہے حج کے لئے فوٹو جائز ہے۔ بیکل صاحب نے جواب دیا کہ حکومت ہند و حکومت سعودیہ نے

بلا فوٹو اسپیشل کیس منظور کیا ہے یہ کاغذات موجود ہیں سفیر نے کہا میں کاغذات نہیں دیکھتا مجھے اوپر سے آرڈر نہیں ہے جب تک اوپر سے آرڈر نہیں ہوگا میں ویزا نہیں دونگا یعنی سفیر حکومت سعودیہ جس کا ہیڈ کوارٹر دہلی ہے اسی کا یہ بمبئی میں نائب ہے اس کا آرڈر نہیں مانتا اب مظفری جہاز کی روانگی میں چار گھنٹے باقی ہیں یہی اخیر جہاز ہے حجاج کرام جہاز پر سوار ہو چکے ہیں میرے لئے یہ رکاوٹ ہے کہ میں بلا فوٹو نہیں جا سکتا اور میں فوٹو کھنچوا نہیں سکتا یہ ایسی مایوسی کا وقت تھا کہ کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی اپنے لوگ بے حد پریشان تھے نہایت مایوس تھے اور کسی کی جرأت تو نہیں ہوسکی مگر حاجی حفیظ اللہ صاحب کلکتہ والے جو بمبئی میری ملاقات کو آئے تھے انہوں نے مجھ سے دبے لہجے میں کہا حضور اب تو فوٹو کھنچوا لینا چاہئے بڑی مجبوری ہے میں نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا اپنے رب کو یاد کیا اور اس کے حبیب اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ عالی میں عرض کیا۔

یا رسولَ اللّٰہ اُنظُر حالَنا	یا حبیبَ اللّٰہ اِسمَع قالَنا
اِنّنِی فی بحرِ ہَمٍّ مُغرَقٌ	خُذْ یَدی سہِّل لَنا اِشکا لَنا

(آداب حج وزیارت ص ۶۰/۵۹)

''یہ امر ضرور قابل غور ہے کہ بمبئی والے سفیر نے پہلے دن بلا فوٹو ویزا دینے سے انکار نہیں کیا، نہ دوسرے دن، نہ تیسرے دن، نہ چوتھے دن، بلکہ ٹالتے ٹالتے اخیر وقت تک لے گیا تب انکار کیا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سفیر کی ذاتی رائے نہیں تھی ورنہ پہلے ہی روز فوٹو طلب کرتے بلا فوٹو ویزا دینے سے انکار کرتے پہلے سے ویزا کا وعدہ کرتے چلے آئے اور عین وقت روانگی انکار کر دیا۔

یہ تمام کارروائی مخالفین کی سازش اور اسکیم کے ماتحت تھی معلوم نہیں کن اثرات سے سفیر حجاز کو اپنایا اور تیار کیا تھا سوچا یہ تھا کہ عین وقت پر کوشش کامیاب نہ ہوسکے گی مجبورا فوٹو کھینچانا ہی پڑے گا یا سفر ملتوی کریں گے کیونکہ اس کے بعد کوئی جہاز بھی نہیں ہے۔ مگر ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ مختار دو عالم مالک کونین حضور پر نور رسول اللہ ﷺ جب بلا فوٹو بلائیں تو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ (ایضا ص ۶۱)

عشق کی سرفرازی:

عقل عیار اس مقام پر پہنچ کر دم توڑ دیتی ہے جہاں سے عشق حقیقی کا میدان عمل شروع ہوتا ہے۔ عشق وعرفان کی ایک ایسی ہی آویزش کا دن ۲۵/ ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ/۷ مارچ ۱۹۶۷ء بھی تھا۔ جب اختیار مصطفیٰ اور توسل بالمصطفی علیہ التحیۃ والسلام کے منکرین کی چال بازیوں اور شاطرانہ حربوں نے ایک دیوانۂ رسول، ایک عاشق نبی اور ایک شیفتہ رحمت عالم کے عقیدہ واعتماد کو چیلنج کیا تھا۔ اور اپنے جیسوں کی دنیاوی حکومتوں کو ہمنوا بنا کر اس کے پندار عشق کو رسوا کرنا چاہتے تھے۔ اغیار تو اغیار حافظ ملت کے احباب بھی دل شکستہ ہونے لگے تھے۔ جہاز کی روانگی میں محض چند گھنٹے باقی رہ گئے تھے

اس وقت اس درویش محمد نے تخلیہ کیا۔اور نہایت اعتماد ویقین کے ساتھ اپنے مرید خاص کو پھر کونسلٹ بھیجا۔قربان جایئے اس غیرت مند آقا کی عظمت وغیرت کے جس نے ڈوبتے ڈوبتے کشتی کو ساحل مراد عطا فرمادیا۔

حافظ ملت کا راستہ روکنے والوں نے ٹیلی فون کی لائن کے ذریعہ بمبئی، جدہ اور ریاض ایک کر کے رکاوٹوں کے جو پہاڑ کھڑے کئے تھے حافظ ملت نے اپنی خداداد روحانی قوت سے ان پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے اڑایا۔یقیناً وہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کا اپنے اور ساری کائنات کے آقا سیدنا محمد رسول اللہ، مختار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن اعتقاد اور اعتماد کلی تھا۔حضور نے جس کا بھرم رکھ لیا۔حافظ ملت کی روداد سفر حجاز کے مرتب حضرت مولانا محمد اسلم بستوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جس دن کے جہاز سے روانہ ہونا تھا اس کی صبح ہی حضرت بیکل اتساہی سفیر حجاز کے پاس ویزا لینے کے لئے گئے سفیر پہلے تو ویزا دینے میں لیت ولعل کرنے لگا اور جب دن کے ۱۲ بج گئے اور جہاز کی روانگی میں صرف چند گھنٹے باقی رہ گئے تو اس نے حسب سازش یہ کہہ کر صاف انکار کردیا کہ ''میں بلا فوٹو کے ویزا نہیں دوں گا'' اس پر بیکل صاحب نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی کہ تمہیں ویزا روکنے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن وہ ایک نہ مانا اس کی ہٹ تھی کہ جب تک اوپر سے آرڈر نہیں ہوگا میں ویزا نہیں دونگا بیکل صاحب کا بیان ہے کہ میں بڑی مایوسی کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حالات بیان کئے اس وقت حضرت کے چہرے پر میں نے ایک خاص رنگ دیکھا ارشاد فرمایا بیکل صاحب ایک بار پھر جایئے اور حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''آپ حضرات برائے کرم تشریف لے جائیں میں تھوڑی دیر تخلیہ چاہتا ہوں اندر سے کمرے کا دروازہ بند کرلیتا ہوں اور خبر دار! اس وقت تک کوئی دروازہ نہ کھلوائے جب تک بیکل صاحب ویزا لے کر واپس نہ آجائیں۔''

بیکل صاحب آگے کہتے ہیں متعلقہ حاکم سے پہلی گفتگو کی روشنی میں میں جانے کی ہمت تو نہیں کرتا لیکن حضرت کا حکم واجب التعمیل تھا ایک بار پھر چلا گیا لیکن اس بار کچھ اسباب و وسائل ایسے مہیا ہوگئے (جن کا پہلے ذکر آچکا ہے) کہ میں ناکام واپس آنے کے بجائے اپنے ساتھ ویزا لیکر کامیاب و کامران واپس لوٹا تو میں نے حضرت کے کمرے کا دروازہ بدستور بند پایا میں نے دروازے پر دستک دے کر باہر ہی سے جذباتی لہجہ میں عرض کیا ''حضور دروازہ کھولیں ویزا مل گیا'' اندر سے گریہ کے لہجے میں آواز آئی۔الحمد للہ! دروازہ کھلا حضرت پسینے میں شرابور داڑھی آنسوؤں سے تر تھی اس کے بعد کے واقعات خود صاحب واقعہ کے الفاظ میں ملاحظہ کریں۔ (ایضاص ۷۱/۷۲)

مخالفین کا یہ آخری حربہ بڑا سنگین تھا مگر سردار مدینہ کے بے پایاں کرم کی موسلا دھار بارش میں ہر حربے اور مکر و فریب خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں یہاں بھی سرکار کا خاص کرم ہوگیا بیکل صاحب جس وقت ویزا لے کر کامیاب واپس ہوئے ہیں اسی وقت حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز کی گئی۔ (آداب حج وزیارت ص ۷۲)

واقعہ حج اور ایک غیر مسلم:

پرانے مدرسہ سے بازار کی طرف آتے ہوئے ایک مشہور غیر مسلم حلوائی منو کا مکان اور دوکان ہے جو ایسے مقام پر ہے جہاں سے حافظ ملت روزانہ کم از کم چار بار گزرتے تھے دارالعلوم جانا ہو جامع مسجد راجہ مبارک شاہ جانا ہو یا ریلوے اسٹیشن جانا ہو۔ بہر حال وہاں سے گزرنا ضروری تھا۔ منو حلوائی اور اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد نے عرصۂ دراز تک حافظ ملت کو نہایت خاموش انداز میں نگاہیں نیچی کئے اپنے گھر اور دوکان کے سامنے سے گزرتے دیکھا تھا۔

جن دنوں حافظ ملت کے بلا فوٹو سفر حج کی بات شروع شروع میں اہل مبارک پور کا موضوع گفتگو بنی ۔تو کچھ لوگ حلوائی کی دکان پر بھی اس پر بحث کرنے لگے کہ یہ ایک انٹرنیشنل قانون ہے ۔جب بلا تصویر کے پاسپورٹ نہیں بن سکتا تو کوئی سفر کس طرح کر سکتا ہے؟

حلوائی نے لوگوں کی باتیں سنیں تو پوچھا۔کون بلا فوٹو حج کرنے جا رہا ہے۔؟لوگوں نے جواب دیا" حافظ صاحب"

حضرت کا نام سننے سے پہلے تو وہ بھی بین الاقوامی قانون کی راگ میں آواز ملا رہا تھا۔مگر جب سنا کہ یہ حافظ ملت کا کیس ہے تو کہنے لگا۔

"میں انہیں تیس برس سے اسی راستے سے آتے جاتے دیکھ رہا ہوں ۔کبھی بھی انہیں سر اٹھا کر چلتے نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی دائیں بائیں نگاہ کرتے دیکھا وہ اگر جا رہے ہیں تو جا سکتے ہیں ۔ان کی بات ہی الگ ہے"

راقم الحروف نے مدتوں حلوائی کے بوڑھے باپ کو دیکھا ہے کہ گھر کے باہر چبوترے پر معذور بیٹھا کھانستا رہتا اور جب وہاں سے حافظ ملت علیہ الرحمہ کا گزر ہوتا اٹھ کر ہاتھ جوڑ لیتا تھا۔

عشق کی فتح مبین:

حافظ ملت علیہ الرحمہ کے سفر حج کو مسلمانان اہل سنت کی فتح مبین اور معاندین اہل سنت کی شکست فاش کی ایک کھلی ہوئی کتاب کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے تمام ذی علم حلقوں میں علما و مشائخ اور ہندو پاک کی خانقاہوں میں اس واقعہ کو نہایت اہمیت و وقعت سے بیان کیا جاتا ۔اور خوش عقیدہ مسلمانوں کے قلوب اس سے طمانیت حاصل کرتے ۔مناظرین و واعظین علما اس واقعہ کو اپنی دلیل حقانیت کے طور بیان کرتے ہیں ۔ایک طرف حافظ ملت کے بلا فوٹو سفر حج کی منظوری نے سنیوں کو خوشی اور مسرت سے سرفراز کیا تھا ۔تو دوسری طرف معاندین اہل سنت دیوبندیوں وہابیوں میں صف ماتم بچھا دی تھی ۔انہوں نے اسے اپنی عزت وانا کا مسئلہ بنا لیا۔اور اولین دور سے تا ہنوز کانگریس کی وفاداری میں جو جو کارنامے انجام دیئے تھے ۔اور سیاسی قربان گاہ پر اپنے جن جن دینی حقائق کی بلی چڑھائی تھی اس موقع پر ہر ایک کی دہائی دے دے کر اس منظوری کو منسوخی میں بدلوانے کی کوششیں کیں ۔مگر حضور مختار دو عالم ﷺ کے دربار سے مہر اجازت لگ جانے کے بعد وہی ہوا جو حافظ ملت نے چاہا۔

بندہ نواز رسول نے اپنے دیوانے کی سن لی دریائے رحمت کی بیقرار موجیں امنڈیں ۔فیض رسالت کا سحاب کرم

اٹھا اور کشت زار محبت کو سرسبز و شاداب کر گیا۔اب وادی ام القریٰ میں پہونچتا ہے تصور ہی میں میزاب رحمت تلے پہونچ کر رحمت کے چھینٹوں سے جیب وگریباں ترکر رہے ہیں مدتوں کا سلگتا دامن قرار پا رہا ہے۔

ع مانگی مرادمل گئی بزم حبیب سے

آہیں اثر انداز ہوئیں، نالۂ شبینہ عرش سے انعام اجابت مانگ لایا اور آقائے نعمت حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کو دیار پاک بطحا سے حاضری کا پروانہ مل گیا، دل کی کلیاں کھل گئیں آرزوؤں کے چمنستان میں بہار آگئی، اب تصور محبوب و دیار محبوب کچھ اور ہی لطف دینے لگا ہر آن آنے والے لمحوں کے کیف میں ڈوب ڈوب کر ابھرتے اور شاد کام ہوتے ہوئے بھی سنئے تو پڑھ رہے ہیں۔

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم
خاک در رسول کو سرمہ بنائیں ہم

حذب وشوق کی طغیانی جب سبز گنبد کے جلووں کی یاد میں بڑھتی اور دل و دماغ وہاں کے فردوس بداماں مناظر کے لئے تڑپتے تو زبان پر یہ شعر ہوتا۔

مدینے دل و روح و جاں لے کے جاؤں
محبت کا سارا جہاں لے کے جاؤں

کبھی بہت سادے اور صاف لہجے میں یوں بھی کہتے سنا گیا۔

دکھادے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولا تری رحمت برستی ہے

حافظ ملت:

محبت رسول کے رشتۂ محکم کو بنیاد بنا کر رحمت کونین کے در سے طلب کرم کا سبق عمر بھر دیتے رہے اور خود بھی اسی پر کاربند تھے۔

مانگنے والے نے جس خلوص و وارفتگی کے جذبہ سے مانگا عطا فرمانے والے رحمت کونین نے اسی کے مطابق بخشش وکرم اور جودونوال کا برتاؤ فرمایا۔بلا لیا اپنے دیار میں، اپنے حرم میں۔روانگی کے ایام میں زبان سے یہ شعر بھی سنا گیا۔

شکر خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ جو درحقیقت ترجمان حقیقت تھے حافظ ملت کے سفر حج کو ان کی کھلی ہوئی کرامت سے تعبیر کرتے ہیں۔انہوں نے فرمایا۔

’’حافظ ملت کا سفر حجاز خود ان کی ایک زندہ کرامت ہے مدتوں کی آرزو تھی کہ دیار مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) میں

حاضر ہوں ،لیکن فوٹو کا مسئلہ سد راہ تھا دل کی لگن رنگ لا کے رہی ۔بغیر فوٹو کے پاسپورٹ بن گیا۔ دنیا ئے تو ہب میں صف ماتم بچھ گئی ۔ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن مادی طاقتوں نے روحانیت کے سامنے سر جھکا دیا پھر دنیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی رہی ۔وہ گئے ۔اور آئے لیکن دشمن ان کی گرد راہ تک نہ پاسکا۔ (ماہ نامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۲۱۸)

اور کیوں نہ ہو کہ حافظ ملت نے کسی اور در کی جبہہ سائی نہیں کی تھی کسی اور کے بن کے نہیں رہے تھے۔ کسی اور کی غلامی پہ نازاں نہیں تھے ۔انہیں اگر ناز تھا تو صرف اپنے آقا و مولا حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے کرم پر۔ انہوں نے محبت و عقیدت کے ساتھ اپنے عقیدہ وایمان کی جان رحمت عالم ﷺ کے در سے ہی آس لگائی تھی ۔عمر بھرانہی کی غلامی کرتے رہے ۔انہی کے دین وشریعت کی ترویج ،انہی کے علم پاک کی اشاعت انہی کی عظمت وعفت کی نگہبانی کو اپنا مقصد زندگی قرار دیا تھا ۔پھر بھلا ان کا ایسا وفادار غلام ،غداران مصطفیٰ کے بالمقابل نا کام ہو جائے حضور کو کیسے گوارہ ہوتا؟ ۔وہ تو ایسے سخی داتا دیالو ہیں جو اپنے عام منگتوں کو بھی اس انداز سے نوازتے ہیں ۔

ع خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو

معاندین حافظ ملت نے دنیا اور دنیا والوں کا سہارا لیا ذلیل ہوئے اور حافظ ملت نے اپنے آقا و مولا پر کامل اعتماد کیا کامیابی سے نوازے گئے ۔خاص طور سے اس درویش محمد کو سرکار ابد قرار کی بارگاہ میں حاضری کے سلسلہ میں آقا و مولا کی کن کن عنایتوں سے سرفرازی ملی وہ تو خود دینے والے اور لینے والے جانیں۔ مگر ہم ظاہر بینوں کے لئے جتنا کچھ حافظ ملت نے لکھ کر چھوڑا ہے انہی میں غوطہ زنی کیجئے تو ایک عالم اکرام وفضل ہے ۔فرماتے ہیں ۔

’’میرے اس سفر حجاز میں سرکار کے کرم کا کیا اندازہ کیا جائے میں نے جو درخواست کی ،منظور فرمائی جو مانگا وہ عطا فرمایا میں نے بلا فوٹو حاضری طلب کی عطا فرمائی ۔اخیر جہاز مظفری طلب کیا وہی دیا......‘‘

حج کے بعد میں نے مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت نہیں کی ۔بلکہ عرض کیا کہ سرکار جلد مدینہ طیبہ بلائیے تو جلدی ہی بلا لیا۔اور گیارہ روز حاضری کا شرف بخشا بارہویں دن واپس کر دیا.....

آمد و رفت کا پورا سفر مبارکپور سے جانا اور واپس مبارکپور آنا آغوش رحمت ہی میں رہا۔ کسی جگہ کسی مقام پر کوئی تکلیف نہیں ہوئی ۔نہ ریل میں ۔نہ جہاز میں نہ اس کے بعد۔ آمد و رفت کا پورا سفر ،سفر معلوم ہی نہ ہوا ہر جگہ نہایت راحت وآرام سے رکھا۔شاہی مہمان کی حیثیت عطا فرمائی ۔یہ سب سرکار کی بندہ نوازی ہے جس کا شکر یہ ادا نہیں ہو سکتا۔

(آداب حج وزیارت ص ۶۲)

مبارکپور سے روانگی:

سفر حج وزیارت کے لئے حافظ ملت کی مبارکپور سے روانگی کا منظر دیکھنے والے کبھی فراموش نہیں کر سکتے کیوں کہ یہ ایک عاشق رسول ،دیوانہ مصطفیٰ کی سر فرازی محبت کا سفر تھا ۔ایسا لگتا تھا حافظ ملت نے روانگی مدینہ کے وقت اہل مبارکپور اور مشتاقان زیارت کے لئے اپنا نافۂ روحانی کھول دیا ہو عجیب عالم تھا عجیب کیفیت تھی ۔عجیب کشش ،اور

مقناطسیت تھی اس روز سرکار حافظ ملت کے روئے زیبا میں سفر حج کے موقع پر ایک تو یہ کہ ہندوستان کے اہل تعلق دور دراز سے کھینچ کھینچ کر مبارکپور، بلرام پور، بھوجپور، بمبئی میں جمع ہو گئے تھے ۔ان کے علاوہ حافظ ملت کا یہ قافلہ روحانی جن مقامات سے گزرا، ٹرین کو جس اسٹیشن پر رکنا ہوا لوگ پروانہ وار ابوالفیض کے فیضان سے دامن بھرنے کے لئے جمع ہوتے گئے ۔یہی کیفیت جہاز کے اندر رہی ، جہازی عملے، حجاج کرام کو اس مرد حق کے لیے گویا مسخر کر دیا گیا تھا۔عدن میں جہاز رکتے رکتے بھی پروانوں کا ٹوٹ پڑنا، جدہ پہونچ کر مشتاقان زیارت کی بھیڑیں لگ جانا اور حرمین طیبین میں متعدد عباد الرحمن کا موقع بموقع حافظ ملت سے ملنا۔ یہ الگ ایک عنوان جمیل ہے جس کی کسی صاحب نظر اور صاحب دل کی زبان و قلم سے تشریح ہوسکتی ہے۔

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی

جمعہ ۱۳ رذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ ۲۳ رفروری ۱۹۶۷ء مبارک پور سے حافظ ملت دربار رسول میں حاضری کے لئے اپنے ہزاروں اہل عقیدت ومحبت کی بھیڑ ،نغمات تہنیت اور پھولوں کی بارش میں اپنے دولت کدے سے روانہ ہوئے ۔پرانے مدرسہ سے چل کر یہ جلوس سب سے پہلے دارالعلوم اشرفیہ پہونچا جہاں آپ نے علماء اشرفیہ مدرسین وطلبہ سے مختصر خطاب فرمایا۔

’’آپ حضرات پوری توجہ اور ذوق وشوق کے ساتھ تعلیم وتعلم میں مصروف رہیں اپنے فرائض منصبی کا پورا پورا خیال رکھیں کوئی شکایت نہ ہونے پائے طلبا پورے طور پر تحصیل علم میں منہمک رہیں اساتذہ و اراکین کا احترام کریں ان کے احکام کی پوری پابندی کریں ۔مدرسین پابندی اوقات کے ساتھ محنت سے تعلیمی فرائض انجام دیں طلبا پر شفقت کریں ان کی تربیت کا خاص لحاظ رکھیں، میری عدم موجودگی میں ان پر اورزیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کا بھی خیال کریں (اخیر میں دارالعلوم اشرفیہ کے استحکام و بقا کی دعا کرتے ہوئے فرمایا) مولائے کریم اس دینی درسگاہ کو استحکام بخشے اس کی حفاظت فرمائے عروج وترقی عطا فرمائے ۔آمین بجاہ حبیبہ سیدالمرسلین۔‘‘ (آداب حج وزیارت ص ۶۳)

دارالعلوم سے نکل کر آپ کو ایک کھلی ہوئی کار میں بٹھایا گیا اور کارروانہ ہوئی لوگوں کی عقیدت ومحبت کا یہ حال تھا کہ حضرت سے مصافحہ ودست بوسی کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے قوی ہیکل جوانان مبارک پور کے ایک جتھے نے اگر چہ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر حافظ ملت کے گرداگرد ایک حلقۂ زنجیر سا بنا رکھا تھا اور ملاقاتیوں کے لئے راہ کھلی رکھی تھی مگر مشتاقان دید سمندری لہروں کی طرح بار بار اس حلقہ کو توڑ دیتے، اس طرح اہل محبت کی کشاکش نے کار کے ایک دروازے کو بھی توڑ ڈالا۔ مبارک پور کی آبادی سے باہر تشریف لا کر آپ نے ایک خطاب فرمایا جس میں اس سفر مبارک کی اہمیت بیان کی ۔لوگوں سے معذرت چاہی، اشرفیہ کو اپنا مقصد زندگی بتایا اور اس دینی وملی سرمایہ کو اہل مبارک پور کے سپرد فرمایا۔متن خطبہ حسب ذیل ہے۔

’’امابعد! عزیزان گرامی !اللہ عزوجل اور اس کے حبیب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضری کے لئے جا رہا ہوں حکومت ہند حکومت حجاز نے میرا اسپیشل کیس بلا فوٹو جانا منظور کرلیا ہے۔

یہ میرے رب کا احسان عظیم ہے کہ مجھے قباحت شرعیہ سے بچادیا اور بلافوٹو حج وزیارت کی اجازت دیدی فللہ الحمد و المنة والصلوة والسلام علی حبیبه المصطفیٰ۔

عزیزان گرامی! یہ وہ منزل ہے جس میں صرف جانا ہے اور جانے ہی کے لیے جانا ہے یہ وہ سفر ہے جس میں واپسی کا ارادہ نہیں۔

مجھ سے بہت سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کب واپس آئیں گے میں نے یہی جواب دیا کہ زندگی کے ہر سفر سے پہلے ہی میں واپسی کا وقت متعین کرتا تھا اگر اس سفر میں متعین کروں تو ساری زندگی کے دوسرے سفر اور سفر حجاز میں کیا فرق ہوگا لہٰذا مجھے جانا ہے اور صرف جانا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مختار ہیں جو چاہیں کریں مجھے صرف جانا ہے۔ اور صاف ہوکر جانا ہے۔ میں ایک گنہگار انسان ہوں مبارکپور کے طویل دوران قیام میں ہوسکتا ہے کہ کسی کو مجھ سے کوئی تکلیف واذیت پہونچی ہو میں اس کی معافی چاہتا ہوں اللہ معاف کردے میں اپنی طرف سے معاف کر چکا۔ (حاجی محمد عمر صاحب نے بھی صفائی کرلی اب میرے اور ان کے درمیان کوئی خلش باقی نہیں، حاجی صاحب کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں، خداوند کریم ان کو صحت دے تندرست کردے۔ آمین)

برادران اسلام! میری زندگی کا اہم مقصد دار العلوم اشرفیہ ہے میں نے اس کو اپنا مقصد زندگی قرار دیا ہے ۳۵ رسالہ زندگی کا بڑا قیمتی وقت اس کی خدمت میں صرف کیا ہے۔ آپ حضرات کی مخلصانہ خدمات اور بے مثال قربانیوں سے یہ دار العلوم اس منزل پر پہنچا کہ اپنی خصوصیات میں امتیازی شان رکھتا ہے پورے ہندوستان میں اس کی خدمات کا سکّہ ہے۔ ملک کے طول وعرض سے خراج تحسین وصول کرتا ہے۔ یہ مذہب وملت کا قلعہ ہے۔ بڑی وزنی اور شاندار درسگاہ ہے۔ اب یہ خادم جارہا ہے آپ کے اشرفیہ کو آپ کے سپرد کرتا ہے۔ آپ اس کو اپنا مقصد زندگی قرار دیں اور اپنی زریں خدمات سے ہمیشہ اس کی آبیاری کرتے رہیں، پورا خیال رکھیں کہ اشرفیہ کے کسی شعبہ میں تنزل وانحطاط نہ ہونے پائے بلکہ آپ کی خدمات سے یہ آگے بڑھتا رہے، ترقی کرتا رہے، خداوند کریم آپ حضرات کو جزائے خیر دے شاد وآباد رکھے آمین!۔''

(آداب حج وزیارت ص۶۴/۶۶)

مبارکپور کی تاریخ میں اس سے قبل کسی موقع پر بھی اتنا بڑا مجمع آبادی سے نکل کر سٹھیاؤں نہیں گیا جتنا حافظ ملت کی مشایعت حج وزیارت کے موقع پر تھا۔ اس انبوہ کثیر کو دیکھ کر کسی اجنبی غیر مسلم نے کہا

''اس کا یہ مطلب ہے کہ مبارکپور ایک بہت بڑا شہر ہے''

اسٹیشن پہونچنے سے ٹرین آنے تک برابر ملاقاتیوں اور زائرین کے مصافحہ معانقہ اور دست بوسی کا سلسلہ جاری رہا۔ ٹرین آئی تو اہل عقیدت نے پھر حافظ ملت کو گھیر لیا۔ بمشکل تمام حضرت مولانا علی احمد مبارکپوری، (دفتر انچارج دار العلوم اشرفیہ) حضرت مولانا کاظم علی بستوی اور حضرت مولانا نعمان خاں دیوگانوی نے مل کر حافظ ملت کو بھیڑ سے نکال

کر ٹرین پر سوار کیا۔ٹرین سٹھیاؤں سے چل کر محمد آباد اسٹیشن پر رکی تو وہاں بھی محمد آباد اور خیر آباد وغیرہ کے مسلمانان اہل سنت نے حافظ ملت کا استقبال کیا اور گلہائے عقیدت واحترام پیش کیے ٹرین مئو، جکشن پر پہونچی تو وہاں مئو، ادری، گھوسی اور گردونواح کے اہل عقیدت سے پلیٹ فارم کا دامن بھرا ہوا تھا نماز مغرب کی امامت حافظ ملت نے کی تو عجیب پر کیف منظر تھا غیر مسلم مسافر تعجب سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

شہر بیکل میں ورود:

مئو سے روانہ ہونے کے بعد حافظ ملت کو گلشن عزیزی ،شہر بیکل یعنی بلرام پور اترنا تھا۔اسے حافظ ملت کی راجدھانی بھی کہتے ہیں۔جناب بیکل اتساہی کے علاوہ یہاں کئی قابل قدر شخصیتیں اور ادارے ہیں جن کا تحریک حافظ ملت اور تاریخ الجامعۃ الاشرفیہ میں نمایاں کردار رہا ہے یعنی ڈاکٹر عبدالمجید عزیزی، جناب وکیل مظفر حسین، حافظ محمد حنیف عزیزی خلیفۂ حافظ ملت ،مولانا غلام محمد عزیزی اور ادیب شہیر علامہ محمد اسلم بستوی ،وغیرہم بلرام پور اور اہل بلرام پور نے بھی حافظ ملت کا نہایت شاندار خیر مقدم کیا۔ٹرین اسٹیشن سے جامعہ انوار القرآن اور کاشانہ بیکل تک مشام جان مشک عزیزی سے مہک مہک اٹھا۔

نعرہ ہائے تکبیر و رسالت کی گونج، ہار پھول اور خوشبوئیات کی مہک اور ہزار ہا اہل عقیدت و محبت کے جذبات عقیدت تلے گل پوش کار میں، سوار ہو کر شاہراہ بلرام پور پر بنے ہوئے خوشنما شاندار اور دیدہ زیب قادری گیٹ ،رضوی گیٹ ، امجدی گیٹ اور عزیزی گیٹ سے گزر کر یہ قافلہ عزیزی نور برستا ہوا جامعہ انوارلقرآن پہونچا............ بلرام پور میں حافظ ملت کا ورود ۷؍بجے صبح ہوا۔پورے دن ملاقاتیوں اور زائرین کا سلسلہ رہا شب میں اعزازی جلسہ ہوا جس میں خود حافظ ملت اور جامعہ کے شیخ الحدیث شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی قبلہ نے تقریریں فرمائیں۔

یک شنبہ ۱۵؍ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ ۲۵؍فروری ۱۹۶۷ء صبح حافظ ملت اپنے خادم خاص حضرت مولانا غلام محمد عزیزی علیہ الرحمہ کے ساتھ بھوجپور کے لئے روانہ ہوئے لکھنؤ اسٹیشن پر امام القرا قاری محبّ الدین صاحب قبلہ اور ان کے صاحبزادے قاری احمد ضیا ازہری کے ساتھ ایک جماعت اہل محبت نے استقبال کیا امام القرا نے اپنے گھر لے جا کر ضیافت کی اور سیالدہ اکسپریس سے مراد آباد کے لیے رخصت فرمایا۔مرادآباد اسٹیشن پر شہر مراد آباد اور خود وطن عزیزی کے اعزہ نے حضرت کو ٹرین سے اتارا اور بھوجپور لے گئے۔

وطن عزیز میں:

حافظ ملت نے اپنے وطن عزیز بھوجپور میں ۳ روز قیام فرمایا اس دوران اہل قصبہ اور متعلقین نے جلسے اور تہنیت کے کئی پروگرام کئے۔چوتھے روز جناب بیکل صاحب بھی بھوجپور پہنچ گئے اسی دن حضرت کے برادر زادہ محمد قاسم نعیمی کا عقیقہ تھا شب میں میلاد شریف ہوا جس میں حضرت مولانا غلام آسی رامپوری اور حضرت مولانا محمد رفیق صاحبان کی تقریریں اور اخیر میں حافظ ملت کا خطاب ہوا جناب واصف بھوجپوری اور بیکل صاحب نے نعتیں پیش کیں حضرت بیکل

نے ایک منقبت پڑھی جس کا مطلع یہ تھا۔

مدینے جانے کا عزم سفر مبارک ہو
طواف کعبہ حسیں رہ گزر مبارک ہو

اسی کی صبح ۹ ر بجے مسلمانان بھوجپور نے اپنے لعلِ جہاں تاب کو خراج محبت گزارتے ہوئے بذریعہ ٹرین نہایت شاندار طریقہ سے سفر حجاز کے لئے روانہ کیا مرادآباد میں حضرت علامہ نذیر الاکرم صاحب ان کے والد بزرگوار حاجی ظہور احمد صاحب اور متعدد مقتدر علما اور احباب نے استقبال کیا اور حافظ ملت کے ساتھ ساتھ تمام عازمین حرمین مولانا حکیم عبدالغفور صاحب اور جناب بکل اتساہی کی گل پوشی کی نہایت عقیدت ومحبت سے شب میں دعوت کی اور بمبئی کے لئے روانہ کیا۔

عروس البلاد بمبئی میں :

حافظ ملت اور ان کے ساتھ قافلہ حجاج کا ممبئی میں استقبال کرنے کے لئے شہر ممبئی کے ہزاروں اہل محبت کے علاوہ ،جمشید پور، ہوڑہ ،کلکتہ ،مبارکپور ،گونڈہ ،اور بلرام پور سے بہت سے لوگ جمع تھے ۔انہی میں جناب الحاج حفیظ اللہ صاحب ،قاری محمد حنیف صاحب ،خلیفہ حافظ ملت بھی تھے ٹرین رکتے ہی نعروں سے پلیٹ فارم گونج اٹھا اور اتنے ہار پھول پیش کئے گئے کہ کئی بار ہاروں سے چہرہ مبارک چھپنے لگا تو انہیں اتارنا پڑا۔ ممبئی میں حافظ ملت جناب سعید احمد سعید وسیٹھ کی گلپوش کار پر بیٹھ کر متعینہ وسیع قیام گاہ پر پہونچے ۔سینکڑوں علما ،صوفیا، حفاظ اور ائمہ کرام نے آکر نیاز حاصل کیا، سینکڑوں خوش نصیب لوگ داخل سلسلہ ہوئے ، کئی استقبالیہ جلسے ہوئے جن میں مصطفیٰ بازار کا جلسہ زیر اہتمام الحاج سیٹھ شمس الحق علیمی نہایت اہم رہا اس میں حضور مجاہد ملت قبلہ علیہ الرحمہ ، پیر طریقت حضرت مولانا سید طفیل اشرف صاحب ، حضرت مولانا خلیل شافعی اور حضرت مولانا تجمل ہدی گیاوی وغیرہ علما نے شرکت کی وہاں کے اہل عقیدت ومحبت کے پر خلوص جذبات کا ذکر حافظ ملت نے بایں الفاظ فرمایا ہے۔

"احباب خوشی ومسرت سے شاداں فرحاں تھے خوشی میں بڑے بڑے قیمتی اور وزنی ہار پیش کئے گئے اس سلسلہ میں جناب سیٹھ سعید احمد صاحب و جناب سیٹھ عبدالمجید صاحب ساکنان بمبئی و جناب سیٹھ الحاج حفیظ اللہ صاحب ساکن کلکتہ و جناب ماسٹر ریاض احمد صاحب اعظمی حال مقیم بمبئی و جناب مولانا خلیل صاحب خطیب جامع مسجد ماہم شریف و جناب مولانا تجمل ہدیٰ صاحب گیاوی و جناب مولانا صاحب حسین صاحب بہاری و جناب الحاج سیٹھ حیات محمد صاحب خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جناب ممتاز حسین صاحب واصف نے منقبت اور کامیاب نعت پیش کی حضرت بکل صاحب نے بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا بڑا ہی پر کیف و پر لطف سماں تھا۔

(آداب حج وزیارت ص ۷۲،۷۳)

اس سے قبل ذکر آچکا ہے کہ ایک طرف مسلمانان اہل سنت ممبئی میں حافظ ملت کے استقبال اور اعزاز کی محفلیں کر

رہے تھے دوسری طرف معاندین سنیت و حافظ ملت ،ان کے سفر میں رکاوٹ کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے مگر ہوا یہ کہ

عشق کی اک جست نے طے کردیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

حافظ ملت کا تاریخی سفر حج وزیارت آئینہ تقویم میں :۔

جمعہ	۲۳؍فروری ۱۹۶۷ء	۱۳؍ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ	مبارکپور سے سفر حج کے لئے روانگی
شنبہ	۲۴؍فروری ۱۹۶۷ء	۱۴؍ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ	بلرام پور میں ورود
یکشنبہ	۲۵؍فروری ۱۹۶۷ء	۱۵؍ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ	بلرام پور سے بھوجپور کے لئے روانگی
دوشنبہ	۲۶؍فروری ۱۹۶۷ء	۱۶؍ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ	بھوجپور میں تشریف ارزانی

پنجشنبہ یکم مارچ ۱۹۶۷ء ۱۹؍ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

صبح بھوج پور سے روانگی مراد آباد میں استقبال وضیافت شب میں ممبئی کے لئے روانگی۔

جمعہ ۲؍مارچ ۱۹۶۷ء ۲۰؍ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

بمبئی میں شایان شان استقبال اہل عقیدت کا ہجوم اور جلسہ ہائے تہنیت تا ۶؍مارچ۔

سہ شنبہ ۷؍مارچ ۱۹۶۷ء ۲۵؍ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

☆۳؍بجے ویزا ملا اس کے بعد محفل تشکر فاتحہ غوثیہ ہوئی۔
☆۴؍بجے بمبئی قیام گاہ سے بندر گاہ کے لئے روانگی ہوئی
☆۵؍بجے جہاز پر سوار ہوئے پانچ بجکر تیس منٹ پر نماز عصر ادا کی اس کے بعد عرشہ سے لوگوں کو الوداع کہا۔
☆۶/۴۵ بجے پر نماز مغرب پڑھی کھانا تناول فرمایا
☆نماز عشا کے بعد امیر حج اور عملہ نے حاضر ہوکر جہاز کی امامت حافظ ملت کے سپرد کی۔

چہارشنبہ ۸؍مارچ ۱۹۶۷ء ۲۶؍ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

☆۶/۳۰ بجے بالائی منزل پر وسیع جگہ جماعت فجر قائم ہوئی اور حافظ ملت نے امامت فرمائی جس کا سلسلہ اخیر تک جاری رہا۔
☆۷؍بجے صبح جہاز ساحل بمبئی سے روانہ ہوا۔
☆۱۰؍بجے دن میں جہاز کے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان ہوا کہ تبلیغی جماعت کے استاذ صاحب جہاز میں گم ہوگئے۔
☆ظہر بعد حضور مجاہد ملت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن صاحب

ملاقات کے لئے تشریف لائے تفویض امامت پر اظہار مسرت کیا اور بطور تشکر فاتحہ غوثیہ کا اہتمام کیا۔

☆ ۳/۳۰ بجے شرفا و معززین دکن ملاقات کے لئے تشریف لائے اور کچھ مسائل دریافت کر کے مطمئن ہوئے۔

☆ بعدِ عشا قیام گاہ حافظ ملت پر محفل میلاد شریف، نعت خوانی اور صلوٰۃ وسلام کی رونق رہی۔

پنجشنبہ ۹/ مارچ ۱۹۶۷ء ۲۷/ ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

☆ نماز فجر کے بعد سے باقاعدہ پوری جماعت کے ساتھ شان و شوکت سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا آغاز ہوا۔

☆ ۹ تا ۱۰ بجے ملاقات وزیارت کے لئے آنے والوں کا سلسلہ رہا لوگوں نے اجلاس عام کی خواہش کی۔

☆ بعدِ عشا اجلاس عام ہوا جس میں حضور مجاہد ملت اور حضور حافظ ملت کی تقریریں ہوئیں۔

☆ جہاز کیپٹن عبد المجید خاں نے حاضر ہوکر درخواست کی کہ حضرت کے لئے کل سے فرسٹ کلاس کا کھانا پیش کرنا چاہتے ہیں جسے حافظ ملت نے بادل ناخواستہ ان کی خوشی کے لئے منظور کیا جو صبح سے جاری ہوا۔

جمعہ ۱۰/ مارچ ۱۹۶۷ء ۲۸/ ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

☆ بعد فجر پوری جماعت نے نہایت جوش والحان سے صلوٰۃ وسلام پڑھا۔

☆ ناشتہ کے بعد رامپور کے وفد نے جو جہاز کی نچلی منزل میں سفر کر رہے تھے آکر گزارش کی کہ نیچے کی منزل میں بھی اوپر ہی کی طرح اہتمام جماعت فرمایا جائے چنانچہ حافظ ملت نے وہاں کے لئے مولانا حکیم عبدالغفور صاحب کو مقرر کیا جو پورے سفر یہ فریضہ انجام دیتے رہے یوم جمعہ بعد ظہر بڑے جذبہ اور عقیدت سے صلوٰۃ وسلام ہوا۔

شنبہ ۱۱/ مارچ ۱۹۶۷ء ۲۹/ ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

☆ بعد ظہر حافظ ملت نے احکام احرام پر تقریر فرمائی۔

☆ بعد عشا فرسٹ کلاس حال میں میلاد شریف ہوا حضور مجاہد ملت نے تقریر فرمائی حکومت حجاز کے لحاظ سے ذوالحجہ کا چاند آج ہی ثابت ہوا اس لحاظ سے یکشنبہ کو ۸/ ذوالحجہ قرار پائی۔

یکشنبہ ۱۲؍مارچ ۱۹۶۷ء یکم ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

بعد عصر حافظ ملت نے احکام احرام پر تقریر فرمائی اور افادہ فرمایا کہ احرام کی خلاف ورزی خواہ کسی طرح ہو کفارہ بہر حال ضروری ہے اس سے معلو ہوا کہ رب تعالیٰ کو یہ سج دھج کیسی عزیز ہے۔

دوشنبہ ۱۳؍مارچ ۱۹۶۷ء ۲؍ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

☆ بعد فجر سلام وقیام کی گونج سے پورا جہاز متاثر ہوا۔

۹؍بجے جہاز عدن پہونچا جہاں حاجی خلیل مبارکپوری ایک جماعت احباب ومخلصین کے ساتھ زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔

☆ ۱؍بجے جناب عبد الغفور صاحب عدن سے زیارت کے لئے آئے اور چند منٹ کے لئے اترنے کی درخواست کی مگر وقت کم تھا

بعد ظہر لوگوں کی آمد ورفت اور دریافت مسائل کا سلسلہ رہا۔

سہ شنبہ ۱۴؍مارچ ۱۹۶۷ء ۳؍ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

☆ بعد فجر ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی گونج کے بعد حیدرآباد کے شافعی حجاج نے عربی میں سلام پڑھا بعد عصر حافظ ملت، مجاہد ملت اور حکیم عبد الغفور صاحب نے احرام وطواف کے احکام پر تقریریں کیں۔

بعد عشا امیر الحج صاحب مع اہلیہ حافظ ملت کے پاس طلب دعا کے لیے حاضر ہوئے ان کی اہلیہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا کی درخواست کی حافظ ملت نے صرف دعا کر دی اور روانہ فرمایا۔

رات بھر جہاز ہوا کی تندی کے باعث حرکت کرتا رہا تیز سمندری جھونکے اندر تک محسوس ہوتے رہے۔

چہار شنبہ ۱۵؍مارچ ۱۹۶۷ء ۴؍ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

صبح ۵؍بجے سے احرام کی تیاری کے لئے میٹھا پانی جہاز میں عام کر دیا گیا۔

بعد ظہر احرام پہنا۔

۳؍بجے جہاز ہندوستان کی میقات یلملم پہونچا امیر الحج نے حجاج کو ضروری ہدایات دیں اور حب رسول سے بھر پور تقریر کی۔

پنجشنبہ ۱۶؍مارچ ۱۹۶۷ء ۵؍ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

عصر کے وقت جہاز جدہ بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ نماز مغرب جہاز ہی میں ادا ہوئی امیگریشن سے فارغ ہوتے ہوتے عشا کا وقت آن پہونچا۔

جدہ میں جناب بکل اتساہی، مولانا محمد حنیف عزیزی مبارکپور اور

معلم سید احمد شیخ جمال اللیل استقبال کو موجود تھے ۔نماز عشا پڑھ کر سب سے پہلے معلم صاحب اپنے جدہ آفس لے گئے مختصر آرام ہوا اور پھر اپنی کار پر مکہ مکرمہ لائے ۔

جمعہ ۱۷/مارچ ۱۹۶۷ء ۶/ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

اول وقت حرم شریف پہونچے اپنی جماعت فجر ادا کی ۔عمرہ کیا۔ اور معلم صاحب کے دولت کدہ پر قیام فرمایا جو حرم شریف کے بالکل قریب اور وسیع ترین مکان تھا۔ صبح ہوتے ہی ملاقات اور زیارت کے لئے آنے والوں کا تانتا لگ گیا۔

بعد عصر مولانا سید اظہار اشرف صاحب کچھوچھوی تشریف لائے اور اپنا مدینہ طیبہ میں حافظ ملت سے ملاقات کا خواب بیان فرمایا

نماز مغرب کے بعد تلمیذ حافظ ملت حضرت مولانا قاری محمد مصلح الدین حیدر آبادی (مقیم کراچی)تشریف لائے ان کے ہمراہ کراچی سیلون وغیرہ کے مشتاقان زیارت بھی تھے ۔علمی بحثیں رہیں قراءت ونعت خوانی ہوئی ۔

شنبہ ۱۸/مارچ ۱۹۶۷ء ۷/ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

۹/بجے دن طواف فرمایا ۔۴/گھنٹے بھیڑ میں چکر لگایا مگر ذرا تکان کا احساس نہیں ہوا ۔رفقا میں سے ایک بار حاجی خلیل صاحب دوسری بار حکیم عبد الغفور صاحب بچھڑ گئے جو دیر میں واپس آئے ۔

یکشنبہ ۱۹/مارچ ۱۹۶۷ء ۸/ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

منیٰ پیدل روانگی ہوئی ۔خیمہ میں اجتماع ہوا جس میں بیکل صاحب کی نعت خوانی ،مولانا محمد حنیف صاحب کی تقریر اور حافظ ملت کا بیان ہوا ۔مولانا محمد سالم گھوسوی وغیرہ نے مسائل دریافت کئے جن کو جواب دیا صلوٰۃ وسلام پر اختتام ہوا۔

دوشنبہ ۲۰/مارچ ۹ ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

بعد فجر عرفات کے لئے بس سے روانگی ،خیمہ میں قیام ،ذکرو تلاوت اور درود میں مشغولیت ۔

اذان کے بعد اپنے خیمہ کے باہر جماعت ظہر کرائی ۔بعد نماز وقوف میں مصروف ہوئے جو عصر تک رہا ۔عصر کی نماز مولانا محمد اسماعیل صاحب نے پڑھائی اور پر خلوص دعا کی ،مجمع پر گریہ طاری تھا ،بعدہ صلوٰۃ وسلام ہوا ۔غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ میں نماز مغرب وعشا با جماعت ادا ہوئی پھر مشغول ذکر رہے ۔

سہ شنبہ ۲۱/مارچ ۱۰/ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ — نماز فجر اول وقت پڑھی ۔ بذریعہ بس منیٰ روانگی ہوئی راستے میں بس سے اتر کر پیدل چلے ۔ ۹/بجے منیٰ پہنچ گئے، قیام گاہ منٰی میں چند ثانیہ رک کر رمی جمار کے لیے نکلے، دس بجے فراغت ہوئی بعد ظہر منحر پہونچے، بکرے خرید کر اپنے ہاتھ سے قربانی کی ۔

چہار شنبہ ۲۲/مارچ ۱۱/ذوالحجہ

پنج شنبہ	۲۳/	۱۲/ //
جمعہ	۲۴/	۱۳/ //
شنبہ	۲۵/	۱۴/ //
یکشنبہ	۲۶/	۱۵/ //
دوشنبہ	۲۷/	۱۶/ //
سہ شنبہ	۲۸/	۱۷/ //

چہار شنبہ ۲۹/مارچ ۱۸/ذوالحجہ — حضور حافظ ملت کی حج ڈائری میں ۱۱/ذوالحجہ سے ۱۸/ذوالحجہ تک کی کسی مشغولیت کا ذکر درج نہیں ۔ ممکن ہے کسی الگ کاغذ پر لکھا ہو جو دوبارہ ڈائری میں نقل نہ ہوسکا۔

پنج شنبہ ۳۰/مارچ ۱۹/ذوالحجہ — جنت المعلیٰ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، مقابر مقدسہ کی زبوں حالی دیکھ کر خون کے آنسو روئے، فاتحہ پڑھ کر لوٹے ۔ اسی روز مسجد الجن اور مولد النبی ﷺ کی زیارت کی ۔

جمعہ ۳۱/مارچ ۲۰/ذوالحجہ — یہ دن ادائیگی جمعہ مبارکہ اور ملاقاتوں میں صرف ہوا ۔

شنبہ یکم اپریل ۲۱/ذوالحجہ — تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کیا ملاقاتیوں سے ملے، مسائل کے جوابات دیئے۔

یک شنبہ ۲/اپریل ۲۲ ذوالحجہ — ناشتہ کر کے، مسجد خیف، منیٰ میں خیمہ گاہ رسول کی زیارت کی خاک پاک آنکھوں سے ملی، جبل عرفات گئے مسجد نمرہ میں دوگانہ ادا کیا جبل رحمت پر چڑھے ۔ بلند پہاڑ پر جاتے ہوئے خسروے عزیزی جناب بیکل نے شعر پڑھا۔

راہ دشوار نہیں ہے در جاناں کے لیے
ہاں مگر عزم و عقیدت بھی ہو انساں کے لیے

جس سے متاثر ہو کر اپنی کبرسنی ضعفِ بدن اور ذوق محبت کی ترجمانی حافظ ملت نے یوں کی۔

دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں
شوق کھینچے لیے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں

جبل نور پر جا کر بھی دو رکعت نماز پڑھی ۔غار حرا شریف میں داخل ہو کر دوگانہ گزارا، دشوار گزار پہاڑی عبور کرتے وقت ابھرنے والی حرارت جسدی کو برکات و انوار کی شبنم نے ٹھنڈا کردیا ۔ بعد ظہر عزیز ملت مولانا عبد الحفیظ بھائی کی والدہ ماجدہ مرحومہ کے لئے عمرہ کیا۔

دوشنبہ ۳ر اپریل ۱۹۶۷ء ۲۳ر ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

اس دن کو حضور حافظ ملت اپنی زندگی کا سب سے عجیب وغریب دن قرار دیتے ہیں ۔فقیر بدر القادری عرض گزار ہے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ روانگی کی تاریخ یعنی دوشنبہ ۳ ر اپریل کو حضرت نے ۲۴ر ذوالحجہ غالبا سہواً تحریر فرمادیا ہے جب کہ ادائیگی حج کے لحاظ سے وہ ۲۳ر ذوالحجہ بنتی ہے۔فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کی روانگی ہوئی اس دن کعبہ معظّمہ کی جدائی نے رلایا اور مدینہ طیبہ کے سفر نے مسرور کیا طواف وداع فرمایا ۔حطیم میں اخیر نماز ادا کی قلب کی عجیب کیفیت تھی ، کعبۃ اللہ پر نظر تھی، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مکہ مکرمہ سے بذریعہ کار مولانا حکیم عبد الغفور صاحب اور بیکل صاحب کے ساتھ مدینۃ النبی کے لئے روانگی ہوئی ۔۱۱بجے جدہ پہونچے ۔کچھ دیر بعد مدینہ طیبہ کے لئے چل پڑے ،راستے میں نماز ظہر ادا کی ۔بدر پہونچ کر نماز عصر پڑھی، شہدائے بدر کے حضور نذرانۂ عقیدت گزارا اور مدینہ طیبہ کے قریب پہونچ کر نماز مغرب ادا کی۔حرم نبوی کے قریب کار پہنچی تو عشا کی نماز ہونے والی تھی قیام گاہ سامان رکھ کر استنجا وضو کرکے سب سے پہلے دربار رسالت میں حاضری دی اپنی جماعت سے ریاض الجنۃ میں عشا ادا کی اور صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔

سہ شنبہ ۴ر اپریل ۱۹۶۷ء ۲۴ر ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

نماز فجر اپنی جماعت سے مسجد نبوی میں ادا کی صلوٰۃ وسلام ادا کرتے رہے، سرہانے نماز اشراق پڑھ کر قیامگاہ آئے۔ محبین ،متوسلین اور تمام عرض گزاروں کا صلوٰۃ وسلام اسی روز حضور اقدس میں پیش فرمایا

۹ ربجے مولانا قاری مصلح الدین صاحب حاضر ہوئے اور پیغام دیا کہ قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین المدنی سراپا اشتیاق ہیں۔ حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی اور ان کی نوازشات سے سرفرازی ملی ۔بیکل صاحب نے ۳نعتیں مجلس ضیائی میں پیش کیں ۔ حضرت اور تمام حاضرین نے خوب دعاؤں سے نوازا۔

حضرت ضیاء الملۃ نے دارالعلوم اشرفیہ کی خدمات جلیلہ پر اظہار مسرت فرمایا۔ فتاوی رضویہ کی اشاعت پر تبریک دی ۔حضور انور کی خصوصی کرم نوازی سے مجلس میں موجود جناب سیٹھ عبدالرؤف صاحب نے اشرفیہ کے لئے ڈھائی ہزار کا چندہ دیا جسے حافظ ملت نے تاجدار مدینہ کی رحمت خاص فرمایا۔

حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ اظہار محبت فرمایا۔ ساتھ ہی سب لوگوں نے مسجد نبوی شریف میں جاکر ریاض الجنۃ میں ظہر کی جماعت کی ۔

قبا شریف کی زیارت کی، احد شریف حاضر ہوئے، فاتحہ خوانی کی، سید الشہدا کے آستانہ کی خاک آنکھوں سے لگائی، مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد، مسجد ذوالقبلتین وغیرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

نماز عصر ریاض الجنۃ میں با جماعت پڑھائی، صلوٰۃ وسلام عرض کرکے قیامگاہ آئے۔ قاری مصلح الدین صاحب مغرب تک حاضر خدمت رہے مغرب و عشا بھی مسجد شریف ریاض الجنۃ میں جماعت سے پڑھی بعد عشا ماریشش کے جناب ابراہیم داؤد پریٹوریا کے جناب قاسم موسیٰ ،یوسف ،عبدالکریم شرف ملاقات کے لئے حاضر ہوئے ۔

چہار شنبہ ۵ راپریل ۲۵ رذوالحجہ

۹ ربجے ایک صاحب نسبت شامی عالم دین الشیخ بدرالدین دمشقی زیارت کے لیے آئے۔ نہایت ذاکر و شاغل تھے ۔ذکر کے انوار چہرے سے نمایاں تھے انہوں نے اجازت حدیث طلب کی حافظ ملت نے سند اجازت عطا فرمائی۔

حضرت قطب مدینہ کے دربار میں تشریف لے گئے ۔سیدنا اعلیٰ

حضرت کا ذکر جمیل نہایت محبت سے ہوا۔ حافظ ملت نے حضرت ضیاء الملۃ سے دربار رسالت کی حاضری کے آداب دریافت کیے اس پر انہوں نے فرمایا اعلیٰ حضرت نے یہ رہنمائی فرمائی ہے۔

سرکار ہم گنواروں میں طرز ادب کہاں
ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

پنج شنبہ ۶/اپریل ۱۹۶۷ء ۲۶/ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

حضرت ضیاء الملۃ کی خدمت میں ۹ بجے حاضری دی۔

بیکل صاحب نے نعت شریف پڑھی۔

مرحوم مولوی حاجی ابوبکر صاحب کے گھر تعزیت کے لئے گئے مرحوم حافظ ملت سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔

لوگوں سے کہتے ''ہمارے مولانا بغیر فوٹو کے آرہے ہیں'' (رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ) بیت سیدنا ابوایوب انصاری کی زیارت کی وہاں دوگانہ پڑھا روز ہجرت سرکار کی اونٹنی جس جگہ بیٹھی تھی اس کی زیارت کی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تاریخی کمان کی زیارت کی جو انہوں نے احد میں استعمال کی تھی۔ ایک صندوق میں سیدہ خاتون جنت کا قفل چوبی قرآن مجید بشکل حمائل، اور کمان یہ تینوں تبرکات بند تھے اوپر شیشہ لگا تھا جس سے زیارت کی جاتی تھی۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مزار شریف کی زیارت کی۔ جو بشکل دیوار بند کردیا گیا ہے۔

مزار مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کی زیارت کی۔ جو اب ایک مکان میں بند کردیا گیا ہے۔ بعد عشا حاجی ابراہیم داؤد افریقی کی جانب سے معلم غازی بافقیہ کے مکان پر مجلس ذکر رسول کی دعوت ہوئی۔ خصوصیت سے بیکل صاحب کی نعت خوانی اخیر میں حافظ ملت کی تقریر ہوئی۔

جمعہ ۷/اپریل ۱۹۶۷ء ۲۷/ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

ادائیگی جمعہ اور ملاقات زائرین

شنبہ ۸/اپریل ۱۹۶۷ء ۲۸/ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

بعد فجر بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ وسلام کے بعد زیارت جنت البقیع کے لیے گئے، سیدنا عثمان غنی، دائی حلیمہ سعدیہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ اہل بیت سیدہ خاتون جنت امام مالک وغیرہم کی بارگاہ

نذر محبت گزاری اور آثار مبارکہ کے ساتھ نجدیوں کے مظالم پر آنسو بہائے۔ بعدہ حضرت ضیاء الملۃ علیہ الرحمہ کے گھر خصوصی بزم خیر میلاد شریف کا شاندار اجتماع ہوا۔ علماومشائخ کی حضوری میں جناب بیکل صاحب کی نعت خوانی اورحافظ ملت کی تقریر فضائل مدینہ منورہ اور بارگاہ رسول میں حاضری کے متعلق ہوئی۔

یکشنبہ ۹ر اپریل ۱۹۶۷ء ۲۹ر ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

دوشنبہ ۱۰ر ۱۹۶۷ء ۳۰ر ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

سہ شنبہ ۱۱ر اپریل ۱۹۶۷ء یکم محرم ۱۳۸۸ھ

حافظ ملت کی حج ڈائری میں ۸ر اپریل کے بعد کوئی تحریر نہیں ملتی، البتہ اجمالا یہ موجود ہے کہ مدینہ منورہ میں قیام ۱۱ر روز رہا۔ ۳ر اپریل دوشنبہ کا دن گزار کر عشا کے وقت آپ مدینہ طیبہ پہونچے اس کے بعد گیارہ روز شمار کرنے پر آپ کی مدینہ طیبہ سے رخصتی ۱۵ر اپریل کو بنتی ہے۔

چہارشنبہ ۱۲ر اپریل ۱۹۶۷ء ۲ر محرم ۱۳۸۸ھ

پنجشنبہ ۱۳ر اپریل ۱۹۶۷ء ۳ر محرم ۱۳۸۸ھ

جمعہ ۱۴ر اپریل ۱۹۶۷ء ۴ر محرم ۱۳۸۸ھ

شنبہ ۱۵ر اپریل ۱۹۶۷ء ۵ر محرم ۱۳۸۸ھ

شام کو مدینہ طیبہ سے جدہ پہونچے۔

یکشنبہ ۱۶ر اپریل ۱۹۶۷ء ۶ر محرم ۱۳۸۸ھ

صبح جدہ سے بذریعہ مظفری جہاز ممبئی کے لیے واپسی ہوئی۔
جہاز میں جس طرح جاتے وقت عشق ومستی کی محافل کا انعقاد ہوتا تھا۔ امامت نماز اور مسائل دریافت کرنے کا سلسلہ تھا۔ اسی طرح واپسی میں بھی تمام حجاج کرام اور عملہ فیض یاب ہوتا رہا۔

۲۴ر اپریل ۱۹۶۷ء کو مظفری جہاز حضور حافظ ملت اور دیگر حجاج کرام کو لیکر ممبئی کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ اہل ممبئی نے نہایت تزک واحتشام کے ساتھ حضرت کا استقبال کیا۔ حافظ ملت ممبئی سے وطن مالوف بھوجپور تشریف لے گئے۔ چند روز وہاں قیام فرمانے کے بعد مبارکپور کا چاند مبارکپور کے مطلع پر جلوہ گر ہوگیا۔

سفرِ حجاز اور علمی مصروفیات:

مبارک پور سے نکلتے نکلتے مدرسین وطلبائے اشرفیہ کو خطاب، قصبہ کے باہر مسلمانان مبارک پور سے خطاب اس

طرح رشد وہدایت اور تقسیم علم وروحانیت کرتے ہوئے بلرامپور، لکھنؤ، بھوجپور، مراد آباد پھر ممبئی میں ورود ہوا وہاں سینکڑوں لوگ داخل سلسلہ ہوئے۔ متعدد ذکر وفکر کی محفلیں افادۂ عام کے لیے ہوئیں۔ جہاز کے اندر سینکڑوں حجاج اور عملہ جہاز کے سینے میں اپنی روحانی گرمی سے بذریعۂ امامت وخطبہ ونصائح حب رسول کی شمع جلاتے رہے۔ مسائل دریافت کرنے والوں کو اپنی حکیمانہ قوت استدلال اور عقلی دلیلوں سے اطمینان بخشتے رہے۔

جہاز کے اندر ایک شخص نے نماز میں سترہ کو بلا وجہ قرار دیا تو اسے آپ نے اپنے جواب سے مطمئن فرمایا خود رقمطراز ہیں:

''نماز میں سترہ قائم کرنے پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ عقلی طور پر سترہ بے فائدہ معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ سترہ قائم کرنے کے بعد بھی نمازی گزرنے والے کو ایسا ہی دیکھتا ہے جیسے بغیر سترہ کے لہذا سترہ بے کار، بے فائدہ ہے۔ میں نے جواب دیا کہ سترہ نمازی کے لیے حد نماز ہے۔ سترہ سے جب حد بندی ہوگئی تو حد نماز اور خارج نماز میں فرق ہوگیا۔ اب اگر سترہ کے باہر گزرنے والا نمازی کو نظر آئے تو اس کا دوسرا حکم ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ غیر محرم نے عورت پر نظر کی۔ ایک تو اپنے قصد وارادہ سے غیر محرم عورت پر نظر ڈالنا ہے۔ یہ حرام ہے۔ دوسرے بلا قصد وارادہ نظر پڑ جانا ہے یہ جائز ہے کوئی حرج نہیں۔ نمازی نے سترہ قائم کرکے حد بندی کردی کہ وہ گزرنے والے کو دیکھنا نہیں چاہتا یا یوں دِکھ جائے تو اور بات ہے۔ اس جواب کو سب نے پسند کیا اور خوش ہوکر واپس ہوئے''۔ (ایضاص ۷۵،۷۶)

۱۲ر مارچ کو جہاز میں احرام کے احکام بیان فرماتے وقت ممنوعات احرام کا ذکر کرتے ہوئے عظمت ومقبولیت کا عجیب وغریب انکشاف ہوا فرماتے ہیں:

''ممنوع احرام کا ارتکاب بالقصد ہو یا بلا قصد، عذر سے ہو یا بلا عذر، دانستہ ہو یا نا دانستہ ہو، سوتے میں ہو یا جاگتے میں اس کا جرم ہونا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو بہر حال کفارہ دینا ہے۔ مثلا مرد کو بحالت احرام سر ڈھکنا منع ہے اگر ایک دن کامل یا ایک رات کامل یا اس سے زائد سر ڈھکا رہا اور کوئی عذر نہ ہو تو خاص حرم میں ایک قربانی واجب ہوگی۔ اس کے سوا اور کوئی کفارہ نہیں۔ اور اگر کسی عذر سے ہو تو اسے اختیار ہے ایک قربانی کرے خواہ حرم میں ہو خواہ کہیں اور، یا تین صاع گیہوں یا چھ صاع جَو صدقہ دے یا تین روزے رکھے اور اگر ایک دن کامل یا ایک رات کامل سے کم چھپا رہا اور بلا عذر ہو تو کفارہ صدقہ فطر کی مقدار واجب ہے، دوسرا اور کوئی کفارہ نہیں اور اگر عذر کے سبب ہو تو اختیار ہے۔ صدقہ فطر کی مقدار غلہ دے یا ایک روزہ رکھے بہر حال اس محرم کو کفارہ دینا ہے۔ اس حکم سے ثابت ہے کہ محرم کی اس عاشقانہ سج دھج کی مقبولیت اور بارگاہ الٰہی میں اس کی عظمت کس بلندی پر ہے کہ احرام کی اس خصوصی سج دھج کو بہر حال رکھنا ہے۔ یہاں کوئی عذر عذر ہی نہیں کسی طرح بھی اس کے خلاف گنجائش نہیں، یہ ہیأت معبود حقیقی کو کس درجہ پیاری اور محبوب ہے کہ اس کو بہر حال باقی رکھنا ہے اس میں ذرا بھی فرق نہ آئے'' (ص ۷۸)

منیٰ میں نماز قصر کا مسئلہ:

منیٰ میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب گھوسوی نے سوال کیا کہ اگر عرفات میں حنبلی امام مقیم ہو اور وہ قصر کرے تو حنفی کو اس کی اقتدا جائز ہے یا نہیں؟ مولانا محترم نے جواز کی دلیل یہ بیان کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قصر فرمایا تھا۔ اور صحابہ مقیم تھے ۔ انہوں نے بھی قصر کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عرفات میں مقیم ومسافر کے لیے بہر حال قصر ہی ہے...... حافظ ملت نے جواباً ارشاد فرمایا:

''اول تو یہ صحیح نہیں کہ مقیم صحابہ نے قصر کیا تھا اور اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قصر کا حکم دیا تھا یہ ان کا اپنا فعل ہے جو خلفا راشدین اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل کے خلاف ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اتمام کرتی تھیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ شریف اور منیٰ اور عرفات میں اتمام کرتے تھے چار رکعت فرض پڑھتے تھے ان کا یہ عمل اس پر دلیل ہے کہ عرفات میں مقیم کے لیے اتمام ہے لہذا چار رکعت کی نماز چار رکعت ہی پڑھنا ہے۔ لہذا اگر مقیم قصر کرے گا تو مسلک حنفی پر اس کی نماز نہیں ہوگی لہذا اقتدا صحیح نہیں۔ اس پر مولوی سالم نے کہا کہ حرم شریف میں اس مسئلے پر بہت زور دیا گیا ہے اور حدیث مذکورہ سے ثابت کیا گیا ہے اس لیے میں نے منیٰ کے احکام بیان کرتے ہوئے یہ بھی بیان کیا کہ حدیث پر حضرت اما اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی عمل کرتے ہیں ۔ رمی جمار، قربانی، حلق میں حنفیہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے حالانکہ بے ترتیبی کے سوال پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لا حرج فرمایا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان افعال میں ترتیب واجب نہیں اور خلاف ترتیب عمل پر دم لازم نہیں لیکن حنفیہ کا مسلک ہے کہ دم لازم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے "مَنْ قَدَّمَ فاخر فليهرق لذالك دما" اس حدیث کی روشنی میں لاحرج کے معنی یہ ہیں کہ حج میں کوئی حرج نہیں مگر دم لازم ہے دم دیا جائے تو حج بدستور صحیح ہے حنفیہ کا دونوں حدیثوں پر عمل ہے لیکن اگر دم لازم نہ کیا جائے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل نہ ہوگا''۔ (ص ۸۵،۸۶)

اہانت گروں کے اعتراضات کا جواب:

حرم شریف میں وہابی دیوبندی مولوی سعودی حق نمک ادا کرتے ہوئے اپنی ایمان سوز تقریریں کرکے حجاج کو بہکاتے رہتے ہیں حضرت مولانا محمد حنیف مبارک پوری نے ایسے ہی چند نمونے حافظ ملت کو سنائے ۔ جس کا حافظ ملت نے جواب ارشاد فرمایا۔ خود ہی رقمطراز ہیں:

''مولوی محمد حنیف صاحب مبارکپوری نے حرم شریف کے ایک تبلیغی مولوی کی تقریر کا یہ حصہ بیان کیا کہ وہ حاضرین کو خطاب کررہا تھا کہ اذان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تعلیم کی ہے۔ "اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامــــۃ والصلوۃ القائمۃ أت محمد ن الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثه مقاما محمودن

الـذی وعـدتـه'' اس میں حضور اپنی امت سے اپنے لیے دعا کرا رہے ہیں۔ جب حضور خود ہی ضرورت مند ہیں طالب دعا ہیں تو حضور سے مانگنا عبث ہے خدا ہی سے مانگو وہی سب کو دیتا ہے میں نے مولوی محمد حنیف صاحب سے کہا کہ اس کا ایسا مسکت جواب دیجئے کہ اس کے منہ میں پتھر ہو جائے پھر سانس ہی نہ لے سکے۔ پھر برجستہ جواب دیا کہ قرآن مجید میں ہمیں حضور پر درود پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے ہم کو حضور نے درود شریف کی تعلیم دی ہے۔ "اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا محمد وبارك وسلم" یعنی اے اللہ! تو درود بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضور ہمارے درود کے محتاج ہیں ہم حضور کے لیے اللہ تعالیٰ سے درود طلب کریں تب تو وہ درود بھیجے ورنہ نہیں کیوں کہ قرآن مجید میں "اِنَّ اللّٰه وَمَلٰئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِ" پہلے ہے یعنی بیشک اللہ عزوجل اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے بعد ہمیں حکم دیا۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور کثرت سے سلام۔ لہٰذا آیت سے ثابت ہے کہ خداوند کریم کا درود بھیجنا ہماری طلب پر موقوف نہیں وہ تو حضور پر درود بھیجتا ہی ہے پھر ہمیں حکم کیوں دیا؟ اس لیے حکم دیا کہ ہم بھی مستحق رحمت ہو جائیں اسی طرح اذان کی دعا میں ہے ہمیں طلب وسیلہ وفضیلت کا حکم اس لیے دیا ہے کہ ہم بھی مستحق رحمت ہو جائیں۔ میں نے کہا دعا کے الفاظ ہمیشہ طلب ہی کے لیے استعمال نہیں ہوتے بلکہ کبھی اعتراف نعمت و اظہار نعمت کے لیے بطور شکر یہ استعمال ہوتے ہیں جیسے "ربَّنـا لاتُـواخِـذْنـا اِن نسِیْـنا اَوْاَخْطَانا ربَّنا ولَاتحمِل علیناااِصرًا کَماحَمَلْتَه عَلَی الَّذِیْنَ مِن قَبلِنا" (الآیۃ) حالانکہ نسیان اور خطا اور اصر سب اس امت سے پہلے ہی سے دور کر دیے گئے پھر دعا کے کیا معنی وہی اعتراف نعمت و اظہار نعمت ہے ایسے ہی دعائے اذان ہے وسیلہ اور فضیلت اور مقام محمود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی مل چکے ہیں دعائے اذان میں خود ہی اظہار ہے "الـذی وعدتـه" وہ جس کا تو نے وعدہ فرمالیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان عظیم نعمتوں کا جب حضور سے وعدہ فرمالیا ہے تو وہ حضور ہی کی ہیں اب یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ حضور ہماری طلب کے محتاج ہیں؟ ہم طلب کریں تو وہ نعمتیں حضور کو ملیں ورنہ نہیں؟ ایسا خیال اسی شخص کا ہو سکتا ہے جو امکان کذب کا قائل ہے یعنی خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔ (نعوذ بالله من ذالك)

واپسی میں تبلیغیوں کے اس بیان کا تذکرہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے

"ما انا بقاریٔ" فرمایا ہے یعنی حضور پڑھے ہوئے نہیں ان پڑھ ہیں میں نے کہا "ما انا بقاریٔ" کے یہ معنی لے کر کہ میں پڑھا ہوا نہیں پڑھنا نہیں جانتا پوری دنیا کے وہابی مولوی اس حدیث میں لفظ اقرأ کا جوڑ نہیں بٹھا سکتے "ما انا بقاریٔ" حضور نے حضرت جبریل کے لفظ اقرأ کے جواب میں فرمایا ہے لہٰذا "ما انا بقاریٔ" کے معنی لفظ اقرأ کے مناسب ہوں گے اور اقرأ کے معنی "ما انا بقاریٔ" کے مناسب ہوں گے اگر "ما انا بقاریٔ" کے معنی یہ ہیں کہ میں بے پڑھا ہوں پڑھنا نہیں جانتا تو اقرأ کے معنی یہ ہوئے کہ آپ پڑھ کر سنایئے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جبریل حضور سے پڑھنے کے لیے آئے تھے حضور سے کوئی قصیدہ کوئی مقالہ سننے کے لیے آئے تھے یہ کہہ رہے تھے کہ حضور آپ کوئی کتاب سنایئے کوئی قصیدہ پڑھیے اس کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ میں کیسے سناؤں میں پڑھا لکھا نہیں ان پڑھ ہوں تو

کیا دیوبندیوں وہابیوں نے یہی سمجھا ہے کہ حضرت جبریل حضور سے پڑھنے کے لیے آئے تھے۔ نادانو! تم خوب جانتے ہو کہ حضرت جبریل سورہ اقرأ لے کر آئے تھے۔ یہ کلام الٰہی پڑھانے کے لیے آئے تھے تو اقرأ کے کیا معنی ہوئے یہی ہوئے اور صرف یہی معنی ہوئے کہ حضور اس کو پڑھئے اب اقرأ نے بتایا کہ "ما انا بقارئ" کے معنی ہیں میں نہیں پڑھتا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اس وقت حضور منصب "لی مع اللہ" پر فرمائز تھے اسی لیے جبریل علیہ السلام نے آپ کو پوری طاقت سے دبایا پھر عرض کیا اقرأ وہی جواب دیا پھر دبایا وہی جواب پایا تیسری بار دبایا اب حضور اپنے اس مقام سے ادھر متوجہ ہوئے تو سنا دیا۔ "اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ لیا وہابی دیوبندی اپنے عقیدہ کے مطابق ہر جگہ شان رسالت کو گھٹاتے ہیں اس لیے "ما انا بقارئ" کے معنی میں تحریف کرتے ہیں۔ (آداب حج وزیارت ص ۹۱، ۹۴)

شہدائے احد کی زیارت کے دوران سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے پاس سے خاک اٹھا کر حافظ ملت نے آنکھوں سے لگائی تو نگرانی کرنے والا وہابی سپاہی حرام کہتا ہوا لپکا۔ حافظ ملت نے پرجلال آواز میں فرمایا "لا بل حلال طیب، لا حلال صرف بل حلال طیب" سپاہی یہ سن کر سٹپٹا گیا۔ اور خاموش ہو گیا۔

حافظ ملت دربار رسول میں حاضر ہوئے تو ان کے ادب و نیاز، ذوق و شوق، وارفتگی و فریفتگی کی عجیب ہی کیفیت تھی زندگی بھر شوق زیارت کے خواب آنکھوں میں سجاتے رہے اب جو موقع میسر آیا تو انہوں نے لمحہ لمحہ اور ساعت ساعت کو نہایت جتن سے گزارا کوئی وقت ایسا نہیں تھا جب وہ سراپا انقیاد نظر نہ آتے ہوں رات گئے تک تلاوت و ذکر اوراد، درود و سلام اور علما و صلحا سے ملاقاتوں میں مصروفیت رہتی۔ خاص طور سے جب وہ مواجہہ شریف میں حاضر ہوتے اس وقت ان کی کیفیت و حالت دیدنی ہوتی۔ بس یوں سمجھئے ان ابیات کی سراپا تصویر ہوتے۔

سر کو قدم بنایئے اس آستانے پر
اس بارگاہ ناز پہ قربان جایئے
خون جگر کو اشک کے سانچے میں ڈھال کر
ہر گام پہ چراغ محبت جلایئے

ایک نجدی کو مسکت جواب:

ہندوستان میں رہ کر جو آداب و نیاز، درود و سلام اور نذر غلامانہ ہمیشہ بھیجتے رہتے تھے اب وہ سب روبرو، حضوری میں پیش کرنے کا سنہرا موقع ملا تو سرتاپا احترام بن کر پیش کرتے ایک روز اسی جگہ محو نیاز مندی تھے کہ نجدی پولیس کے ایک آدمی نے دست بستہ دیکھ کر شرک شرک کہنا شروع کر دیا اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہہ مبارکہ سے رخ پھیر کر مکہ معظمہ کی طرف منہ کرنے کو کہا خاص دربار اقدس میں آپ نے اس سے مباحثہ مناسب نہیں سمجھا۔ مگر وہ پیچھے لگا لگا کچھ دور آیا۔

نجدی پولیس مین: خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے دعا کرنی چاہئے۔ اس (روضۃ النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شرک ہے۔

حافظ ملت: حضور اقدس ﷺ خدا کی بارگاہ میں میرے وسیلہ ہیں۔
قرآن کا ارشاد ہے۔ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ (المائدہ) اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔
نجدی: وسیلہ اعمال صالحہ، نماز روزہ وغیرہ ہیں۔
حافظ ملت: کیا مسلمان کا ہر نیک عمل مقبول ہی ہوتا ہے۔
نجدی: (یہ سن کر خاموش رہا)
حافظ ملت: اعمال صالحہ کی قبولیت کا یقین کسی کو ہے اور نہ ہو سکتا ہے، بندہ صرف امید قبولیت پر عمل کرتا رہتا ہے۔ اور آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات شریفہ خدا کی بارگاہ میں یقیناً مقبول ہے، اس بات میں شک کی گنجائش نہیں۔ اور وسیلہ مقبول کو ہی بنایا جاتا ہے لہذا بقول تمہارے اگر اعمال صالحہ وسیلہ ہیں تو مقبولان بارگاہ الہی بدرجہ احسن وسیلہ ہیں۔
اس کے بعد وہ خاموش ہو کر چلا گیا۔ اور پھر کسی حاضری کے وقت مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔
(معارف حافظ ملت، ص ۲۹، ۳۰)

پوری دنیا سنی ہے:۔

روضۃ النبی ﷺ پر حاضری کے وقت حافظ ملت نے چند ایسے لوگوں کو دیکھا جو خاص دربار رسول میں اس طرح کھڑے ہو کر دعا کر رہے تھے کہ ان کے چہرے کعبہ معظّمہ کے رخ پر تھے اور حضور قبلہ کونین ﷺ کے روضۂ مبارک کی طرف پشت کئے ہوئے تھے۔ فرمایا ''روضۂ اقدس کی طرف پیٹھ کر کے دعا کرتا ہے، محرومی کے سوا کیا پائے گا۔؟
پھر فرمایا ''مسلمان دنیا میں حنفی ہیں یا شافعی، مالکی اور حنبلی یہی مقلدین ہیں جو حج پر جاتے ہیں روضۂ اطہر کے پاس پوری دنیا کے مسلمانوں کو دیکھا سب کے سب سرکار کی طرف رخ کر کے انہی کے وسیلہ سے خدا کی بارگاہ میں دعا کر رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پوری دنیا سنی ہے۔ (معارف حافظ ملت، ص ۳۰)

اہل محبت کے درود کی رسائی:۔

محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ القادری راوی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حافظ ملت کی خدمت میں ایک عرب عالم دین تشریف لائے دوران گفتگو انہوں نے دریافت کیا کہ حضور انور ﷺ صلوٰۃ و سلام اور درود پاک پڑھنے والوں کی عرض کو بہ نفس نفیس سماعت فرماتے ہیں۔ اس مفہوم کی حدیث میں نے حدیث شریف کی کئی کتابوں میں تلاش کی مگر کامیاب نہیں ہوا۔ اس بارے میں مشکوٰۃ المصابیح سے لے کر متعدد بڑی کتابیں بھی میں نے دیکھیں مجھے کسی کتاب میں ایسی حدیث نہیں ملی
حافظ ملت نے ارشاد فرمایا حوالہ نوٹ کیجیے۔
''مطالع المسرات شریف میں یہ حدیث پاک اس طرح مذکور ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا یا رسول

اللہ! ﷺ "ارأيت صلوٰة المصلين عليك ممن غاب عنك او يأتى بعدك ما حالهما عندك؟فقال اسمع صلوٰة اهل محبتى واعرفهم وتعرض على صلوٰة غيرهم عرضا"

جولوگ آپ سے دور رہ کر آپ پر درود وسلام بھیجتے ہیں کیا آپ انہیں ملاحظہ فرماتے ہیں۔یا وہ آپ کو پیش کیا جاتا ہے۔آپ کے پاس ان کے پہونچنے کی کیا صورت ہے؟ارشاد فرمایا میں اپنے اہل محبت کا درود وسلام خود ساعت کرتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں اور ان کے علاوہ لوگوں کا درود وسلام مجھ پر پیش ہوتا ہے۔

بار کرم سے آنکھ ہے نم شرمسار کی
سنتے ہیں وہ صدائیں دل بے قرار کی

خاک در رسول کا سرمہ:۔

حضرت مولانا محمد نصیر الدین پلاموی نے بیان کیا۔

''حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ مسجد نبوی شرف میں حاضر ہوئے تو باب جبرئیل کے قریب بڑی مشکل سے کچھ گرد (خاک پاک) ہاتھ آئی جسے آنکھوں میں لگایا۔اور اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ یہ دن نصیب ہونے سے پہلے میں دعا میں یہ شعر بھی پڑھا کرتا تھا۔

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم
خاک در رسول کا سرمہ لگائیں ہم

لہذا مدینہ طیبہ پہونچ کر میں نے اپنی یہ آرزو تو پوری ہی کر لی اور (اس عمل سے) اس کی تصدیق بھی ہوگئی کہ مذکورہ بالا شعر میرا دعا میں پڑھنا، محض شاعری نہیں تھا''

تعمیر جامعہ اشرفیہ سرکار کی مرضی ہے:۔

الجامعۃ الاشرفیہ کو حافظ ملت نے اپنا مقصد زندگی قرار دے لیا تھا اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنی اس عظیم کمائی کو دربار رسول میں نذر کر کے، آقاؤں کے آقا اور سرکاروں کے سرکار سے اسے منظور نہ کرواتے۔حضور حافظ ملت نے ''الجامعۃ الاشرفیہ کو دربار میں اپنے نذرانۂ حیات کے طور پر پیش فرمایا۔اور سید کونین ﷺ نے اسے قبول ومنظور بھی فرمالیا۔اسی کے بعد کی بات ہے کہ،قطب مدینہ حضرت ضیاء الملۃ والدین علامہ شاہ ضیاء الدین مدنی خلیفہ امام احمد رضا (قدس سرھما) کی مجلس خاص میں قطب مدینہ کی زبان سے خدمات اشرفیہ کو سراہا گیا۔خصوصا اشاعت فتاویٰ رضویہ پر مبارک باد دی گئی۔اور جناب الحاج سیٹھ عبد الرؤف صاحب نے فوراڈھائی ہزار کا نذرانہ دار العلوم اشرفیہ کے لیے پیش کیا۔

(روداد سفر حج ص ۹۷۔۹۸)

اس واقعہ کو حافظ ملت نہایت رقت انگیز شادمانی کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے اور فرماتے ''یہ الجامعۃ الاشرفیہ کی بارگاہ رسول میں مقبولیت کی دلیل ہے کہ میرے سرکار نے اشرفیہ کے لئے سب سے پہلا

چندہ دلوایا تو اب یہ تعمیر ہوکر رہے گی۔اسکوکوئی طاقت نہیں روک سکتی اس لئے کہ اب یہ میرے مدینے والے سرکار کی مرضی ہے۔اور یہ ان کا کرم اس کی تعمیر، ترقی اور بقا کا ضامن ہے"

ہزار برق گریں لاکھ آندھیاں آئیں
وہ پھول کھل کے رہیں گے جو کھلنے والے ہیں

عاشق رسول شہر رسول میں :۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے اب عشق وعرفان کی معراج کا وقت قریب تھا اعلیٰ حضرت کی زبان میں گویا ہوئے۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

مدینہ طیبہ کے دلکش اور جانفزا نورانی مناظر تصور کے کینوس پر ابھرنے لگے۔صحاح ستہ کے اوراق پر چالیس سال تک جن پر نور وادیوں بیابانوں اور کہستانوں کا تذکرہ پڑھتے پڑھاتے رہے جن راہوں میں اونٹوں کی لمبی لمبی قطاروں میں صدیق اور فاروق، عثمان وحیدر، صہیب وعمار بلال ویاسر کی جلو میں ایک ماہ تاباں کا سفر پڑھتے پڑھاتے آئے تھے جن رہگزاروں کی مقدس جھاڑیوں کے عشق آشنا کانٹوں نے دامن مصطفیٰ کا بوسہ لیا تھا اور اس کے بعد انہیں جھاڑیوں میں ابن عمر نے اپنی چادر از خود الجھا کر عشق رسول کی چنگاریوں کو کریدا تھا۔انہیں برکت وعظمت وسطوت ومرتبت والی راہ سے چلتے ہوئے تصور نے قبا کا سماں کھینچا تو کہہ اٹھے۔

اجالی رات ہوگی اور میدان قبا ہوگا
زبان شوق پر یا مصطفیٰ یا مصطفیٰ ہوگا

اور جب خلد بداماں سرزمین مدینہ طیبہ پر پہونچے تو نہ پوچھئے۔زبان گنگ، آنکھیں جاری اور چہرے کا رنگ متغیر لگتا ہے سارے جذبات نے آنکھوں کی شکل اختیار کر لی۔حسرت ویاس کے سارے فسانے اشک وآہ میں ڈھل گئے۔گویا۔

سوچا تو بہت کچھ تھا پر کچھ بھی نہ کام آیا
ہم نطق ہی کھو بیٹھے جب وقت کلام آیا

جناب بیکل صاحب کے بیان کے بموجب حرم مدینہ میں جب تک قیام رہا کھانا بہت ہی قلیل تناول فرماتے۔میں نے اس پوری مدت میں رفع حاجت کے لیے جاتے نہیں دیکھا کہ کب جاتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں اکثر ایسا ہوتا کہ رات کے اخیر لمحات میں جگاتے اور فرماتے۔اٹھئے نصیبہ بیدار ہے اور آپ سو رہے ہیں۔

مواجہہ شریف میں حضرت جس طرح مؤدب اور فدویانہ انداز میں حاضر ہوتے وہ قابل تقلید ہے۔

حرم میں ایک روز بیکل صاحب سے متوجہ تھے اس وقت کہا۔بیکل صاحب آپ نے درست فرمایا۔

یہ کعبہ ہے یہاں دیوانگی تو عین ایماں ہے

اگر طیبہ میں دامن ہوش کا چھوٹا تو سب چھوٹا

حضرت مولانا محمد حنیف الاعظمی اور الحاج بکیل اتساہی کی روایت کے مطابق آپ نے اس دیار مقدس میں قدم رکھا تو زیادہ تر خاموشی کی کیفیت دیکھی گئی۔ رات کا بیشتر آخری حصہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی خلیفہ اعلیٰ حضرت کی معیت میں کسی نا معلوم جگہ گزرتا۔ زمین حرم اور مدینہ طیبہ میں کبھی جوتا پہن کر نہیں چلے ہمیشہ ننگے پاؤں چلتے محبین نے کنکریلی زمین کی وجہ سے تکلیف کا اندیشہ ظاہر کیا تو روکر فرمایا۔عزیز و ممکن نہیں ہے۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

قطب مدینہ اور حافظ ملت :۔

قطب مدینہ، حافظ ملت کی مدینہ طیبہ حاضری کے گویا منتظر تھے۔ ایسا لگتا تھا وہ شہنشاہ مدینہ کی طرف سے اس مہجور مدینہ کی پیشوائی فرما رہے ہیں۔ ضیاء الملۃ والدین حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین مدنی وہ بزرگ ہیں جنہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم سے مدنی ہونے کا شرف عطا ہوا۔ آپ کی ولادت ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء کلاس والا ضلع سیالکوٹ میں ہوئی۔ والد کا نام شیخ عبد العظیم ہے۔ سلسلۂ نسب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، آپ کے اجداد کرام میں مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی (محشی خیالی، قطبی) مشہور عالم دین ہوئے ہیں ابتدائی تعلیم حضرت مولانا محمد حسین نقشبندی سیالکوٹی سے لی، پھر گھر سے چل پڑے لاہور میں مولانا غلام قادر بھیروی خطیب بیگم شاہی مسجد سے ڈیڑھ سال اخذ علوم کیا پھر راہی دہلی ہوئے۔ وہاں چار سال قیام کیا۔ پھر پیلی بھیت میں حضرت شیخ وصی احمد محدث سورتی سے ۴رسال رہ کر علم حدیث پڑھا، فراغت پھر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ہاتھوں سے دستار بندی ہوئی، امیر ملت پیر سید جماعت علی کے صاحبزادے مولانا سید خادم حسین اور پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری آپ کے ہمدرس تھے۔ ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء میں اعلیٰ حضرت سے شرف بیعت وخلافت حاصل کیا۔ سیدنا اعلیٰ حضرت کے علاوہ آپ نے شیخ سید حسین الحسنی الکردی حضرت شیخ احمد الشمس المالکی القادری المراکشی المدنی، علامہ سیدی عبدالرحمٰن سراج مکی مفتی حنفیہ، علامہ محدث بدرالدین حسنی شامی، شیخ سید احمد شریف السنوسی لیبی، شیخ العالم علامہ شاہ عبدالباقی فرنگی محلی مہاجر مدنی، شیخ الدلائل علامہ شاہ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی، علامہ شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی، شیخ المشائخ علامہ شاہ سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی، حضرت شیخ ابوالخیر، شیخ احمد الحریری، شیخ سیدی الصباغی علیہم الرحمۃ والرضوان جیسے اعاظم علما ومشائخ سے علمی وروحانی استفادہ کیا۔

حضرت ضیاء الملۃ علیہ الرحمہ کے خمیر میں عشق ومعرفت کی آمیزش تھی، وہ راہ حق کے مسافر تھے۔ امام احمد رضا سے شراب معرفت پی کر راہی بغداد ہوئے۔ آپ نے ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء میں سرکار غوث اعظم کے دیار مقدس کا سفر کیا۔ اور مئے قادری سے سرشار ہوکر مدینہ طیبہ کی راہ لی آپ نے ۱۳۲۷ھ/۱۹۱۰ء میں بغداد سے بذریعہ ٹرین شام دمشق کا سفر کیا۔ وہ دور سلطنت عثمانیہ کی برکتوں کا دور تھا۔ تمام معمولات اہل سنت سرکاری اہتمام سے ہوتے تھے میلاد وقیام صلوٰۃ وسلام سے حرمین کی فضائیں آباد تھیں۔ بعد میں انگریزوں کی دسیسہ کاری نے عرب قومیت کے جراثیم پھیلا کر شریف مکہ کو

ابھارا۔اس نے ترک حکومت سے بغاوت کی ۔ بعد میں خاص انگریزوں کی مدد سے آل سعود نے شریف مکہ کوختم کرکے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔آپ نے اپنی آنکھوں سے حرمین طیبین میں کئی ادوار کا مشاہدہ کیا۔مگر دنیاوی سیاست سے بے نیاز رہ کر آپ نے در رسول کی پاسبانی کو مقصد زندگی بنایا۔اوراپنے مقصد میں کامیاب ہوکر جنت البقیع میں جگہ پائی ۔آپ نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں علامہ یوسف نبہانی سے شرف ملاقات پایا۔ ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء میں مرشد ومربی کی زیارت کے لیے مدینہ طیبہ سے بریلی شریف گئے ۔آپ کا وصال ۱۴۰۱/۱۹۸۱ء میں ہوا۔ دائی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں آسودہ خاک ہوئے ۔ حافظ ملت حاضری مدینہ منورہ کے عرصہ میں مواجہہ مبارکہ کی حاضری کے بعد سب سے زیادہ جس شخصیت کی ہمنشینی کو محبوب رکھتے تھے وہ حضرت ضیاء الملۃ ہی ہیں ۔

ہوتی ہے کیسی نسبت کیا جانے اس کو دنیا
اک درد آشنا کو اک درد آشنا سے

واپسی کے بعد ان ہر دو بزرگوں کا یہ حال تھا کہ موقع بموقع ایک دوسرے کی یادوں کے چراغ اپنی اپنی محافل میں روشن فرمایا کرتے تھے اسی کا اثر تھا کہ شہزادۂ ضیاء الملۃ الشیخ فضل الرحمٰن المدنی نے ہندوستان کا عزم سفر کیا تو اپنے والد گرامی کی تحریک پر رحلت حافظ ملت سے صرف سوا ماہ قبل مبارک پور آئے ۔گرمی پڑ رہی تھی ۔ دشوار گزار سفر کرکے اور دھول کا مقابلہ کرتے ہوئے الجامعۃ الاشرفیہ میں تشریف ارزانی فرمائی ۔جیسا کہ ماہنامہ اشرفیہ میں ہے ۔

''۱۱ر ربیع الآخر ۱۳۹۶ھ بروز دوشنبہ شام کو حضرت الشیخ مولانا فضل الرحمٰن القادری، شہزادہ حضرت الشیخ مولانا ضیاء الدین المدنی ،(خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی) حضور حافظ ملت قبلہ دامت برکاتہم العالیہ اور الجامعۃ الاشرفیہ کی زیارت کے لیے تشریف لائے ۔ شب میں حضرت نے قیام فرمایا اور صبح کو ان کے استقبال میں ایک جلسہ استقبالیہ جامعہ کے زیریں ہال میں منعقد کیا گیا، افتتاح تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد نعت سرور کائنات پیش کی گئی ۔حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری نے ان کا تعارف پیش کیا۔ اور حضرت شیخ نے اپنے تأثراتی کلمات پیش کیے اور انہیں کی نیک دعاؤں کے ساتھ جلسہ کا اختتام ہوا'' ۔ (ماہنامہ اشرفیہ مئی ۷۶ ص ۱۹)

وصال حافظ ملت سے صرف سوا مہینہ پیشتر مدینہ طیبہ کا نمائندہ حافظ ملت کو کون سی نوید سنانے آیا تھا۔ اللــــــہ ورسوله اعلم بالصواب.

علالت یا تطہیر:

حافظ ملت عاشق مدینہ بھی تھے اور عارف مدینہ بھی ۔ انہیں شہر رسول کی عظمتوں ،کرامتوں اور فضیلتوں کا بخوبی علم بھی تھا اور عرفان بھی عاشق وعارف کی یہی شان ہے کہ وہ لمحوں میں ہزاروں ،صدیوں کے مرحلے طے کرتا ہے۔ قطروں سے سمندر حاصل کرتا ہے، حضور حافظ ملت کی مدینہ طیبہ میں ۱۱ر روزہ حاضری بھی بلا وجہ نہیں بلکہ ان کی نسبت قادری کی مظہر ہے۔ ارض وسما کو اپنے انوار سے چمکانے والے مدینہ طیبہ میں حافظ ملت علیل بھی ہوئے ، یہ کیسے معلوم کہ ان کی مدینہ

طیبہ کی مختصر سی علالت کتنی فضیلتوں، برکتوں اور روحانی عظمتوں کا ذریعہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ہم قارئین کرام کو فضائل شہر رسول کے نورانی جھروکوں سے گزارتے ہوئے، علالتِ حافظ ملت کا واقعہ سنائیں۔

مدینہ طیبہ ہجرت گاہ رسول ہے۔ نبی مکرم کا دارالخلافہ، حرم نبوی، مدخل صدق ہے۔

آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی تھی کہ:

''اے میرے رب! تو نے مجھے میرے پیارے شہر سے نکالا تو اب مجھے اپنے محبوب ترین شہر میں آباد فرما۔''

اسی شہر پُرنور کے لیے ارشاد ہے:

''مجھے روئے زمین پر اس ٹکڑے سے زیادہ کوئی جگہ محبوب نہیں، جس میں میری قبر ہوگی۔'' (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار فرمائی)۔ (عن یحیی بن سعید)

''ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور اس کے باشندوں کے لیے دعا کی اور بے شک میں نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا جس طرح انہوں نے مکہ کو حرم بنایا اور اس کے پیمانوں میں دوگنی برکت کے لیے دعا کی۔ (مسلم ۴۴۰)

''اے اللہ! تو نے جتنی برکتیں مکہ مکرمہ میں رکھی ہیں، اس سے دوگنی برکت مدینہ منورہ میں فرما۔'' (عن انس)

''المدينة خير من مكة'' ۔ مدینہ منورہ مکہ سے بہتر ہے''۔ (وفاء الوفاء ج ا ص ۲۶)

خود رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بجائے مدینہ میں وفات کی دعا فرماتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینۃ الرسول میں شہادت کی دعا مانگی۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے شہر رسول میں موت کی آرزو کے باعث حج فرض کے بعد مدینۃ النبی سے باہر قدم نہیں نکالا۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز جب کبھی مدینہ طیبہ آتے تو واپس جاتے ہوئے زاروقطار روتے اور فرماتے:

''میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں ان میں سے تو نہیں جنہیں مدینہ نکال دیتا ہے''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر مبارک کے غبار کو شفا فرمایا ہے۔ اور ہر بیماری کی دوا قرار دیا ہے۔

اے مدینہ طیبہ! تیرے بارے میں دوعالم کے مختار، سید وسرکار نے فرمایا ہے:

''جو مدینہ طیبہ کی سختیوں اور تکلیفوں کو برداشت کر کے یہاں رہے تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا''۔ (مسلم شریف، ص ۴۴۰)

''جس نے اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ اسے اس طرح گھلا دے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے''۔

''جو مدینہ طیبہ کے باشندوں کو ظلماً ڈرائے، دھمکائے اللہ تعالیٰ اس کو ڈرائے دھمکائے گا۔ اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور سب کی لعنت ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عمل قبول نہیں فرمائے گا''۔

''جس نے اہل مدینہ کو تکلیف دی، اللہ تعالیٰ اسے تکلیف دے گا'' (وفاء الوفاء)

''جس نے اہلِ مدینہ کو ڈرایا بیشک اس نے مجھے ڈرایا''۔ (وفاء الوفاء)

''مدینہ میری ہجرت کی جگہ اور میری خواب گاہ ہے اور میں یہیں سے اٹھوں گا، اس لیے میری امت پر میرے

ہمسایوں کے حقوق کی حفاظت ضروری ہے، جب کہ وہ گناہ کبیرہ سے بچیں جس نے ان کے حقوق کی حفاظت کی، میں روز قیامت اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا اور جس نے یہ نہیں کیا اسے پیپ اور خون پلایا جائے گا''۔

(وفاء الوفاء ج ا ص ۳۳)

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مدینہ سے برے اور بدکار نکل نہ جائیں''۔

''ہر شہر میں دجال کا گزر ہوگا مگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں وہ داخل نہیں ہوسکے گا''

''مدینہ طیبہ پاک ہے اور گناہوں سے اس طرح پاک کردیتا ہے، جیسے سنار کی بھٹی چاندی کے میل کو صاف کرتی ہے''۔

حافظ ملت کو مدینہ طیبہ میں اتنا تیز بخار آیا کہ احباب و مخلصین ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ حضرت مولانا قاری محمد مصلح الدین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ جن دنوں حافظ ملت علیل تھے حضرت ضیاء الملۃ کا یہ حال تھا کہ نہایت بیقرار رہتے اور کئی بار مزاج پرسی کرتے مجھے اور اپنے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن المدنی کو حافظ ملت کی خدمت میں بھیجتے حضرت ضیاء الملۃ عام حالات میں اپنے مکان سے بہت کم نکلتے تھے۔ ہفتہ میں معمول کے مطابق صرف مواجہہ شریف میں عرض صلوٰۃ وسلام کے لیے جاتے۔

مگر حافظ ملت کی علالت کے زمانے میں حضرت خلاف معمول کئی بار مواجہہ شریف تشریف لے گئے۔ اور حافظ ملت کی عیادت کے لیے بھی تشریف لے گئے۔

حضور حافظ ملت کو اس چند یوم کی علالت کے ذریعہ سرکار ابد قرار، نور ورحمت کے مالک ومختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روحانیت وولایت کے کس آسمان تک پہونچایا، اس کا ظاہری اشارہ ہمیں حضرت قطب مدینہ کے، اس دوران فرمودہ اس جملہ سے ہوتا ہے۔ جو انہوں نے حافظ ملت سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ ''حضرت آپ بہت خوش نصیب ہیں''

حافظ ملت کی اس علالت سے تمام احباب سخت بے چین تھے۔ جناب الحاج بیکل اتساہی بیان کرتے ہیں کہ قطب مدینہ نے حافظ ملت کو خوش نصیبی کی نوید سنائی تو، وہ (بیکل صاحب) اسے حضرت کا وقت اخیر سمجھ کر بیقرار ہوگئے۔ فوراً بارگاہ رسول میں حاضر ہوئے۔ مواجہہ شریف میں کھڑے ہوکر سرکار سے رو رو کر اپنے پیرومرشد کی زندگی اور شفا کی بھیک مانگی استغاثہ میں یہ شعر بھی پڑھا۔

بھیک میں صدقۂ فاطمہ دیجیے
میرے مرشد کو آقا شفا دیجیے

بیکل صاحب عرض معروض کے بعد واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ طبیعت سنبھل چکی ہے۔ اور دمشق کے ایک عالم ومحدث سے عربی زبان میں تبادلہ خیالات فرمارہے ہیں۔ بعد میں ان ہی محدث صاحب نے حضرت سے سند طلب کی جو حضرت نے انہیں عطا فرمائی۔

تطہیر روح کرنا بھی شانِ رسول ہے
لازم ہے یہ سلاح بھی تعمیر کے لیے

فخر دیں فخر وطن:

سفارت خانہ ہند کی جانب سے ہر سال حج میں جانے والے معززین اور حکومتی نمائندوں کا استقبالی جلسہ کیا جاتا ہے ۔ ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء کے حج پر بھی ایسا ہی ہوا۔ مکہ مکرمہ کے اندر اس اعزازی تقریب میں حافظ ملت علیہ الرحمہ اور جناب بیکل اتساہی بھی مدعو ہوئے ۔اس مجلس میں ہندوستانی سفیر نے حافظ ملت کا تعارف کراتے ہوئے ان کی شخصیت کو ملک ووطن کے لیے باعث فخر قرار دیا جناب بیکل صاحب نے سفیر محترم کے الفاظ کو محفوظ رکھا ہے۔

''حضرات! ہمارا سر آج فخر سے بلند ہے ۔اس لیے کہ آج ہمارے ملک کو جو مذہبی برتری حاصل ہے ۔ وہ اس حیثیت سے شاید دنیا کے کسی ملک کو حاصل نہیں ۔اس لیے کہ اس مذہب بیزاری کے دور میں، جب تصویر کھنچوانا ایک فیشن بن چکا ہے۔ ایک ایسا خداترس اور دیندار بزرگ بھی موجود ہے، جس نے پاس شرع کو اس احتیاط کے ساتھ ملحوظ خاطر رکھا، کہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے بھی تصویر نہیں کھینچوائی، اور جس کے لیے بین الاقوامی قانون کے بندھن کو بھی ڈھیلا ہونا پڑا۔ وہ ہیں حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی، جو آپ کے درمیان ہیں۔ اور خوش بختی سے ہمارے ملک کے باشندے ہیں، اس لیے ہمارے ملک کو بجا طور پر آپ کی ذات پر فخر ہے''۔

ہر شخص جانتا ہے کہ حکومتی یا سفارتی بنیادوں پر منعقد کی جانے والی تقریبات اور محافل میں اخباری نمائندوں اور فوٹو گرافرس ضرور آجاتے ہیں۔ اور شرکا کی تصاویر کھینچ کر رپورٹ کو مزین کرتے ہیں اس مجلس میں بھی ایسا ہی ہوا۔ سفیر محترم کی تقریر سے قبل ہی کئی فوٹو کھینچنے والوں نے اہل مجلس کی تصاویر بنائیں۔ حافظ ملت مجالس میں ہمیشہ سر جھکائے نیچی نگاہ کیے بیٹھنے کے عادی تھے ۔ انہیں مصوروں کی ان حرکتوں کا کیا پتہ تھا۔ کیمرے فلیش کی چمک ہوئی تو آپ نے اپنا رومال چہرے کے سامنے کرلیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ تصویر بنانے والوں نے انجانے میں جو تصویریں کھینچ لی تھیں ۔ ان میں تمام شرکا کے فوٹو تھے مگر حافظ ملت کا فوٹو نہیں آیا۔ سچ ہے۔

''جو لوگ ممنوعات شرعیہ سے بچنے کا پورا اہتمام کرتے ہیں، آڑے وقت پر اللہ تعالیٰ انہیں خود بچالیتا ہے''

قانون حکومت ہو کہ دستور زمانہ   مذہب کا مخالف ہو تو مومن نہیں پابند
اس دور میں کس مرد مجاہد نے کیا فاش   اوہام سے آزاد ہے مذہب کا گلو بند

محسن ملت علامہ شاہ محمد علی فاروقی رائے پوری سفر حج میں اسی جہاز میں تھے آپ نے حافظ ملت کے لیل ونہار دیکھ کر فرمایا کاش! حافظ ملت جیسی شخصیت پہلے مل جاتی تو آج دیوبند ہم سے بہت پیچھے ہوتا (حافظ ملت افکار وکارنامے بحوالہ مولانا محمد علی فاروقی ص ۲۰)

دارالمصنفین ،شبلی منزل اعظم گڈھ کے رفیق کار، مولانا عبدالباری اعظمی ، سفارت ہند کی اسی دعوت کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''جس سال مولانا (حافظ ملت) حج وزیارت کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے، اسی سال حکومت سعودیہ کی

دعوت پر دارالمصنفین سے شاہ معین الدین ندوی، ایڈیٹر معارف جواپنی والدہ کی طرف سے آٹھویں صدی کے مشہور بزرگ شاہ عبدالحق ردولوی کے خانوادۂ رشدو ہدایت سے تعلق رکھتے تھے، جن کا مزار پر انوار اب تک مرجع خلائق ہے اور ہر سال ان کا بہت ہی شاندار عرس ہوتا ہے۔ (بھی شریک حج تھے)۔

اورندوۃ العلما لکھنؤ سے مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی معتمد تعلیم ندوہ بھی حج کے لیے گئے تھے۔ وہیں مؤخر الذکر نے مولانا کو پہلی بار دیکھا۔ اوران کے زہدوتقویٰ سادگی واحتیاط پسندی سے بہت متاثر ہوئے۔

وصال حافظ ملت کے بعد قدوائی صاحب نے معارف کے شذرہ میں لکھا:

''راقم الحروف نے مکہ معظّمہ میں ۱۹۶۷ء کے حج کے زمانے میں ہندوستانی سفارت خانے کی ایک تقریب میں پہلی بار انہیں دیکھا تھا۔ اوران کی سادگی احتیاط، زاہدانہ اورمرتاضانہ زندگی سے متأثر ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی طویل دینی علمی تدریسی خدمات کے طفیل ان کے ساتھ رحمت ومغفرت کا معاملہ فرمائے اور اہل وعیال تلامذہ اور عقیدتمندوں کو صبر جمیل اوران کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے''۔ (ماہنامہ اشرفیہ جنوری ۱۹۸۹ء ص ۶۴، ۶۵)

نگاہ مفتی اعظم ہند میں حافظ ملت کی قدرو قیمت:۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس تاریخی سفر حجاز کے تعلق سے شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت حضرت مفتی اعظم ہندنوری بریلوی قدس سرہ العزیز کا یہ تاثر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

۱۹۷۱ء میں جب سیدنا مفتی اعظم نوراللہ مرقدہ اپنے تیسرے اورآخری سفرحج وزیارت کے لیے بریلی شریف سے روانہ ہونے والے تھے تو انہوں نے اپنے مریدین ومعتقدین کے مجمع میں فرمایا۔ سب سے پہلے بغیرفوٹو کے مولوی عبدالعزیز صاحب کو حج وزیارت کا شرف حاصل ہوا اوراب الحمدللہ یہ سعادت (بغیرفوٹو) فقیرکو حاصل ہونے جاری ہے''

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نظر میں حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تقویٰ اوراتباع شریعت کی سختی کی بڑی قدر تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس سے حضور حافظ ملت سے حضرت مفتی اعظم کی محبت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

☆☆☆



چوتھا باب

حافظ ملت بحیثیت معلم

علم والوں کے امام، اہلِ نظر کے دل بند
دردمندوں کی دوا ٹوٹے دلوں کے پیوند
اک ہی ذات تو تھی حافظِ ملت کی فقط
ہرکجا می نگری انجمنے ساختہ اند
(بدر)

حافظ ملت بحیثیت معلم

یوں تو دنیا کے ہر علم وفن تکنیک اور کاریگری سکھانے والے کو ''استاذ'' کہا جاتا ہے لیکن اگر لفظ استاذ کو اس کی عظمت وتقدیس اور تہذیبی علامت کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس کا اطلاق صحیح معنیٰ میں صرف علم دین سکھانے والے عالم ربانی، نائب رسول ہی پر ہوتا ہے۔ یہی عالم ربانی امت مسلمہ کے افراد کو علم دین کے نور سے مستنیر کر کے ان مردان خدا اور عاشقان مصطفیٰ کی فوج تیار کرتا ہے جو علم وقلم کے جہان سے لے کر شمشیر وسنان کے میدان تک ہر محاذ پر باطل قوتوں کو شکست فاش دے کر حق وصداقت اور توحید ورسالت کی حکمرانی قائم کرتے ہیں۔

علم دین اور علمائے کرام کی عظمت وفضیلت پر قرآنی آیات اور احادیث معلم کائنات ناطق ہیں اور حق یہ ہے کہ قرآن واحادیث بذات خود تمام نقلی اور عقلی علوم وفنون کے منبع وماخذ ہیں۔

قرآن وحدیث اور اقوال بزرگاں سے علم اور علما کی فضیلت وعظمت ملاحظہ کیجئے۔

دینی علم کی عظمت:

اللہ جل مجدہ نے اپنے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر، غار حرا میں جو سب سے پہلی وحی نازل فرمائی وہ باتفاق مفسرین سورۂ اقرا کی ابتدائی پانچ آیتیں ہیں۔ اولین وحی میں جو باتیں فرمائی گئیں یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک وہ اہم ترین ہیں غور فرمائیں۔

☆ وحی کا پہلا لفظ اقرأ یعنی پڑھنے کا حکم ہے

☆ پھر اللہ رب العالمین کی ربوبیت وخلاقیت کا بیان ہے۔ جس کی معرفت ہی علم کا مقصد ہے۔

☆ اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ انسان کو تخلیق فرما کر اللہ نے کتنا بڑا کرم فرمایا کہ اسے علم سکھایا اور لکھنا۔ گویا لکھنے پڑھنے کی دولت گراں مایہ سے بہرہ ور فرمایا۔

اِقْرأ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ٥ اِقْرأ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ (العلق)

ایمان اور اس کے بعد درجۂ علم پر فائز ہونے والے لوگ ارفع واعلیٰ اور بلند وبالا ہوتے ہیں

"یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ٥ (المجادلہ)

جسے رب تعالیٰ کی طرف سے علم وحکمت عطا ہو وہ عظیم خوبیوں کا مالک ہے۔

"وَمَن یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا" (البقرہ)

خشیتِ الٰہی مومن کا وہ عظیم سرمایہ ہے جو قرآنی تصریحات کے بموجب قبول ہدایت، مغفرت، اجر کریم اور

رضائے خداوندی کا ذریعہ ہے۔ اور خشیت کو اللہ تبارک وتعالیٰ علما کے ساتھ خاص فرماتا ہے۔

کتنا عظیم ارشاد ہے:

"اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُ" (فاطر)

علوم قرآن انسان کے لیے انکشاف، بلند فکری، بینائی، روشنی، سایہ اورحیات ہیں اور جہل، کورچشمی، ظلمت، تاریکی اورموت۔ آیات مندرجہ ذیل پر غور فرمائیں۔ سورہ فاطر کی آیات سورہ زمر کی تشریح کرتی ہیں۔

"قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ط اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوالۡاَلۡبَابُ" (زمر)

"وَمَا یَسۡتَوِی الۡاَعۡمیٰ وَالۡبَصِیۡرُ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الۡحَرُوۡر" ط وَمَا یَسۡتَوِی الۡاَحۡیَاءُ وَلَا الۡاَمۡوَات ط (فاطر)

قرآنی قصص پر غور فرمائیں تو ان سے بھی علم کی فضیلت آشکار ہوتی ہے۔ انسان کی پیدائش کا بیان ہوتا ہے۔ جو خلافت الٰہیہ سے سرفراز کیا جائے گا۔ فرشتے انسان کی مفسدانہ فطرت سامنے لاتے ہیں اور عرض گزار ہوتے ہیں۔ اے رب کریم! کیا ایسی ہی مخلوق نیابت وخلافت حاصل کرے گی؟

جواباً حضرت آدم علیہ السلام کا علم لایا جاتا ہے۔ اور یہی علم نورانی مخلوق پر شرف انسانی کی وجہ قرار پاتا ہے اس واقعہ میں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ انسان اپنے اندر فساد اور خرابی کی قدرت رکھنے کے باوجود جب علم کا شرف پالے تو فرشتوں سے بلند ہو جاتا ہے اور خالق کائنات اس کے لیے ساری دنیا مسخر فرما دیتا ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمۡ مَا فِی لۡاَرۡضِ جَمِیۡعا ط (جاثیہ)

قرآن ہی میں ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا علیہ السلام صاحب کتاب رسول ہونے کے باوجود ایک ربانی علم رکھنے والے کی مصاحبت اختیار فرماتے ہیں۔ شاگردی اختیار فرماتے ہیں۔ وہ عالم ربانی حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ سورۂ کہف میں ان دونوں کے قرآنی مکالمات پڑھیے تو علم کی عظمت عالم کے آداب، استاذ کی قدر ومنزلت، اور اس کی تند وترش پر صبر کے آداب خود بخود حاصل ہو جائیں گے۔

آگے بڑھیے اور ملاحظہ کیجیے اس منظر کو جب بنی اسرائیل اپنے نبی سے اپنے لیے سردار طلب کرتے ہیں، جس کی سربراہی میں وہ دشمن کا مقابلہ کریں۔ پیغمبر طالوت کو ان کی سرداری کے لیے پیش کرتے ہیں۔ مگر بنی اسرائیل اپنے نسبی تفاخر کی بنیاد پر معارضہ پیش کرتے ہیں کہ ان سے زیادہ سرداری کے حقدار ہم ہیں۔ طالوت مال دار بھی نہیں، قرآن مجید نے حضرت طالوت کی سرداری کے لیے جن خوبیوں کا ذکر فرمایا۔ وہ ہیں علم اور جسمانی قوت جس کی وجہ سے طالوت فاتح ہوئے۔ قرآن نے ان کا وصف بتایا۔ "بَسۡطَۃً فِی الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡم"

اس قرآنی واقعہ نے ظاہر کر دیا کہ علم اور قوت جسمانی۔ سیادت قومی کے لیے مال اور نسب پر فائق ہیں۔

یہ تمام قرآنی معالم ہیں جن سے علم کی فضیلت وبرتری واضح ہوتی ہے۔ اب آیئے حدیث پاک کے مقدس

ذخیروں سے اکتساب نور کریں۔

تعلیم وتعلم کے فضائل:۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔جس علم وہدایت کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اس کی مثال تیز بارش جیسی ہے۔ جو برسی، اسی سے ایک زمین سیراب ہوئی، اوراس میں بہت سے سرسبز پودے اگے، دوسری زمین بھی سیراب ہوئی اوراس نے پانی کو جمع کرلیا جس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہونچایا، کہ لوگوں نے اسے پیا، اس سے کھیتی کی آب پاشی کی، لیکن ایک زمین ایسی رہی جس نے نہ سبزہ پیدا کیا نہ پانی جمع کیا، یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے دین میں مہارت حاصل کی اور میری لائی ہوئی ہدایت سے فائدہ اٹھایا، انہوں نے خود فائدہ حاصل کیا، اس پر عمل پیرا ہوئے اور دوسروں کو سکھایا، اور تیسری مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے نہ میری ہدایت قبول کی اور نہ اس سے فائدہ اٹھایا۔

حضرت زر بن حبیش راوی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرخ چادر اوڑھے ٹیک لگائے مسجد میں تشریف فرماتھے کہ قبیلہ مراد کا ایک شخص صفوان بن عالی حاضر ہوا، اور عرض کرنے لگا، یا رسول اللہ! تلاش علم میں حاضر ہوا ہوں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے علم کے طالب مرحبا! فرشتے طالب علم کو اپنے پروں کے سائے میں احاطہ کرلیتے ہیں ایک پر ایک جمع ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ محبت علم میں سب سے نچلے آسمان تک آجاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس امت کے عالم دوقسم کے ہیں، ایک وہ جسے خدا نے علم بخشا، اوراس نے بے دریغ لوگوں کو سکھایا اس کے عوض نہ سونا چاندی لیا نہ کوئی بدلہ چاہا، ایسے عالموں کے لیے فضا کے پرند، زمین کے چرند، پانی کی مچھلیاں اور کراماً کاتبین بھی دعا کرتے ہیں، اور دوسرا وہ ہے جسے خدا نے علم عطا فرمایا مگر اس نے خدا کے بندوں سے بخل کیا اس پر سونا چاندی لیا اور دنیاوی نفع کا خواہشمند ہوا تو ایسا عالم قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ میں آتشیں لگام چڑھی ہوگی۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۴۸)

حضرت انس راوی ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: معرفت الٰہی، اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا معرفت الٰہی، اس نے تیسری بار عرض کیا یا رسول اللہ! میں عمل کے بارے میں سوال کررہاہوں اور سرکار علم کے بارے میں جواب ارشاد فرمارہے ہیں، اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی نفع بخش ہے مگر جہل کے ساتھ ڈھیر سا عمل بھی غیر مفید ہے''۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے جانشینوں پر خدا کی رحمت، میرے جانشینوں پر خدا کی رحمت، میرے جانشینوں پر خدا کی رحمت، صحابہ نے عرض کیا حضور کون جانشین؟ فرمایا جو میری سنت سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۴۹)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد کے ساتھ ۹۳ھ میں حج کرنے گئے اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی فرماتے ہیں میں نے ایک ضعیف شخص کو دیکھا جسے لوگ گھیرے میں لیے ہوئے تھے، میں نے اپنے والد سے دریافت کیا یہ کون صاحب ہیں؟ والد گرامی نے بتایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں، ان کا اسم گرامی عبد اللہ بن حارث ہے۔ میں نے والد سے گزارش کی کہ مجھے بھی ان کے پاس لے چلیں تاکہ میں بھی ان سے کوئی حدیث شریف سنوں، چنانچہ والد صاحب آگے بڑھے اور لوگوں کو ہٹاتے ہوئے بڑھتے گئے، میں صحابی (رضی اللہ عنہ) کے قریب جا پہونچا وہ فرمارہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے دین کا تفقہ حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے رزق سے اس طرح بے نیاز کردے گا۔ جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۴۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت حماد بن ابراہیم آیت " وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ" (روز قیامت ہم صحیح تولنے والی ترازوئیں لگائیں گے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قیامت کے روز انسان کا عمل ترازو کے ایک پلے میں رکھا جائے گا اور وہ اونچا ہوجائے گا بعد ازاں ابر جیسی ایک شی لائی جائے گی اور ترازو کے دوسرے پلے میں رکھ دی جائے گی اور وہ جھک جائے گا اس شخص سے پوچھا جائے گا تجھے پتہ ہے یہ کیا ہے؟ وہ کہے گا نہیں، پھر اسے بتایا جائے گا "یہ اس علم کی فضیلت ہے جو تو، لوگوں کو سکھاتا تھا" (ص ۵۰)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ "میں علیم ہوں اور ہر علم والے سے محبت کرتا ہوں" (ص ۵۱)

"علم حدیث کے شائقین کی ایک جماعت حضرت شیخ محمد بن مصعب عرقسانی کے دروازہ پر جمع تھی، ان کے ساتھ ایک عراقی جوان بھی تھا جو فن شعر میں مہارت رکھتا تھا، ہم لوگ اس بات کے آرزو مند تھے کہ حضرت شیخ دولت کدہ سے برآمد ہوں اور ہم لوگوں کو ایک دو حدیث سنائیں، اتنے میں شیخ باہر تشریف لائے اور فرمانے لگے، میرے ذہن میں ایک شعر ہے، جو شخص بتادے کہ شعر کس کا ہے میں اسے تین حدیثیں سناؤں گا، یہ بات سن کر عراقی جوان بولا آپ پر اللہ کی رحمت ہو بھلا شعر کون سا ہے شیخ نے شعر پڑھا۔

العلم فیہ حیـــــــــاۃ للقلوب　　　کمـا یحیی البلاد اذا ما مسها المطر

علم کے اندر دلوں کے لیے اسی طرح زندگی ہے　　　جس طرح بارش سے زمین زندہ ہوجاتی ہے

جوان بولا یہ شعر سابق بربری کا ہے شیخ نوجوان کا جواب سن کر خوش ہوگئے اور پوچھا اس کے بعد کا شعر کیا

ہے؟ نوجوان نے سنایا۔

العلم یجلو العمیٰ عن قلب صاحبہ — کما یجلی سوادَ الظلمۃ القمر

دل کے اندھے پن کو علم اسی طرح مٹا دیتا ہے — جس طرح چاند گھٹا ٹوپ تاریکی کو

شیخ بہت مسرور ہوئے اورانہوں نے علم حدیث کے مشتاقوں کو چھ حدیثیں سنائیں۔

حضرت عبید اللہ بن ابی جعفر کہا کرتے تھے۔

''علما دنیا کے واسطے روشنی کا مینار ہیں، انہی سے وہ نور ظاہر ہوتا ہے جس سے گم گشتگان راہ ہدایت یاب ہوتے ہیں'' (ص۵۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''کیا خوب ہے وہ مجلس جہاں حکمت کی اشاعت ہوتی ہے اور رحمت کی امید کی جاتی ہے''

حضرت امام حسن بصری علیہ الرحمہ کا فرمان ہے:

''صرف خدا کے واسطے حدیث سیکھنا، دنیا کی نعمتوں سے بہتر ہے''

امام زہری کہتے ہیں:

''علم سے بہتر کوئی طریقہ نہیں جس سے رب تعالیٰ کی اطاعت ممکن ہو''

حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کا وقت اخیر آیا تو کنیز سے پوچھنے لگے کیا صبح ہوئی؟ کنیز نے بتایا ابھی نہیں۔ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا۔ اب دیکھ صبح ہوئی۔ کنیز نے جواب دیا، جی ہاں صبح ہوگئی۔ یہ سن کر فرمانے لگے۔

''ایسی صبح سے میں پناہ مانگتا ہوں جو دوزخ کی جانب لے جانے والی ہو...

مرحبا! اے موت! اے وہ مہمان جو فاقے کے گھر میں آیا۔ جو شخص نادم ہوا ہلاک ہوا۔ اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ معاذ دنیا میں کبھی اس لیے رہنے کا شائق نہیں تھا کہ نہریں نکالے، باغ لگائے، وہ تو محض اس لیے زندہ تھا کہ لمبی راتیں مشقت میں گزارے، دن کی سخت گرمی کے اندر حلقوم میں کانٹے ڈال دینے والی پیاس برداشت کرے اور علمی حلقوں کے اندر حلقۂ علما میں رہے''۔ (ص۵۲)

حضرت معاذ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''عالم روئے زمین پر خدا کا امین ہے'' حضرت امام حسن بصری کے نزدیک آیت مبارکہ میں فی الدنیا حسنۃ سے مراد علم وعبادت اور فی الآخرۃ حسنۃ سے مراد جنت ہے۔ سفیان ثوری اول سے مراد رزق حلال اور علم اور ثانی سے مراد جنت فرماتے ہیں حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

''علم کا ایک باب سیکھنا اور اس پر عمل کرنا دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے''

حدیث پاک میں ہے:

وہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا، بڑوں کی عزت نہیں کرتا اور علما کا حق نہیں پہچانتا'' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''علم حاصل کرو کیوں کہ اللہ کے لیے علم سیکھنا خشیت ہے۔ علم کی طلب عبادت ہے علم کا مذاکرہ تسبیح ہے، علم کی تلاش جہاد ہے، بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے حقداروں پر علم کے دروازے کھولنا تقرب ہے۔ علم حلال وحرام کی علامت ہے، جنت کے راستوں پر روشنی کا ستون ہے، علم تنہائی میں مونس ہے، پردیس میں رفیق ہے، خلوت میں ندیم ہے، آرام اور مصیبت کو بتانے والا ہے، دشمن کے بالمقابل اسلحہ ہے، دوستوں میں زینت ہے، علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو اٹھاتا ہے اور نیکی کا ایسا رہبر اور امام بنا دیتا ہے کہ ان لوگوں کے نقوش قدم پر لوگ چلنے لگتے ہیں۔ ان کی سیرت کو نمونہ بنا دیا جاتا ہے۔ ان کے قول پر سر خم کیا جاتا ہے۔ فرشتے ان کی خدمت پر راغب ہوتے ہیں۔ اپنے پروں سے انہیں مس کرتے ہیں۔ ان کی مغفرت کے لیے ہر چیز یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں، زمین کے کیڑے مکوڑے، خشکی کے درندے اور چرندے دعا کرتے ہیں۔ جہالت کی موت میں علم دلوں کے لیے حیات ہے اور ظلمت میں علم آنکھوں کے لیے روشنی ہے علم ہی کے باعث بندے دنیا وآخرت میں اخیار کے مراتب اور بلند درجات حاصل کرتے ہیں علم میں غور وفکر روزے کے برابر ہے، علم کی مشغولیت قیام کے برابر ہے۔

علم ہی سے رشتے جڑتے ہیں، اسی سے حلال وحرام کا امتیاز ہوتا ہے، علم عمل کا رہنما ہے اور عمل علم کا پیر ہے۔ خوش نصیبوں ہی کو علم کی توفیق میسر آتی ہے اور بد بخت اس سے محروم رہتے ہیں۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۵۳، ۵۴)

حضرت سفیان ثوری نے ایک عرب کو مخاطب کر کے فرمایا! اے قوم عرب علم حاصل کرو ورنہ مجھے ڈر ہے کہ علم تم سے نکل کر اوروں میں چلا جائے گا۔ اور تم ذلیل ہو کر رہ جاؤ گے، علم حاصل کرو، کیوں کہ علم دنیا میں بھی عزت ہے اور آخرت میں بھی عزت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سے خالد بن خداش بغدادی رخصت ہونے لگے تو نصیحت کی درخواست کی فرمایا: ظاہر وباطن میں اللہ سے ڈرو، ہر مسلمان کا بھلا چاہو اور اہل علم سے علم حاصل کرو۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ص ۵۴)

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''سینے میں علم کی مثال اس طرح ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ''

خلیفہ عبد الملک بن مروان نے اپنے لڑکوں کو نصیحت کی۔ علم حاصل کرو اگر تم مالدار ہو گئے تو علم تمہارا جمال ہوگا۔ اور اگر غریب ہو گئے تو علم تمہاری ثروت ثابت ہوگا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۵۵)

سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''علم مال سے بہتر ہے کیوں کہ مال کی حفاظت تمہیں کرنی پڑتی ہے مگر علم تمہاری حفاظت کرتا ہے مال خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ علم حاکم ہے اور مال ودولت محکوم۔ مالدار مر گئے، لیکن علم والے زندہ

ہیں اور رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے بیشک ان کے جسم مٹ گئے ہیں مگر ان کے کارنامے کبھی مٹنے والے نہیں''

حضرت عون بن عبداللہ کا کہنا ہے:

''کمال تقویٰ یہ ہے کہ نیا علم حاصل کرتے رہو۔ یہ علم پر ظلم ہے کہ اس میں اضافے کا خیال نہ ہو۔ علم کو ترقی دینے سے غفلت اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی اپنے موجودہ علم سے استفادہ نہیں کر رہا ہے۔

کہا جاتا ہے ''علما رحمت کی بارش ہیں۔ جہاں بھی رہیں گے فائدہ پہنچائیں گے''

لقمان حکیم سے پوچھا گیا۔ سب سے افضل کون ہے۔ جواب دیا مومن عالم، اس کے پاس ہمیشہ بھلائی رہتی ہے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۵۶)

یہ علم دین ہی کی برکات تھیں جنہوں نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی اور عظمت و وقار عطا کیا اور سارا زمانہ ان کے سامنے سرنگوں رہا۔

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز علم دین کی عظمت اور اس کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''سب سے زیادہ سب کی جان، سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی کو مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا، چار دانگ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا اور اسی کے چھوڑنے سے پچھلوں کو یوں چاہ مذلت میں گرایا۔ "فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلا بِاللّٰہ العَلِی العَظِیم" (تدبیر فلاح ونجات واصلاح)

قرآن وحدیث اور اقوال بزرگان سے علم دین کی اہمیت وعظمت وفضیلت کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کی شان وعظمت بھی ظاہر ہوئی۔ اب انہیں صاحبان عظمت میں ان علما کے مقام ومرتبہ کا بھی اندازہ لگائیں جنہوں نے وعظ وپند ونصیحت، رشد وہدایت، مناظرہ وتحریر وتصنیف وغیرہ کے علاوہ درس وتدریس کا بھی فریضہ انجام دیا اور علم کی روشنی تقسیم کرتے رہے، نائبین مصطفیٰ کی جماعت در جماعت نکالتے رہے۔

حضرت حافظ ملت ایسے ہی علما ربانیین اور اساتذۂ ماہرین میں ایک ہیں۔

آپ نے میدان عمل میں قدم رکھتے ہی وعظ وتبلیغ، مناظرہ وتقریر، تصنیف وتحریر، بیعت وارشاد، اہتمام وسربراہی اور تعمیر الجامعۃ الاشرفیہ کے ساتھ ساتھ اپنی آخری سانس تک درس وتدریس وتربیت اور شخصیت سازی کا فریضہ انجام دیا۔ آج دنیا کے گوشے گوشے میں آپ کے تلامذہ در تلامذہ دین وسنیت کی تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور علم وعمل کے نور سے امت مسلمہ کو مستنیر کر رہے ہیں۔ آپ کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

استاذ کے فرائض:۔

والدین اپنے بچوں کو بولنا اور ان کی انگلی پکڑ کر چلانا سکھاتے ہیں، ان پر شفقت بھی لٹاتے ہیں اور ان کی غلط

روی پر انہیں سزائیں بھی دیتے ہیں، ان کی خوشی اور اچھے مستقبل کے لیے دھن دولت بھی خرچ کرتے ہیں ۔ لیکن استاذ انہیں بچوں کو علم کی دولت لازوال سے مالا مال کرتا ہے، ان کی بھلائی کے لیے ان کی سرزنش بھی کرتا ہے اور شفقت کا اظہار بھی ۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ۔ ان کی صلاحیتوں کو ابھارتا ہے، جلا بخشتا ہے ، عقیدہ واعمال کی پختگی ودرستگی کرتا ہے، ان کے اخلاق وکردار کو نکھارتا ہے، شخصیت سازی کرتا ہے غرض کہ زندگی اور بندگی کا سلیقہ عطا کرتا ہے ۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان ایسے ہی اساتذہ میں ایک تھے ۔

حافظ ملت کی استاذانہ شان:

جلالۃ العلم، استاذ العلما حضور حافظ ملت نے تو ایسے ایسے ہیرے تراشے، ایسے صاحبان علم وحکمت ودانش وقلم پیدا کیے جو آج دنیائے دین وسنیت کی شان اور آن بان ہیں اور جن کا شمار اعاظم اہلسنت اور قائدین ملت میں ہوتا ہے ۔

حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی (برطانیہ) تحریر فرماتے ہیں:

''حضور حافظ ملت کی آغوش تربیت میں پروان چڑھنے والے طلبہ نے زندگی کے جس میدان میں قدم رکھا کامیابیوں نے ان کے قدم چومے ۔ دار العلوم اشرفیہ کے علمانے ملت کو حقیقی اسلام کی طرف دعوت دی ۔ ان کے خطبات اور تقریر ایک طرف رسول کے نظام رحمت کی طرف دعوت کا آئینہ دار ہیں تو دوسری طرف ان تمام حریف قوتوں کا دندان شکن جواب بھی ہیں جو صدیوں سے مسلمانوں کی بیخ کنی میں مصروف ہیں۔ وہ اگر ایک طرف اسلام کا نظام عبادت واطاعت پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف اسلام کا ثقافتی و مدنی نظام، ایک طرف ان کی تقریروں اور تحریروں سے اسلام کے معاشی نظام کے حقائق سامنے آتے ہیں تو دوسری طرف اسلام کا اخلاقی اور روحانی نظام ۔ اگر ایک طرف سیاست اسلامیہ عصر جدید کی زندہ حقیقت بن کر نمودار ہوتی ہے تو دوسری طرف وہ اسلام کے ماضی کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ صرف مرثیہ نہ بن جائے بلکہ مستقبل کی راہوں میں امیدوں کے چراغ روشن کرے ۔ ان کا شعور تنقید اسلام کی مخالف قوتوں سے بے خبر نہیں ہے ۔ وہ اگر ایک طرف قرون اولیٰ کے معتزلہ اور خوارج کی خبر لیتے ہیں تو دوسری طرف عصر جدید کے مستشرقین یورپ کی تحریریں ان کی زد میں ہیں۔ عصر جدید کے ملحدین، مرتدین مادیین نے بار بار برملا اعتراف کیا ہے کہ علمائے اشرفیہ کی موجودگی میں ہمارا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ یہ سب حضور حافظ ملت کے طریقۂ تعلیم وتربیت کا اثر ہے ۔ (حافظ ملت نمبر ص ۳۳۵)

(۲) یہی علامہ قمر الزماں صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں:

''خدائے قدیر وجبار نے اس محسن ملت کو اس قدر جوہر شناس نگاہ بخشی تھی کہ وہ مٹی میں ملے ہوئے ناتراشیدہ پتھروں کے اندر پوشیدہ جواہر کو پہچان لیتے تھے وہ انہیں زمین سے اٹھا کر اس تربیت گاہ میں لے جاتے تھے جہاں سے نکلنے والے ہمیشہ ارباب علم وفضل سے خراج تحسین وصول کرتے رہیں گے'' ۔ (ایضاص ۳۳۵)

ہر فن میں طاق:۔

یوں تو حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ فن حدیث وتفسیر میں خصوصیت سے کامل واکمل تھے لیکن حق تو یہ ہے کہ تمامی مروجہ علوم کی تمام کتابوں پر آپ قابو یافتہ تھے۔

اگر آپ نے کسی کتاب کو برسہا برس بعد بھی پڑھایا تو اس شان سے پڑھایا کہ اپنے طلبہ کو بھی اس کتاب کا ماہر بنادیا۔

حضور حافظ ملت کی اشرفیہ میں تشریف آوری کے بعد مبارک پور مرجع طلبہ بن گیا۔اور دور دور سے شائقین علم کھنچ کر یہاں آنے لگے۔

معقولات میں مہارت:۔

ا۔محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حضرت مولانا قائم صاحب فرنگی محلی سے مولوی عبد السبحان نامی ایک ذہین طالب علم نے معقولات پڑھی پھر مبارک پور یہی ذوق لے کر آئے۔امور عامہ، شمس بازغہ وغیرہ کتابیں حافظ ملت کے پاس شروع ہوئیں۔دقیق سے دقیق مسئلہ کی ایسی تفہیم فرماتے کہ مولوی صاحب کبھی کبھی جوش مسرت میں کھڑے ہوجاتے اور کہتے یہ مسئلہ آج سمجھ میں آیا۔(ایضا)

ب۔حافظ ملت کے ایک ہم عصر جناب فیروز الدین کشمیری نے حضرت مولانا عبد الحی صاحب قبلہ ملقب بہ معقولی سے منطق پڑھی تھی۔حافظ ملت کے بریلی تشریف لانے کے بعد وہ بھی بریلی شریف آگئے اور ۱۳۵۲ھ میں حافظ ملت سے صدرا پڑھی بہتیرے مقامات پر تقریر درس سے متاثر ہوتے تو کہہ اٹھتے: واہ آج نفس مضمون آشکار ہوگیا۔

ج۔حضور حافظ ملت کو معقولات ومنقولات میں نہ صرف دستگاہ کامل حاصل تھی بلکہ دقیق سے دقیق مسئلہ طلبہ کے ذہن میں اتار دیتے تھے اسی لیے حضرت کے تلامذہ میں ان کی جلالت علمی آج بھی نظر آتی ہے۔

د۔سند المحققین حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ ایک بار دار العلوم اشرفیہ کے سالانہ امتحان کے لیے مدعو کیے گئے۔مسلم الثبوت کا امتحان ہورہا تھا۔طلبہ میں مولانا نصیر الدین پلاموی (موجودہ استاذ الجامعۃ الاشرفیہ) مولانا صوفی عبد الرحمٰن پورنوی، مولانا محمد اسلم گورکھپوری، مولانا عبد الستار پورلیاوی وغیرہم کی جماعت تھی۔صبح اول وقت سے امتحان شروع ہوا اور گیارہ بجے دن تک لفظ "اما بعد فھذا" پر سوالات وجوابات کا سلسلہ چلتا رہا۔چھٹی کی گھنٹی کے بعد حافظ ملت اپنی درس گاہ سے نکل کر قیام گاہ جاتے ہوئے، حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ جہاں امتحان لے رہے تھے، اس کمرہ میں تشریف لائے اور نہایت خاموشی سے طلبہ کے ساتھ آبیٹھے۔

اسی نشست میں جب حضرت علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ سے تخاطب ہوا تو حافظ ملت نے فرمایا:

"حضرت! اب پڑھنے والے طلبہ نہیں رہ گئے"

اس پر علامہ میرٹھی صاحب نے فرمایا: "آج پچیس سال بعد یہ کتاب سامنے آئی ہے، امتحان لیتے ہوئے بڑی

مسرت ہو رہی ہے کہ آپ کے بچوں نے کتاب کو سمجھا ہے۔ امتحان دینے والی ایسی جماعت عمر میں پہلی بار ملی ہے"۔

حافظ ملت نے فرمایا: "حضور! میں نے بھی اس کتاب کو ایک مدت کے بعد پڑھایا ہے"

(معارف حافظ ملت از مولانا محمد اسلم گورکھپوری ص ۱۸)

استحضار علم:۔

علامہ محمد احمد صاحب مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ تحریر فرماتے ہیں۔

حافظ ملت کے درس میں ابتدائی دور ہی سے ممتاز مدارس کے باصلاحیت طلبہ آنے لگے تھے، اجمیر مقدس میں تعلیم کے آخری مراحل تھے کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ وہاں سے بریلی شریف تشریف لے گئے، ان کے ساتھ حافظ ملت اور بہت سے منتہی طلبہ بھی بریلی شریف پہونچے، اور وہیں حافظ ملت کی دستار بندی ہوئی۔ حافظ ملت مبارکپور تشریف لائے تو منظر اسلام بریلی شریف کے ہم مدرسہ کئی طلبہ نے بھی مبارکپور کا رخ کیا جن میں ایک قاری اسد الحق صاحب بھی تھے۔ موصوف اپنی جماعت کے ساتھ حافظ ملت سے ترمذی شریف کا سبق لیتے تھے نہایت زیرک، محنتی اور باصلاحیت تھے۔ کثرت کار اور شب میں مناظرہ کی مشغولیات کے باعث حافظ ملت ان دنوں بہت سے اسباق بے مطالعہ بھی پڑھاتے تھے۔ مگر حسب سابق انہیں درس میں کبھی تشنگی محسوس نہیں ہوئی بلکہ اسی طرح تقریر درس، استخراج مسائل، تائید حنفیت اور اعتراضات کے تشفی بخش جوابات کا سلسلہ جاری رہتا۔ حافظ ملت نے ایک روز از خود جب مطالعہ کے لیے وقت نہ ملنے کی بات فرمائی تو وہ حیران و ششدر رہ گئے۔ اور عش عش کرنے لگے۔ کہ حضور! ہمیں تو ذرا بھی فرق محسوس نہیں ہوا۔ آپ بغیر مطالعہ بھی اسی مجتہدانہ شان سے درس دیتے ہیں، جیسے مطالعہ کے بعد۔ (انوار حافظ ملت نومبر، دسمبر ۱۹۹۲ء)

متعلقات تعلیم کی اہمیت:۔

قبل اس کے کہ حضرت حافظ ملت قدس سرہ العزیز کے طریقۂ درس اور تعلیم و تربیت وغیرہ کے انداز کا جائزہ پیش کیا جائے یہ بھی ضروری ہے کہ استاذ اور شاگرد کے رشتہ کو بھی دیکھا جائے اور استاذ و کتاب کے احترام و ادب پر مختصراً روشنی ڈال دی جائے۔

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا موقف یہ ہے کہ استاذ جس نے شاگرد کو ایک لفظ بھی سکھایا آقا ہے اور شاگرد بمنزلہ غلام۔

فرماتے ہیں:۔

"ناسپاسی استاذ کہ بلائے است ہائل و دائیست قاتل و برکات علم را مزیل و مبطل۔ العیاذ باللہ

یعنی:۔ استاذ کے احسان کو فراموش کردینا ایک مصیبت ہے، ایک قاتل بیماری ہے اور علم کی برکات کو زائل اور باطل کرنے والی بیماری ہے۔ اللہ کی پناہ۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۱۹)

مزید فرماتے ہیں:

''علما فرمودہ اندازحق استاذ برشاگرد آنست کہ برفراش او نہ نشیند اگر چہ استاذ حاضر نہ باشد''

یعنی:۔علما فرماتے ہیں کہ شاگرد پر استاذ کا حق یہ ہے کہ اس کی نشست گاہ پر نہ بیٹھے اگر چہ استاذ حاضر نہ ہو اور نشست گاہ خالی ہو۔(فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۲۱)

مزید فرماتے ہیں:۔

اپنے استاذ بلکہ شاگردوں کے لیے بھی تواضع کا حدیث میں حکم ہے۔

جس سے علم سیکھتے ہو اس کے لیے تواضع کرو اور جسے سکھاتے ہو اس کے لیے تواضع کرو اور گردن کش عالم نہ بنو۔ رواہ الخطیب عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ (حجب العوار عن مخدوم بہار ص ۱۳،۱۴)

آداب کتب کی بابت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''ہمارے علما تصریح فرماتے ہیں کہ نفس حروف قابل ادب ہیں اگر چہ جدا جدا لکھے ہوں جیسے تختی یا وصلی پر خواہ ان میں کوئی برا نام لکھا ہو جیسے فرعون، ابوجہل، وغیرہما تاہم حروف کی تعظیم کی جائے اگر چہ ان کافروں کا نام لائق اہانت وتذلیل ہے۔

اور تصریح فرماتے ہیں کہ اگر کسی صندوق یا الماری میں کتابیں رکھی ہوں تو ادب یہ ہے کہ اس کے اوپر کپڑے نہ رکھے جائیں .... تو کیوں کر ادب ہوگا کہ کتابیں نیچے رکھی ہوں اور آپ اوپر بیٹھیں۔ کیا ایسے لوگوں کو بے ادبی کی شامت سے خوف نہیں۔(فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۲۵)

اسی حقیقت کو اس طرح زوردار الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''حروف خود معظم ہیں۔کما بیناہ فی فتاوانا''(الکشف شافیا فی حکم فونو جرافیا ص ۵۲)

حافظ ملت خود ایک باادب شاگرد تھے اور اپنے تلامذہ کو بھی استاذ کا ادب سکھاتے تھے نیز کتاب کے ادب کی بھی تعلیم فرماتے تھے۔

باادب شاگرد:۔

۱۔حضور حافظ ملت نے اپنے استاذ معظم حضرت صدرالشریعہ کی بارگاہ کا جس طرح ادب کیا ہے اس کی مثال اس دور میں ملنی مشکل ہے۔

مولانا محمد اسلم مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

حضرت قاری عبدالحکیم صاحب قبلہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ جامعہ غازیہ سید العلوم بڑی تکیہ بہرائچ شریف میں گھوسی کے ایک صاحب نے بیان کیا (جن کا نام قاری صاحب کو یاد نہیں رہ گیا) کہ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں ہمیشہ دوزانو بیٹھتے۔حضور صدرالشریعہ کسی ضرورت سے کچھ

دیر کے لیے کہیں تشریف لے جاتے تو سب لوگ بیٹھ جاتے مگر حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی واپسی تک ہاتھ باندھے کھڑے ہی رہتے جب حضرت صدرالشریعہ واپس آ کر تشریف فرما ہو جاتے اس کے بعد حافظ ملت پھر دوزانو بیٹھتے۔ (معارف حافظ ملت ص ۷۳)

۲۔ مبارک پور تشریف لانے کے بعد حضرت حافظ ملت کو جب بھی یہ خبر ملتی کہ حضور صدرالشریعہ رضی المولیٰ عنہ وارضاہ عنا سٹھیاؤں اسٹیشن سے فلاں دن فلاں ٹرین سے گذرنے والے ہیں تو کھانا لے کر اسٹیشن ضرور جاتے۔

(معارف حافظ ملت ص ۲۹)

۳۔ استاذ زادہ کا ادب:۔

حضرت قاری عبدالحکیم صاحب کے حوالے سے مولانا محمد اسلم صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب اپنے ابتدائی دور میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے ساتھ بلرامپور کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ وقت واپسی سے پہلے حافظ محمد حنیف صاحب نے ٹکٹ ایک منگائیں یا دو، کا ترددور کرنے کے لیے حضور حافظ ملت سے عرض کیا: حضور! مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب آپ کے ساتھ جائیں گے؟ تو ارشاد فرمایا: حافظ جی آپ نے کیا کہہ دیا؟ مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب میرے مخدوم زادے ہیں۔ میں ان کے ساتھ جاؤں گا وہ میرے ساتھ نہیں جائیں گے۔ (معارف حافظ ملت ص ۷۳،۷۴)

استاذ کے ادب کی تعلیم:۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ استاذ کے ادب کی تعلیم بھی فرماتے تھے:

آپ نے اپنے صاحبزادہ کو استاذ کے ادب کی تعلیم دے کر تمام شاگردوں کو استاذ کے ادب کا سلیقہ عطا کیا ہے اور تعلیم فرمائی ہے۔

صاحب ''معارف حافظ ملت'' لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا تجمل ہدیٰ گیاوی نے جامعہ مسعود العلوم بہرائچ شریف میں ایک بار بیان فرمایا کہ صاحبزادہ گرامی مرتبت مولانا عبد الحفیظ صاحب کو ابتدائی درجوں کی کچھ کتابیں پڑھاتا رہا انہیں ایام میں ایک بار عزیز ملت قبلہ حضرت کے پاس تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔اسی درمیان میں حاضر بارگاہ ہوا تو ارشاد فرمایا ،،عبد الحفیظ یہ تمہارے استاذ ہیں،استاذ کا ادب ضروری ہے۔'' (ایضا۔ص ۷۴)

کتابوں کا ادب:۔

حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ خود بھی کتابوں کا ادب کرتے تھے اور طلبہ کو بھی کتابوں کے ادب کی تلقین فرماتے۔

صاحب ''معارف حافظ ملت'' لکھتے ہیں:۔

''حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے نزدیک حصول علم کے اسباب میں کتابوں کاادب بھی داخل تھا۔قیام گاہ پر ہوتے یا درس گاہ میں کبھی کوئی کتاب لیٹ کر یا ٹیک لگا کرنہیں دیکھتے بلکہ تکیہ یا ڈسک پر کتاب رکھ کر دیکھتے اور پڑھاتے ۔قیام گاہ سے مدرسہ یا مدرسہ سے قیام گاہ کبھی کتاب لے کرآنا جانا ہوتا تو کتاب داہنے ہاتھ میں لے کر سینے سے لگا لیتے۔کبھی کسی طالب علم کو ہاتھ میں کتاب لٹکا کر چلتے دیکھتے تو فرماتے: کتاب جب سینے سے لگائی جائے گی تو کتاب سینے میں اترے گی اور جب کتاب کو سینے سے دور کیا جائے گا تو کتاب سینے سے دور ہوگی۔'' (ایضاص ۴۷)

جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے تصریح فرمائی کہ استاذ کو اپنے شاگردوں کے لئے بھی تواضع برتنا چاہئے تو اس امر میں بھی حضور حافظ ملت یکتا ویگانہ تھے۔

آپ اپنے شاگردوں کو آپ کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔اگر کوئی شاگرد آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوتا تو مہمان کی طرح اس کی خاطر داری کرتے۔اگر کبھی کوئی شاگرد آپ کا کوئی کام کرنا چاہتا تو اسکی طاقت سے زیادہ اس سے کبھی کوئی کام نہ لیتے۔چند مثالیں ملاحظہ کریں:۔

تواضع:۔

(۱) حضرت علامہ عبداللہ خاں صاحب عزیزی اپنا واقعہ اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔

''حضور حافظ ملت نوراللہ مرقدہ کی طلبی پر الجامعۃ الاشرفیہ میں خدمت کے لئے میں ۱۹۷۳ء میں مبارکپور حاضر ہوا تھا۔ان کے حکم وارشاد سے سرتابی کی مجال نہیں تھی۔پھر انہوں نے بخشنے اور نوازنے کے لئے طلب فرمایا تھا۔اس لئے جب پہلی فرصت میں ان کی قیام گاہ پر شرف ملاقات و نیاز کے لئے حاضر ہوا تو ایسا محسوس ہو رہا تھا۔آج آپ کا ابر کرم جھوم جھوم کر برس رہا ہے۔جیسے ہی آپ کی نگاہ میرے اوپر پڑی۔آپ کی زبان فیض ترجمان سے ''مرحبا مرحبا'' کی صدا بلند ہوئی۔میں نے حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ سے خدا جانے کتنی مرتبہ خلوت وجلوت میں شرف ملاقات حاصل کیا تھا لیکن آج آپ سے ملاقات کچھ نرالی شان کی تھی۔میں نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایسی پذیرائی اس بارگاہ بلند میں اس ادنی کفش بردار کی ہوسکتی ہے۔ابھی ابھی مرحبا مرحبا کی صداؤں سے میری روح وجد میں تھی۔اور میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر قدم بوسی کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے خود ہی مصافحہ و معانقہ کے شرف سے نوازا۔اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا آپ تشریف رکھیں۔اور اپنا وہ کمبل جس کو میری نگاہوں نے بارہا آپ کے جسم مبارک پر دیکھا تھا،اسی کو ایک تخت پر بچھادیا۔اور اس پر بیٹھنے کا حکم صادر فرمایا۔مجھ کو حیرانی کے ساتھ سوء ادبی کا احساس ہورہا تھا کہ وہ کمبل جس کو عصر حاضر کی ایک بڑی عظیم شخصیت کے جسم مبارک پر دیکھا ہے وہ آج اس حقیر ذرہ ناچیز کے پیروں تلے رہے اس احساس سے بیٹھنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا لیکن پیہم اصرار اور الامر فوق الادب کے بموجب چارو نا چار تخت پر بیٹھ گیا۔اور کمبل کو اٹھا کر اپنے اوپر رکھ لیا۔پھر حضرت نے خود چائے بنا کر پلائی'' (حافظ ملت افکار اور کارنامے ص ۳۶)

بہی خواہی وخرد نوازی:۔

(۲) مولانا مبین الہدی صاحب نورانی تحریر کرتے ہیں:۔

''مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں ان (حافظ ملت) کا ایک ادنیٰ شاگرد ہوں۔حافظ ملت کے قابل فخر تلامذہ کے سامنے میری حقیقت ہی کیا ہے۔من آنم کہ من دانم لیکن ہاں اس خوش بختی پر نازاں بھی ہوں کہ مجھ بے مایہ پر حافظ ملت کی جو خاص نوازش رہی ہے وہ کم ہی لوگوں کو حاصل ہے۔یقین نہ ہو تو مکتوبات حافظ ملت کے ان اقتباسات کو پڑھ ڈالیے جو میرے والد اور میرے نام ہیں۔

میرے نام ایک مکتوب کا اقتباس حاضر ہے:۔

''آپ کی تو بڑی خصوصیت ہے آپ حضرت سراج الملت دامت برکاتہم کے چشم وچراغ ہیں آستانہ عالیہ کے نونہال ہیں محض آپ ہی کی وجہ سے میں نے ابتدائی کتابیں پڑھائیں اور کافی محنت کی .....میں آپ کا مخلص بہی خواہ ہوں آپ کو بہتر سے بہتر اور قابل سے قابل تر دیکھنا چاہتا ہوں دعا کرتا ہوں مولائے قدیر آپ کی عمر میں برکت علم و فضل میں وسعت عطا فرمائے عالم دین خادم دین اور آستانہ عالیہ کا روشن چراغ اور اپنے وقت کا آفتاب بنائے۔''

(حافظ ملت نمبر ص ۳۰۳)

طاقت سے زیادہ کام نہیں لیا:

اولاً تو حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنا سارا کام خود کرتے تھے اور اگر کبھی کوئی شاگرد اپنی سعادت مندی کے طور پر آپ کا کوئی کام کرنا بھی چاہتا تو اس کی طاقت سے زیادہ کام اس سے کبھی نہیں لیتے۔

محدث کبیر حضرت ضیاء المصطفیٰ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

''حافظ ملت علیہ الرحمہ ان انسانوں میں سے تھے جو اپنا کام خود کرنے میں کبھی عار نہیں سمجھتے تھے۔

خود راقم الحروف کے ساتھ جو واقعہ ہوا وہ بھی ملاحظہ کیجئے:

ایک بار کی بات ہے تعلیمی سال کا آغاز۔شروع شوال کی تاریخیں چل رہی تھی ،میں وطن سے آکر حضرت کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔حضرت بھی غالباً اسی دن مراد آباد سے تشریف لائے تھے۔پہونچا تو دیکھا حضرت آنگن میں صفائی کررہے ہیں۔سلام ومصافحہ کے بعد میں نے صفائی کا کام پورا کیا۔اور حضرت کا پلنگ جو آنگن میں تھا برآمدہ میں لے جانے کے لئے اٹھایا۔حضرت اس وقت اپنے تخت پر بیٹھے کسی کام میں مصروف تھے،پلنگ میری اوقات سے بھاری تھا جانہ سکا۔حضرت کی نظر پڑ گئی وہیں سے بولے نہیں نہیں نہیں اور آنگن میں پلنگ کے قریب آکر فرمایا''خبردار!یہ بات ہمیشہ یاد رہے کہ اپنی بساط سے زیادہ وزن کبھی نہیں اٹھانا چاہئے۔ایسا کرنے سے بعض اوقات سخت جسمانی نقصان ہوتا ہے۔''

طلبہ کی خیر خواہی :۔

حضور حافظ ملت کو طلبہ اولاد کی طرح عزیز تھے وہ ہمہ وقت ان کی بھلائی اور خیر خواہی کے متمنی رہا کرتے تھے۔وہ طلبہ کی کوتاہی پر ان کی سرزنش بھی فرماتے نصیحت بھی کرتے اور ان پر شفقت بھی لٹاتے۔

حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔

''ایک دن مجلس درس میں ارشاد فرمایا کہ استاذ شاگردوں کے فکر و ذہن کا معمار اور ان کی سیرت و کردار کا معالج ہوتا ہے اور ایک معالج کی بہترین جگہ بیماروں کا حلقہ ہے،تندرستوں کی انجمن نہیں ہے۔'' (حافظ ملت نمبر ص ۱۲۵)

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان ہمیشہ اور ہر حال میں علما و طلبہ،عوام و خواص کی خیر خواہی ملحوظ رکھتے گویا آپ ''النصح لکل مسلم''،ہر مسلمان کی خیر خواہی کا نمونہ تھے۔(مسلم شریف)

آپ درسگاہی نصیحتوں کے علاوہ التزام کے ساتھ سال میں دو تین بار اساتذہ اشرفیہ کی موجودگی میں تمام طلبہ کو مفید نصیحتوں سے نوازتے طلبہ الجامعۃ الاشرفیہ سے آپ کے خطاب کے ایسے ہی حسب ذیل دو نمونے پیش ہیں۔

طلبہ سے خطاب

مرتبہ: مولانا محمد عبد المبین مصباحی نعمانی

☆☆☆

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ خطاب اس وقت فرمایا جب کہ حضرت شمس العلما علامہ مولانا شمس الدین صاحب جونپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشرفیہ سے مستعفی ہوکر حافظ ملت کی عدم موجودگی میں تشریف لے جا چکے تھے اور طلبہ میں ایک ہنگامی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔

آپ نے یہ خطاب ۹/مئی ۱۹۷۶ء مطابق ۸/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ بروز یک شنبہ الجامعۃ الاشرفیہ کے شاہ ہال میں فرمایا:

خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا:

وقت بہت قیمتی چیز ہے، گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، وقت کا ضائع کرنا بہت بڑی بے وقوفی ہے اور خاص کر تعلیم کے اوقات کو تو بالکل ضائع نہیں کرنا چاہئے اس لیے کہ یہ سب سے قیمتی اوقات ہوتے ہیں تعلیم کے سلسلے میں طلبہ کو تین دور سے گذرنا پڑتا ہے پہلا درجہ مطالعہ کا ہے کہ کتاب پہلے خود سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

دوسرا یہ کہ استاذ جو سمجھا جائے اس کو غور سے سنا اور سمجھا جائے اور جو سمجھ میں نہ آئے دیانت کا تقاضا ہے کہ اس کو استاذ سے پوچھا جائے نہ سمجھنے کی صورت میں خاموش رہنا بڑی بددیانتی ہے۔

تیسرا درجہ ہے تکرار کا اس سے تدریس کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور پڑھانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔اب جو

طالب علم ان تینوں دور سے گذر کر تعلیم حاصل کرے گا۔ وہ یقیناً با صلاحیت ذی استعداد اور قابل ہوگا اور جس نے اس طریقے کو نہیں اپنایا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

بعض طلبہ سمجھتے ہیں کہ طالب علمی کا دور آزادی کا دور ہے اس میں جتنا چاہو کھیل کود لو حالانکہ یہ زمانہ انتہائی پابندی کا زمانہ ہے اس وقت جس چیز کی پابندی کی عادت پڑ جائے گی وہ ہمیشہ باقی رہے گی لہذا اس وقت طلبہ کو نہایت پابندی کے ساتھ اپنے اوقات کو کام میں لانا چاہئے تاکہ جب آپ یہاں سے فارغ ہو کر نکلیں تو ہر جگہ کامیاب ہوں اور آپ کا قول ہی نہیں آپ کا فعل و کردار بھی ہدایت کا کام کرے لوگ آپ کے کردار کو نمونہ بنائیں اور اس سے ہدایت حاصل کریں اور یہ اسی وقت ہوگا جب آپ پہلے یہاں ہر چیز میں پابندی کی عادت ڈال لیں گے، پڑھنے کے اوقات میں پڑھنے میں پورے انہماک کا ثبوت دیں گے اور اس کی پوری پابندی کریں گے، نماز میں جماعت کی پابندی کریں گے اور حقیقت میں نماز تو جماعت ہی کی نماز ہے ورنہ صرف فرض کی ادائیگی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

"اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ واٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُو مَعَ الرَّاکِعِین" (پ ۱، ۵)

نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

یعنی جماعت سے نماز پڑھو تو جماعت کی تاکید آئی ہے اس کے علاوہ احادیث میں بھی جماعت کی بہت تاکید آئی ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کی نماز بغیر جماعت کی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے اور ایک حدیث میں تو ہے کہ حضور نے جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے گھر جلانے کا ارادہ فرمایا تھا۔

آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آنا چاہئے بڑوں کی تعظیم کرنی چاہئے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا"

جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے، بڑے کی تعظیم و توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

کیا مطلب یعنی سرکار اس کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک رہے ہیں اور اپنی جماعت سے الگ فرما رہے ہیں بہت سخت لفظ ہے۔ "فلیس منا" کا یہ سرکار کا قول صرف پڑھنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے اور تعلیم کا دین کا اور اسلام کا بھی حاصل یہی ہے کہ سرکار کے اقوال کو پڑھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے اور اسی کے مطابق زندگی گزاری جائے ورنہ پڑھنا بیکار ہے۔

یہ عام باتیں تھیں جن کو میں اکثر کہا کرتا ہوں پھر دوہرا دیا ہے۔ بہر حال یہ آپ حضرات کی ذمہ داری ہے کہ نظام تعلیم و تعلم میں کسی قسم کا فرق نہ آئے۔ اشرفیہ کو بہر حال اس حال پر چلنا ہے پھولنا ہے اس کی پستی کو میں کسی طرح برداشت نہیں کرسکتا اس کے لیے "عبد العزیز" اپنی جان کھپا سکتا ہے اپنے کو مٹا سکتا ہے مگر آخری دم تک اس کی

پستی کو نہیں دیکھ سکتا۔

اشرفیہ برابر بڑھ رہا ہے، ترقی کر رہا ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ اشرفیہ نے جو اتنی ترقی کی ہے اور ترقی کرے، اس کا تعلیمی نظام بہتر سے بہتر ہو۔ آپ حضرات (طلبہ) محنت سے پڑھیں۔ اصل مقصد تعلیم ہے عمارت نہیں، عمارت تعلیم ہی کے لیے بنائی گئی اور ماشاء اللہ میں نے ایک نظر میں یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ اس وقت کے ہمارے اساتذہ سب کے سب نہایت ذی استعداد شفیق اور مہربان ہیں اور ہمیشہ سے ہمارے اساتذہ طلبہ پر شفقت کرتے رہے ہیں۔ ان سے ہمیں کچھ نہیں کہنا ہے ہمیں آپ سے ہی کہنا ہے کہ ان کا پورا پورا ادب ولحاظ کریں، ان کے وجود کو غنیمت جانیں، جی لگا کر پڑھیں، اپنے اوقات کو ضائع نہ کریں" (ماہنامہ اشرفیہ جنوری ۱۹۸۳ء ص ۱۱، ۱۲، ۲۳)

خلاصۂ خطبات:۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے خطبات سے طلبہ کی خیر خواہی اور اساتذہ کو ان کے فرائض منصبی کی یاد دہانی نیز باہمی آداب وشفقت سے متعلق حسب ذیل نظریات سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ وقت کی اہمیت

۲۔ زمانۂ تعلیم طلبہ کے لئے مجاہدہ وریاض کا زمانہ ہے۔ انہیں اپنی ساری توجہ حصول علم کی طرف مبذول کرنی چاہیے۔

۳۔ نماز با جماعت کی پابندی کا دور طالب علمی ہی میں عادی بن جانا چاہئے

۴۔ اساتذہ کا ادب واحترام، ان کے احکام کی پابندی نیز اراکین ادارہ (جامعہ) کا بھی ادب واحترام کرنا چاہئے۔

۵۔ اساتذہ اپنے فرائض منصبی یعنی طلبہ کی تعلیم وتربیت کی طرف بھرپور توجہ دیں نیز ان سے شفقت ومحبت سے پیش آئیں۔

(۱) وقت کی اہمیت:۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان طلبہ کے اوقات کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے۔ "اعظم المصائب فوت الوقت بلا فائدۃ" "اپنے وقت کو بیکار گذار دینا سب سے بڑی مصیبت ہے" اس ضمن میں ارشاد فرماتے جمعرات اور جمعہ کی چھٹیاں ہفتہ بھر میں پڑھے ہوئے اسباق کو دیکھنے کے لئے ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا "ہر سبق اس طرح پڑھنا چاہئے کہ اسی سبق کا امتحان دینا ہے"

طلبہ پر حافظ ملت کی نصیحتوں کا اثر یہ تھا کہ حضرت حافظ ملت کے تلامذہ میں اکثر جماعتیں ایسی ہوتی جن میں دو چار طلبہ بہت اچھے اور قابل ہوتے اور نسبتا جو اچھے نہیں ہوتے وہ بھی آج کے لائق ذکر طلبہ سے اچھے ہوتے۔

(معارف حافظ ملت ص ۶۴)

(ب) طلبہ کبر ونخوت سے بچیں:۔

محنت سے پڑھنے والے طلبہ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کبھی رشک کی منزل سے نکل کر حسد کی حد میں داخل ہو جاتی ہے اور کبر ونخوت کے ذہن میں ہم چنیں دیگرے نیست کا ظہور ہونے لگتا ہے۔

اس طرح کی ذہنیت کے خاتمہ کے لئے حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے قول کی روایت حضرت مولانا تفسیر القادری صاحب استاذ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی سے سن کر راقم کو بھی یاد آیا کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے۔

''ہر کہ داند کہ کل داند او ہیچ نداند، و ہر کہ داند کہ ہیچ نداند او کل داند''

جو اس گمان میں رہتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے وہ کچھ نہیں جانتا ہے اور جو اپنے بارے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا ہے وہ کل جانتا ہے۔ (معارف حافظ ملت ص ۶۴۔۶۵)

(ج) وضع علما:۔

حضرت حافظ ملت طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ''انسان اپنے معاشرے کے لباس و کردار میں رہتا ہے تو اس کی عزت ہوتی ہے اور جب انسان اپنے معاشرے کا لباس اور کردار چھوڑ دیتا ہے تو لوگوں کی نگاہوں سے گر جاتا ہے۔

''الناس باللباس'' کے مقولہ کو قدرے ترمیم سے فرماتے ''العلماء باللباس ''علما'' علما کے لباس میں رہیں تو ان کی عزت ہوگی۔ اس سلسلہ میں فرماتے، پنجابیوں کا طریقہ سر پر پگڑی باندھنا ہے ہاتھ میں کڑا پہننا ہے پنجابی اپنے اس شعار کے ساتھ دنیا میں جہاں بھی چلا جائے اس کی عزت ایک پنجابی کی حیثیت سے ہوگی۔ اور اگر وہی پنجابی اپنی پگڑی اتار دے، بال کٹوا لے، ہاتھ سے کڑا نکال دے تو اس کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا جس نگاہ سے پنجابی کو دیکھا جاتا ہے۔ (معارف حافظ ملت ص ۶۶)

(د) راقم الحروف کو ایک بار کسی جلسہ میں جانے کا حکم دیا ساتھ ہی ارشاد فرمایا شیروانی ضرور پہن لیجئے گا ورنہ کون سمجھے گا کہ مولانا بدر القادری یہی ہیں اسی طرح بمبئی میں عاشورا کے موقع پر شہید اعظم کانفرنس ہوتی تھی۔ حضرت پہلے تشریف لے گئے مجھ سے فرمایا آج آپ کو تقریر کرنی ہے۔ وقت پر شیروانی وغیرہ پہن کر پہونچ جایئے گا۔

(ہ) فارغ شدہ تلامذہ کی خیر خواہی:۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی خیر خواہی کا عنصر طلبہ کے دور طالب علمی ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ ہر ملاقات میں مفید نصیحتوں سے نوازتے، خطوط کے جواب میں خیر خواہی کا عنصر غالب رہتا، کسی کو کہیں خدمت دین کے لیے بھیجتے تو خلوص وللّٰہیت کے ساتھ کام کرنے کی تلقین کے ساتھ اس نوع خدمت میں بہتر کارکردگی کی صورتیں ضرور بیان فرماتے۔

راقم الحروف کو جامعہ مسعود العلوم چھوٹی تکیہ بہرائچ شریف غالبا ۱۹۷۲ء کے اواخر میں جانے کا حکم دیا تو فرمایا۔''انسان کتنا ہی قابل ہو اگر پہلے سبق میں کامیاب ہو گیا تو کامیاب مدرس شمار کیا جائے گا''

حضرت حافظ ملت کی اس نصیحت پر عمل کا ثمرہ جو ظاہر ہوا وہ آج بھی مسعود العلوم کے بام و در سے پوچھا جا سکتا ہے۔اسی طرح ہر ایک کو مفید نصیحتوں کے ساتھ ہی کہیں بھیجتے۔اب ان خیر خواہی کی نصیحتوں پر عمل کرنا ہمارا اپنا کام تھا۔ کسی کو کہیں بھیجتے وقت خیر خواہانہ کبھی یہ نصیحت بھی فرماتے''طلبہ سے خدمت لینا کچھ عیب کی بات نہیں ہے مگر خدمت کے ایسے انداز سے پرہیز ضروری ہے جس سے کسی کو شکایت اور فتنہ انگیزی کا موقع ملے۔

کبھی فرماتے بہرہ اور گونگا بن کر کام کرنے سے کام ہوتا ہے۔یعنی کس نے کیا کہا گویا ہم نے سنا ہی نہیں یہ بہرہ پن ہوا۔اور فتنے کی باتیں جب نہ سننے کی منزل میں ہیں تو زبان سے جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں یہ گونگا پن ہوا۔(معارف حافظ ملت ص ۶۷)

طلبہ کو خدمت دین کی تلقین:

حافظ ملت نے اپنے تلامذہ کے لئے خدمت علم کو ریاضت و مجاہدہ کی حیثیت دیدی تھی۔غیر مدرس علما کو وظائف و اوراد بھی تعلیم فرماتے۔روحانی ورزش بھی کراتے اور بزرگان دین اور مشائخ سلاسل کے اعمال و اشغال بھی عطا کرتے مگر اورادو وظائف طالب کی حیثیت کے لحاظ سے ہی ہوتے۔

دارالعلوم اشرفیہ کے ایک فاضل فراغت کے ایک سال بعد تدریسی خدمت کے زمانے میں حضرت کے پاس آئے حصول برکت اور طلب دعا کے ساتھ ساتھ دعائے گنج العرش اور درود اکبر پڑھنے کی اجازت طلب کی۔حضرت نے اجازت دیدی۔انہوں نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ حضور دلائل الخیرات شریف کی بھی اجازت عطا ہو۔فرمایا صوفی (۱) نہیں بننا ہے خدمت دین کے لیے پڑھایا ہے۔(معارف حافظ ملت ص ۵۷)

ہر جہت سے طلبہ کی خیر خواہی:

حضرت حافظ ملت اپنے طلبہ کے لئے صرف ایک مثالی معلم ہی نہیں تھے،وہ ان کے مربی و کفیل اور معالج و مسیحا بھی تھے۔انہیں دور طالب علمی میں کس طرح رہنا ہے،عملی میدان میں اترنے کے بعد کس طرح کامیابی حاصل کرنی ہے وغیرہ ہر جہت سے نصیحت کرتے،کامیابی کا گر سکھاتے۔

تندرستی کی اہمیت:

کہاوت ہے''تندرستی ہزار نعمت ہے''اگر انسان صحت مند نہیں ہوگا تو نہ تو دنیا کے کام کر سکتا ہے نہ دین کے۔

(۱) حضرت حافظ ملت اپنے شاگردوں کو صحت کا خیال رکھنے کی خصوصی تاکید فرماتے تھے۔مولانا محمد اسلم صاحب اس سلسلے میں اپنا ایک واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

''راقم الحروف ایک بار جمشید پور جاتے وقت طلب دعا کے لیے حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا: مروجہ کھانے سے جسم میں جان تو باقی رہے گی مگر کام کرنے کی طاقت نہیں ملے گی۔ تادم آخر کام کرنے کے لیے صحت ضروری ہے اس لیے کچھ طاقت کی چیزوں کا استعمال ضرور رکھو اور مختصر تنخواہ میں ہوگا بھی کیا کم از کم دو ایک چھوہارا اور ایک پاؤ دودھ کا استعمال رکھو۔'' (معارف حافظ ملت ص ۵۹)

(ب) راقم الحروف کو بھی حضرت حافظ ملت نے صحت اورقوت جسمانی کی طرف خیال کرنے کی تلقین فرمائی۔ ایک بار حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے جسمانی قویٰ کی طرف مجھے ان الفاظ میں متوجہ فرمایا۔

''اپنی صحت، اور جسمانی قوت کی طرف خیال کیجیے، دین اور دنیا کا ہر کام تندرستی چاہتا ہے۔ دین کی اچھی خدمت بھی اچھی صحت اور تندرستی پر موقوف ہے۔ اس لئے صحت اور تندرستی کا اہتمام کرنا چاہیے''

(ج) دانتوں کی حفاظت کا عمل:

دانتوں کی موجودگی میں انسان کی زبان سے صاف او رشتہ انداز میں کلمات کا ظہور ہوتا ہے اور متکلم کی پوری بات مخاطب بڑی آسانی سے سمجھ لیتا ہے لہذا تدریس وتقریر نیز نعتیہ ومنقبتیہ کلام سے خدمت دین اور تبلیغ میں دانتوں کی حفاظت اور صحت کا لحاظ بھی ناگزیر امر ہے۔

حضرت مولانا محمد اسلم صاحب مصباحی عزیزی کے سامنے ایک بار حضرت حافظ ملت نے دانتوں کی حفاظت کا عمل اس طرح بیان فرمایا:۔

''وضو کرتے وقت کلی کرنے کے بعد اوپر کے سامنے والے دانتوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر "ایاک نعبد" پڑھتے ہوئے شہادت کی انگلی کو دائیں طرف مسوڑے تک لیجائے پھر اوپر کے سامنے والے دانتوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر "ایاک نستعین" پڑھتے ہوئے بائیں طرف مسوڑے تک شہادت کی انگلی لے جائے پھر اسی ترتیب سے نیچے کے سامنے والے دانتوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر "ایاک نعبد" پڑھتے ہوئے دائیں طرف شہادت کی انگلی لے جائے پھر نیچے کے سامنے والے دانتوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر "ایاک نستعین" پڑھتے ہوئے بائیں طرف شہادت کی انگلی لے جائے۔ تیسری مرتبہ نیچے اور اوپر کے دانتوں کو ملا کر شہادت کی انگلی اس طرح سامنے والے دانتوں پر رکھے کہ نیچے اور اوپر کے دانتوں پر شہادت کی انگلی پڑے اور "ایاک نعبد" پڑھتے ہوئے دائیں طرف شہادت کی انگلی لے جایئے پھر بائیں طرف "ایاک نستعین "پڑھتے ہوئے شہادت کی انگلی لے جائے۔

پھر ارشاد فرمایا: اس ترکیب پر عمل کرنے سے انشاء المولیٰ تعالی عامل کے دانت عامل کے ساتھ قبر میں جائیں گے یعنی تادم آخر دانت محفوظ رہیں گے''۔ (معارف حافظ ملت ص ۵۹۔۶۰)

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اس عمل سے دانتوں کے ساتھ بے احتیاطی کے باوجود ان کے دانت آج تک محفوظ ہیں۔ (ایضاص ۶۰)

تقریر کے سلسلے میں نصیحت :

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ اپنے طلبہ کو وعظ وتقریر کے سلسلے میں بھی نصیحت فرماتے تھے۔

چونکہ وعظ وتقریر بھی تبلیغ اور اصلاح کا ایک ذریعہ ہے لہذا مؤثر تقریر سے عوام کے دل و دماغ پر اثر ہوتا ہے اور وہ حق قبول کر کے اپنے عقائد واعمال پختہ و درست کرتے ہیں لہذا مقرر کو چاہئے کہ تقریر کا ایسا انداز اختیار کرے جسے عوام وخواص سبھی پسند کریں اور جو ہر ایک کو متاثر کر سکے۔

اس سلسلے میں راقم الحروف اپنا ایک واقعہ نقل کر رہا ہے :۔

وعظ وتقریر کا مقصد :۔

مبارکپور محلہ پرانی بستی میں حاجی رحمت اللہ صاحب کے آنگن میں میلاد شریف کی مجلس آراستہ تھی، حافظ ملت میر مجلس تھے۔مبتدی طلبہ مشقی تقریریں کر رہے تھے۔حضرت کا اشارہ پا کر میں بھی کھڑا ہوا۔اور رٹی رٹائی ہوئی ایک دس منٹ کی تقریر کر ڈالی تقریر کا ابتدائیہ کچھ اس طرح تھا۔

''نقش نقاش کے وجود پر دلیل، تصویر، مصور کے وجود پر برہان، اور مصنوع، صانع کے وجود پر حجت ناممکن ہے کہ نقش کو دیکھیں اور نقاش کے وجود کا یقین نہ ہو۔

ہم لوگوں کی یہ عادت تھی کہ تقریر وغیرہ کرنے میں سامعین سے زیادہ حضرت کے ردعمل پر دھیان دیتے تھے۔میری تقریر پر حضرت سرخمیدہ، رومال منہ پر رکھے ہوئے تبسم فرماتے رہے۔میلاد شریف ختم ہوا، تو حضرت نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''ایک نواب صاحب کی حکایت ہے کہ وہ ایک بار اپنی زمینداری کا دورہ کرنے گئے۔بہت سے کسان مزدور یہ سن کر کہ نواب صاحب آئے ہیں۔حاضر ہوئے نواب صاحب نے ان پڑھ، گنوار مزدوروں سے ان کی زبان میں مخاطب ہونے کے بجائے فارسی زبان میں بایں الفاظ گل افشانی کی۔امسال بر کشت گندم تقاطر امطار شد کہ نہ شد۔وشد تو چنداں شد۔؟ دہقان مزدوروں نے نواب صاحب کا کلام بلیغ سنا تو باہم یہ کہتے ہوئے ان کے پاس سے چلتے بنے۔کہ بھیا لوگو! چلو نواب صاحب ابھی قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔وہی حال آپ کا ہے۔بھلا بتایئے ان لوگوں میں، برہان وحجت کو کون سمجھے گا؟ ہر بات مخاطب کے لحاظ سے کہی جاتی ہے وعظ اور تقریر کا مقصد لوگوں کو دینی اسلامی مفید باتیں بتانا ہے جن باتوں کو لوگ سمجھیں گے ہی نہیں، ان سے فائدہ کس طرح اٹھائیں گے؟

اسی طرح مضامین تقریر کے انتخاب کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار فرمایا۔

''وعظ اور تقریر میں ایسے مضامین ہوں، جن سے پہلے خود مقرر کا دل متاثر ہوا ہو۔ایسی باتیں سننے والوں کو بھی متاثر کرتی ہیں۔

ع ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد

تقریر اور تردید کا موثر طریقہ:۔

حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز نے طلبہ میں پختہ صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کے ساتھ تقریر و تردید سے بھی دینی خدمت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ آپ طلبہ کو یہ ذہن دیتے تھے کہ تردیدی تقریر کا موثر طریقہ یہ ہے کہ اپنے مسلک کو قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ سے ثابت کر دیا جائے اس میں یہ بھی خیال رکھا جائے کہ مجمع میں کچھ لوگ پڑھے لکھے ہوتے ہیں کچھ لوگ کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور کچھ بالکل ناخواندہ لہذا تقریر ایسی ہونی چاہئے کہ سب لوگ اپنے اپنے معیار اور سمجھ کے مطابق کچھ لے کر جائیں۔

اس کا خاطر خواہ اثر بھی ہوا اور آپ کے طلبہ نے آپ کی نصیحت پر عمل کر کے ہمیشہ بد مذاہب کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی۔

درس حق گوئی:۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ایک نائب رسول، ایک عالم ربانی وہ مرد مومن اور شیر خدا ہوتا ہے جو سخت سے سخت ابتلا وآزمائش کے ماحول میں بھی کسی مصلحت سے سمجھوتہ نہیں کرتا۔ وہ ہر حال میں حق کا پرچم بلند رکھتا ہے چاہے اسے دار ورسن کی منزل سے ہی کیوں نہ گزرنا پڑ جائے۔

طالبان علوم دینیہ ہی مستقبل کے قومی وملی قائد ہوتے ہیں، ملت کی صلاح وفلاح کی اہم ذمہ داری انہی کے سر ہوتی ہے لہذا حضرت حافظ ملت اپنی تربیت گاہ سے ایسے علما نکالتے تھے جو علم وقلم کے دھنی بھی ہوں اور سبھی شعبہ ہائے حیات انسانی میں جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کر کے غلبۂ اسلام کا کارنامہ انجام دیں۔

حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی تحریر کرتے ہیں:

''حضور حافظ ملت نے ہمیشہ طلبہ کو اس بات کا درس دیا کہ حق بات ضرور کہو خواہ اس کے لیے کتنے ہی ابتلا وآزمائش کے مرحلوں سے گزرنا پڑے۔" افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر " آپ نے ہمیشہ طالبانِ علم نبوت کے جائز موقف کی حمایت کی اور مصلحتوں کے سامنے سرنگوں نہ کر کے ہمیشہ ان کی علمی انا اور جذبۂ حق گوئی کو مجروح ہونے سے بچایا۔ اشرفیہ کی زندگی میں بارہا ایسے مقامات آئے جب طلبہ نے ایسی حق بات برملا کہہ دی جس سے بعض حضرات کے پندار کو ٹھیس پہونچتی تھی۔ بعض مصلحت اندیشوں نے طلبہ کے اقدامات کو نقصان دہ قرار دیا۔ مگر حضور حافظ ملت نے ہمیشہ مسرت کا اظہار فرمایا۔ اس لیے کہ ان کی مدبرانہ فراست یہ پسند نہیں فرماتی تھی کہ جن طلبہ کے کاندھوں پر

مستقبل قریب میں ملت کی قیادت وامامت کا بوجھ پڑنے والا ہے۔ ان کو مصلحتوں کا پابند بنادیا جائے۔

(حافظ ملت نمبر ص ۳۳۶)

استعداد کے ساتھ اخلاص:۔

حضور حافظ ملت اپنے طلبہ کو ہر اچھائی اور سچائی کی نصیحت فرماتے تھے۔ آپ خلوص کے ساتھ دین کی خدمت انجام دینے کی بابت فرماتے تھے۔

مسلمان کو دنیا میں زیادہ آرام کی تلاش میں نہیں پڑنا چاہئے کام زندگی ہے اور آرام موت۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے اہل انتظام کے اندر کئی بار میری جگہ کسی اور کو شعبہ نشریات میں رکھنے کی گفتگو اٹھائی گئی۔ شدہ شدہ ایک بار اس کی خبر مجھے بھی ہوئی اتفاق سے اسی روز حضرت کی خدمت میں جانا ہوا۔ دوران گفتگو آپ نے فرمایا میاں! کام کرنے کے لیے صلاحیت اور استعداد کے ساتھ ساتھ اخلاص بھی بہت ضروری ہے۔

طلبہ پر شفقت:۔

طلبہ، حضور حافظ ملت کے بوستان تدریس وتربیت کے گل بوٹے تھے۔ ان گل بوٹوں اور چمنستان اشرفیہ کو بہاروں کا شباب عطا کرنے کے لیے آپ نے اپنا خون جگر تک لٹا دیا۔ طلبہ پر آپ باپ کی طرح شفیق تھے۔

ایک باپ بھی بعض اوقات اپنے چند بیٹوں کے درمیان اپنی محبت وشفقت کا توازن قائم نہیں کرپاتا اور کسی کے ساتھ امتیازی شفقت کرتا ہے اور دوسرے کے ساتھ کم التفاتی کرتا ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حافظ ملت کے تلامذہ میں کوئی ایک بھی تو ایسا نہیں ملتا جسے ان کی عدم التفاتی کا شکوہ ہو۔

علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں۔

''حافظ ملت کا مشفقانہ سلوک کتنا عجیب وغریب تھا کہ ہر شخص اس خیال میں مگن رہتا تھا کہ حضرت مجھ ہی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ محبت کی متوازن تقسیم یوں بھی ہوسکتی تھی کہ ہر شخص یہ محسوس کرتا کہ حضرت سب کو مساوی طور پر چاہتے ہیں۔ لیکن ہر شخص کی یہ خوش عقیدگی کہ حضرت مجھی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں بلا شبہہ شفقت ہی کا نہیں بلکہ ذہانت وتدبر کا بھی کمال ہے۔ اور حیرت دو چند ہوجاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ تلامذہ کی یہ خوش عقیدگی عارضی نہیں تھی جسے کسی وقتی التفات کا نتیجہ قرار دیا جائے اور پھر نئے تجربات کے بعد ان کا احساس بدل جائے۔ بلکہ یہ خیال ایک بار جس کے دل میں جاگزیں ہوا رگ جاں کی طرح زندگی بھر کا رفیق ہوگیا'' (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۲۳)

اس باب میں حافظ ملت علیہ الرحمہ اولیاے کبار کے مظہر نظر آتے ہیں جن کو رب تعالیٰ نے شان محبوبیت سے نوازا تھا جن کا ہر اہل ارادت یہی خیال کرتا تھا کہ آقائے نعمت سب سے زیادہ مجھ پر کرم فرماتے ہیں۔ حافظ ملت پر یہ خصوصی فیضان غوثیت ہے کہ ان کا ہر تلمیذ ومرید اس بادۂ احساس سے سرشار ہے۔

یہی علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ مزید فرماتے ہیں:

''استاذ شاگرد کا تعلق عالم طور پر حلقۂ درس تک محدود ہوتا ہے لیکن اپنے تلامذہ کے ساتھ حافظ ملت کے تعلقات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ پوری درسگاہ اس کے ایک گوشے میں سما جائے ۔ یہ انہی کے قلب ونظر کی ناپیدا کنار وسعت اورانہی کے جگر کا بے پایاں حوصلہ تھا کہ اپنے حلقۂ درس میں داخل ہونے والے طالب علم کی بیشمار ذمہ داریاں وہ اپنے سر لے لیتے تھے ۔ طالب علم درسگاہ میں بیٹھے تو کتاب پڑھائیں، باہر رہے تو اخلاق وکردار کی نگرانی کریں، مجلس خاص میں شریک ہو تو ایک عالم دین کے محاسن واوصاف سے روشناس فرمائیں، بیمار پڑ جائے تو نقوش وتعویذات سے اس کا علاج کریں ، تنگدستی کا شکار ہو جائے تو مالی کفالت فرمائیں پڑھ کر فارغ ہو جائے تو ملازمت دلوائیں اور ملازمت کے دوران کوئی مشکل پیش آئے تو اس کی بھی عقدہ کشائی فرمائیں ۔ طالب علم کی نجی زندگی شادی بیاہ دکھ، سکھ سے لے کر خاندان تک کے مسائل میں دخیل وکارفرما ۔ طالب علم زیر درس رہے یا فارغ ہو کر باہر چلا جائے ایک شفیق باپ کی طرح ہر حال میں سرپرست اورکفیل ۔ اس طرح کی ہمہ گیر اور ہمہ وقت شفقت ایک باپ سے تو ضرور متوقع ہے لیکن آج کی دنیا میں ایک استاذ سے ہرگز متوقع نہیں ہے ۔ یہی ہے وہ جو ہر منفرد جس نے حافظ ملت کو اپنے اقران ومعاصرین کے درمیان ایک معمار زندگی کی حیثیت سے ممتاز اور نمایاں کر دیا ہے ۔

اور یہ لطیف نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ دل کے کسی ایوان میں شفقت ومحبت تنہا سکونت پذیر نہیں ہوتی بلکہ اپنے بے شمار اعوان وانصار کے جھرمٹ میں رہتی ہے تحمل، ایثار، اخلاص، بلند ہمتی، حلم و درگزر، استقامت واستقلال، ہمدردی وغمگساری، احسان وکرم، سخاوت وفیاضی، بے غرضی واستغنا، مشقت وپرسوزی، خیر خواہی وخوش اندیشی، اور صبر وضبط یہ کل کے کل شفقت ومحبت ہی کی انجمن کے حاشیہ نشین اور ارکان مجلس ہیں ۔ اس لیے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حافظ ملت اپنے دور کے ایک بے مثال شفیق استاذ تھے تو اسی ذیل میں ہم اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ان محاسن میں بھی وہ اپنے عہد کے ایک منفرد معلم تھے ، ایک منفرد مربی تھے'' (حافظ ملت نمبر ص ۱۲۴، ۱۲۵)

لاریب مدرسین اور طلبہ ہی حافظ ملت کے دبستان عمل کے گل بوٹے تھے ۔ علما میں مدرسین کی آپ بہت قدر کرتے تھے، مقررین کا درجہ ان کے بعد تھا۔ جب اپنے کسی شاگرد کو کہیں مدرس کی حیثیت سے روانہ فرماتے تو خاص ہدایتیں دیتے ۔ اور وہاں کے ماحول اور ضرورت دینی کی جانب متوجہ کرتے ۔ تقریری دورہ پر جاتے تو جس علاقہ میں پہونچتے وہاں کے مدرسہ اور علما سے مل کر بیحد خوش ہوتے اور مفید مشوروں سے نوازتے، ترقی کی راہ بتاتے اور ضرورت محسوس کرتے تو اپنے اہل محبت وابستگان سلسلہ سے اس مقامی ادارہ کا تعاون کرنے کی خصوصی اپیل کرتے ۔ طلبہ پر بیحد شفقت فرماتے ۔ جب بھی کسی طالب علم کو مخاطب فرماتے تو اس کے درجہ کا لحاظ فرماتے ہوئے مولوی صاحب ! حافظ صاحب یا قاری صاحب کہہ کر بلاتے ۔ طلبہ کی حوصلہ افزائی کے طور پر انہیں شاباشی دیتے تعریف کرتے اور انعام سے نوازتے ۔ غریب طلبہ کی خفیہ طور پر مالی امداد کرتے ۔ اور اگر کوئی طالب علم اپنی خانگی تنگ حالی کے سبب ترک تعلیم کا قصد

کرتا تو آپ اس کی خاص طور پر مدد کرتے اور اس کے اخراجات اپنے ذمہ کرم پر لے کر اس کی تعلیم مکمل کراتے۔

حضور حافظ ملت اپنے طلبہ کے لیے صرف استاذ ہی نہیں تھے بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر ان کی راہنمائی اور ہر طرح کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فراغت کے بعد میدان عمل کا انتخاب بھی حضور استاذ العلما ہی فرمایا کرتے تھے اور میدان عمل کے نشیب وفراز اور راہ کی دشواریوں میں ان کا کرم ہمیشہ شامل حال رہا کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اشرفیہ سے جدا ہونے کے بعد بھی ان کے طلبہ ان کی شخصیت کو مرکز ثقل تصور کرتے تھے۔ اور ان کے قدموں سے وابستگی میں اپنی نجات تصور کرتے تھے۔ (حافظ ملت نمبر ص ۳۳۹)

طلبہ اور ان کے اہل وعیال تک کی کفالت:

مولانا محمد احمد مصباحی راوی ہیں: مولانا قاری محمد حسین اعظمی امام جامع مسجد جکسلائی جمشید پور نے فرمایا:

''جب میں اشرفیہ میں زیر تعلیم تھا، ایک وقت والد صاحب نے خانگی پریشانیوں کی وجہ سے، مجھے تعلیم چھوڑنے کے لیے کہا۔ لیکن حافظ ملت کو معلوم ہوا تو انہوں نے تکمیل کا حکم دیا۔ اور میری کفالت خود اپنے ذمہ کر لی بعد میں والد صاحب نے میری شادی کردی کہ شاید اس وجہ سے ترک تعلیم پر مجبور ہو، مگر حافظ ملت نے میرے ساتھ میری اہلیہ کے اخراجات کا بھی ذمہ لے لیا۔ اور کئی سال یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ میری فراغت ہوگئی۔ (انوار حافظ ملت ص ۱۴)

ایک منفرد شفیق استاذ:۔

طلبہ پر شفقت وکرم نوازی کا جذبہ کسی خارجی محرک کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ آپ کی پاکیزہ فطرت ہی میں داخل تھا دیکھا گیا ہے کہ عام طور سے اساتذہ اپنے محنتی ذہین اور وفا شناس شاگردوں ہی پر شفقت کے پھول برساتے ہیں اور انہیں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں لیکن حضرت کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ کند ذہن سے کند ذہن طلبہ کو بھی اسی طرح عزیز رکھتے تھے جس طرح ذہین سے ذہین اور لائق وفائق شاگردوں کو رکھا جاتا ہے۔

آپ کا دربار آغوش پدر کی طرح شفقتوں سے معطر اپنے ہر بچہ کے لیے کھلا ہوا تھا۔ ستھرا ہو یا میلا ہر کسی کو شفقت پدری کے ساتھ سینے سے لگاتے تھے۔ آپ کو کسی بھی طالب علم کو بڑے سے بڑے قصور پر مدرسہ سے اخراج ایسا لگتا تھا جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو عاق کردے یا جسم کے کسی بیمار عضو کو کاٹ کر جدا کر دیا جائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ نیکوکار، صلاح پذیر اور اچھے طلبہ کو چاہنا استاذ کا کمال نہیں بلکہ یہ کمال تو شاگرد کا ہے کہ اس نے خود کو چاہے جانے کے قابل بنالیا۔ استاذ کا کمال تو یہ ہے کہ جو چاہے جانے کے قابل نہ ہو اس کی اصلاح کر کے، اسے چاہے جانے کے قابل بنادے۔

ع مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

مگر آج افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ عام طور سے کمزور طلبہ کو دودھ کی مکھی کی طرح مدرسہ سے نکال پھینکا جاتا ہے، اور یہ نہیں سوچا جاتا کہ بعض کم استعداد طلبہ ہی دین کے لیے بڑے مفید ہوتے ہیں جب کہ بعض قابل

ناکارے نکلتے ہیں۔ حضور حافظ ملت اس سے خوب خوب واقف تھے۔ اور اسی پر عمل پیرا بھی۔

بچوں سے عزیز طلبہ:۔

علامہ قمر الزماں صاحب اعظمی تحریر فرماتے ہیں:

''مگر حضور حافظ ملت نے طلبہ کے اندر احساس برتری پیدا فرمایا۔ قوم کے اندر مہمان رسول کی حیثیت سے ان کا تعارف کرایا۔ اور عوام سے مطالبہ فرمایا کہ وہ طلبہ کا احترام کریں۔ چنانچہ مبارکپور کے عوام نے طلبہ کو اس قدر احترام کی نگاہ سے دیکھا کہ اس کی مثال کہیں سے نہ مل سکے گی۔ ہندوستان کی تمام درسگاہوں میں اساتذہ اور طلبہ کے درمیان خادم و مخدوم کا رشتہ ہوتا ہے۔ لیکن الجامعۃ الاشرفیہ کے مخدوم گرامی وقار نے اپنے طلبہ کو اپنے بچوں سے زیادہ عزیز تصور فرمایا۔ اور طلبہ کو اتنی محبت عطا فرمائی کہ وہ اپنے حقیقی والدین کی محبت ان کی عنایتوں پر قربان کردیں۔ اپنے ہی شاگردوں کو مولانا کہہ کر یاد فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اشرفیہ کے جملہ اساتذہ اپنے طلبہ کو اسی طرح یاد کرتے ہیں۔ جس طرح حضور حافظ ملت یاد فرمایا کرتے تھے''۔ (حافظ ملت نمبر ص ۳۴۷)

راقم پر کرم فرمائی کا ایک واقعہ:

ایک دن کی بات ہے چار بجے چھٹی ہوتے ہی ہم دونوں (جناب عبدالقادر بھائی اور راقم الحروف) پرانے مدرسہ پر پہونچ کر کھیل میں مصروف ہوگئے۔ اس بات سے بے خبر کہ کون آرہا ہے اور کون جارہا ہے۔ حضرت دیر سے تشریف لائے، ہم نے انہیں آتے ہوئے نہیں دیکھا، ہم تو اس وقت چونکے جب محلّہ کے ایک لڑکے نے کہا۔ السلام علیکم، مولانا ابا! ہم بوکھلاہٹ میں کھیل سے ہاتھ جھٹک کر کھڑے ہوگئے۔ حضرت نے نزدیک آکر پوچھا۔ کیا آج مدرسہ نہیں گئے (مخاطب ہم دونوں تھے) جیلانی بھائی بول پڑے۔ گیا کیوں نہیں تھا؟ ابھی تو آرہا ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ ''ہم لوگ چھٹی ہوتے ہی فوراً چلے آئے''۔

حضرت نے اپنی رہائش گاہ کا دروازہ کھولا، اور ہم لوگوں کو آنے کے لیے فرما کر اندر تشریف لے گئے۔ ڈبہ سے حلوا نکالا اور ہم لوگوں کو عنایت کیا۔

شاہزادگان صدر الشریعہ اور حافظ ملت کی نیازمندانہ عنایات:

تلامذہ پر حافظ ملت کی کرم نوازی سے تاریخ عزیزی لبریز ہے، مگر استاذ محترم حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے شہزادگان کے ساتھ یہ عنایات و کرم کا بادل موسلا دھار برستا تھا۔ فرزندان صدر الشریعہ میں سے بعض کو گودوں میں کھلا کر بڑا کیا اور وہی شعور کو پہونچے تو احترام وعقیدت کی کامل رعایت کے ساتھ ان کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ اور انہیں تاعمر تاج سر بنا کر رکھا۔

حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ امجدی بن صدر الشریعہ علیہ الرحمہ انہی خوش نصیبوں میں سے ہیں۔

فرماتے ہیں:

''انہوں نے مجھے گود کھلایا۔ جب مبارکپور جامعہ اشرفیہ میں صدرالمدرسین ہوکرتشریف لائے تو میری عمر سات سال تھی میں درجہ حفظ میں داخل تھا مگر میری رہائش اور طعام کا حضرت سیدی حافظ ملت قدس سرہ نے اپنے پاس انتظام فرمایا تھا۔ اور یہ تخصیص محض حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کی نہیں تھی بلکہ حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے تمام شہزادگان اور پوتوں کے ساتھ جنہوں نے مبارکپور میں تعلیم پائی حافظ ملت کا یہی برتاؤ تھا۔ چنانچہ مولوی قمرالہدیٰ صاحب (صدرالشریعہ کے پوتے) کی تعلیم اورخوردونوش کے سلسلہ میں حضور صدرالشریعہ کے نام مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا۔

''ان کا خوردونوش میرے ساتھ ہے۔ اور میں حضور ہی کا کھاتا ہوں اس لیے حضور اس کا قطعا خیال نہ فرمائیں۔ حضور کی دعا کافی ہے'' (مکتوب حافظ ملت محررہ ۲ر صفر المظفر ۱۳۶۹ھ)

محترم قاری رضاء المصطفیٰ صاحب ۷؍سال کے تھے کہ حافظ ملت کے سایۂ تربیت میں آگئے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ان کی طفلانہ شرارتوں کو بھی اپنے اخلاق کریمانہ سے بطیب خاطر قبول کیا۔ بچوں کے ساتھ کھیلنے کودنے کی دھن میں کبھی گھنٹوں غائب رہتے۔ مگر حافظ ملت جب تک انہیں تلاش کراکے ساتھ بیٹھا نہ لیتے کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔ ۷؍سال کے بچے کو سکھاتے پڑھاتے جوان کردیا حافظ قرآن، قاریٔ بے بدل کے ساتھ درس نظامیہ کی تکمیل کرادی اور ساتھ ہی ساتھ تربیت اخلاق کا پورا پورا اہتمام فرمایا۔ اور پھر عملی میدان میں اتارا تو خود ادب واحترام فرماتے۔ ان کا نہیں استاذ محترم کی نسبت کا احترام۔ محترم قاری صاحب فرماتے ہیں:

''پاکستان سے جب میں گھر (گھوسی) پہونچتا۔ تو مجھ سے ملنے کے لیے دوسرے ہی روز حضرت قادری منزل تشریف لاتے۔ بارہا میں نے درخواست کی کہ حضور میں تو خود حاضر ہونے والا تھا تو فرماتے تھے مجھے خود آکر ملاقات کرنے سے مسرت حاصل ہوتی ہے''۔ (اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۴۴۶)

مولانا قاری رضاء المصطفیٰ امجدی خطیب نیو میمن مسجد کراچی فرماتے ہیں:

''بسا اوقات حضرت چھوٹے چھوٹے جملوں میں نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ اور جب بھی ناصحانہ انداز میں کوئی بات فرماتے تو حضرت کی گویائی میں اس قدر تاثر ہوتا۔ جیسے کہ مخاطب کے دل پر آہستہ آہستہ نصیحت نقش فرمارہے ہوں یہی وجہ ہے کہ اکثر نصیحتیں اب بھی میرے دل پر نقش ہیں''۔ (اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۴۴۶)

علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری فرماتے ہیں:

''حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے وصال کے دوسال کے بعد شوال ۱۳۶۹ھ میں حضرت والدہ ماجدہ نے تحصیل علم کی غرض سے مجھے مبارکپور بھیج دیا، ساتھ ہی حضور حافظ ملت سے اکتساب فیض کی سخت تاکیدیں بھی فرمادیں۔ بالآخر میں نے دوران تحصیل میں دس سال تک حضرت کی کفش برداری کا شرف حاصل کیا۔ اور شدت کے ساتھ یہ احساس بیدار ہوگیا کہ حافظ ملت صرف علم ہی کے کوہ گراں نہیں ہیں بلکہ وہ تعلیم وتربیت اور شفقت ومحبت میں بھی ایک شفیق باپ کی طرح ہیں۔ آپ نے ایک حد تک ہمارا داغ یتیمی بھی مٹادیا۔ (المصباح ص ۱۳)

شفقت کا پیارا انداز:۔

مولانا محمد اسلم عزیزی مصباحی لکھتے ہیں:

’’کوئی بچہ یا طالب علم یا ماتحت جب ایسا کوئی کام کر جاتا ہے جو غیر مناسب ہو تو ایسے موقع پر گدھا، بیوقوف، بے عقل، بدھو کہنے کا عام رواج ہے مگر اس طرح کے مواقع پر حضور حافظ ملت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا نہ گدھا کہتے نہ بیوقوف اور نہ بے عقل فرماتے نہ بدھو بلکہ بڑے پیار بھرے انداز میں فرماتے ’’ارے جنتی‘‘!

(معارف حافظ ملت ص ۱۱۶)

جوہر شناسی اور شخصیت سازی:۔

جلالۃ العلم، استاذ العلما حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان صرف ایک منفرد معلم ہی نہیں تھے، عظیم ماہر تعلیم بھی تھے اور ماہر نفسیات بھی جو انسانوں کے اذہان ومزاج اور فطرت کی گرہیں کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور پھر اس کے مزاج وفطرت کے مطابق اسے ڈھالتا ہے، نکھارتا اور سنوارتا ہے۔

آپ کے اندر جوہر شناسی ومردم شناسی کا ایسا جوہر موجود تھا کہ آپ ایک نظر میں انسان کی فطرت اور اس کے اندر پوشیدہ صلاحیت کو پرکھ لیتے تھے۔

راکھ سے سونے کے باریک ذرات کو چھان کر الگ کر لینا آپ کا کمال تھا۔ گڈری میں چھپے لعل کو آپ کی نگاہیں شناخت کر لیتی تھیں۔

ع   نگاہ وہ نہیں جو سرخ وسبز پہچانے

اور پھر اس جوہر کی پرورش کے لیے حوصلہ افزا داد وتحسین اور مناسب ہدایات وتدابیر سے نوازتے۔ اس طرح بہت سے نوآموز آپ کی نگاہ کرم کا سہارا پا کر بام عروج تک جا پہونچے۔

آپ نے ایسی مومنانہ نگاہ پائی تھی کہ جس پر ڈال دی اس کی تقدیر بدل دی۔

ع   نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

دنیائے تعلیم وتعلم میں اچھے اساتذہ، مخلص مدرسین ہمیشہ ہی پائے گئے ہیں جن کے دلوں میں تلامذہ تک اپنا علم منتقل کرنے کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔ مگر اس جذبہ کے ساتھ ساتھ شاگردوں کے لیے حضرت حافظ ملت میں کچھ اور ایسی باتیں ضرور تھیں جو انہیں اور اساتذہ سے ممتاز کرتی ہیں۔ جوہر شناسی کا کمال ان میں بدرجۂ اتم تھا شفقتوں اور ہمدردیوں کی پوری فراوانی کے ساتھ طلبہ کی خوبیوں کی پرورش کرنا ان کا کمال تھا۔ کسی کو تدریس میں دلچسپی لیتے دیکھا تو اسی رُخ سے اس کی ذہن سازی کی۔ کسی کو افتا کے لائق سمجھا تو اس کی داشت وپرداخت میں ویسا ہی طریقہ اپنایا یا کسی کو تبلیغ وارشاد کا اہل سمجھا تو اس کو اسی ماحول میں پروان چڑھانے کی راہیں بتائیں کسی کا وعظ وتقریر کی جانب میلان دیکھا تو اس کے مقرر بنانے کی سعی کی گویا کہ طلبہ کے سادہ وصاف لوح ذہن پر نقوش تو تمام مدرسین ومعلمین ہی بناتے

ہیں حافظ ملت کی خصوصیت یہ ہے کہ جس ذہن کو جس نقش کے لائق سمجھا وہی نقش رقم کیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ عدم دلچسپی اس نقش کو مٹادے بلکہ طبعی میلان اور ذہنی ساخت کی مطابقت اس عنصر خاص کو چمکا دے اور نظری رجحان کی پسندیدگی طالب کو اس ''فن خاص'' کا ماہر بنادے۔

نقش ہیں سب نا تمام خون جگر کے بغیر
عشق ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

ا۔حضور حافظ ملت کی جوہر شناسی کی بابت علامہ یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

''آپ کی زندگی کی ایک شاہکار خصوصیت یہ بھی ہے کہ مبارکپور کی درسگاہ علم وفن سے ایسے طلبہ کی ایک خاص نہج پر تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دی جو علم دین کے متعدد شعبوں میں اپنی صلاحیت کا استعمال کر کے کچھ مثالی خدمات انجام دے سکیں۔آپ کے اندر جوہر شناسی کی خاص خوبی تھی۔طلبہ کی ذہانت وزیرکی، محنت اور کدو کاوش، سلامت فطرت رجحان طبع بلند خیال، میدان عمل کی تعیین ان سب چیزوں کو حافظ ملت قدس سرہ کی دور بیں نگاہیں ایک ہی نظر میں تاڑ لیتیں''

(حافظ ملت نمبر ص ۳۹۶)

۲۔علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

رئیس یاد ہیں لاکھوں حکایتیں لیکن
کوئی سنے تو سناؤں کوئی کہے تو کہوں

''جس خصوص میں انہوں نے اپنے عصر ہی نہیں بلکہ اپنے ماضی کے بھی ہزاروں علما کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا ہے وہ ہے ان کی مردم سازی۔اور نسل انسانی کے احیا کا مشن، اور وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ اس کا تسلسل موت کا فرشتہ بھی نہیں توڑ سکا۔علم وآگہی اور شخصیت سازی کا جو چشمۂ فیض ان کی حیات ظاہری میں جاری تھا وہ آج بھی جامعہ کے احاطے میں ابل رہا ہے''

''ان کی فکر رسا نے اچھی طرح اس حقیقت کا سراغ لگالیا تھا کہ کوئی قوم نہ اپنے قائد کے بغیر اپنا وجود باقی رکھ سکتی ہے۔اور نہ ہی اپنے تشخص کا تحفظ کرسکتی ہے۔اور یہ نکتہ بھی ان کی نگاہ سے مخفی نہیں تھا کہ تعلیم کے بغیر قیادت کی صلاحیت کا ابھرنا ممکن نہیں ہے۔

اس لیے حقائق کی روشنی میں انہوں نے ایک ایسے آفاقی سطح کے دینی تعلیمی مرکز کے قیام کا فیصلہ کیا جہاں سے علما اسلام کی بارآور نسل ہمیشہ پیدا ہوتی رہے۔(انوار حافظ ملت ص ۱۹)

بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے لے کر اب تک عالم اسلام کے منظر نامہ پر جو درخشاں وتاباں شخصیتیں علم ودانش کی روشنی، فکر وتدبیر کی خوشبو لٹاتی ہوئی قوم وملت کی قیادت ورہبری کا فریضہ انجام دیتی ہوئی نظر آرہی ہیں ان میں بیشتر وہی صاحبان عظمت ہیں جنہیں حضرت حافظ ملت نے نکھارا اور سنوارا ہے اور جن کی شخصیت سازی فرمائی ہے۔

حوصلہ افزائی:۔

آج عام رجحان یہ ہے کہ کسی کے لیے چند کلمات خیر کہنا بھی لوگ اپنی عظمت شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ بات اگر صرف اس منزل تک ہو کہ کسی نا اہل کو نوازنا نوازش کی توہین اور فاسد قوتوں کو بڑھاوا دیا ہے تو خیر۔ مگر یہ بھی کوئی احتیاط ہے کہ کسی حقدار کو چند حوصلہ افزا جملوں سے بھی محروم رکھا جائے۔

حضور حافظ ملت اپنے زیر تعلیم تلامذہ ہی کو نہیں، فارغ التحصیل تلامذہ بلکہ ہر فن کے فنکار کو حسب حیثیت نوازتے تھے بجا تعریف اور حوصلہ افزائی میں انہوں نے کبھی بخل نہیں کیا۔ اسٹیج پر علما کو مدارس میں مدرسین کو، درس گاہوں میں طلبہ کو ان کی لیاقت، قابلیت اور صلاحیت کے اعتبار سے نوازتے، ان کی زبان سے نکلے ہوئے کرامت آثار جملے اور حیات بخش حوصلے، مخفی قوتوں کو ابھارنے، سوتی صلاحیتوں کو جگانے، کم صلاحیت کو باصلاحیت، اور با صلاحیت کو ممتاز بنانے میں نسخۂ کیمیا ثابت ہوتے۔

مولانا لیس اختر مصباحی اس سچائی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

”حافظ ملت کی زندگی میں حوصلہ افزائی کے شواہد بڑی کثرت سے ملیں گے۔ بعض کم فہم لوگوں کو ان کے ہمت افزا کلمات سے اپنے بارے میں غلط فہمی بھی پیدا ہو جاتی۔ اور بعض جان بوجھ کر بھی مناسب راہ نکالتے مگر بالغ نظر اور بلند حوصلہ افراد ہمیشہ اس کا مطلب یہی سمجھتے کہ حضرت یہ اس لیے فرما رہے ہیں تا کہ ہم کچھ کرتے رہیں۔ اور کسی لائق بنیں، تاہم اس کا عام فائدہ یہ ہوتا کہ کوئی مایوسی کا شکار نہ ہوتا۔ اور محنت وعمل کے جذبات کو بڑی توانائی ملتی۔ اور یہ خیال قطعاً نہ ہوتا کہ نہ میں کسی لائق ہوں۔ نہ ہو سکتا ہوں۔ در اصل یہ تصور ہر ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ جب کہ ہمت وحوصلہ ترقی کا بہت مضبوط زینہ ہے“ (انوار حافظ ملت ص ۴۰)

آپ مزید بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ بہت ہی پریشانیوں اور بے التفاتیوں کا شکار رہتے مگر حضرت کی مجلس میں پہنچتے تو ان کا ایک ہی جملہ ہمارے سارے غم والم کو کافور کر دیتا۔ وہ فرماتے ہیں: ۳۱ رمئی ۱۹۷۶ء کو ان کا وصال ہوا تو پورے مبارکپور ہی نہیں پورے ملک میں افسردگی اور غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ اشرفیہ کے در و دیوار کی پژمردگی اور اداسی کا کیا حال رہا ہوگا۔ اسی منظر کو اشرفیہ کی فضا میں سانس لینے اور شب و روز گزارنے والے حساس شاعر نے دیکھا اور محسوس کیا تو اسے الفاظ کے قالب میں اس طرح ڈھالا۔

سہمی سہمی فضا ہے تھر تھراتا ہے جگر
رہنمائے ملت اسلامیاں جاتا رہا
گلستان جامعہ پر چھا گئی پژمردگی
خون دل سے سینچنے والا کہاں جاتا رہا

جامعہ کا ذرہ ذرہ کررہا ہے یہ سوال
ہائے اخترؔ میرا وہ محسن کہاں جاتا رہا
(انوار حافظ ملت ص ۴۳)

شاگرد نوازی:

مولانا مبین الہدیٰ گیاوی تحریر کرتے ہیں:
اپنے شاگردوں کی دینی خدمات کو سراہنا، ان کے کارناموں پر ان کی حوصلہ افزائی کرنا، انہیں اپنی دعاؤں سے نوازنا، اور ان کی قابلیتوں کا برملا اعتراف کرنا حافظ ملت کی ایسی دلنواز ادائیں ہیں جن کا جواب نہیں میرے والد ماجد کے نام مکتوبات حافظ ملت کے تراشے ملاحظہ فرمائیں جن میں آپ نے اپنے چند شاگردوں سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے:
مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب کے متعلق تحریر فرمایا:
''مسند ارشاد کے آپ مسند نشین ہیں مولائے قدیر ہمیشہ شاد وآباد رکھے''
''آپ کی دینی خدمات سے بے حد مسرت ہے خصوصا اس وقت بلوں کے بند کرنے میں جو نمایاں کام کیا ہے وہ ضرور قابل تحسین ولائق ستائش ہے۔ پوسٹر بہت ہی شاندار، مضمون نہایت بلند پایہ اور زوردار ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ذریعہ ہدایت قرار دے۔ مولائے کریم آپ کے فیوض وبرکات عالمگیر فرمائے۔ دیہی علاقوں کے لیے قابل مدرسین فراہم ہوجائیں، عزائم ومقاصد میں پوری پوری کامیابی ہو، بہ سہولت سامان واسباب مہیا ہوں''۔
عزیزی تجمل ہدیٰ بفضلہٖ تعالیٰ صالح ہیں، علم وفضل کے ساتھ زیور عمل سے آراستہ اور خلیق ہیں ایسے نوجوان فی زمانہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں''۔ (حافظ ملت نمبر ۳۰۴)

مولانا عبید اللہ خاں اعظمی کی حوصلہ افزائی:

میرے دور طالب علمی کی بات ہے موضع ابراہیم پور میں جلسہ تھا، حافظ ملت علیہ الرحمہ صدارت فرما رہے تھے۔ علمائے اشرفیہ تشریف فرما تھے۔ طلبہ کا مزاج ہے کہ ہر نووارد مقرر کو اپنے معیار پر پرکھتے ہیں۔ اگر کوئی درسگاہی علوم کا چنداں ماہر نہیں ہے تو اس کی تقریر وخطاب کو بھی اعتراض کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ گویا اسے تقریر کرنے کا حق ہی نہیں۔ اس زمانہ میں مولانا حافظ عبید اللہ اعظمی تقریری میدان میں نئے نئے ابھرے تھے۔''حضرت کے اسٹیج پر تشریف لانے سے پہلے ہی ان کی تقریر ہوئی۔ اور انہوں نے اپنے دھواں دھار انداز میں الفاظ وتراکیب کے گل بوٹوں سے سجی سنوری تقریر فرمائی۔ ایک سماں بندھ گیا۔ مولانا اعظمی ابتدائی دور ہی سے حافظ ملت کے بیحد شیدائی ہیں اور اپنی خطیبانہ صلاحیتوں کو حافظ ملت کی دعاؤں کا ثمرہ قرار دیتے ہیں۔
ہم لوگ اس انتظار میں رہے کہ دیکھئے حضرت انہیں کس انداز میں سراہتے ہیں اور کس طرح ان کی حوصلہ افزائی

کرتے ہیں۔ حافظ ملت کی صدارتی تقریر شروع ہوئی تو انہوں نے مولانا اعظمی کے بارے میں فرمایا ''ماشاء اللہ حافظ عبید اللہ صاحب تقریر کی مشین ہیں''

حضرت کے یہ الفاظ سن کر ہم لوگ حیران رہ گئے اور آج پورے ہندوستان کو اس بات کا یقین کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ مولانا اعظمی واقعی تقریر وخطابت کی مشین ہیں۔

بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب:

ایک بار حضور حافظ ملت نے حضرت مفتی عبد المنان صاحب اعظمی کے بارے میں جلسۂ عام میں فرمایا:

''ہمارے مفتی صاحب بحر العلوم ہیں ان کے سامنے پچاسوں کتابیں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں''

آخری یادگار:۔

ایک بار حضرت مولانا نصیر الدین صاحب پلاموی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ کے حق میں فرمایا: ''یہ میری آخری یادگار ہیں''۔

طلبہ اشرفیہ کے ہوں یا کسی اور مدرسہ کے، ذہین وذی استعداد طلبہ کی دل کھول کر تعریف فرماتے اور اس طرح آپ کی حوصلہ افزائی سے ان کے اندر ایک نئی توانائی پیدا ہو جاتی۔

حافظ ملت ۱۹۵۰ء میں دار العلوم عتیقیہ تلشی پور ضلع گونڈہ طلبہ کا امتحان لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ کافیہ کا امتحان ہو رہا تھا۔ آپ نے ایک طالب علم سے پوچھا۔

سوال: فاعل کی تعریف میں تقدیم فعل کی قید کیوں لگائی گئی ہے۔

جواب:۔ فاعل اور مبتدا میں امتیاز کے لیے یہ قید لگانا ضروری ہے۔

اس نحوی سوال کے برجستہ اور کافی جواب پر حافظ ملت بیحد خوش ہوئے۔ اور انہوں نے ایسے الفاظ میں اس طالب علم کو شاباشی دی اور اس کی محنتوں کو سراہا جن کی حلاوت نے اس کی زندگی میں ایک انقلاب کی بناء ڈال دی۔ آگے چل کر وہی طالب علم حافظ ملت کی درسگاہ سے فارغ ہوا اور انہی کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے تدریس کی دنیا میں مولانا عبد اللہ خاں عزیزی مصباحی کے نام سے متعارف ہوا۔ الحمد للہ آج کل انہوں نے تفسیر مدارک شریف کی شرح تحریر فرمائی ہے۔

یہی حضرت علامہ عبد اللہ خاں عزیزی بیان فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ حافظ ملت غریب خانہ پر تشریف لے گئے۔ مجلس مولود منعقد ہوئی۔ عقیدت کیشوں اور نیاز مندوں کا اژدحام تھا۔ جلسۂ وعظ میں اس وقت رونق افروز ہوئے۔ جب برادر محترم مولانا عبد الرحیم خان صاحب عزیزی بڑے پُر جوش انداز میں تقریر فرما رہے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان بہجت وسرور کے ساتھ ان کی تقریر سماعت فرماتے رہے اثنائے تقریر میں آپ کی زبان مبارک سے بار بار سبحان اللہ ماشاء اللہ کے کلمات ادا ہوئے، میں خوب محسوس کر رہا تھا کہ

تقریر سے محظوظ ہونے کے علاوہ مولانا موصوف کی ہمت افزائی اس لیے فرمارہے ہیں کہ آپ کی عظیم شخصیت سے مرعوبیت کے باعث تقریر کی روانی وجوش بیانی میں خلل نہ واقع ہوجائے برادر مکرم کی تقریر ختم ہوئی اور حضرت والا پندو نصائح کے لیے کرسی پر جلوہ افروز ہوئے تقریبا آدھ گھنٹہ تک ان کی تقریر پر گرانقدر تبصرہ فرماتے رہے تبصرہ کیا فرمارہے تھے رائی کو پہاڑ کی بلندی عطا فرمارہے تھے ذرہ کو آفتاب کی تابانی بخش رہے تھے۔(حافظ ملت نمبر ص ۱۷۳)

مولانا قاری محمد نور الحق مبارکپوری اپنے عہد طالب علمی میں تقریر وغیرہ سے زیادہ دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ اتفاق سے انہی کے گھر میلاد شریف تھا۔ وہ سامنے ہی موجود تھے۔ حضرت حافظ ملت نے ان سے ابتدائی تقریر کے لیے فرمایا۔ وہ تو بہت شش و پنج میں پڑے۔ مگر یہاں تو نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ خود بیان کرتے ہیں:

''مجبوراً کھڑا ہوگیا اور جو کچھ رٹی رٹائی تقریر یاد تھی ہانپتے کانپتے سناڈالی دوران تقریر حضرت برابر حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرماتے رہے گویا بڑی کامیاب تقریر ہورہی ہے۔ جب تقریر ختم ہوگئی تو ارشاد فرمایا:

''ماشاء اللہ آپ نے فی البدیہہ اتنی کامیاب تقریر کردی اگر تیاری کے بعد بولیں گے تو کیا عالم ہوگا'' جناب حافظ ممتاز احمد واصف بھوجپوری (حضرت کے داماد) حافظ ملت کے تاریخی سفر حج وزیارت کے موقع پر، مشایعت کے لیے بمبئی تک گئے تھے۔ حضرت جب جہاز میں سوار ہونے کے لیے لوگوں سے جدا ہونے لگے تو تمام اہل محبت کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ واصف صاحب وفور شوق میں زور سے رو پڑے۔ حضرت نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا

''فکر نہ کرو، انشاء اللہ ممتاز ممتاز رہے گا''

شاگردوں سے عذر خواہی:

حضور حافظ ملت کا طریقہ تھا کہ دستار بندی کے بعد تلامذہ کو جمع کر کے نہایت دردمندانہ انداز میں نصائح فرماتے اور اگر نادانستگی میں کسی کا دل دکھا ہو تو اس کی عذر خواہی کرتے کہ۔

''اس طویل دور طالب علمی میں میرا آپ لوگوں سے اور آپ لوگوں کا مجھ سے (کیمیا گر اور مسِ خام، جوہری اور سنگ ناتراش، آئینہ ساز اور شیشۂ ناصاف جیسا) تعلق تھا اگر میری کسی بات پر کسی کی دل آزاری یا تکلیف ہوئی ہو تو مجھے معاف کریں۔ اب آپ حضرات خود ذمہ دار عالم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دین کی خدمت عبادت سمجھ کر سرانجام دینے کے لیے کمربستہ ہوں اور ذمہ داریوں کا احساس پیدا کریں۔ جائیے مولیٰ تعالیٰ آپ لوگوں کا حامی وناصر ہے۔

تدریسی خصوصیات:

اسلامی دانش گاہیں، جامعات، دارالعلوم اور مدارس قوم وملت کے ذہن وفکر کو تعمیر وترقی کی راہ پر لگانے کے لیے افراد تیار کرتے ہیں۔ دین ودانش کے فروغ اور ارتقا میں ان کی حیثیت بنیادی ہوتی ہے۔ جس قوم کی تعلیم گاہ بے راہرو افراد کے ہاتھوں میں ہو یا اساتذہ سوز دروں سے خالی ہوں، وہاں کے طلبہ تعمیر وترقی کے مفہوم سے نابلد ہوں گے۔ غرض چند غیر معیاری اور حرص وطمع نیز مادی مفاد کا ذہن رکھنے والی علمی انجمنوں سے روح اور ضمیر کی بالیدگی کا کام کبھی نہیں لیا

جاسکتا۔ مسلمانوں کے قدیم معاشرہ میں اساتذہ علم کو اپنے سینے میں خدائی امانت خیال فرماتے تھے اور طلبہ کے سینے تک اسے نہایت دیانت، فراخدلی اور محنت ومحبت سے منتقل کیا کرتے تھے۔ دور حاضر میں جن کی نظیر نہیں ملتی۔

حافظ ملت انہی اساتذۂ کرام کے سلسلة الذہب کی کڑی تھے۔ مدرسہ اور دارالعلوم ہی ان کا میدان عمل تھا جس چٹائی پر بیٹھ کر وہ حالات زمانہ کے تغیر وتبدل پر نگاہ دوڑاتے تھے۔ عالم اسلام اور خصوصا برصغیر کے مسلمانوں کے مستقبل کا تحفظ چاہتے تھے۔ وہ اپنی درسگاہ کے ہر طالب علم کو قوم وملت کا سچا محافظ بنانے کی سعی فرماتے تھے۔ وہ اپنے تلامذہ میں علمی گہرائی، ذوق مطالعہ، تحقیق وجستجو کا جذبہ، جرأت مندی، خود اعتمادی ووثوق علمی، غیرت وحمیت، بے باکی وشجاعت اور اخلاق عالیہ پیدا کرتے تھے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تربیت دینے میں وہ اپنے عہد میں منفرد تھے۔

حدیث وتفسیر نیز معقولات کی تمام متداول کتابیں آپ کے روبرو آئینہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ جس فن کی کتاب کا درس دیتے محسوس ہوتا کہ آپ اسی فن کے ماہر ہیں۔ تفہیم کا انداز نہایت جنچا تلا، سنجیدہ، روح عبارت اور شروح کو سمیٹے ہوئے ہوتا۔ ذہین وفطین طلبہ دوران مطالعہ اعتراضات ومسائل کے انبار ذہن میں لے کر درسگاہ میں بیٹھتے مگر حافظ ملت کی درسی تقریر اعتراضات کے خس وخاشاک کو صاف کرتی چلی جاتی تھی۔ انداز ایسا دلنشیں، سہل اور نفس مسئلہ سے متعلق ہوتا کہ ادق سے ادق مسائل پانی پانی ہوجاتے۔ ذہین وزیرک طلبہ عش عش کر اٹھتے اور درس کی تکمیل پر نئی بشاشت اور انشراح محسوس کرتے۔

حافظ ملت نے تمام فنون کی کتابیں جو طالب علمی کے زمانے میں پڑھیں، ان کا کوئی گوشہ گوشہ اس عہد میں تشنۂ تحقیق نہ رہنے دیا۔ خود ان کا فرمان ہے:

''دور طالب علمی میں میرا طریقہ یہ تھا کہ جتنے اسباق پڑھنے ہوتے سب مطالعہ میں حل کرتا، اس کے متعلق اعتراضات وجوابات پر غور کرتا پھر درسگاہ میں حاضری ہوتی اور وہاں جو بتایا جاتا بغور سنتا، جو سوال ذہن میں ہوتا اگر درس سے اس کا جواب حل نہ ہوتا تو پوچھ کر جواب حاصل کرتا پھر روزانہ ہر سبق کا اعادہ اور اس کی تکرار رفقائے درس کو کراتا پھر آئندہ سال وہ اسباق نیچے والی جماعت کے طلبہ کو بطور اعادہ وتکرار پڑھاتا اس طرح ہر کتاب اور ہر سبق پڑھنے ہی کے زمانہ میں متعدد بار نظر سے گزر چکا ہوتا۔ دوبار مطالعہ ودرس کے طور پر اور دوبار تکرار اور پڑھانے کے طور پر''۔ (بروایت علامہ محمد احمد مصباحی، انوار حافظ ملت ص ۱۴۸)

حضور حافظ ملت فرمایا کرتے:

''ہم نے حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمہ سے علم بھی سیکھا اور پڑھانے کا طریقہ بھی''

ایک بار آپ نے فرمایا: ''مطالعہ میں عبارت کی مراد ذہن نشین کرلینے کے بعد درس گاہ میں اس کی تقریر کرتے وقت نگاہ عبارت پر ہونی چاہئے ورنہ غلطی ہوسکتی ہے اور تقریر درس بھی مصنف کی ترتیب کے مطابق ہونی چاہئے اس طرح طلبہ کے لیے فہم کتاب آسان ہوتا ہے'' (بروایت مولانا محمد اسلم مصباحی گورکھپوری)

مولانا محمد اسلم صاحب نے حضرت حافظ ملت کے طریقۂ تدریس کی جو خصوصیات بیان فرمائی ہیں ان کا خلاصہ یہاں لکھا جاتا ہے:

☆ زیر درس کتاب کی تفہیم کراتے، نہ شرح کے مضامین کا بیان کرتے نہ حواشی کا ذکر فرماتے۔

☆ مصنف کے بیان کردہ اعتراض وجواب پر اکتفا کرتے، مصنف نے اگر اعتراض ذکر کیے بغیر جواب دیا ہے تو اعتراض کی وضاحت کر کے جواب کی تشریح فرماتے۔

☆ اعتراض کی وضاحت کرتے وقت مصنف کی عبارت میں مورد اعتراض کا تعین بھی فرماتے، معترض کی دلیل کے جس حصہ کو لے کر مجیب کا جواب ہوتا اس کا بھی تعین کرتے۔

☆ اختلاف اقوال سامنے ہونے کی صورت مین مفتی بہ قول کو مبرہن فرماتے۔

☆ حنفی وشافعی اختلاف عبارت میں ہوتا تو مسلک حنفی کی ترجیح قدرے بسط سے فرماتے۔

☆ فقہ وتفسیر وحدیث کی وہ عبارتیں جن سے اہل سنت کی حقانیت ثابت ہوتی ہے انہیں تفصیل سے بیان فرما کر بد مذہبوں کا بطلان دلائل قاہرہ سے فرماتے۔

☆ ہر کتاب کا سبق پڑھانے سے قبل عبارت خوانی ضرور کرواتے۔ (ملخصا معارف حافظ ملت ص ۴۵)

مطالعہ کی اہمیت:

حضور حافظ ملت طلبہ کو مطالعہ کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتے:

علم چھوٹی کتابوں میں ہے انہیں چھوٹی کتابوں کے قواعد کی روشنی میں مطالعہ کی ترغیب یوں دلاتے کہ:

''مطالعہ ضرور کرو اگر چہ مصنف کی مراد کے برعکس مطالعہ میں سمجھو مگر دیکھو ضرور، کچھ ایام اس طرح مطالعہ میں گزرتے گزرتے وہ دن بھی آئے گا کہ کچھ صحیح بھی دیکھنے لگوگے، یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے اس منزل پر پہنچ جائے گا کہ مطالعہ میں عبارت کی مراد تم از خود نکال سکوگے، اس منزل پر پہنچنے کے بعد اب درسگاہ میں صرف اس لیے جانا ہوگا کہ استاذ کی تقریر وترجمہ اور بیان مطلب سے اپنے مطالعہ کی صحت کی توثیق ہوجائے۔ مطالعہ میں اگر کہیں کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اس کی صحت ہوجائے''

اس معیار پر پہنچنے کے بعد عبارت پڑھنے والوں سے شاذ و نادر ہی غلطی ہوتی ہے اور غلطی بھی ایسی کہ ادنیٰ اشارہ بھی صحت کے لیے کافی ہوجاتا ہے پھر بھی حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان عبارت بغور سماعت فرماتے۔ شاید یہ اس لیے تھا کہ طلبہ کے ذوق مطالعہ میں کمی نہ آنے پائے اور طلبہ کی صلاحیت کا اندازہ ہو سکے۔ (معارف حافظ ملت ص ۵۱)

علم چھوٹی کتابوں میں ہے:

حضرت مولانا عبد اللہ خاں صاحب عزیزی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت حافظ ملت فرمایا کرتے تھے:

''علم اونچی کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ہر فن کی ابتدائی اور بنیادی کتابوں سے ملتا ہے''

اور یہ حقیقت بھی ہے مثلاً علم نحو کے بنیادی قوانین جو ''ھدایۃ النحو'' میں موجود ہیں اس فن کی وسیع کتاب شرح جامی ان نحوی قوانین میں کیا اضافہ کرتی ہے؟ اس لیے تعلیم کا یہ طریقہ ہونا چاہئے کہ طلبہ کو فن کی مختصر اور بنیادی کتابیں ذہن نشین کرادی جائیں اور متعلقہ فن کی مطول کتابوں کے بالمقابل ابتدائی کتابوں پر زیادہ توجہ دی جائے۔ اگر ہر فن کی جڑیں مستحکم ہوں گی تو ان کی توضیح وتشریح پر مبنی کتابوں سے خاطر خواہ فائدہ ہوسکتا ہے۔ اصول وقواعد کی لازمی کتابوں کے ذہن نشین کرانے کا آسان طریقہ تمرین اور مشق ہے اس ضمن میں آپ نے فرمایا'' مطول کتب مثلاً شرح جامی میں نکتہ بعد الوقوع کی کثرت، اصول وقواعد کے علل واسباب کی تشریح ہے۔ یہ تشریحات ذہنی انجلا کے لیے مفید ضرور ہیں۔ مگر عبارت فہمی کے لیے جن قواعد کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے یہ تشریحات بے سود ہیں''

(حافظ ملت افکار اور کارنامے ص ۳۹)

ممتاز طریقۂ درس:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ممتاز طریقۂ درس کی بابت محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری تحریر فرماتے ہیں:

'' آپ کی درسی تقریروں کی بھی یہ شان تھی کہ کم الفاظ میں اسرار ونکات کی موشگافیاں بیان فرماتے۔ جو طالب علم جس قدر تیار ہوکر آتا اتنا ہی محظوظ ہوتا۔ آپ کی اختصار پسندی کی وجہ سے بعض کم ذوق طلبہ کو کہتے سنا جاتا کہ حافظ ملت کے اس اختصار کے باوجود ان کی شہرت تدریس فہم سے بالاتر ہے۔

دراصل یہ آپ کا تدریسی کمال تھا کہ اعتراضات واشکالات خود بخود حل ہوجاتے۔ ایک بار اس ناچیز سے فرمایا کہ میں نے ہندوستان کے مقتدر اساتذہ کا طریقۂ درس دیکھا ہے اکثر حضرات درس میں بسط وتفصیل کے ساتھ مالہ وماعلیہ سے بحث کرتے تھے............لیکن حضرت ایسا نہیں کرتے؟ فرمایا: صدر الشریعہ قدس سرہ بہت اختصار سے کام لیتے اور تمام بحثوں کو چند الفاظ میں سمیٹ لیتے۔ کامیاب طریقۂ درس یہی ہے۔ اور میں اسی کا پابند ہوں۔

درس کے ساتھ اصلاح وتربیت:

حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز کے طریقۂ تعلیم کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ درس میں موقع بموقع اصلاح وتربیت بھی فرماتے رہتے اور ساتھ ہی علمی نکات بھی بیان کرتے۔ آپ کا مطمح نظر یہ ہوتا کہ طلبہ کے اندر عملی جذبات، فکری واعتقادی پختگی، فنون زیر درس میں رسوخ اور کمال پیدا ہو۔

حدیث پاک کے درس میں وہ مواقع نہایت اہم ہوتے جب آپ فرامین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلام کی صداقت، مشرکین وکفار اور ملحدین کی گمراہی، اہلسنت کی حقانیت، فرق باطلہ کی ضلالت وبطلان بیان فرماتے۔ مسلک حنفیت کی افضلیت کے دلائل وبراہین واشگاف فرماتے:

عمر کے آخری سالوں میں باہری دوروں، جلسوں کی مصروفیات کے باعث کئی کئی روز درس کا ناغہ ہوجاتا تھا

اس کے باوجود آپ ہمیشہ نصاب کی تکمیل کرادیا کرتے تھے اور مقررہ اساتذہ کے بالمقابل آپ کے یہاں مقدار تعلیم زیادہ ہوتی تھی۔

اسے علامہ محمد احمد صاحب مصباحی کی زبانی ملاحظہ کریں:

''تقریری جلسوں سے متعلق ناغوں کے باوجود ان کے یہاں مقدار تعلیم زیادہ ہوتی خصوصا بخاری شریف کی دونوں جلدیں ہمیشہ ختم کراتے اور یہ ختم بھی اس طرح نہ ہوتا جیسا کہ بعض درسگاہوں کا رواج ہے کہ محض عبارت خوانی ہی پر درس مکمل ہوگیا بلکہ حافظ ملت ہر سبق کی مناسب اور جامع تقریر کرتے۔ بخاری کے آخری پاروں میں جہاں احادیث عموما سابقہ پاروں میں بار بار گزری ہوئی ملتی ہیں کم از کم ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت اور تطبیق چند لفظوں میں ضرور بتادیتے۔'' (انوار حافظ ملت ص ۳۵)

درس حدیث میں حضور حافظ ملت روایت ودرایت کے لحاظ سے مذہب حنفیت کو بھی اجاگر کرتے تھے۔

مولانا محمد اسلم مصباحی اس جماعت میں شامل تھے جس کے بعد حضرت حافظ ملت نے کسی جماعت کو مکمل بخاری شریف نہیں پڑھائی وہ فرماتے ہیں کہ حضرت نے اس سال بھی سبقا سبقا اپنے مکمل تدریسی اوصاف کے ساتھ بخاری شریف کی دونوں جلدین ختم کرائیں۔ (ملخصا معارف حافظ ملت ص ۴۶)

پہلی حدیث کا درس:

حافظ ملت کی درسگاہ میں زانوئے تلمذ تہ کرنے والے حدیث نبوی "انما الاعمال بالنیات" "وانما لامرئ مانوی" بخاری شریف کی پہلی حدیث کا لطف اور سوز وگداز، اور اس کی اثر آفرینی کو نہیں بھول سکتے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا اس حدیث شریف سے اس لیے آغاز فرمایا ہے کہ حدیث شریف پڑھنے والوں کو اخلاص فی الدین کی تعلیم دیں۔ اور یہ بتائیں کہ علوم نبوی (علی صاحبھا الف صلوٰۃ) سے استفادہ کما حقہ وہی کرسکتا ہے، جس کی نیت بخیر ہو، جو شخص اس علم شریف کو خلوص وللہیت سے حاصل کرے گا۔ وہ رسول اکرم ﷺ کے انوار علم اور تجلیات فیض سے بہرہ ور ہوگا۔ اور جسے اخلاص کی دولت مل جائے وہ دنیاوی دولت سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ اخلاص کی دولت قلب کو مستغنی بنادیتی ہے۔ اور اصل مالداری تو قلب کا غنا ہے۔ اس ضمن میں آپ اخلاص وللہیت کے فوائد بیان کرتے۔ اور عدم اخلاص کی مضرتوں اور اس اکی ہولنا کیوں سے باخبر کرتے۔ گویا بخاری شریف کا پہلا درس ہی اتنا موثر اور اخلاص آموز ہوتا کہ باصلاحیت متعلمین نہال ہوجاتے۔ آپ بسا اوقات فرماتے:

علم پر عمل:

انسان چاہے کتنا بھی علم حاصل کرلے اگر اس کی عملی زندگی میں علم کا کوئی اثر نمایاں نہ ہو تو ایسا علم اس کے لئے بے سود ہے۔ علم کے ساتھ اخلاص یہ ہے کہ جتنا بھی پڑھو یہ ارادہ کرکے پڑھو کہ اس پر عمل کی پوری کوشش کروگے''

عصر حاضر کی یونیورسٹیوں کے لکچرار متعلقہ موضوع پر تیار ہو کر آتے ہیں اور لکچر دیتے ہیں جسے طلبہ ذہن میں رکھ کر قید تحریر میں لاتے ہیں۔ دراصل یہ طریقۂ تدریس اس لیے رائج ہوا ہے کہ طلبہ صرف کتابی کیڑے بن کر نہ رہ جائیں بلکہ درسی کتابوں سے ہٹ کر مطالعہ کی عادت ڈالیں اور اپنے اندر اس موضوع پر علمی وسعت پیدا کریں۔

یورپ اور امریکہ میں یہ طریقۂ تدریس رائج ہوئے بمشکل ۴۰ رسال ہوئے ہوں گے مگر حضور حافظ ملت کے یہاں تقریر کا یہ طریقہ شروع سے ہی رائج تھا۔

علامہ قمر الزماں صاحب۔ اعظمی مقیم برطانیہ لکھتے ہیں :۔

''حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے بھی ہمیشہ لفظ بہ لفظ ترجمے سے احتراز فرمایا بلکہ کتاب اور مبحث کو سامنے رکھ کر ایسی تقریر فرماتے تھے جو موضوع کے تمام جزئیات اور کتاب کی عبارت کو حاوی ہوتی تھی اور طلبہ کے ذہنوں میں علم کا ایک خزانہ منتقل کر دیتی تھی۔ ان کے اس طریقۂ تدریس نے طلبہ کو مطالعہ کا پابند بنا دیا تھا۔

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ ان طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے تھے جو اپنے مطالعہ کی روشنی میں ان سے سوالات کرتے تھے۔

سوالات بیدار ذہن کی علامت ہیں:

حضرت کی پوری تدریسی زندگی میں ایک بھی ایسی مثال نہیں دی جاسکتی کہ آپ نے سوال کو نظر انداز فرمادیا ہو یا سائل طالب علم پر برہمی کا اظہار فرمایا ہو جب کوئی طالب علم سوال کرتا تھا تو آپ کے چہرے پر بے پایاں مسرت کے آثار صاف نمایاں ہوتے تھے اور ایسے جملے ارشاد فرماتے جس سے بے زبان طالب علم کو زبان مل جائے اور اس کی خوابیدہ ذہنی صلاحیتیں بیدار ہو جائیں۔

کبھی کبھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ سوالات بیدار ذہن کی علامت ہیں۔

حافظ ملت کی تدریس کی یہی خصوصیت تھی جس کی وجہ سے ان کا ہر شاگرد جرائت مند، مضبوط، باوقار اور پر اعتماد ہوتا تھا۔ اور کسی بھی مسئلہ میں شک و شبہ کا شکار نہیں ہوتا تھا اور غالبا اس کا یہی اعتماد اس کو بڑے سے بڑے میدان علم میں تنہا اترنے پر آمادہ کرتا''۔ (حافظ ملت نمبر ص ۳۳۶)

طلبہ کا کوئی بھی سوال ادھار نہیں رکھا:

اس امر کی تصدیق علامہ محمد احمد مصباحی بھی کرتے ہیں کہ حضرت حافظ ملت فرمایا کرتے تھے کہ اساتذہ کبھی کبھی طلبہ کے سوال کو کل معلوم کرنا کہہ کر ٹال بھی دیتے ہیں مگر ان کے ہاں کبھی کسی سوال کا جواب ادھار نہیں رہا۔

(ملخصا انوار حافظ ملت ص ۳۸)

صلاحیت پیدا کرنا:

حافظ ملت علیہ الرحمہ محض ایک درسگاہی مدرس کی حیثیت سے تعلیم وتدریس کی ذمہ داری ادانہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے پیش نظر ایسے باصلاحیت افراد پیدا کرنا تھا جوقوم وملت کی عظیم سے عظیم تر علمی وفکری سربراہی کرنے والے ہوں۔ جو مستقبل کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر جگمگائیں اور اپنے ماحول کو روشن ومنور کریں۔ دارالعلوم کی بوسیدہ چٹائی پر بیٹھ کر وہ جس مسیحائی میں مصروف تھے اس کے اثرات صرف مساجد درسگاہوں اور خانقاہوں تک ہی محدودنہیں تھے کہ بلکہ مقصود یہ تھا کہ پوری عملی دنیا میں ایک انقلاب کی روح بر پا ہو۔ جوعلم اور علم دین کے بغیر ناممکن ہے۔ مولانا محمد احمد مصباحی رقم طراز ہیں:

''حافظ ملت کو اس کی بھی فکر ہوتی کہ طلبہ میں اچھی صلاحیت پیدا ہو۔ اور صلاحیت کا جائزہ لینے کے دو موقع ہوتے تھے۔ امتحان ششماہی جو درالعلوم کے مدرسین لیتے۔ اور امتحان سالانہ جس کے لئے ہمیشہ باہر سے ماہر و متبحر علما کا انتخاب کیا جاتا۔ (ابتدائی دور میں جب تک حضرت صدرالشریعہ با حیات تھے) حضرت صدرا لشریعہ علیہ الرحمہ کی تشریف آوری ضروری تھی۔ بعض اساتذہ یہ چاہتے کہ ان کے زیر درس کتابیں صدرالشریعہ کے یہاں امتحان کے لئے نہ جائیں۔ اس لئے کہ دوران امتحان اگر طلبہ نے اچھے جوابات نہ دیئے تو وہ پوچھتے۔ کس کے یہاں پڑھا ہے؟ اور پھر وہیں مدرس کو طلب کر کے فرماتے کیا پڑھایا ہے۔؟ کوئی ٹھکانے کا جواب دینے والا نہیں۔ مگر حافظ ملت کی کتابیں صدارالشریعہ کے یہاں جاتیں اور خود انہیں طلبہ کے جواب سننے کا شوق ہوتا تا کہ طلبہ کی صلاحیت کا بھی اندازہ ہو اور اس کی روشنی میں آئندہ تدریس و تربیت کی ارتقائی راہ بھی متعین ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں صرف ڈیوٹی نبھانے اور کسی طرح وقت گزارنے سے مطلب نہ تھا بلکہ وہ ایک بلند مقصد، وسیع میدان عمل کے بیدار مغز اور متحرک وفعال رکن کی حیثیت سے جادہ پیما تھے۔ (انوار حافظ ملت ص ۳۹)

مغربی تہذیب پر تنقید:

''حضور حافظ ملت اثنائے درس اور اثنائے خطاب مغربی تہذیب پر اس انداز سے تنقید فرمایا کرتے کہ وہ اپنی چمک دمک کے باوجود بے حقیقت اور بے وزن معلوم ہوتی تھی۔ مغرب کی مادی زندگی اور اس کی کثافتوں کے مقابلہ میں اسلام کی روحانی زندگی اور اس کی برکتوں کا تذکرہ کچھ اس قدر حکیمانہ انداز سے فرمایا کرتے تھے کہ اقبال کا یہ شعر شرح محسوس بن کر سامنے آجاتا۔

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے نا پید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

(حافظ ملت نمبر ص ۳۴۰)

اعتراض کرنا کوئی فضیلت نہیں :

مولانا صابر القادری نسیم بستوی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں :۔

راقم الحروف کے ہم درسوں میں بعض ایسے طلبہ بھی تھے جو درسگاہ میں بات بات پر اعتراض کرنے کے خوگر تھے اس سے ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ ان کے دوسرے ہم سبق ان کی قابلیت اور استعداد سے مرعوب ہو جائیں اور مدرس بھی اپنی جگہ پر محسوس کرے کہ فلاں طالب علم بہت ہی ذہین ،قابل اور زیر درس کتاب کے مالہ و ماعلیہ پر گہری نظر اور پوری معلومات رکھتا ہے ۔جہاں تک اس طالب علم کے اعتراضات میں معقولیت اور سنجیدگی باقی رہی حافظ ملت اس کے ہر اعتراض کا تسلی بخش جواب دیتے رہے مگر جب اس کا عتراض اعتدال و شائستگی کی حدوں سے متجاوز ہونے لگا تو اظہار بیزاری کرتے ہوئے فرمانے لگے۔

’’بار بار اعتراض کا کرنا (اور موقع و محل کی رعایت نہ کرنا) کوئی فضیلت کی بات نہیں اعتراض کرنے والے تو اس پر بھی اعتراض کر سکتے ہیں کہ ’’ب‘‘ کے نیچے نقطہ کیوں ہے اس کے اوپر کیوں نہیں ہے اور یہ کہ ’’الف‘‘ سیدھا کھڑا کیوں ہے لمبائی میں داہنے بائیں کیوں نہیں لکھا جاتا۔اعتراض ایسا کرنا چاہئے کہ اس سے معلومات میں اضافہ ہو اور ذہن و دماغ میں وسعت پیدا ہو۔(اشرفیہ اپریل ۱۹۷۷ء)

طلبہ کی حاضری:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ شامل درس طلبہ میں کون حاضر ہے اور کون غیر حاضر۔

علامہ محمد احمد مصباحی فرماتے ہیں :۔

’’طلبہ خصوصاً پڑھنے والے طلبہ کی حاضری پر بھی نظر رکھتے ۔ایک بار میں جمعرات کے بجائے جمعہ کی صبح کو گھر جا رہا تھا، جونہی گیٹ کے قریب ہوا۔حافظ ملت سے ملاقات ہوگئی۔نہ معلوم (حضرت کا) اس دن کس ضرورت سے مدرسہ تشریف لانا ہوا۔؟ فرمایا! آج جا رہے ہو؟ تو پھر کل ؟ میں نے عرض کیا رات کو مشقی بزم میں شرکت کے پیش نظر کل نہ جا سکا (اس وقت ہم چند رفقائے درس عنوانات کے تحت تقریر و تحریر کی مشقی بزم چلاتے تھے اور ذمہ داری کی وجہ سے (مجھے بھی) رکنا پڑتا تھا دوسرے دن سنیچر کو میں گھر سے بہت سویرے چلا سواری تو دن میں کبھی ملتی کبھی نہ ملتی۔اتنی صبح سویرے ملنے کا تصور بھی نہ تھا ،اس لئے ابراہیم پور چھوڑ کر ایک دوسرے شارٹ راستے سے چلا۔پہلی گھنٹی حضرت ہی کے یہاں تھی عبارت خوانی کے دوران پہونچ گیا ۔سبق کے بعد حضرت نے سر اٹھا کر دیکھا ۔تو مجھے موجود پایا اور بہت خوش ہوئے۔یوں بھی ناغہ کی عادت نہ تھی ۔مبارکپور کے پورے تین سالہ ایام تعلیم میں کل غیر حاضری بیس دن سے زیادہ نہ ہوگی، جس میں دو تین دن کسی ضرورت کے تحت ،اور باقی سخت علالت کے تحت ہے‘‘۔(انوار حافظ ملت ص ۳۸۔۳۹)

ہر طالب علم کو عبارت خوانی کا موقع دینا:

حضور حافظ ملت قدس سرہ النورانی اپنے ہر طالب علم کو عبارت خوانی کا موقع دیتے تھے تا کہ اس کی بھی عبارت خوانی درست ہو سکے اور اس کی استعداد کی جلا بخشی ہو۔

مولانا محمد اسلم صاحب مصباحی عزیزی رقم طراز ہیں:۔

مدرسہ فیض النبی کپتان گنج ضلع بستی کے استاذ مولانا محمد صدیق خلیل آبادی بیان کرتے ہیں کہ دوران طالب علمی حافظ ملت کی درسگاہ میں بخاری شریف کی عبارت میں نے پڑھی، دوسرے روز درس میں پھر میں نے عبارت خوانی شروع کی، تو حافظ ملت نے فرمایا ''تم کل پڑھ چکے ہو، آج کوئی دوسرا پڑھے،، (معارف حافظ ملت ص ۶۴)

بسلسلہ عبارت خوانی تنبیہ اور ڈانٹ:

(۱) مولانا محمد اسلم مصباحی گورکھپوری بیان کرتے ہیں کہ حضرت دورہ پہ تھے بیضاوی شریف حضرت کے پاس تھی، مطالعہ کیا نہیں تھا درس بیضاوی کے وقت حضرت آن پہونچے، رفقا درس عبارت خوانی سے پہلو تہی کرنے لگے تو سمجھ میں بات آئی کہ میری ہی طرح کسی نے مطالعہ نہیں کیا ہے، چارو ناچار میں نے ہی عبارت شروع کی مگر عدم مطالعہ کا خیال برابر ذہن پر حاوی تھا "عَلَیْہِ قراء مکۃ والکوفۃَ" پڑھ دیا۔ الکوفۃ، پر نصب سنتے ہی فرمایا چھٹی میں چھٹی منائی ہے لفظ چھٹی سنتے ہی والکوفۃِ پڑھ چکا تھا پھر بھی چھٹی کے ایام کو کام میں لانے کی زبردست تاکید فرمائی۔

(۲) مولانا ہی کی سرگزشت میں یہ واقعہ بھی ہے۔

پہلی بار حافظ ملت کی درس گاہ میں شرح جامی بحث فعل کی عبارت خوانی میں ان سے متعدد غلطیاں ہوئیں۔ اس وقت وہ باضابطہ مطالعہ بھی نہیں کرتے تھے۔ اس دن حافظ ملت نے انہیں اپنے چند انمول جملوں سے تنبیہ فرمائی، ان کا مولانا کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اسی دن سے برابر مطالعہ کر کے پڑھنے کا عزم ہوگیا۔ انہوں نے دوسرے روز پھر عبارت پڑھی۔ حضرت نے فرمایا ''ایک دن کے ڈانٹے کا اثر یہ ہوا کہ تین حصے عبارت صحیح ہوگئی میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ روزانہ ڈانٹوں''

کرامتی ڈانٹ:

حضرت حافظ ملت حسن تلفظ اور ادائیگی مخارج پر بھی خاص توجہ فرماتے تھے۔

(۳) مولانا عبدالمبین نعمانی بیان کرتے ہیں کہ بخاری شریف کی عبارت خوانی میں ایک طالب علم نے قال قال " کو '' کال کال' پڑھ دیا تو بخاری شریف کے صفحہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''جی ہاں سب کالا ہی کالا ہے سب کالا ہے''۔

ایک دوسرے طالب علم نے جس کا نیا داخلہ ہوا تھا بخاری شریف کی عبارت پڑھنا شروع کی اور ''قال قال'' کو کالا کالا رسول اللہ پڑھ دیا تو حد درجہ خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا رسول اللہ کال کال ہے؟۔ اگر کل اس طرح پڑھا تو

خیر نہیں اس طالب علم نے دوسرے روز پھر عبارت پڑھی اب اس نے باقاعدہ ''قال قال'' پڑھا۔
اس طالب علم نے چوبیس گھنٹہ کے اندر حروف کی ادائیگی کے لئے کتنی کوشش کی ہوگی وہ تو وہی جانے۔ ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی کرامتی ڈانٹ کا اثر ہوا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر بقدر ضرورت حروف کی ادائیگی پر قدرت ہوگئی''

(معارف حافظ ملت ص ۶۲_۶۳)

کارِ دین سے عشق:

حضور حافظ ملت کو دین کے کاموں سے عشق تھا۔ ان کی پوری حیات خدمت دین اور فروغ علم دین کے لئے وقف تھی۔ آپ میخانۂ علم وحکمت کے ایسے ساقی تھے کہ سفر ہو یا حضر جب بھی کوئی متلاشی علم سوال کرتا اور اپنی تشنگی کے لئے جام علم طلب کرتا تو آپ اسی وقت اسے سیراب کر دیتے تھے۔
حضرت علامہ محمد کاظم علی عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔
''ایک مرتبہ حضرت بھاؤ پور کے جلسے میں تشریف لے جانے والے تھے۔ حضرت کی نگاہ انتخاب نے کفش برداری کے لئے عقیدت کیش ہی کو منتخب کیا۔ چوں کہ سالانہ امتحان بالکل قریب تھا اس بنا پر حضرت کی طلبہ نواز ذہنیت کچھ کتب درسیہ ہمراہ لے چلنے کو مصر ہوئی جس میں خاص طور سے منطق کی ایک معرکۃ الآرا کتاب حمد اللہ جو حضرت کے یہاں ہو رہی تھی۔ بہر حال سفر کا آغاز مبارکپور سے ہوا۔
میرے پیہم اصرار پر حضرت نے آرام فرمایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت کی آنکھ لگ گئی اور میں حمد اللہ کے مطالعہ میں مشغول ہوگیا۔ دوران مطالعہ مغلقات کتاب حل کرتا جاتا مگر صورت حل پر نئے اشکال پیدا ہوتے رہتے اور اپنی کاوش کو لا حاصل سمجھتا۔ اس عالم میں غیر ارادی طور پر میری گردن حضرت کی جانب مڑ جاتی۔ معاً حضرت بیدار ہوکر ہوش میں آجاتے اور اپنی خداداد قوت باطنہ سے صورت حال سمجھ جاتے اور فوراً ارشاد ہوتا کیوں اشکال پیدا ہو رہا ہے؟ فلاں اشکال کا دفع یہ ہے اور فلاں اشکال کا حل یہ ہے'' (حافظ ملت نمبر ۴۴۹_۴۵۰)

ہر حال میں یکساں تدریس:

مولانا محمد اسلم صاحب عزیزی رقم طراز ہیں:۔
سفر سے واپسی ہو یا حضر، پریشانیوں اور الجھنوں کا سامنا ہو یا راحت وسکون کا وقت کسی بھی حال میں حضرت حافظ ملت کے انداز تدریس میں ذرہ برابر فرق محسوس نہیں ہوتا۔ کسی بھی سفر سے واپسی کے وقت تعلیم کا کچھ بھی وقت باقی رہتا تو دارالعلوم اشرفیہ تشریف لاتے درسگاہ میں پہنچنے سے پہلے ہی کسی طالب علم سے فرمادیتے فلاں جماعت کو بھیج دو وہ جماعت پہنچتی عبارت پڑھواتے، گذشتہ سبق سے موجودہ سبق کا ربط بیان فرما کر عبارت کی تشریح اور مقصود عبارت کو اس طرح بیان فرما کر عبارت کی تشریح اور مقصود عبارت کو اس طرح بیان فرماتے کہ ایام قیام کی تفہیم وتشریح کے انداز سے

سرمو فرق نہیں ہوتا جب کہ سفر کی تکان سے ذہن کا بوجھل ہونا لازمی امر ہے" (معارف حافظ ملت ص ۴۶)

علالت میں بھی درس:

(۱) آپ کو دین کے کام سے عشق تھا اور جب کوئی عاشق اپنے معشوق کا قرب پالے۔ اسے بھلا کسی علالت اور بیماری کا کیا احساس! بیکل صاحب کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں (بھوجپور) جاتے ہی بیمار ہوگیا بخار کھانسی شدید۔ کافی علاج کیا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا تو میں واپس مبارک پور چلا آیا۔ سنیچر کو یہاں پہونچا اسی وقت سے مدرسہ کا کام شروع کردیا کیونکہ کام زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ کام کرنا ہے۔ اگرچہ ابھی خفیف بخار اور کھانسی کا سلسلہ جاری ہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ (مرض) دفع ہوجائے گا۔ میری علالت اسی طرح ہوتی ہے کہ میں بیماری میں بھی حتی الامکان مدرسہ کا کام کرتا رہتا ہوں۔ اسی سے انشاء اللہ تعالیٰ شفا ہوگی (مکتوب حافظ ملت بنام بیکل اتساہی ۶ جمادی الآخرۃ ۸۷ھ)

بغیر درس کے آرام کہاں:

جب آپ کے تلمیذ رشید حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ نے دارالعلوم اشرفیہ کی مسند تدریس سنبھالی تو انہوں نے آپ کی (حافظ ملت کی) متنوع مشغولیات اور ہمہ جہت خدمات کا خیال کرکے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ رفتہ رفتہ حافظ ملت سے تمام اہم کتابوں کی تدریس کا وزن ہلکا کردیں گے اور انہوں نے اس پر عمل بھی کیا تاہم حافظ ملت بعض بنیادی کتب کا درس دیتے تھے! (بروایت مولانا محمد اسلم مصباحی عزیزی)

زمین کے اوپر کام اور قبر میں آرام:

بحرالعلوم مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی قبلہ رقم طراز ہیں:۔

حضور حافظ ملت سراپا عملی انسان تھے آپ نے دن رات کے چوبیس گھنٹے میں ایک ساتھ اتنے کام کئے ہیں کہ آج سوچ کر آدمی کی عقل حیران ہوجائے اپنے عنفوان شباب میں جب آپ کا قیام وطن میں تھا۔ گو آپ ایک مدرسہ میں ملازمت کرتے تھے ایک مسجد میں باقاعدہ امامت فرماتے تھے اور گھر کا کام روزانہ اتنا کرلیتے تھے کہ جو لوگ صرف اسی دھندے میں لگے ہوئے تھے ان سے زیادہ ہوتا اور ان سب پر مستزاد روزانہ ایک ختم قرآن عظیم کی تلاوت تھی۔

مبارک پور تشریف لائے تو روزانہ تیرہ سبق پڑھاتے تھے جس میں سب سے نیچے درجہ کی کتاب شرح ملا جامی تھی رات میں ایک دن کے ناغہ سے ایک ایک بجے تک مناظرہ کی تقریر کرتے۔ مخالف کیمپ کی تقریروں کے نوٹ کو پڑھ کر اس کے جواب کی تیاری اور مختلف طلبہ و مدرسین کو اس کی تلقین و تدریس کرتے۔ باہر سے آئے ہوئے فتووں کا جواب بھی خود ہی دیتے۔" (حافظ ملت نمبر ص ۱۵۷)

علالت میں تدریس:

عالم صحت تو صحت بیماری کے عالم میں بھی حضرت حافظ ملت تدریس کا کام ضرور انجام دیتے۔آپ کو طلبہ کے تعلیم کا نقصان کسی بھی حال میں گوارہ نہیں تھا۔

مولانا محمد اسلم صاحب مصباحی عزیزی رقمطراز ہیں:

حضرت قاری عبدالحکیم صاحب قبلہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب گھوسوی کی روایت سے بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کو درد گردہ کی شکایت ہوگئی ۔مگر ان ایام میں بھی کبھی درسگاہ سے رخصت نہیں لی ۔ بلکہ ان ایام میں بھی برابر مدرسہ تشریف لاتے اور باقاعدہ اہم کتابیں پڑھاتے۔ راقم کے علم میں درد گردہ کے ایام میں درسگاہی کیفیت یوں آئی کہ کبھی درسگاہ میں درد تیز ہوجاتا تو تکیہ گردہ کے اوپر رکھ کر دبا لیتے ۔مگر پڑھانا موقوف نہیں فرماتے ۔

راقم الحروف کے دور طالب علمی میں اشرفیہ کے مشاہیر ابنائے قدیم حضور حافظ ملت کی بارگاہ عالی میں شرف ملاقات سے باریاب ہونے کے لیے آتے رہتے ۔ ایک مرتبہ ایک مؤقر شخصیت حاضر بارگاہ ہوئی اور حضور حافظ ملت کی نقاہت اور مصروفیات کثیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے عرض کیا۔حضور اب پڑھانا بند کردیا جائے صرف بخاری شریف کا درس تبرکا جاری رکھا جائے ۔اس عرض کے جواب میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ارشاد فرمایا۔آپ کہتے ہیں کہ پڑھانا بند کردوں اور میری تمنا یہ ہے کہ کتاب سامنے ہو اور درس دے رہا ہوں اور اسی حالت میں روح قفس عنصری سے پرواز کرجائے ۔حضرت کی یہ تمنا اس طرح سے پوری ہوئی کہ حضرت نے جس دن وصال فرمایا اس دن بھی بخاری شریف کا باقاعدہ درس دیا تھا۔

راقم کے زمانہ طالب علمی میں ایک بار گرمی کے موسم میں قیام گاہ تشریف لے جانے کے بعد استطلاق بطن (دست) کی شکایت تیز ہوگئی، رات کا اکثر حصہ اسی میں گذرا صبح تک بحمدہ تعالیٰ افاقہ ہوگیا۔مگر انتہا درجہ کی کمزوری اور نقاہت کے باوجود دارالعلوم تشریف لائے اور متعلقہ کتابوں کو اسی طرح پڑھایا جس طرح صحت کے ایام میں پڑھاتے رہے ۔(معارف حافظ ملت ص۱۰۲)

بحیثیت صدر مدرس وسربراہ اعلیٰ:

کسی تعلیمی ادارہ کے صدر مدرس یا سربراہ اعلیٰ کی حیثیت ایک کنبہ کے سربراہ یعنی فیملی ہیڈ (Family head) کی سی ہوتی ہے ۔ کنبے کا سربراہ کنبے کی بھلائی وخوش حالی کے لیے مختلف جتن کرتا ہے، کنبہ کے ہر ہر فرد کی کارگزاریوں پر نظر رکھتا ہے، کوتاہی برتنے والوں کو تنبیہ کرتا ہے، بطور اصلاح سرزنش کرتا ہے اور اچھی کارگزاری پر شاباشی بھی دیتا ہے لیکن کسی بھی حالت میں وہ کنبے کے کسی فرد کو کنبے سے جدا کرنا نہیں چاہتا وہ اس باغبان کی طرح ہوتا ہے جو گلاب سے کانٹوں کو الگ نہیں کرتا بلکہ مثل گلاب ان کانٹوں کو بھی عزیز رکھتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز کو ۲۹ رشوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴ رفروی ۱۹۳۴ء کو مبارک پور بھیجا تاکہ وہ مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں صدر مدرس کی حیثیت سے رہ کر وہاں دینی خدمات انجام دیں۔
عمر کے آخری چھ سال (۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء کو آپ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ منتخب کر لئے گئے تھے) چھوڑ کر پورا زمانہ اپنی اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا۔
اشرفیہ کا پورا اسٹاف (تدریسی عملہ، دفتری عملہ نیز چوکیدار وچپراسی وغیرہ) اورطلبہ آپ کے کنبے کی حیثیت رکھتے تھے۔طلبہ آپ کو اپنے بچوں کی طرح عزیز تھے۔انتظامیہ کے قوانین کا اپنے ماتحتوں اور طلبہ پر نفاذ، ماتحت مدرسین کے کاموں کی نگرانی اور جائزہ طلبہ کی تمام تعلیمی ذمہ داریوں کی تکمیل، ادارہ کے پورے ماحول کو خالص علمی بنائے رکھنے کا اہتمام۔مدرسین اورطلبہ کی خامیوں پر نوٹس لینا اور ان کا انسداد کرنا اور کسی حال میں بھی مجلس منتظمہ، مدرسین اورطلبہ میں ناخوش گواری نہ آنے دینا بلکہ ہر ایک کے منصب کے لحاظ سے اس کے احترام اور فرائض کو برقرار رکھنا، شریر طلبہ کو بلا امتیاز وتفریق سزا دینا، لائق اور با صلاحیت مدرسین وطلبہ کی حوصلہ افزائی اور قدر کرنا اور مدرسین وطلبہ کی ضروریات وحاجات پر مجلس منتظمہ کو آگاہ کر کے اس کی تکمیل کرانا اور اس کے علاوہ ملک بھر میں اشرفیہ کو نیک نام کرنا۔حضرت حافظ ملت کا کمال تھا۔آپ سے نہ کوئی ماتحت مدرس ناخوش تھا اور نہ آپ نے انتظامیہ اورطلبہ کو ان کے معیار سے ہٹ کر ادارہ کے علمی توازن کو کبھی بگاڑنے کا موقع دیا۔وہ ایسے مرکز ثقل تھے جن پر پورے ادارہ کا انحصار تھا۔

طلبہ میں عملی اسپرٹ پیدا کرنا:

"طلبہ کے اندر علمی اور عملی اسپرٹ تیز کرنے کے لیے وہ ہر دو تین ماہ کے بعد ایک آدھ گھنٹے کے لیے انہیں جمع کر کے خطاب کرتے۔یہ خطاب بڑا مؤثر ہوتا اور "از دل خیزد بر دل ریزد" کا عکس صاف دکھائی دیتا۔اس میں عموما جو کچھ وہ بیان فرماتے اس کا مفہوم اور حاصل حسب ذیل ہے
"اشرفیہ میں قابل اساتذہ کا ایک متحرک وفعال کارواں جمع ہے۔جن کی یہ یہ خصوصیات اور خوبیاں ہیں (مدرسین کے ناموں کے ساتھ ان کے کمالات بتاتے اور یہ حافظ ملت کا خاص فن تھا کہ وہ ہر شخص کے قرار واقعی فضل وکمال سے خود بھی آشنا رہتے اور دوسروں کو بھی آشنا کراتے) اس کے بعد فرماتے کہ ان سے اکتساب فیض اور تحصیل کمال تمہارا فریضہ ہے۔تم نے طلب علم کی راہ میں قدم رکھا ہے۔تو اسی میں منہمک رہنا چاہئے۔اور اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہئے۔ایک تاجر اپنی تجارت کے فروغ اور دولت کے حصول کے لیے دن رات ایک کر دیتا ہے۔کبھی سر پر بوجھ بھی لاد کر چلتا ہے۔اور کبھی سخت سست بھی سنتا ہے کبھی ذلت بھی اٹھاتا ہے مگر اپنے مقصد اور اپنے کام سے دست بردار نہیں ہوتا۔ایک درزی اپنے کام کی تکمیل کے لیے ہر وقت لگا رہتا ہے۔دوکاندار صبح بیٹھ جاتا ہے تو شام کو اٹھتا ہے۔کھانے سے اور راحت وآرام سے بھی بے پرواہ ہو جاتا ہے۔بنکر اپنی بنائی کے کام میں لگا رہتا ہے اور ہر طرح کی زحمت وصعوبت برداشت کرتا ہے۔

جب سب کام والے اپنے کام میں بھرپور دل چسپی اور محنت سے لگے رہتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ طالب علم اپنے کام سے غافل رہے۔ اور اپنا وقت برباد کرے دینی طلبہ پر مجھے افسوس ہے کہ یہ تحفظ وقت کا خیال نہیں رکھتے۔

ایک بار میں کلکتہ کی ایک بلڈنگ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ قریب کے کمرے میں ایک بنگالی طالب علم کا قیام تھا وہ کچھ دیر سوتا اور پھر اٹھ کر پڑھنے لگتا۔ رات بھر اس نے زیادہ تر پڑھتے ہوئے ہی وقت گزارا۔ اسے اپنی تعلیم سے اس قدر لگن اور اس کے لیے اتنی محبت تھی۔ تو ہمارے طلبہ میں ایسی لگن اور محنت کیوں نہیں آتی۔ انہیں بھی اپنی تعلیم سے شغف، اپنے مقصد کے ساتھ اخلاص اپنے وقت کی قدر شناسی، اپنے کام سے دلچسپی ہونی چاہئے۔

ایک بار حضرت نے فارسی خانے کے اندر اسی قسم کے ایک جلسہ میں تقریر فرماتے ہوئے۔ اس وقت کے چپراسی، اور چٹکی کے محصل کی مثال دیتے ہوئے فرمایا

''کسی کو دارالعلوم کے اندر محض رہنے سے علم نہیں آسکتا۔ علم لینے کے لیے محنت اور عرق ریزی ضروری ہے۔ تم لوگوں سے کہیں زیادہ زمانے سے عبد القدوس بھی دارالعلوم میں رہتے ہیں۔ ان کو یہاں رہتے ہوئے تو تیس چالیس سال کا عرصہ گزر گیا۔ اس لحاظ سے تو انہیں بہت جید عالم ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ عالم کیوں نہیں ہوئے۔ اس لیے کہ وہ تعلیم میں مشغول نہیں ہوئے۔ جو تعلیم میں مشغول ہوگا وہ عالم بنے گا''

ایسے جلسوں میں تعلیمی شوق دلانے کے ساتھ ساتھ عمل کا جذبہ پیدا فرمانا بھی حافظ ملت کا کام تھا۔ مولانا محمد احمد مصباحی لکھتے ہیں:

''علم کے بعد عمل کی ترغیب پر آتے تو فرماتے۔ عالم کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو اگر اس میں عمل نہیں تو نہ وہ عند اللہ مقبول ہو سکتا ہے اور نہ عند الناس۔ ایک مقرر رد وہابیہ میں تقریر کر رہے تھے۔ اور ٹھوس دلائل، مضبوط شواہد اور دل نشیں انداز بیان کے ساتھ بولتے جا رہے تھے۔ تقریر بڑی کامیاب ہوئی۔ تقریر ختم ہوتے ہی ایک شخص مجمع سے اٹھا اور کہا مولانا! ذرا اپنے سر کے بال تو دیکھئے۔ دیکھا تو سر پر انگریزی بال تھے۔ دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے کہا مولانا! ذرا اپنا پاجامہ تو دیکھئے۔ پاجامہ ٹخنے سے نیچے تھا۔ ان اعتراضات سے مولانا کی تقریر کا جواب تو نہ ہوا۔ جو حقائق انہوں نے بیان کیے وہ غلط تو نہ ہو گئے۔ مگر ان کی ذاتی اور عملی خامیوں کی وجہ سے ان کی تقریر بے اثر ہوگئی (فرماتے) ہم نے صدر الشریعہ سے علم بھی سیکھا اور عمل بھی سیکھا۔ ہر بات وہ بتاتے نہ تھے۔ ہم نے تو انہیں دیکھ دیکھ کر سیکھا ہے۔ انہیں عمامہ باندھتے دیکھا تو عمامہ باندھنا سیکھ لیا۔ انہیں سر جھکا کر وقار سے چلتے ہوئے دیکھا تو چلنا سیکھ لیا۔ انہیں کھاتے ہوئے دیکھا تو کھانے کا طریقہ سیکھ لیا''۔ (انوار حافظ ملت ص ۴۱/۴۲)

حضرت کی ان تقاریر کا فائدہ یہ ہوتا کہ مدرسین اور طلبہ میں جدو جہد کی ایک نئی اسپرٹ پیدا ہو جاتی۔ کھیلنے والے طلبہ بھی محنت سے پڑھ کر با مقصد انسان بننے کی دھن میں لگ جاتے۔ پر شوق طلبہ کو مزید مہمیز لگتی اور وہ مزید محنت اور لگن سے اپنے کاموں پر متوجہ ہو جاتے۔ اس طرح ایک سے ایک ہیرے جواہر اشرفیہ کی کان میں پرورش پاتے۔

مدرسین اور طلبہ کی ضرورتوں کا خیال:

حافظ ملت مدرسین اور طلبہ کی ضرورتوں کا لحاظ رکھتے۔ اور ان کے کہے بغیر از خود محسوس کر کے انتظامیہ کے ذریعہ ضرورتیں پوری کراتے۔ ہر کام وقت پر کرنا ان کی عادت تھی کسی کام کو اس کے وقت سے مؤخر کرنا انہیں آتا ہی نہ تھا۔ اسی روش پر وہ انتظامیہ کو بھی چلنے کا مشورہ دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے دارالعلوم کی مجلس منتظمہ ایک کامیاب مجلس منتظمہ تھی وہ اپنی صائب رائے کا اظہار کرنے میں تکلف نہ کرتے۔ اور اس بارے میں کسی بھی بڑی سے بڑی رکاوٹ کی پرواہ نہ کرتے۔

طلبہ کے مطبخ کے بارے میں اصلاحی تدابیر پر ہمیشہ عمل ہوتا رہا اور وقت وحالات کے لحاظ سے طلبہ کو اچھا کھانا دینے کی کوشش ہوتی۔ مطبخ میں اگر کسی خرابی کی خبر پاتے تو انتظامیہ سے فوراً اس کا تدارک کرواتے۔

ایک بار قحط سالی کے سبب سے دارالعلوم کا کنواں طلبہ اور مطبخ کی ضرورت کے لیے ناکافی ہوگیا۔ صبح دو گھنٹے پانی نکالے جانے کے بعد ہی کیچڑ برآمد ہونے لگتی، خشک سالی کا زمانہ تھا، طلبہ دارالعلوم کے باہر مساجد میں غسل وغیرہ کے لیے جاتے تو وہاں لوگوں کی ترش روئی کا سامنا کرنا پڑتا۔ مولانا شمس الحق صاحب علیہ الرحمہ نے اس بات کا تذکرہ حافظ ملت سے کیا۔ آپ نے مولانا موصوف کے جانے کے بعد فوراً ناظم اعلیٰ کو بلوایا اور انہیں ضرورت اور پریشانی بتانے کے بعد فرمایا: ’’آپ ٹیوب ویل لگوائیں چنانچہ دارالعلوم میں ٹیوب ویل کے ذریعہ پانی کا انتظام کیا گیا۔

مدرسین کی تنخواہ میں اضافہ:

آپ مدرسین کی ضروریات اور ان کی پریشانیوں سے باخبر تھے۔ آپ نے خود عمر کا بیشتر حصہ اسی دشت کی سیاحی میں گزارا تھا۔ گو آپ نے اپنے استاذ معظم حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے حکم کے مطابق ادارہ کا کام ہمیشہ خدمت کی نیت سے کیا اور تنخواہ کی کمی بیشی سے کبھی کوئی مطلب نہیں رکھا نہ کبھی اضافۂ تنخواہ کی درخواست ارکان عالیہ کو دی لیکن آپ جانتے تھے کہ سات سات ماہ اور گیارہ گیارہ ماہ تک تنخواہیں موقوف رہنے سے مدرسین پر کیا گزرتی ہوگی، دوم یہ کہ آپ مدرسین کی تنخواہوں کے اضافہ سے بھی نہ غافل ہوتے نہ ہی کبھی کوئی منفی رویہ اختیار کرتے۔

۱۹۷۱ء میں آپ مجلس انتظامیہ کے صدر اور سربراہ اعلیٰ منتخب ہوئے لیکن آپ کے اوپر اس منصب کا کوئی جاہ وجلال نظر نہ آیا آپ نے بارہا فرمایا:

’’میں کل بھی ادارہ کا خادم تھا اور آج بھی ادارہ کا خادم ہوں‘‘

آپ کسی مدرس کو ملازم تصور نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں بھی خادم دین تسلیم کرتے تھے۔ ایک بار آپ کی مجلس میں لوگوں نے اپنے کاروبار کی پریشانی اور گرانی کی زیادتی کا تذکرہ کیا جیسا کہ عموماً ایسے موقع پر ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنی پوری لسانی وفکری قوت کے ساتھ آٹا، دال، چاول، سوت، ریشم، مسرائز کا بھاؤ اور بازار کا اتار چڑھاؤ بتانے لگتا ہے اور کوئی گوشہ تاریک نہیں چھوڑنا چاہتا۔

آپ کے سامنے بھی لوگوں نے بیان کیا اور آپ یہ ساری باتیں بڑی متانت اور دردمندی سے سنتے رہے۔

بتانے والوں میں زیادہ تر مجلس عاملہ کے ارکان ہی تھے۔ آپ نے آخر میں فرمایا کہ جب گرانی کا یہ حال ہے تو مدرسین کی تنخواہوں میں اضافہ ضروری ہے۔

دوسرے دن میٹنگ طلب کی اور بغیر کسی درخواست اور تحریر کے تمام مدرسین کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا۔ کسی رکن میں اختلاف کی مجال نہ تھی کیوں کہ ایک دن پہلے خود ہی لوگ سب کچھ سنا چکے تھے۔

یہ واقعہ آپ نے ایک موقع پر خود راقم سے بیان کیا: (انوار حافظ ملت۔ بقلم مولانا محمد احمد مصباحی)

اضافۂ تنخواہ کے ضمن میں مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں:

''مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ (شاہزادۂ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ) نے عرض کیا اضافہ کی یہ درخواست دیتے ہوئے ایک عجیب کیفیت محسوس ہو رہی ہے (یعنی دل میں اس سے تکدر کا احساس ہو رہا ہے) اس پر حضرت نے فرمایا:

اس میں خفت محسوس کرنے کی کیا وجہ ہے، حالات بدل چکے ہیں، اخراجات سب کے بڑھ چکے ہیں اور ہر مدرسہ میں اضافۂ تنخواہ کی لوگ درخواست دے رہے ہیں، آپ لوگوں نے بھی دی اس میں کیا بات ہے؟ ہر آدمی کو کچھ نہ کچھ زمانے کا خیال رکھنا پڑتا ہے، زمانے کو نظر انداز کر کے کوئی بھی نہیں رہ سکتا۔ (بروایت مولانا عبدالمبین نعمانی)

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ادارہ کے مدرسین کا ہر طرح خیال رکھتے تھے اور مہنگائی وحالات زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مدرسین کے اضافۂ تنخواہ پر غور فرما کر ان کا مطالبہ پورا فرماتے تھے۔

مدرس رکھتا ہوں، نکالتا نہیں:

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ خود سے کسی بھی مدرس کو علیحدہ نہیں کرتے تھے۔ ہاں اگر کسی وجہ سے مدرس خود علیحدہ ہو جائے تو الگ بات ہے۔

آپ بھوجپور سے لکھتے ہیں (بتاریخ ۹ ر رمضان ۱۳۹۵ھ)

''میں نے خارجاً سنا تھا کہ مفتی عبدالمنان صاحب سے بمشاہرہ پانچ سو روپیہ انوار القرآن کے لیے بات ہوئی ہے۔ اگر ایسا ہے یا ہو سکے تو مجھے انکار نہیں۔ لیکن میرے سر یہ نہ رکھا جائے۔ کہ حافظ صاحب کی اجازت ہو۔ میری اجازت کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ میں ان کو علیحدہ کر رہا ہوں وہ خود تشریف لے جائیں یا کوئی بھی دوسرا مدرس تو میں انوار القرآن کی محبت میں اس غم کو برداشت کر سکتا ہوں۔ میں نے جتنے مدرس رکھے ہیں کسی کو علیحدہ نہیں کرنا چاہتا۔ اشرفیہ کے لیے سب ضروری ہیں''۔

ادائیگی حقوق کی تائید:

حضور حافظ ملت مدرسین کے حقوق کی ادائیگی کا بھی خیال رکھتے تھے اور انہیں اس کی تاکید فرماتے تھے۔

حضرت قاری عبدالحکیم صاحب قبلہ گونڈوی نے بیان فرمایا کہ ایک بار محرم کی تعطیل میں گھر جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا: قاری صاحب! آپ گھر جائیں گے یا نہیں؟ عرض کیا: حضور ارادہ نہیں ہے۔ فرمایا پانچ چھ روز کی چھٹی ہو رہی ہے آپ گھر چلے جایئے بچوں کے بھی حقوق ہیں۔

بحیثیت سربراہ اعلیٰ:

☆ حضور حافظ ملت نے تقریبا ۴۴؍سال تک اشرفیہ میں تدریسی فریضہ انجام دیا۔ تقریباً ۳۷؍سال آپ صدر مدرس رہے اور ۷؍سال تک سربراہ اعلیٰ، آپ نے اپنے لیے کبھی تنخواہ کے اضافہ کی درخواست نہ دی۔

بقول محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری: آپ نے مبارکپور میں تقریبا نصف صدی کا عرصہ گزار دیا لیکن کسی دور میں بھی آپ کا مشاہرہ دوسو پچاس تک نہ پہنچا۔ (حافظ ملت نمبر ۱۶۰)

☆ مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی کی روایت ہے کہ حضرت حافظ ملت نے ارشاد فرمایا:

''میں نے کبھی اضافۂ تنخواہ کی درخواست نہیں دی، جو ملا لے لیا اور اب تو کئی سال سے بلا تنخواہ ہی کام کر رہا ہوں پھر بھی اللہ کا فضل ہے کہ مجھ میں کوئی فرق نہیں آیا'' (ایضا ص ۴۱۰)

☆ حضرت حافظ ملت جب سے سربراہ اعلیٰ منتخب کیے گیے اشرفیہ سے تنخواہ نہیں لی۔

عہد صدارت اور عہد سربراہی کا ایک جائزہ:

☆ حضور حافظ ملت ۲۹؍شوال ۱۳۵۲ھ میں اشرفیہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے مبارک پور تشریف لائے اور صرف ساڑھے گیارہ ماہ کی قلیل مدت میں اشرفیہ مصباح العلوم (باغ فردوس) کا سنگ بنیاد رکھوایا۔

☆ آپ نے ۱۹۳۴ء ہی میں طلبہ کے لیے ''مطبخ'' قائم کرایا اور دس سال تک اس کا خرچ مسلمانان مبارک پور ہی کے ذریعہ چلاتے رہے۔

☆ انجمن اہل سنت اشرفی دار المطالعہ اور ''سنی دار الاشاعت'' قائم کرایا۔

☆ مدرسہ البنات کا قیام ☆ اشرفیہ مارکیٹ کا سنگ بنیاد

☆ الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) کے قیام کے سلسلے میں ۱۹۷۲ء میں تعلیمی کانفرنس۔

☆ سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمہ حضرت سید العلما علیہ الرحمہ کے ہاتھوں الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد۔

☆ نومبر ۱۹۷۳ء میں دوسری تعلیمی کانفرنس الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے مندرجہ ذیل شعبوں وغیرہ کا قیام

درسگاہ، دارالاقامہ، دارالحفاظ، دارالتجوید، دارالتصنیف والتالیف، لائبریری، شعبہ نشریات، مہمان خانہ، پریس اور فن کتابت کی تربیت کی عمارت۔ دفاتر اشرفیہ، ہائی اسکول، اساتذہ کی رہائشی عمارت، بیت المال وغیرہ

زیادہ تر شعبوں کا قیام ہو چکا ہے اور تعمیرات بھی ہو چکی ہیں۔ صرف پریس اور کتابت کے شعبہ کا کام باقی ہے اس کی جگہ کمپیوٹر نے لے لی ہے۔

الحمد للہ! یہ سب فیض، ابو الفیض، استاذ العلما جلالۃ العلم حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ، بانی و سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کا ہے۔

خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر
فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری

☆☆☆



الجامعة الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ
AL JAMIATUL ASHRAFIA MUBARAKPUR AZH. U.P.

پانچواں باب

حافظ ملت بحیثیت مفسر

تومفسر تومحدث رشک علم خاص وعام
ساقی بزم مدینہ سے ملا ہے تجھ کو جام
سینہ تیرا علم نبوی کا حسیں گلزار ہے
تیری خوشبو سے معطر کوچہ وہ بازار ہے
(بدر)

حافظ ملت بحیثیت مفسر

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کتنے عظیم مفسر قرآن تھے۔اس عظیم الشان موضوع پر مجھ جیسا بے علم قلم فرسائی کی مجال نہیں رکھتا بلکہ اس مقالہ میں حافظ ملت کے لائق و فائق تلمیذ ارشد،شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اور ان جیسے افاضل کی تحریروں کو نقل کرنا میرے لیے باعث سعادت ہے۔حضرت شارح بخاری قبلہ رقم طراز ہیں

مفسر ساز مفسر:

قرآن مجید ایک بحر نا پیدا کنار ہے الفاظ تو محدود ہیں۔مگر اس کے معانی غیر متناہی بالفعل ہیں حدیث میں ہے عجائبہ لا تنقضی لکل آیة منها ظهر وبطن و لکل حد مطلع کتاب اللہ کے معانی کا حال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو کچھ قرآن مجید میں ہے وہ سب سورۂ فاتحہ میں ہے اور فرمایا اگر میں سورہ فاتحہ کی تفسیر کروں تو اتنی کتابیں لکھدوں کہ ستر اونٹ بوجھل ہوجائیں۔علماء اسلام نے قرآن مجید کی تفسیر پر اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ میرا ایک اندازہ ہے کہ اگر پوری دنیا کے جملہ مذاہب کی کل مذہبی کتابیں ایک پلے میں ہوں اور تفاسیر کی کتب ایک پلے میں تو تفاسیر کی کتب بھاری ہوں گی۔قرآن مجید کی تفسیر میں خطا سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کتب تفسیر کا مطالعہ کامل ہو ورنہ آدمی بغیر ٹھوکر کھائے نہیں رہ سکتا۔اگر چہ وہ اہل زبان ہو اگر چہ لغت عرب پر عبور کامل رکھتا ہو۔

صحابہ کرام اہل زبان تھے ان کے زمانے میں قرآن نازل ہوتا تھا مگر وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے محتاج تھے ارشاد ہے وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ حضور اقدس پر قرآن نازل ہوا مگر حضور اقدس ﷺ تعلیم الٰہی کے محتاج تھے ارشاد ہے ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔

اس لئے قرآن کریم کی صحیح تفسیر جاننے کے لئے ضروری ہے کہ زبان عرب کی مہارت کے ساتھ ساتھ معانی قرآن کی تفسیر میں جو کچھ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ وائمہ مجتہدین نے بیان فرمایا ہے سب پر نظر ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ کتب تفسیر قدیم و جدید کا کامل مطالعہ ہو ان کے مضامین مستحضر ہوں۔اس کو یوں ذہن نشین کیجیے حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ کا بیان ہے کہ جب میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے بیٹھا تو بہت ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمے پر شبہات وارد ہوئے جب کتب تفسیر کی طرف مراجعت کی تو کبھی کبھی کئی کئی دن صرف ہوئے مگر کسی نہ کسی تفسیر میں ترجمہ رضویہ کی تصحیح مل جاتی اس طرح کہ اس کے سوا دیگر جملہ تراجم کا ضعف دلائل سے موجود ملتا۔

یہ سب اس لیے لکھ رہا ہوں کہ درس نظامی میں عام طور پر جلالین مدارک اور بیضاوی کے ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں۔اور تقریباً سبھی مدارس کا یہی دستور ہے۔جلالین اور بیضاوی پر کثیر حواشی اور شروح مطبوعہ ملتے ہیں جس کی مدد

سے ایک متوسط آدمی بھی ان کتابوں کو پڑھاتا ہے اور حضور حافظ ملت قدس سرہ کی تفسیر میں مہارت کا جو سرمایہ مل سکتا ہے وہ درس ہی سے مل سکتا ہے۔ تو اگر میں یہ کہدوں کہ حافظ ملت ان کتب تفسیر کو بہت عمدہ پڑھاتے تھے تو اہل علم اس کے کھو کھلے پن پر ہنس دیں گے اس لئے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حافظ ملت قدس سرہ ان کتابوں کو خوب بہت خوب بہت عمدہ اور بہت عمدہ تو پڑھاتے ہی تھے۔ حافظ ملت کا کمال یہ تھا کہ ایک ذی استعداد طالب علم کو یہی کتابیں پڑھا کر مفسر بنادیتے تھے۔ (ماہنامہ اشرفیہ)

تفسیر جلالین کا پہلا سبق:

حضرت شارح بخاری رقم طراز ہیں ''حافظ ملت درسی تقریر کی ایک جھلک دیکھتے چلیں جلالین کا پہلا سبق۔ الــم الف "اللـه اعـلـم بمراده بذالك" الم سے اللہ کی جو مراد ہے وہ خوب جانتا ہے فرماتے الم مقطعات قرآنیہ میں ہے ۔مقطعات قرآنیہ متشابہات میں ہیں متشابھات کے بارے میں تین مذہب ہیں۔

اسلم، سالم، زائغ

مذہب اسلم یہ کہ ان کی تاویل نہ کی جائے اور ان کے معنی کو علم الٰہی پر محمول کیا جائے۔

مذہب سالم یہ ہے کہ حقیقی مراد علم الٰہی پر محمول کی جائے اور ایسی تاویل کی جائے جو محکمات کے منافی اور معارض نہ ہو جیسے ید اللہ میں ید بمعنی قدرت۔

مذہب زائغ یہ کہ ان کی ایسی تاویل کی جائے جو محکمات کے منافی و معارض ہو جیسے ید اللہ میں ید بمعنی ہاتھ عضو مرادلیا جائے۔ یہ تینوں مذاہب سورۂ آل عمران کی اس آیت میں مذکور ہیں۔

فَـاَ مَّـا الَّـذِيْـنَ فِـى قُـلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَة وَابْتِغَاءَ تَاوِيْلِهِ وَ مَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهٖ كُلّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا. (آل عمران پ۳)

وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کی تاویل ڈھونڈنے کو۔ اور اس کی تاویل اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

اس آیت سے دو مذہب بالکل ظاہر ہے زائغ اور اسلم۔ مگر آگے وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ پر اگر وقف کیا جائے تو مذہب اسلم ظاہر ہے اور اگر اللہ پر وَالـرَّاسِخُوْنَ فِى الْعِلمِ کو معطوف مانا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ متشابہات کی تاویل صرف اللہ اور علم میں پختہ کار علما جانتے ہیں یہ مذہب سالم ہے مفسر نے اَللّٰـهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذَالِكَ تفسیر کرکے مذہب اسلم کو اختیار فرمایا۔

(ذالك) اى هـذا (الـكـتـاب) الـذى يـقـر ؤ ه مـحـمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔ذالك کی تفسیر ھـذا سے اس لئے کی کہ ذالک دور کے اشارے کے لئے آتا ہے۔ اور ھـذا قریب کے لئے۔ ذالک سے شبہہ ہوتا ہے کہ اس سے قرآن کے علاوہ کسی اور کتاب مثلا تورات یا انجیل کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ ذالک جزء قرآن

ہے جزو شئی شئی سے قریب ہوتا ہے مفسر نے ہذا نکال کر بتایا کہ مراد قرآن ہی ہے جس کا جز یہ ذالک بھی ہے ۔والا شــارة بذالك للتعظيم کہہ کے یہ نکتہ بتایا کہ مراد بعدُ رتبی ہے یعنی یہ کتاب ہے قریب مگر اتنی عظیم المرتبت ہے کہ اس سے عظیم تر کوئی دوسری کتاب نہیں ۔

الـذی یقرؤ ہ محمد ﷺ سے اشارہ کیا کہ الکتاب میں الف لام عہد کا ہے اس سے مراد یہ مخصوص کتاب ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں جس کا علم مخاطبین کو بخوبی ہے الـذین یو منون بالغیب کی تفسیر میں یو منون کی تفسیر یــصــدقــون سے کر کے یہ بتایا کہ صحیح یہی ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے علما کا ایمان کے بارے میں مختلف مذہب ہے بعض محدثین و شوافع جن میں امام بخاری بھی ہیں ۔اس کے قائل ہیں کہ ایمان تصدیق بالقلب اقرار باللسان و عمل بالارکان کے مجموعے کا نام ہے ۔بعض حضرات تصدیق اور اقرار کے مجموعے کو ایمان کہتے ہیں ۔احناف اور محققین اس کے قائل ہیں کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے ۔اور اقرار باللسان اجراء احکام کی شرط ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ ایمان کا عمل پر عطف ہے ۔اور عطف میں اصل مغایرت ہے خود اسی آیت میں یــومــنــون بــالغیب پر یـقـیـمـون الصلوة ومما رزقناهم ینفقون کا عطف ہے اس سے ظاہر ہے کہ ایمان اور عمل دو مغایر چیزیں ہے نیز اگر اعمال جزء ایمان ہوں تو تصدیق کرنے والے مومن نہ ہوں گے کافر ہوں گے ۔پھر اس آیت کریمہ ان اللـه لا یغفر ان یشـرک بہ و یغفر مادون ذالک کا محمل کیا ہوگا ۔اسی طرح کے چند عام فہم استدلالات بیان فرما کر بڑے مزے سے فرماتے ۔علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ شافعی مذہب ہیں مگر مذہب احناف کو یہاں اختیار فرمایا یہ مذہب احناف کی حقانیت کی دلیل ہے۔

اسی طرح ایک ایک لفظ پر طالب علم کے مناسب افادات بیان فرماتے ۔حـفـظ من حفظ ونسی من نسی آیہ کریمہ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا ۔پر افادہ فرماتے کہ ان شک کے لئے آتا ہے اور کفار کو شک نہیں یقین تھا کہ قرآن خدا کی کتاب نہیں ۔پھر اس کو بصیغہ شک کیوں بیان فرمایا پھر نکتہ ارشاد فرماتے کہ قرآن مجید کے مُـنَـزَّلُ مِنَ اللہ ہونے کی دلیل اتنی قوی ہے کہ اس کے آگے کفار کا یقین شک کی طرح کمزور اور بودا ہے۔

(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۷۔۱۹)

علم تفسیر کا ملکہ:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کتنے عظیم مفسر قرآن تھے اور انہیں اس علم مبارک میں مراحل کمال تک کیسی رسائی نصیب تھی ، جسے وہ بہت قلیل مدت میں اپنے باصلاحیت طلبہ میں منتقل فرما دیا کرتے تھے ۔حضرت شارح بخاری ادام اللہ فیوضہ کا بیان کردہ مندرجہ ذیل واقعہ اس کا شاہد عدل ہے ۔تحریر فرماتے ہیں ۔

”اپنی طالب علمی کے زمانے کا ایک واقعہ اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ کے بڑے صاحب زادے مولانا حکیم شمس الہدی مرحوم جنہیں ہم لوگ بھائی جان کہتے تھے حضرت حافظ ملت

قدس سرہٗ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے۔ان دنوں ان کے ایک عزیز جلالین شریف پڑھتے تھے اس زمانے میں یہ التزام تھا کہ جلالین حضرت حافظ ملت خود اپنے یہاں رکھتے تھے۔دوسرا پارہ ہو رہا تھا بھائی جان کے عزیز نے عبارت پڑھی ترجمہ کیا۔تقریر کا جب وقت آیا تو حضرت آج تقریر کرنے کے بجائے اس طالب علم سے سوالات کرنے لگے مفسر نے یہ کیوں نکالا۔یہ کیوں نکالا غالبا نصف صفحہ کا سبق تھا اس طالب علم نے ہر جگہ بتا دیا حضرت بے حد مسرور ہوئے اور بھائی جان مرحوم حیران و ششدر۔سبق کے بعد متعدد طلبہ اور بعض مدرسین سے انہوں نے یہ واقعہ بار بار بیان فرمایا اور اس طالب علم کی بہت تعریف کی مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ سب فیض ہے اس کیمیا صفت مرد حق آگاہ کا جو مس خام کو کندن بنانے میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔کیا جلالین و بیضاوی کے شروح وحواشی دیکھ کر سب پڑھانے والوں میں یہی تاثیر ہے کہ صرف ایک پارہ کی تفسیر پڑھا کر متعلم میں اتنی صلاحیت پیدا کردیں کہ وہ پورا سبق مطالعہ کرکے حل کرے یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک ہی پارہ پڑھنے کے بعد طالب علم میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی یا ہوگئی تھی تو اسے سال بھر تک جلالین پڑھنے کی کیا ضرورت تھی وہ مطالعہ سے حل کر لیتا۔اسے جلالین پڑھانا تضیع اوقات تھا۔بجائے جلالین کے اسے اور کوئی کتاب پڑھائیں۔

یہ سوال اگر اسی طالب علم سے کیا جاتا تو وہی جواب دے سکتا تھا کہ کیوں اس نے سال بھر تک یا اکثر سال جلالین پڑھی جب کہ جلالین حل کرنے کی اسے قوت ہوگئی تھی بات یہ ہے کہ جلالین سمجھ لینا سمجھا لینا اور بات ہے اور قرآن مجید کی تفسیر پر حاوی ہونا اور بات ہے جلالین سمجھنا سمجھانا تفسیر کا الف با ہے اور قرآن مجید کی تفسیر پر حاوی ہونا اخیر منزل ہے درمیان میں کتنے مراحل ہیں اس کو وہی جانتا ہے جو علم تفسیر سے مس رکھتا ہے۔اس طالب علم میں جلالین حل کرنے کی استعداد تو پیدا ہوگئی تھی مگر دیگر مراحل باقی تھے انہیں طے کرنے کے لئے سال بھر جلالین پڑھتا رہا۔

اس کو یوں سمجھئے کہ جلالین سمجھ لینے سے یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ جلالین نے فلاں فلاں آیت کی کیا تفسیر کی ہے مگر یہ ضروری نہیں کی جو جلالین نے تفسیر کی ہے وہی صحیح راجح مختار ہو بہت سی جگہ بتقاضائے بشری ان حضرات سے بھی لغزش ہوئی ہے۔وہاں صحیح کیا ہے۔یہ جلالین کے مطالعہ سے کسے معلوم ہوگا علاوہ ازیں تفسیر میں جگہ جگہ احناف وشوافع کے اختلافات کی معرکہ آرائیاں ہیں۔اور دونوں جلال شافعی ہیں احناف کا موقف اور اس کے دلائل جلالین دیکھنے سے نہیں معلوم ہوں گے۔یہ یا تو دیگر کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوں گے یا کسی ماہر مشفق استاذ کے بتانے سے ہمارے زمانے میں مولوی محمد عثمان بمبئی والے ایک بہت ہی عظیم ذہین وفطین قادر الکلام و نقّاد ذہن کے طالب علم تھے۔ان کو پڑھانا آسان نہیں تھا ہم نے دیکھا ہے کہ کبھی کبھی درسگاہ میں مناظرے کا شبہہ ہو جاتا تھا مگر حافظ ملت کے یہاں ان کو بھی ہمیشہ کم سخن ہی پایا ان کے تفسیر جلالین پڑھنے کے زمانے کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اعلیٰ درجے کے ذہین وفطین ہوتے ہوئے بھی انہوں نے جلالین شریف دو سال میں مکمل حافظ ملت سے پڑھی ہے حالانکہ جلالین بمشکل آٹھ دس پارے لوگ پڑھاتے ہیں اور عام طور پر یہ آسان کتاب مانی جاتی ہے لیکن اسکا اصل اشکال اس

واقعہ سے ظاہر ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہوگا کہ مولوی عثمان نے کیوں تیس پارے پڑھے اور یہ بھی عقدہ حل ہوگا کہ نفس مطلب حل کرنے کے بعد کیا پڑھنے کی ضرورت تھی۔

سورۂ نور اور حافظ ملت کی تدریسی نورانیت :

شارح بخاری فرماتے ہیں :

''سورہ نور کی آیہ کریمہ اللہ نور السمٰوٰت والارض کا سبق تھا آیہ کریمہ کے ظاہر مفہوم پر بادی النظر میں بہت سے اعتراضات پڑتے ہیں ۔مولوی عثمان کے نقاد ذہن نے اس پر سولہ شبہات تیار کیے ۔ان کا بیان ہے کہ میں نے اس رات سوائے جلالین کے اور کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا ان شبہات کو اچھی طرح ذہن میں بٹھایا ان کے جو جوابات ان کی سمجھ میں آئے ان پر بھی غور کیا جب سبق پڑھنے بیٹھے تو اس دن عبارت نہیں پڑھی جتنی دیر عبارت خوانی ہوتی رہی اتنی دیر وہ انہیں شبہات پر غور کرتے رہے۔

عبارت خوانی کے بعد جب حافظ ملت نے تقریر کی تو دم بخود ہو کر سنتے رہے پینتالیس منٹ تک حافظ ملت تقریر کرتے رہے یہ ہمہ تن گوش مہر برلب سنتے رہے جب تقریر پوری ہوگئی تو حافظ ملت نے مولوی عثمان سے پوچھا کیا بات ہے عثمان بالکل خاموش ہو آج کچھ نہیں بولے انہوں نے عرض کیا آج تو سولہ شبہات تھے اور ان سب کو پیش کرنے کی پوری تیاری کر کے آیا تھا مگر حضور نے ایسی تقریر کی کہ وہ سب شبہات کافور ہوگئے میں کیا پوچھتا؟ کیا تدریس کا یہ انداز ایک عظیم خرق عادت اور عظیم کرامت سے کم ہے؟ کیا اس کی مثال عام مدرسین کے یہاں مل سکتی ہے؟ کاش کہ مولوی عثمان نے اپنے ان شبہات کو اور پھر حافظ ملت قدس سرہ کی اس تقریر کو قلم بند کرلیا ہوتا تو آج ایک عظیم یادگار باقی ہوتی۔

میں نے یہی مضمون حافظ ملت قدس سرہ کے عرس چہلم میں بیان کیا تو ایک حاسد نے جو بزعم خویش اپنے آپ کو ہمہ دان اور بے مثل و یکتا جانتے ہیں ۔اس کا مذاق اڑایا کہ اس میں کیا کمال ہے وہ تو خود صاحب جلالین نے نور کی تفسیر منور ھما بالشّمس والقمر سے کر کے بہت سے شبہات کا ازالہ کردیا ہے میں نے عرض کیا کہ اولا خود اس تفسیر پر کئی شبہات میرے ذہن میں ہیں نور مصدر نہیں کہ اسے اسم فاعل کے معنی میں لے لیں اور مبالغۃً حمل کا قول کریں۔

ثانیا اس میں بھی ایک استبعاد ہے نور اگر مصدر ہوتا بھی تو مجرد ہوتا اور منور مزید فیہ تو اس تفسیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجرد بمعنی مزید فیہ پھر مصدر بمعنی اسم فاعل ۔(اگر چہ یہ شبہہ لاینحل نہیں) مگر میں نے ان کا مبلغ علم معلوم کرنے کے لیے عرض کردیا ثالثا یہ جواب ہے تو اسکا کہ مصدر کا حمل غیر مصدر پر درست نہیں نیز مصدر کا معنی انتزاعی ہے معنی انتزاعی قائم بالغیر ہوتا ہے اور اللہ عزوجل کی صفات قائم بالغیر نہیں پھر معنی انتزاعی حقیقت ثابتہ نہیں انتزاع منتزع پر موقوف ہے اور اللہ عزوجل کی ہر صفت حقیقت واقعیہ ثابتہ ہے اعتبار معتبر پر موقوف نہیں۔ نیز نور عرض ہوتا ہے اور عرض قائم بالغیر ہوتا ہے نیز یہ کہ عرض کسی ماہیت کا جز ہوتا ہے اور صفات باری ان دونوں سے منزہ ان شبہات کا جواب تو منور سے ہوسکتا ہے مگر سولہ کے سولہ شبہات جب تک معلوم نہ ہوں آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سب کا جواب اس تفسیر سے ہوگیا بلکہ آپ یا ہم

یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان میں کسی ایک کا جواب اس تفسیر سے ہوا۔ (ایضاص ۱۱۶۔۱۱۷)

شاہد کا معنی:

انجمن امجدیہ بھیرہ ولید پور اعظم گڈھ کے اجلاس میں ایک بار حضرت الاستاذ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ دام ظلہ نے آیتِ کریمہ ’’انا ارسلنک شاھدا و مبشرا‘‘ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہد کا معنی حاضر ہے نماز جنازہ کی وہ دعا جس میں ہے ’’لشاھدنا وغائبنا‘‘ (مغفرت فرما) ہمارے حاضر کی اور ہمارے غائب کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہد بمعنی حاضر آتا ہے، لہذا آیہ کریمہ سے ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا۔ بعدہ حافظ ملت نے تقریر کی تو حضرت نے حضرت مفتی صاحب قبلہ کی تحسین کے ساتھ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

یہی مان لو کہ شاہد کے معنیٰ گواہ ہے، تو بتاؤ گواہ کون ہوتا ہے؟ کیا وہ شخص گواہ ہوسکتا ہے جو واقعہ کے وقت موجود نہ ہو، یا موجود ہو مگر بچشم خود دیکھا نہ ہو، ہرگز نہیں گواہ وہی ہوتا ہے جو واقعہ کے وقت حاضر بھی ہو اور ناظر بھی، لہذا ’’انا ارسلنك شاھدا‘‘ میں شاہد کا معنی گواہ لینے پر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا اپنی جگہ بعینہ ثابت ہے۔ وللہ الحمد۔ (حافظ ملت نمبر ص ۱۸۲، اشرفیہ از مولانا محمد احمد صاحب مصباحی بھیروی)

’’لکل قوم ہاد‘‘ کا مطلب:

نیچریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رام، کرشن وغیرہ نبی تھے، اس پر ولکل قوم ھاد سے استدلال کرتے ہیں کہ ہر قوم کے لیے ایک ہادی اور رسول ہے۔ نیچریوں کے اس عقیدے کو حافظ ملت نے اس طرح باطل کیا۔ فرماتے ہیں:

نیچریوں کے قول کی ساری بنیاد ’’لکل قوم ھاد‘‘ پر قائم ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت نے اپنے ترجمہ ہی سے ان کا سارا قصر استدلال بالکل منہدم کر دیا۔ آیت کریمہ ہے ’’انما انت منذر ولکل قوم ھاد‘‘ اعلیٰ حضرت نے ترجمہ فرمایا تم تو ڈر سنانے والے ہو اور ہر قوم کے ہادی۔

یعنی یہ فرمان صرف ہمارے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے کہ تم تو ہر قوم کے لیے ہادی اور نذیر ہو، اب ولکل قوم ہاد سے نیچریوں کے استدلال کی گنجائش نہ رہی۔

(حافظ ملت نمبر، اشرفیہ از مولانا محمد احمد صاحب مصباحی بھیروی)

لغزش مفسر کی اصلاح:

صاحبان علم وفن حضرات مفسرین کرام سے بتقاضائے بشریت لغزشیں بھی ہوتی ہیں، حضور حافظ ملت صرف طلبہ کو کتب تفسیر کا سبق نہیں دیتے تھے۔ بلکہ روح علم سے آشنا فرمادیتے۔ ان کی نگاہیں مفسرین کی لغزشوں کو بھی گرفت میں رکھتیں شارح بخاری اس حوالے سے رقم طراز ہیں

’’جہاں جہاں مفسر سے غلطی ہوئی ہے وہاں تنبیہ فرماتے مثلاً آیت کریمہ لقد ھمت بہ و ھم بھا لو لا ان

راٰ برھان ربہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف بھی زلیخا کا اردہ کرتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے۔اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے ارادہ معصیت کیا ہی نہیں۔مگر مفسر نے یہ لکھا ہے وجواب لولا لجامعھا۔اس تقدیر پر مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسف نے بھی ارادہ معصیت کرلیا تھا۔اگر برہان الٰہی نہ دیکھتے تو معصیت کے مرتکب ہوجاتے۔حافظ ملت فرماتے ہیں کہ گناہ کا اردہ انبیائے کرام کے شایان شان نہیں اس لیے یہ تفسیر صحیح نہیں۔لولا کا جواب محذوف ضرور ہے۔مگر وھم بھا مقدم اس جواب محذوف پر دال ہے۔اور لجامعھا محذوف ماننے پر شرعی قباحت کے علاوہ ایک شناعت یہ بھی ہے کہ محذوف پر دال کوئی نہ ہوگا۔زیادہ سے زیادہ کہیں گے کہ اس حذف پر قرینۂ عقلی قائم ہے۔یہ قرینۂ عقلی، دلیل شرعی کے مزاحم ہوکر ساقط ہوگیا۔نیز قرینہ ملفوظہ جب موجود ہے تو عقلی قرینہ لینے کی کیا حاجت۔؟خصوصا ایسی صورت میں جب کہ ایسی شناعت لازم آتی ہو"

(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۱۹)

وہابیہ کی تاویل سے ثبوت علم غیب:

مولانا محمد اسلم عزیزی گورکھپوری حافظ ملت کی ایک درسگاہی تقریر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"وَمَاهُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ" پر درسگاہی تقریر میں افادہ فرمایا اس آیت کریمہ میں "ھو" کا مرجع (مراد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ ذات گرامی ہے اس صورت میں نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا غیب بتانے میں بخیل نہ ہونا ثابت ہے۔تو ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عطا سے غیب جانتے بھی ہیں اور بتاتے بھی ہیں۔مگر وہابیہ اپنے مطلب کے موافق "ھو" کا مرجع اللہ تعالی کو بتاتے ہیں اس صورت میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی غیب بتانے میں بخیل نہیں ہے جب اللہ تعالی اغیب بتانے میں بخیل نہیں ہے تو اس نے اپنے نبی کو غیب کا علم دیا ہے نہ عطا فرمائے تو بخل لازم آئے گا"(معارف حافظ ملت ص ۴۴) محبّ گرامی حضرت مولانا محمد اسلم مصباحی عزیزی گورکھپوری کے محفوظ کئے ہوئے چند اور تفسیری افادات ملاحظہ فرمائیں۔

رزق وعطا میں مناسبت:

جلالین شریف کے پہلے سبق میں ومما رزقنھم کی تفسیر مفسر نے اعطیناھم سے اس لیے فرمائی ہے کہ رزق کے مفہوم میں ہر شئی داخل ہے جو خدا کی طرف سے بندوں کو ملے۔

توضیح:۔رزق کا عام اور متعارف معنی جو ذہنوں میں ہے وہ یہ کہ کھانے اور پینے کی چیزوں کو رزق کہا جاتا ہے۔اس معنی کے اعتبار سے رزق خاص معنی میں ہوا اور عطا کھانے اور پینے کی چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے اس طرح خاص کی تفسیر عام سے ہوئی اور جب رزق کا معنی عطا الٰہی مراد لے لیا گیا تو اب صرف اشیاء خوردنی کا خرچ کرنا ہی متقیوں کی صفت نہیں ہوئی بلکہ زبان، ہاتھ، پیر اور دوسرے اعضا سے جو نیکیاں صادر ہوتی ہے وہ بھی متقین کی صفت ہوئیں۔اب آیت کا مطلب یہ ہوا اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا، زبان سے کسی کو ہدایت دینا، قدم سے

چل کر کسی کی مدد کرنا، اور اپنے کردار سے دنیا والوں کے سامنے راہ ہدایت پیش کرنا حتی کہ دینی ضرورت پر اپنی جان اور اولاد کو قربان کرنا یہ سب متقیوں کی صفت ہے۔

ورفعنا جمع کیوں:

علماء اہلسنت کسی آیت کے مفہوم کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے وقت ''اللہ تعالی فرماتا ہے'' کہتے ہیں مگر علماء دیوبند اس طرح کے موقعوں پر ''اللہ تعالی کہتے ہیں'' بولتے ہیں۔

اہلسنت اپنے استعمال ''فرماتا ہے'' کو عظمت و حدت و یکتائی کے مناسب کہتے ہیں۔ اور علماء دیوبند اپنے استعمال ''کہتے ہیں'' کو تعظیم الہی کا نام دیتے ہیں۔

کسی انسان کا ایسا وصف جس میں وہ کمال رکھتا ہو اس کی انفرادی حیثیت کو بیان کرنے کے لئے اگر یوں کہا جائے ''یہ بہادر ہیں'' تو بہادری کی انفرادیت کا بیان اس طرح نہ ہوسکا کہ غیر کی شرکت کا احتمال ختم ہو جائے بلکہ اس وصف میں کسی غیر کے شریک ہونے کا احتمال باقی رہ جاتا ہے۔

اور جب یوں کہا جائے کہ ''بہادر ہے'' تو اس کی بہادری کی انفرادی حیثیت کا بیان درجہ کمال تک پہونچ گیا۔ اور اس کی بہادری کی تعظیم اسی میں ہے کہ اس کی بہادری درجہ کمال کے ساتھا بیان ہو جائے۔

وحدہ لاشریک کی یکتائی اور وحدت کا بیان ''اللہ تعالی فرماتا ہے'' میں ہے اور ''اللہ تعالی کہتے ہیں'' سے وحدہ لاشریک کی نہ وحدت و یکتائی کا بیان ہوا اور نہ وحدت کی تعظیم ہوسکی۔ لہذا ''اللہ تعالی فرماتا ہے'' وحدہ لاشریک کی شان یکتائی و وحدت کے مناسب ہے۔

اگر چہ یہ اختلاف کچھ ایسا نہیں ہے کہ اس پر اسلام و کفر کے حکم فقہی کا نفاذ ہو سکے اس کے باوجود علماء دیوبند اپنے عوام کو ''اللہ صاحب فرماتے ہیں'' کا ذہن دینے کے لئے اہل سنت پر معترض ہوتے ہیں۔

ایک بار مبارک پور میں اپنے استعمال ''فرماتے ہیں'' کی تائید میں کسی دیوبندی عالم نے ایک جلسہ میں کہا تھا۔ قرآن میں اللہ تعالی نے اپنی ذات کے لئے وَرَفَعنا لَكَ ذِكرَك فرمایا ہے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے لئے ''ہیں'' لفظ کا بولنا قرآن کے مطابق ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں اس تقریر کا یہ اقتباس اس وقت عرض کیا گیا جب تقریر کرنے کے لئے کرسی پر بیٹھنے والے تھے خطبہ مسنونہ کے بعد ورفعنا لک ذکرک کی تلاوت فرما کر درمیان تقریر ارشاد فرمایا اللہ تعالی کی صفت قہار بھی ہے اور جبار بھی، رحمن ورحیم بھی اللہ تعالی کی صفت ہے اور ستار وغفار بھی آیات قہر میں صفت قہر کا ظہور ہے اور آیات رحمت میں صفت رحمت کی جلوہ فرمائی، اور آیات مغفرت میں صفت غفاریت کی جلوہ سامانی ہے۔ مگر اللہ تعالی نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفعت کو بیان فرمایا تو صرف صفت وحدت و یکتائی سے نہیں بلکہ اپنے تمام صفات کمالیہ کے ساتھ صیغہ جمع سے ورفعنا لک ذکرک فرمایا کہ شان حبیب میں گستاخی کرنے والے صفت قہر کے سزاوار ہوں گے۔ اور شان حبیب کا احترام کرنے والے صفت رحمت وغفران کے حقدار ہوں

گے۔(معارف حافظ ملت ص۲۳۔۲۵)

ایک تفسیری عبارت کا ترجمہ:

"للمتقین " کی تفسیر کے الفاظ جلالین شریف "الصائرین الی التقویٰ بامتثال الاوامر و اجتناب النواھی" ہیں اس تفسیری عبارت کا ترجمہ حضور حافظ ملت نے فرمایا "جولوٹنے والے ہیں تقوی کی طرف احکام کی بجا آوری اور منہیات سے پرہیز کرکے" (ایضا ص۴۲)

تقدم مثلہ کا مطلب:

جلالین شریف کے سبق میں جب پہلی بار "تقدم مثلہ" آیا تو حضرت نے فرمایا، تقدم مثلہ کا ترجمہ ہے اس آیت کی تفسیر گذر چکی ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے جن لوگوں نے پہلے مقام سے اس آیت کی تفسیر کو یاد رکھا ہے ان کو بتانا بے سود ہے جن لوگوں نے پڑھ کر بھلا دیا ہے وہ دوبارہ بتائے جانے کے لائق نہیں۔

نشان سجدہ اور داغ جبیں:

رفیق گرامی قدر علامہ محمد احمد مصباحی روایت فرماتے ہیں:

حافظ ملت مدرسہ فیض العلوم میں تشریف فرما تھے علامہ ارشد القادری صاحب نے ایک صاحب کا ذکر کیا کہ یہ نمازوں کے تو پابند نہیں مگر پیشانی پر ایک نمایاں داغ بنا رکھا ہے حضرت نے فرمایا۔

"بہت بری چیز ہے۔قرآن میں اس علامت سجدہ کی تعریف کی گئی ہے جو چہرے میں نمایاں ہوتی ہے۔قرآن فرماتا ہے سِیۡمَاهُمۡ فِی وُجُوۡهِهِمۡ۔ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے قرآن کریم میں "فی جباھھم" (ان کی پیشانیوں میں) نہیں ہے۔حضرت کے پاس تفسیر صاوی شریف رکھی ہوئی تھی فرمایا اسی صاوی میں داغ سجدہ کی مذمت میں ایک حدیث ذکر کی ہے"

یہ سن کر فوراً میں نے صاوی شریف سے یہ مقام نکالا۔

(سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود) و ھو نور و بیاض یعرفون بہ فی الاخرۃ انھم سجدوا فی الدنیا۔(جلالین)

ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے وہ ایک نور اور سفیدی ہے جس سے آخرت میں اس کی شناخت ہوگی کہ انہوں نے دنیا میں سجدے کئے ہیں۔

علامہ احمد صاوی فرماتے ہیں:

اختلف فی تلک السیما فقیل ان مواضع سجود ھم یوم القیمۃ تری کالقمر لیلۃ البدر و قیل ھو صفرۃ الوجہ من سھر اللیل و قیل الخشوع الذی یظھر علی الاعضاء حتی یری انھم مرضی و لیسوا بمرضی و لیس المراد بہ ما یصنعہ الجھلۃ المرائین من العلامۃ فی

الجبهة ۔فانه من فعل الخوارج وفی الحدیث انی لا بغض الرجل و اکرهه اذا رأیت بین عینیه اثر السجود۔(صاوی شریف سورہ فتح پ۲۶)

اس علامت میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ان کے اعضائے سجدہ روز قیامت چودھویں کے چاند کی طرح روشن نظر آئیں گے دوسرا قول ہے کہ یہ چہرے کی زردی ہے جوشب بیداری کے باعث پیدا ہوجاتی ہے تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ خشوع مراد ہے جو اعضا پر نمایاں ہوتا ہے جس سے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے کہ وہ بیمار ہیں حالانکہ بیمار نہیں اس سے وہ داغ مراد نہیں جسے ریا کار جاہلین اپنی ''پیشانیوں'' میں بنا لیتے ہیں یہ تو خارجیوں کا فعل ہے حدیث شریف میں ہے میں اس شخص کو دشمن و ناپسند رکھتا ہوں جس کی آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) نشان سجدہ دیکھتا ہوں۔

حضور حافظ ملت کی توجیہ علامہ احمد صاوی کی تصریح اور اس حدیث پاک سے ہم لوگوں کو ایک عجیب انشراح صدر ہوگیا۔مولانا ارشد القادری صاحب نے کہا میرے دل میں ایک انقباض رہتا تھا کہ قرآن علامت سجدہ کی تعریف کرتا ہے اور ہم لوگ اس کی مذمت کرتے ہیں بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا داغ سجدہ قرآن کا پسندیدہ اور محمود ہے مگر آج شرح صدر ہوگیا کہ داغ پیشانی تو مذکور قرآن ہی نہیں بلکہ اس میں تو نور چہرہ کی تعریف فرمائی گئی ہے۔
(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص۱۸۴)

بدعقیدگی کی اصلاح:

ایک شخص نے آیت کریمہ "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ" میں لفظ حریص پر وقف کردیا۔یعنی سانس توڑدی۔حافظ ملت نے انہیں ٹوکا اور فرمایا اس مقام پر وقف کرنا موجب اہانت ہے کیونکہ آیت مبارکہ میں محض لفظ حریص سے مقصود حاصل نہیں ہوتا بلکہ حريص عليكم بِالْمُؤْمِنِينَ ۔سے بات پوری ہوتی ہے آیت مبارکہ کا ترجمہ یوں ہے بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان۔

آپ فرماتے تھے ایک وہابی مولوی آیت مذکورہ کو جب بھی پڑھتا حریص پر وقف کرتا۔منع بھی کیا گیا مگر اپنی اس حرکت سے باز نہیں آیا وجہ یہ ہے کہ دل میں حضور انور سے بغض رکھتا تھا۔شاید اس کی بدعقیدگی کو اس حرکت سے سکون ملتا رہا ہو۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور گرامی میں ایک شخص نماز فجر میں ہمیشہ سورہ عبس وتولی ان جاء ہ الاعمی الایۃ پڑھا کرتا تھا۔لوگوں نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو آپ نے اس کو امامت سے بر طرف کردیا۔اور تنبیہ فرمائی۔

سیدنا صدیق اکبر ہی اتقی ہیں:

ایک مرتبہ مبارکپور میں ایک رافضی مقرر نے حضرات خلفائے ثلٰثہ،سیدنا ابوبکر صدیق،سیدنا عمر فاروق،اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنھم کی جناب میں گستاخی کرتے ہوئے انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لاتعلق بتایا اور مولائے

کائنات سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں کہا۔
''جگر جگر ہے دگر دگر ہے''
حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ہوئی تو حضرت کو جلال آ گیا فرمایا:
''یہ شاعری ہے شاعری پر شاعروں کے مذہب کی بنیاد ہوتی ہے اسلام کی بنیاد شاعری پر نہیں۔''
پہلی بات تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر نہیں، یعنی جز نہیں جز اولاد ہوتی ہے۔ یہ مان لینے کی صورت میں لازم آئے گا کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا حضرت علی سے بھی افضل ہوں اور صرف حضرت فاطمہ ہی نہیں حضرت رقیہ، حضرت کلثوم حضرت زینت اور تمام صاحبزادگان رسول، حضرت علی سے افضل ہوں۔
حالانکہ یہ خود رافضیوں کے مسلمات کے بھی خلاف ہے۔ اور جمہور امت کے بھی اب آیئے قرآن مجید کے ارشاد کی جانب سورۂ حجرات میں ہے

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (الحجرات)

اللہ کے حضور تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو تم میں اتقیٰ (سب سے زیادہ متقی) ہے
اور سورۂ واللیل میں فرمایا:

وَ سَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی الَّذِی یُؤْتِی مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ٥ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِعْمَۃٍ تُجْزٰیٓ ٥ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی۔

اور جہنم سے وہ بہت دور رہے گا جو اتقی (سب سے زیادہ پرہیز گار) ہے جو مال اس لئے دیتا ہے کہ پاک صاف ہو۔ اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ چکایا جائے۔ صرف اپنے بلند و بالا رب کی رضا چاہتا ہے۔
مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں اتقیٰ سے مراد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعد کا ارشاد بھی اس پر دلیل ہے۔ سوائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کوئی ایسا نہیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی احسان نہ کیا ہو۔

اس لئے متعین ہے کہ یہاں اتقیٰ سے مراد صدیق اکبر ہیں۔ اب دونوں آیتوں کو ملاؤ تو ترتیب یہ ہوگی ''ابو بکر اتقیٰ ہیں'' اور یہ اتقیٰ عند اللہ پوری امت سے بزرگ و اکرم۔ تو ثابت ہوا کہ صدیق اکبر ساری امت سے بلا استثنا بزرگ اور اکرم ہیں''

اس پورے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حافظ ملت کے تلمیذ ارشد حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی لکھتے ہیں:
''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب حافظ ملت قدس سرہٗ نے یہ استدلالی تقریری فرمائی تو مجمع پر سحر کی سی کیفیت تھی پورا مجمع جھوم رہا تھا۔ اور سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ اس قسم کے ایک دو نہیں سینکڑوں افادات ہیں۔ اگر اسی وقت قلم بند ہو گئے ہوتے تو آج ہی نہیں قیامت تک لوگ اس سے متمتع ہوتے۔

(حافظ ملت بحیثیت مفسر اشرفیہ نمبر ص ۱۲۰)



چھٹا باب

حافظ ملت بحیثیت شیخ الحدیث

افکار بخاری ہیں زباں سے تیری جاری
سینہ ترا گنجینۂ عرفانِ خدا ہے
بیمار و علیل آج ہے سرکار کی امت
ہاتھوں میں ترے نعمتِ داروے شفا ہے

حافظ ملت بحیثیت شیخ الحدیث

حافظ ملت علیہ الرحمہ نے حضور صدرالشریعہ اوران کے ہم عصر دیگر اساتذہ کرام کے ذریعہ علوم نقلیہ وعقلیہ میں رسوخ حاصل کیا اور حدیث، اصول حدیث، فقہ اصول فقہ ،تفسیر،عقائد کلام،اسماء الرجال،سیر،تواریخ،لغت ادب، معانی،بدیع،صرف نحو،ہیئت،فلسفہ منطق ،مناظرہ جیسے علوم میں درجہ کمال تک پہونچے ۔اپنے تلامذہ کوآپ ''یک درگیر محکم گیر'' کا درس دیتے تھے اورخود اس مقولہ پر سختی سے کاربند تھے انہوں نے بارگاہ امجدی میں ایک متعلم اور طالب علم کی حیثیت سے عمر کا طویل عرصہ گزارا۔انہوں نے حضور صدرالشریعہ بدرالطریقہ علامہ شاہ محمد امجد علی خلیفہ ومجاز وماذون سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (قدست اسرارھما) کا دامن تھاما اور اس مضبوطی سے تھاما کہ پھر ہر طرف سے بے نیاز ہوگئے ۔انہی کے در سے حافظ ملت کوعلم اور اصناف علم کی برکتیں بھی حاصل ہوئیں ۔سلوک وتصوف کے انوار بھی میسر آئے ۔نیز تمام منقول علوم کی اسناد واجازت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔

حافظ ملت نے صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی نسبت کوعشق کی حد تک چاہا اور پھر اس نسبت عشق کو بچانے کے لیے کسی جانب آنکھ اٹھا کرنہیں دیکھا۔

احمد تو عاشقی بمشیخت تراچہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

پھر صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے بھی اپنے اس اچھوتے ،اکلوتے ،اورمنفرد تلمیذ، اور عاشق پر اپنے کرم خاص کی باران کرم برسائی اور اسلاف کرام کے تمام بخشیدہ خزانوں کا وارث بنا دیا۔

حافظ ملت کے شیوخ:

آنکھوں میں بس گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دوچار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کو خاتم اکابر حضرت شاہ آل رسول مارہروی، شیخ احمد بن زین دحلان مکی، شیخ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سراج مکی، شیخ حسین بن صالح جمال اللیل، شیخ ابوالحسین احمد نوری مارہروی،اور خود خاتم المحققین شیخ محمد نقی علی خاں (والد گرامی) علیہم الرحمۃ والرضوان سے احادیث مبارکہ اور علوم وفنون کی سندیں حاصل تھیں ۔سیدنا اعلیٰ حضرت نے ان تمام کی اجازت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کو دی،اور حضور صدرالشریعہ نے اپنے اس عزیز تلمیذ کو یہ دولت بے بہا عطا فرمائی ۔اس طرح حافظ ملت علیہ الرحمہ کوحرمین طیبین ،دہلی، خیرآباد،فرنگی محل ،مارہرہ مطہرہ اور بریلی کی برکات وحسنات صدرالشریعہ کے وسیلہ سے حاصل ہوئیں۔

سند حدیث:

امام المحدثین سیدنا الشیخ ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ سے حافظ ملت علیہ الرحمہ تک مشائخ حدیث کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں:

شیخ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بشر فربری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ ابومحمد عبداللہ بن احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ ابوالحسن عبدالرحمٰن بن مظفر داؤدی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ ابوالوقت عبدالاول بن عیسی بن شعیب سنجری ہروی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ سراج حسین بن مبارک زبیدی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ ابوالعباس احمد بن ابی طالب الحجار رحمۃ اللہ علیہ
شیخ ابراہیم بن احمد التنوخی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ احمد زکریا بن محمد ابویحیی الانصاری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد الرملی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ احمد بن عبدالقدوس ابوالمواھب اشناوی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ احمد القشاشی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ ابراہیم الکردی المدنی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ سید آل رسول المارہروی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ امام احمد رضا خان بریلوی (اعلی حضرت) رحمۃ اللہ علیہ
شیخ محمد امجد علی اعظمی (صدرالشریعہ) رحمۃ اللہ علیہ
شیخ عبدالعزیز (حافظ ملت) رحمۃ اللہ علیہ

دیگر اسناد حدیث

شیخ ابو العیاش محمد عبد العلی لکھنوی،

شیخ محم سندی، شیخ عثمان دمیاطی، شیخ جمال بن عبد اللہ مفتی مکہ، شیخ عابد سندی مدنی، شیخ علی حسین مرادآباد

شیخ خلیل الرحمٰن محمد آبادی، شیخ سید احمد بن زین دحلان مکی، شیخ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ السراج مکی، شیخ حسین بن صالح جمال اللیل، شیخ سید ابو الحسین احمد نوری،

شیخ رضا علی خاں بریلی،

شیخ محمد نقی علی بریلوی،

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی،

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی،

سید آل رسول مارہروی،

شیخ امام احمد رضا خان بریلوی (اعلیٰ حضرت)

شیخ محمد امجد علی اعظمی (صدر الشریعہ)

شیخ عبد العزیز مرادآبادی (حافظ ملت)

اس سند حدیث میں حافظ ملت علیہ الرحمہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک صرف ۱۳/ واسطے ہیں۔

حدیث مسلسل بالاولیت کی ایک عالی سند

اس میں حضور پرنور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے حضرت شیخ الشہاب ابو الفضل احمد بن حجر العسقلانی تک مذکورہ بالا مشائخ عظام ہیں اس کے بعد سند یوں ہے۔

شیخ الاسلام اشرف زکریا بن محمد الانصاری

شیخ ابو الخیر بن عموس الرشیدی

شیخ محمد بن عبد العزیز

شیخ احمد بن محمد الدمیاطی المعروف ابن عبد الغنی

شیخ مولانا احمد حسن الصوفی مرادآبادی

شیخ سید شاہ ابو الحسین احمد النوری مارہروی

شیخ امام احمد رضا قادری بریلوی (اعلیٰ حضرت)

شیخ محمد امجد علی الاعظمی (صدر الشریعہ)

شیخ عبد العزیز مرادآبادی (حافظ ملت) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

حدیث مسلسل بالا ولیت کی دوسری سند

حضور انور سید نا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابو قابوس مولی عبد اللہ بن عمرو بن عاص

حضرت سفیاں بن عمر بن دینا

حضرت سفیان بن عیینہ

حضرت عبد الرحمٰن بن بشر بن الحکم

حضرت ابو حامد احمد بن محمد بن یحیی بن بلال البز ار

حضرت ابو طاہر محمد بن محمد محمش الزیادی

حضرت ابو صالح احمد بن عبد الملک المؤذن

حضرت ابو سعید اسماعیل بن ابو صالح احمد بن عبد الملک نیشا پوری

حضرت حافظ ابو الفرح عبد الرحمٰن بن علی الجوزی

حضرت ابو الفرح عبد اللطیف بن عبد المنعم الحرانی

حضرت ابو الفتح محمد بن محمد بن ابراہیم الکبریٰ المیدومی

حضرت شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد القدمیری

حضرت الفضل عبد الرحیم بن حسین العراقی

حضرت شیخ الشہاب ابو الفضل احمد بن علی العسقلانی

حضرت شیخ شمس الدین سخاوی القاہری

حضرت شیخ وجیہ الدین عبد الرحمٰن بن ابراہیم علوی

حضرت شیخ محمد بن املح الیمنی

حضرت شیخ عبد الوہاب بن فتح اللہ بروجی

یکے از فقرائے سید عبد الوہاب المتقی

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی

حضرت شیخ زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی

حضرت شیخ ابو الفتح محمد بن ابو بکر بن الحسین المراغی

حضرت الشیخ سید ابراہیم التازلی

حضرت شیخ احمد مجبی ابو ہرانی

حضرت شیخ سعید بن محمد المقری

حضرت شیخ سعید ابراہیم الجزاری المعروف بہ قذورہ

حضرت شیخ یحییٰ بن محمد شاوی

حضرت شیخ عبد اللہ بن سالم العصری

حضرت شیخ سید محمد عمر

حضرت شیخ ابوالرضا بن اسماعیل دہلوی (نواسۂ شیخ محقق)
حضرت شیخ سید مبارک فخر الدین بلگرامی
حضرت شیخ سید طفیل محمد اترولوی
حضرت شیخ سید شاہ حمزہ بن سید آل محمد بلگرامی حسنی الواسطی
حضرت شیخ سید آل احمد اچھے میاں مارہروی
حضرت شیخ سید آل رسول احمدی مارہروی

حضرت الشیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
حضرت شیخ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
حضرت شیخ سید آل رسول احمد مارہروی

حضرت شیخ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی
حضرت شیخ محمد امجد علی اعظمی (صدرالشریعہ)
حضرت شیخ عبدالعزیز مراد آبادی
(رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

دوران درس، علم حدیث حافظ ملت کا خاص میدان تھا۔اور یہی وہ علم شریف ہے، قرون اولی میں جسے علم کہا جا تا تھا۔

اسی علم مبارک کے طفیل دنیا میں ماہرین علوم اسلامیہ ائمہ کرام اور حفاظ و محدثین اعاظم نے متعدد نئے فنون کی بنیاد رکھی مثلا اصول حدیث، اسماء الرجال وغیرہ۔

حافظ ملت نے اسی علم شریف کی خدمت وترویج میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات صرف فرمائے

حافظ ملت خواہ کسی فن کی کتاب پڑھا رہے ہوں آپ کے گلستان درس میں خوش عقیدگی کے غنچے ہمیشہ چٹکتے اور مہکتے تھے۔

حضور رسول مقبول ﷺ کی عظمت شان کا کوئی موقع نہیں تھا جو حضرت کے بیان سے رہ جاتا۔مسلک حق اہل سنت و جماعت کی تائید اور باطل عقائد کی تردید ساتھ ساتھ ہوتی جاتی تھی۔

بالخصوص درس بخاری شریف کے دوران عشق نبوی اور محبت مصطفوی کے پیمانے چھلکا کرتے تھے اور آپ کی درسگاہ کا طالب علم حضور انور مالک خشک وتر ﷺ کی محبت اور عشق میں سرشار ہوجاتا۔جہاں آقاؤ مولا ﷺ کے تبسم پاک کا بیان آتا حافظ ملت مسکرا اٹھتے اور درسگاہ کے درودیوار پر انوار بکھر جاتے۔رقت انگیز احادیث آتیں تو حافظ ملت کی پلکیں وفور عشق نبی میں بھیگ بھیگ جاتیں۔جہاں سرکار کی علالت اور بیقراری و بے چینی کا بیان آتا حافظ ملت بےچین نظر آتے سید الاولین والآخرین ﷺ کے وصال پر ملال کا ذکر آتا تو حافظ ملت کے قلب پر کیا گزرتی۔درسگاہ کے طلبہ وہ حالت و کیفیت محسوس کیے بغیر نہ رہتے۔

حضرت شیخ ابوالرضا بن اسماعیل دہلوی (نواسۂ شیخ محقق)
حضرت شیخ سید مبارک فخر الدین بلگرامی
حضرت شیخ سید طفیل محمد اترولوی
حضرت شیخ سید شاہ حمزہ بن سید آل محمد بلگرامی حسنی الواسطی
حضرت شیخ سید آل احمد اچھے میاں مارہروی
حضرت شیخ سید آل رسول احمدی مارہروی

حضرت الشیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
حضرت شیخ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
حضرت شیخ سید آل رسول احمد مارہروی

حضرت شیخ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی
حضرت شیخ محمد امجد علی اعظمی (صدرالشریعہ)
حضرت شیخ عبدالعزیز مرادآبادی
(رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

دوران درس، علم حدیث حافظ ملت کا خاص میدان تھا۔اور یہی وہ علم شریف ہے،قرون اولی میں جسے علم کہا جا تا تھا۔

اسی علم مبارک کے طفیل دنیا میں ماہرین علوم اسلامیہ ائمہ کرام اور حفاظ ومحدثین اعاظم نے متعدد نئے فنون کی بنیاد رکھی مثلا اصول حدیث ،اسماء الرجال وغیرہ۔

حافظ ملت نے اسی علم شریف کی خدمت وترویج میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات صرف فرمائے

حافظ ملت خواہ کسی فن کی کتاب پڑھا رہے ہوں آپ کے گلستان درس میں خوش عقیدگی کے غنچے ہمیشہ چٹکتے اور مہکتے تھے۔

حضور رسول مقبول ﷺ کی عظمت شان کا کوئی موقع نہیں تھا جو حضرت کے بیان سے رہ جاتا۔مسلک حق اہل سنت و جماعت کی تائید اور باطل عقائد کی تردید ساتھ ساتھ ہوتی جاتی تھی۔

بالخصوص درس بخاری شریف کے دوران عشق نبوی اور محبت مصطفوی کے پیانے چھلکا کرتے تھے اور آپ کی درسگاہ کا طالب علم حضور انور مالک خشک وتر ﷺ کی محبت اور عشق میں سرشار ہوجاتا۔جہاں آقاؤ مولا ﷺ کے تبسم پاک کا بیان آتا حافظ ملت مسکرااٹھتے اور درسگاہ کے در و دیوار پر انوار بکھر جاتے۔رقت انگیز احادیث آتیں تو حافظ ملت کی پلکیں وفور عشق نبی میں بھیگ بھیگ جاتیں۔جہاں سرکار کی علالت اور بیقراری و بے چینی کا بیان آتا حافظ ملت بےچین نظر آتے سید الاولین والآخرین ﷺ کے وصال پر ملال کا ذکر آتا تو حافظ ملت کے قلب پر کیا گزرتی۔درسگاہ کے طلبہ وہ حالت و کیفیت محسوس کیے بغیر نہ رہتے۔

حافظ ملت کا نورانی سینہ محبت رسول کا گنجینہ تھا۔انہی کا ذکر کرتے کراتے عمر گزری انہی کے عادات واخلاق سمجھتے سمجھاتے زندگی بسر ہوئی۔انہی کی تعلیمات کے احیا میں حیات مستعار لگادی۔ان کے رگ وریشے قلب وذہن اور زبان وبیان ہر ایک میں آقا ومولا ہی رچ بس گئے تھے۔جب ذرا محبت کی آنچ لگتی عشق ومحبت آنسوؤں کی صورت اختیار کرلیتے۔اور حافظ ملت نہایت خاموشی اور سادگی سے اپنے رومال میں انہیں جذب کرلیتے۔

قال اللہ و قال الرسول کی مجلس ہو یا تقریر ووعظ کی محفل،نعت حبیب کی نوا سنجی ہو یا مظاہر قدرت کا کوئی منظر حافظ ملت آقا ومولا کی محبت میں رونے لگتے تھے کیونکہ حب نبی میں رونا بیدار بختوں کی خصوصیت ہے۔

بود در جہاں ہر کسے راخیالے
مرا از ہمہ خوش خیال محمد ۔(ﷺ)

تفہیم کا ملکہ:

حافظ ملت علیہ الرحمہ تحریر اور تقریر میں ہمیشہ مخاطب کا لحاظ فرماتے تھے۔تفہیم پر آپ کو ملکہ حاصل تھا تحریر میں حتی الامکان نہایت سادہ پر معنی جملے سپرد قلم کرتے۔نپے تلے الفاظ میں مافی الضمیر کو ادا کردینے میں آپ کو ید طولی حاصل تھا۔حضرت کی تصنیف معارف حدیث سے ہم ان کی تفہیم حدیث کے چند نمونے نذر ناظرین کرتے ہیں۔بخاری شریف کی پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات کی توضیح میں رقمطراز ہیں۔

’’تمام افعال واعمال کا دارو مدار نیت پر ہے۔جیسی نیت ویسا ہی عمل نیک نیتی سے عمل مقبول ہے باعث اجرو ثواب ہے بد نیتی سے عمل مردود ہے،موجب عذاب وعتاب ہے۔قول ہو یا فعل،اخذ ہو یا ترک،از قبیل عبادات ہو یا معاملات کسی عمل پر بھی اجر وثواب کا حصول حسن نیت پر موقوف ہے،اصول دین میں یہ اصل عظیم اصل الاصول ہے‘‘

صراط مستقیم کا مطلب:

عقائد سے ایمان ہے۔اور ایمان کے بعد ہی اعمال صالحہ کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔سچے عقائد رکھنے والا ہی صراط مستقیم پر ہے۔حافظ ملت نے اس بنیادی سبق کو کتنی سلاست اور آسانی کے ساتھ حدیث کے حوالے سے سمجھایا وہ انہی کا حق ہے۔

دین حق صراط مستقیم ہی وہ سچا،سیدھا راستہ اور شاہراہ ہے جس پر دوام وثبات کی دعا ہر مسلمان کرتا ہے اور پانچوں وقت بارگاہ خداوندی میں دست بستہ عرض کرتا ہے۔بار بار عرض کرتا ہے۔کہ اے ہمارے رب ہمیں سیدھا راستہ چلا۔صراط مستقیم اتنا بڑا اہم واعظم مطلوب ہے کہ نماز جیسی مہتم بالشان عبادت میں اس کی درخواست کی جاتی ہے۔اور کس شان سے کہ باوضو ہے،قبلہ روٗ ہے۔دست بستہ کھڑا ہے۔پیکر ادب اور مجسمۂ نیاز بنا ہوا ہے۔رب جلیل کی تسبیح وتقدیس ادا کرچکا ہے۔اس کی تحمید وتمجید کا خطبہ پڑھ چکا ہے۔اپنی نیاز مندانہ عقیدت کا نذرانہ پیش کرچکا ہے۔یہ تمام مراتب ومنازل طے کرنے کے بعد پورے خشوع وخضوع اور کامل اخلاص کے ساتھ عرض کرتا ہے۔

اھدنا الصراط المستقیم اے ہمارے رب ہمیں سیدھا راستہ چلا

اللہ اکبر کس قدر اہتمام کیا گیا ہے کہ بندہ مخلوق سے بے نیاز، اور ساری کائنات سے دست بردار ہوکر خلاقِ مطلق سے لو لگائے ہوئے پوری روحانیت کے ساتھ معبود حقیقی کی جناب میں حاضر ہے۔ پورے جذبۂ عبدیت سے ہمہ تن متوجہ ہوکر عرض کررہا ہے اھدنا الصراط المستقیم اس سے صراط مستقیم کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے بڑا ہی اہم مقصود ہے۔ عظیم الشان مطلوب ہے۔ جبھی تو اس کی درخواست میں اس قدر اہتمام کیے گئے۔ کیوں نہ ہو۔ صراط مستقیم انبیا علیہم السلام صدیقین شہدا اور صالحین کا راستہ ہے رضائے الٰہی اور خوشنودی خداوندی کا راستہ ہے۔ معبود حقیقی تک پہونچنے کا یہی واحد راستہ ہے۔ (معارف حدیث ص ۱۲/۱۱)

صراط مستقیم ہی راہ حق ہے۔ صراط مستقیم ہی مقصود رسول ہے۔ صراط مستقیم ہی دین و اسلام کا تقاضا ہے جو اس پر ہے وہ ہدایت یاب ہے۔ جو اس پر نہیں وہ گمراہ ہے۔ حدیث پاک کے حوالے سے حافظ ملت اس بنیادی سبق کو مسلمانوں تک پہونچاتے ہوئے لکھتے ہے۔

"قرب الٰہی اور وصال ربانی کا یہی ایک راستہ ہے اگر اس سے بھٹکا تو گیا اور جہنم میں گیا، ہمیشہ کے لیے گیا، ابد الآباد کے لیے گیا۔ اسی لیے سید عالم محبوب رب اکرم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے ہی اہتمام سے صراط مستقیم کی تعلیم دی۔ اس کی پوری تفہیم کے لیے ایسی وضاحت فرمائی کہ معقول کو محسوس کرکے کما حقہ ممتاز فرمادیا۔ صرف اسی کو خدا کا راستہ قرار دیا۔ یہ بھی فرمادیا کہ اس کے اردگرد اور بھی بہت راستے ہیں، مگر وہ سب راستے گمراہی کے راستے ہیں:

حدیث:۔ **عن عبد الله بن مسعود قال خط لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خطا ثم قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطا عن يمينه و عن شماله وقال هذه سبل كل سبيل منها شيطان يدعوا اليه و قرأ ان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه و لا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله.** (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تفہیم کے لیے ایک سیدھا خط کھینچا تاکہ صراط مستقیم کی مثال ظاہر فرمائیں پھر فرمایا یہ سیدھا خط اللہ کا راستہ ہے۔ پھر اور خط اس کے دائیں بائیں کھینچے اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں کہ ہر راستہ پر شیطان ہے کہ اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ راہ حق سے گمراہ کردے اور یہ آیت تلاوت فرمائی (خداوند کریم فرماتا ہے) یہ سیدھا راستہ میرا راستہ ہے، اسی کا اتباع کرو دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو ورنہ تمہیں گمراہ کریں گے۔

اس حدیث شریف کی روشنی میں معلوم ہوا کہ صراط مستقیم ایک ہی راستہ ہے وہی خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اسی پر چل کر انسان منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے اردگرد اور بہت سے راستے ہیں، مگر وہ ضلالت و گمراہی کے راستے ہیں، وہ سب شیطانی راستے ہیں اور جہنم میں لے جانے والے ہیں۔ ان پر چلنے والے سب جہنمی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان تمام شیطانی راستوں پر بھی بلانے والے موجود ہیں اور بلا رہے ہیں اور یہی کہہ کر بلا رہے ہیں کہ آؤ آؤ یہی سیدھا راستہ ہے۔ اسی راستے سے تمہارا مقصود حاصل ہوگا اسی راستے سے تم خدا تک پہنچو گے۔ خدا تک پہنچنے کا صرف یہی ایک

راستہ ہے۔ ہر بلانے والے کا یہی دعویٰ ہے، یہی آرزو ہے مدعیان اسلام کے راستے تو بہت ہیں۔

سب مدعیان اسلام بڑی بلند آہنگی سے اپنے مذہب کو صراط مستقیم ہی کہتے ہیں، اس پر چل کر خدا رسیدہ ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔

ایسی صورت میں خالی الذہن اورسادہ لوح انسان کے لیے بڑی دشواری ہے۔ آخر وہ کیا کرے؟ کون سا راستہ اختیار کرے؟

اس شخص کی مثال اس مسافر کی سی ہے جو راستہ سے واقف نہیں اور منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے۔ منزل کی تلاش میں چوراہے پر کھڑا ہے، چاروں طرف سے بلانے والے بلا رہے ہیں، ہر ایک اپنے راستہ کو راہ راست بتاتا ہے اور منزل تک پہنچنے کا یقین دلاتا ہے۔

ایسی صورت میں اس شخص کو صرف یہی دیکھنا ہے کہ ان راستوں میں سے وہ کون سا راستہ ہے جس پر چلنے والا بلا خطر منزل مقصود تک پہنچے بسلامتی ان کے منزل مقصود تک پہنچنے کی اطلاع مل چکی ہے بس اسی راستہ کو اختیار کرے اسی داعی کی آواز پر لبیک کہے، ضرور منزل مقصود تک پہنچے گا۔ لہٰذا طالب حق کو یہی دیکھنا ہے کہ جس مذہب کے پیرو خدا رسیدہ ہوئے اور ان کے خدارسیدہ ہونے کی اطلاع مل چکی وہ کون سا مذہب ہے اسی کو اختیار کرے۔

وہ مذہب جس پر چل کر لوگ خدا رسیدہ ہوئے اور ان کے خدا رسیدہ ہونے کی اطلاع آچکی۔ وہ صرف مذہب اہل سنت و جماعت ہے دنیا جانتی ہے، تاریخ عالم شاہد ہے کہ اسی مذہب کے پیرو اہل اللہ ہوئے غوث وقطب ہوئے ابدال واوتادہوئے ابرارواخیار ہوئے۔ لہٰذا طالب حق کو مذہب، مذہب اہل سنت و جماعت ہی اختیار کرنا چاہیے۔ حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ صراط مستقیم ایک ہی راستہ ہے" وہی اہل سنت و جماعت ہے" (معارف حدیث ص ۱۲/۱۴)

"شیطان کا کام چونکہ اغوا اور فریب کاری ہے۔ اس لیے وہ شیطانی راستے کو بھی رحمانی اور سلامتی والا راستہ بتاتا ہے۔ اسلام ہی کا دعوی کرتا ہے۔ اسی لیے مدعیان اسلام کے بہت سے فرقے ہوگئے۔ چنانچہ مخبر صادق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے فرمایا تھا۔

تفترق امتی علیٰ ثلٰث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسو الله قال ما انا علیه واصحابی. (رواہ الترمذی)

میری امت تہتر فرقے ہوجائے گی سبھی دوزخی ہیں صرف ایک فرقہ جنتی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ جنتی فرقہ کون ہے۔ فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس حدیث میں امت سے مراد امت اجابت ہے اور اختلاف سے مراد اصول عقائد کا اختلاف ہے جیسا کہ حضرت شیخ محقق علی الاطلاق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اشعۃ اللمعات" شریف میں اسی حدیث کی شرح میں فرمایا۔

جدا می شدند امت من از انہا کہ ایمان آوردہ ورو بقبلہ دارند بر ہفتاد وسہ مذہب در اصول عقائد (اشعۃ اللمعات)

راستہ ہے۔ہر بلانے والے کا یہی دعویٰ ہے، یہی آرزو ہے مدعیان اسلام کے راستے تو بہت ہیں۔

سب مدعیان اسلام بڑی بلند آہنگی سے اپنے مذہب کو صراط مستقیم ہی کہتے ہیں، اس پر چل کر خدا رسیدہ ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔

ایسی صورت میں خالی الذہن اور سادہ لوح انسان کے لیے بڑی دشواری ہے۔آخر وہ کیا کرے؟ کون سا راستہ اختیار کرے؟

اس شخص کی مثال اس مسافر کی سی ہے جو راستہ سے واقف نہیں اور منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے۔منزل کی تلاش میں چوراہے پر کھڑا ہے، چاروں طرف سے بلانے والے بلا رہے ہیں، ہر ایک اپنے راستہ کو راہ راست بتاتا ہے اور منزل تک پہنچنے کا یقین دلاتا ہے۔

ایسی صورت میں اس شخص کو صرف یہی دیکھنا ہے کہ ان راستوں میں سے وہ کون سا راستہ ہے جس پر چلنے والا بلاخطر منزل مقصود تک پہنچے بسلامتی ان کے منزل مقصود تک پہنچنے کی اطلاع مل چکی ہے بس اسی راستہ کو اختیار کرے اسی داعی کی آواز پر لبیک کہے، ضرور منزل مقصود تک پہنچے گا۔لہٰذا طالب حق کو یہی دیکھنا ہے کہ جس مذہب کے پیرو خدا رسیدہ ہوئے اور ان کے خدارسیدہ ہونے کی اطلاع مل چکی وہ کون سا مذہب ہے اسی کو اختیار کرے۔

وہ مذہب جس پر چل کر لوگ خدا رسیدہ ہوئے اور ان کے خدا رسیدہ ہونے کی اطلاع آچکی۔وہ صرف مذہب اہل سنت و جماعت ہے دنیا جانتی ہے، تاریخ عالم شاہد ہے کہ اسی مذہب کے پیرو اہل اللہ ہوئے غوث و قطب ہوئے ابدال واوتاد ہوئے ابرار واخیار ہوئے۔لہٰذا طالب حق کو مذہب، مذہب اہل سنت و جماعت ہی اختیار کرنا چاہیے۔حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ صراط مستقیم ایک ہی راستہ ہے "وہی اہل سنت و جماعت ہے" (معارف حدیث ص ۱۲/۱۴)

"شیطان کا کام چونکہ اغوا اور فریب کاری ہے۔اس لیے وہ شیطانی راستے کو بھی رحمانی اور سلامتی والا راستہ بتاتا ہے۔اسلام ہی کا دعوی کرتا ہے۔اسی لیے مدعیان اسلام کے بہت سے فرقے ہوگئے۔چنانچہ مخبر صادق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے فرمایا تھا۔

تفترق امتی علیٰ ثلٰث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسوالله قال ما انا علیه و اصحابی. (رواہ الترمذی)

میری امت تہتر فرقے ہوجائے گی سبھی دوزخی ہیں صرف ایک فرقہ جنتی۔صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ جنتی فرقہ کون ہے۔فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس حدیث میں امت سے مراد امت اجابت ہے اور اختلاف سے مراد اصول عقائد کا اختلاف ہے جیسا کہ حضرت شیخ محقق علی الاطلاق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اشعۃ اللمعات" شریف میں اسی حدیث کی شرح میں فرمایا۔

جدا می شدند امت من از انہا کہ ایمان آوردہ ورو بقبلہ دارند بر ہفتاد وسہ مذہب در اصول عقائد (اشعۃ اللمعات)

یعنی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے آپ کا کلمہ پڑھتے ہیں اسلام ہی کا دعویٰ کرتے ہیں ،قبلہ رونماز پڑھتے ہیں ۔ان اہل قبلہ کے بسبب اختلاف عقائد تہتر فرقے ہوجائیں گے۔

ان میں سے بہتر فرقے گمراہ ہوں گے ۔وہ سب دوزخی ہیں ،صرف ایک فرقہ جنتی ہے ۔وہ وہی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا متبع ہے۔عقائد واعمال میں انہیں کا پیرو ہے ۔وہی اہل سنت و جماعت ہے ۔اس کے علاوہ بہتر فرقے اپنی بدعقیدگی کی وجہ سے گمراہ ہیں ۔دوزخی ہیں ۔ان گمراہوں کے بہتر فرقے اس طرح پر ہیں کہ صحابہ کرام وتابعین کرام کے عقائد کے خلاف انہوں نے نئے نئے عقائد تراشے ۔اورگروپ بندی کی ۔اپنی اپنی ٹولیاں بنالیں۔مثلا ابن عطا نے ایک نیا عقیدہ یہ گڑھا کہ کفر واسلام کے درمیان ایک تیسرا مرتبہ ہے جو کفر ہے اور نہ ایمان ۔اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اس نے کہا۔

من ارتكب الكبيرة فهو ليس بمؤمن ولا كافر جس نے گناہ کبیرہ کیا وہ نہ مومن ہے نہ کافر

چونکہ یہ عقیدہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف تھا ۔اس لیے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اعتزل عنا (یہ ہم سے الگ ہوگیا) واصل بن عطا اور اس کے متبعین سے مسلمانوں نے مقاطعہ کردیا۔اور اپنی جماعت سے اس طرح نکال دیا جس طرح دودھ سے مکھی نکال رکھی پھینک دیتے ہیں

اس لیے وہ فرقہ معتزلہ کے نام سے مشہور ہوا۔اسی طرح خارجی رافضی وغیرہ اپنی اپنی بدعقیدگی کی بنا پر علاحدہ ہوتے گئے اس لیے تفریق درتفریق ہوتے ہوتے گمراہوں کے بہتر فرقے ہوگئے ۔اسی سلسلہ میں حافظ ملت ابو داؤ کی دوسری روایت بیان فرماتے ہیں ۔جس کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں :

ثنتان و سبعون في النار وواحد في الجنة وهي الجماعة و انه سيخرج في امتي اقوام تتجارىٰ بهم تلك الاهواء كما تجاري الكلب لصاحبه لا يبقى منه عرق ولا مفصل الا دخله۔(مشکوٰۃ شریف)

میری امت تہتر فرقے ہوجائے گی جن میں بہتر فرقے دوزخی ہیں ۔اور ایک جنتی ہے ۔اور اس گروہ کا نام الجماعۃ ہے اور بیشک میری امت میں ایسی فرقے نکلیں گے کہ ان میں بدعقیدگی اور نفسانی خواہشات اس طرح سرایت کرجائیں گی ۔جیسے دیوانے کتے کے کاٹے ہوئے کا زہر۔کاٹے ہوئے کے جسم میں سرایت کرجاتا ہے ۔بدعقیدگی اور خواہشات نفسانی ان گمراہوں کی ہر رگ و پے میں ہر ہر جوڑ میں سرایت کرجائے گی ۔

حدیث شریف میں بدعقیدگی و گمراہی کو کلب سے تشبیہ دی ہے ۔کلب (بفتح لام) وہ بیماری ہے جو آدمی کو دیوانہ کتے کے کاٹنے سے ہوتی ہے ۔اوراس مریض کے تمام جسم میں سرایت کرجاتی ہے ۔حالت اس درجہ بدتر ہوجاتی ہے کہ اگر یہ مریض کسی دوسرے آدمی کو کاٹ لے تو اس کو بھی یہی بیماری ہوجاتی ہیں ۔ پیاس کا غلبہ ہوتا ہے ۔لیکن پانی کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا ۔اگر پانی پر نظر پڑتی ہے تو فریاد کرتا ہے اور بے قابو ہوجاتا ہے ۔اور بسا اوقات تشنگی کے سبب مرجاتا ہے ۔ مگر پانی نہیں پی سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گمراہ فرقوں کو دیوانہ کتے کے کاٹے ہوئے مریض سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ

اس مریض پر کتے کا یہ زہریلا اثر اس طرح غالب ہوجاتا ہے کہ جسم کی ہر رگ و پے اور جوڑ جوڑ میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور اگر مریض دوسرے شخص کو کاٹ لے تو اس کی بھی یہی حالت ہوجاتی ہے اس کو بھی اپنا ہی جیسا مریض بنا دیتا ہے۔اسی طرح بد دینی اور بدعقیدگی کا زہریلا اثر ہے کہ بد دین پر غالب ہوتا ہے اس کے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں سرایت کئے رہتا ہے اور دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔کہ دوسروں کو بھی اپنے ہی جیسا بدعقیدہ بنا دیتا ہے اور جس طرح سگ گزیدہ باوجود پیاس کے پانی نہیں پی سکتا اور پیاسا ہی مرجاتا ہے اسی طرح یہ بدعقیدہ لوگ راہ حق اختیار نہیں کرتے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔اس تشبیہ میں بد دینوں سے نفرت دلانا مقصود ہے کیوں کہ دیوانہ کتے اور اس کے کاٹے ہوئے مریض سے ہر سلیم الفطرت انسان کو نفرت ہوتی ہے۔یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر مسلمان سلیم الفطرۃ اور کامل الایمان ہے تو اس کو بد مذہبوں سے نفرت کرنا لازمی اور ضروری ہے ایمان کی حفاظت اسی میں ہے۔حدیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ یہ بدعقیدگی بڑا ہی مہلک مرض ہے اور متعدی بھی ہے اس مرض کا مریض دوسروں کو بھی اپنے ہی جیسا بیمار کر دیتا ہے اسی لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ بدعقیدہ لوگوں سے پرہیز وگریز لازم جانیں۔ان کی صحبت ان کی دوستی کو ایمانی ہلاکت تصور کریں۔ہمیشہ ان سے دور رہیں اور ان کو اپنے سے دور رکھیں۔اسی لئے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا۔

فایاکم و ایاھم لا یضلونکم و لا یفتنو نکم.

اس سے دور ہوان کو خود سے دور رکھو کہ کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں اور تم کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔

(معارف ص ۱۴/۱۹)

اسی مضمون میں حافظ ملت آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

''گروہ ناجی صرف اہل سنت و جماعت ہے۔اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ دین پاک ہم تک نقول سے پہونچا ہے۔ اس کا مدار نقل پر ہے محض عقل یہاں کافی نہیں۔اور اخبار تواتر سے معلوم ہو چکا۔احادیث کریمہ کے مطالعہ سے ثابت ہو چکا کہ سلف صالحین صحابہ و تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ علیھم اجمعین کے یہی اعتقادات تھے۔اور ان کا یہی مذہب تھا جو اہل سنت و جماعت کا ہے۔اور یہ باطل فرقے بہتر کے بہتر قرون اولیٰ کے بعد کی پیداوار ہیں۔

صحابہ،تابعین و تبع تابعین اور سلف صالحین میں سے کوئی بھی ان عقیدوں سے متفق نہ تھا بلکہ جب جب یہ فرقے ظہور میں آئے۔سلف صالحین نے ان سے اپنی بیزاری کا اظہار فرمایا اور ان سے کلی مقاطعہ کیا۔اور ان کی تردید فرمائی۔ صحاح ستہ اور ان کے علاوہ تمام احادیث کی کتابیں جن پر احکام اسلام کا مدار ہے۔ان کے تمام مصنفین۔امام بخاری امام مسلم،امام ترمذی وغیرہ ان سب حضرات کے وہی عقیدے تھے جو مذہب اہل سنت و جماعت کے ہیں۔ائمہ دین حضرت امام اعظم ابوحنیفہ،حضرت امام شافعی،حضرت امام مالک،حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنھم سب انہیں اصول وعقائد پر قائم رہے جو اہلسنت و جماعت کے عقائد ہیں ائمہ اصول کلام اشاعرہ وماتریدیہ رحمھم اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین نے عقلا نقلا انہی اصول وعقائد کی تائید و تحقیق فرمائی جس پر سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین قائم رہے۔اور جن پر سلف صالحین کا اجماع ہوا اسی لئے اس مذہب حق کا نام اہل سنت و جماعت ہوا۔اگر چہ یہ نام حادث

ہے مگر مذہب واعتقاد ان کا قدیم ہے۔متقدمین صوفیائے کرام و محققین مشائخ عظام اور تمام زہاد و اولیاے کرام واصل بحق ہوئے۔جن کی ولایت مسلم ہے جن کا زہد وتقویٰ متیقن ہے سب اسی مذہب اہل سنت و جماعت پر قائم رہے۔

(معارحدیث ص۲۲،۲۳)

گمراہ فرقوں کی علامت:

حافظ ملت علیہ الرحمہ نے نہایت آسان ،دلکش اور سہل پیرائے میں جہاں اہل سنت و جماعت کا فرقۂ ناجیہ ہونا ثابت کیا۔وہیں حدیث کے حوالے سے گمراہ اور گمرہ گر،ضال و مضل فرقوں کی نشانی بھی بیان فرمائی۔

حدیث:عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آبائکم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتونکم. (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے وہ تمہارے پاس ایسی ایسی باتیں لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادنے سنیں پس تم ان سے بچو اور ان سے اپنے آپکو بچاؤ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔آخر زمانہ میں دجال وکذاب کا ہونا۔ان کی علامت و پہچان یہ ہے کہ نئی نئی باتیں سنائیں گے ان سے ایمان کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی بات نہ سنے ان سے دور رہے ان کو اپنے سے دور رکھے۔

یہ دجال وکذاب علما و مشائخ کے لباس میں ہوں گے۔حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”یعنی جماعت باشند کہ خود را بمکر و تلبیس درصورت علما و مشائخ وصلحا واہل نصیحت وصلاح نمایند و دروغہائے خود را ترویج دہند ومردم رابمذاہب باطلہ وآرائے فاسدہ بخوانند“

یعنی وہ دجال وکذاب ایسی جماعت ہوں گے جو اپنے مکر وفریب کو علما و مشائخ اور عابدوں ،زاہدوں اور واعظوں کی صورت میں ظاہر کریں گے اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گمراہی سے بچانے کے لیے ان کی علامت و پہچان بتائی ورنہ ،ان کی ظاہری صورت دیکھ کر مسلمان ان کے جال میں پھنس جاتے ،اور ایمان کھو بیٹھتے ہیں، ان کی علامت سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ عالم نما دجال ہیں، شیخ نما کذاب ہیں۔واعظ نما گمراہ کن ہیں۔عابد نما ایمان کے ڈاکو ہیں۔

مسلمانو! علامت یاد رکھو اسی سے پرکھو، پہچانو۔علامت یہی ہے کہ ایسی ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ تم نے سنی نہ تمہارے باپ دادا نے سنیں مثلا میلا د شریف کنھیا کا جنم ہے،میلاد شریف میں قیام حرام ہے۔یا رسول اللہ کہنا شرک ہے امکان کذب کا مسئلہ پرانا ہے،خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔یہ وہ نئی باتیں ہیں جو کبھی کسی مسلمان نے نہیں سنیں۔جب سے یہ سنانے والے سنانے لگے،جبھی سے یہ آواز کانوں میں آنا شروع ہوئی۔(معارف حدیث ص۶۲/۶۴)

رسول پاک کی غیب دانی کا بیان:

عن عبد الرحمن بن عایش قال قال رسول الله ﷺ رأیت ربی عزوجل فی احسن صورة قال فیما یختصم الملأ الاعلیٰ قلت انت اعلم قال فوضع کفه بین کتفی فوجدت بردها بین ثدیی فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض و تلا کذالک نری ابراهیم ملکوت السمٰوٰت والارض و لیکون من الموقنین. (رواہ الدارمی والترمذی ومشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبد الرحمٰن بن عایش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے، میں نے اپنے رب عزوجل کو سب سے بہتر تجلی میں دیکھا۔ اس نے فرمایا فرشتے کس چیز میں بحث کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا تو ہی جانے۔ پس میرے رب نے اپنا دست قدرت میرے شانوں کے درمیان رکھا پس اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں پائی۔ پس جان لیا میں نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ اور حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ''اور ایسے ہی دکھا تے ہیں ہم آسمانوں اور زمینوں کے ملک ابراہم (علیہ السلام) کو تاکہ وہ کامل یقین والوں میں سے ہو''۔ روایت کیا اس حدیث کو دارمی اور ترمذی نے۔

دست قدرت کا شانوں کے درمیان رکھنا قرب خاص و فیضان الٰہی وعطائے ربانی سے کنایہ ہے اور حضور اقدس ﷺ کا اپنے سینہ میں اس کی ٹھنڈک محسوس کرنا اس عطا اور فیضان کے حصول واستقرار سے کنایہ ہے۔ رب جلیل نے اپنے محبوب پر ایسا فیضان فرمایا کہ حضور کو تمام علوم اگلے اور پچھلے ظاہر اور باطن سب حاصل ہوگئے۔ اور حضور نے ان سب کا احاطہ کرلیا عرش سے فرش تک اور شرق سے غرب تک کائنات کا ذرہ ذرہ حضور پر منکشف ہوگیا اور ہر چیز حضور پر روشن ہوگئی۔ چنانچہ حضرت شیخ مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

''پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمین بود عبارتست از حصول تمامۂ علوم جزوی وکلی و احاطۂ آں وتلاوخواند وکذالک نری ابرهیم ملکوت السموات والارض، وہم چنیں نمودیم ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام را ملک عظیم تمامہ آسمانہا و زمین را ولیکون من الموقنین و تا آنکہ گردد ابراہیم از یقین کنندگان بوجوہ ذات و صفات و توحید۔'' (اشعۃ اللمعات)

یعنی حضور اقدس ﷺ نے فرمایا پس جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور میں نے جو کچھ زمینوں میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو تمام علوم جزوی وکلی حاصل ہوگئے اور حضور نے ان سب کا احاطہ کرلیا اور حضور اقدس ﷺ نے اس حال کے مناسب بطور استشہاد آیت تلاوت فرمائی اور ایسے ہی مشاہدہ کراتے ہیں ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو آسمانوں اورزمینوں کی سلطنت کا تاکہ وہ کمال یقین کرنے والوں سے ہوں۔ ہماری ذات وصفات وتوحید کا۔ (معارف حدیث ص ۳۳،۳۴)

حضور اقدس ﷺ کا اس خصوص میں یہ آیت تلاوت فرمانا یہ تعلیم دینا ہے کہ آن واحد میں ساری کائنات کا علم عطا فرمانا محال ہے نہ قدرت الٰہی پر دشوار ہے بلکہ یہ ممکن ہے اور واقعی بارگاہ الٰہی میں انبیا علیہم السلام کے بڑے مراتب ہیں،

مالک حقیقی اپنے ان مقبول بندوں کو ساری کائنات کا علم عطا فرماتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو تمام ملکوت السموات والارض کا مشاہدہ کرایا ساری کائنات ان کے پیش نظر کردی، میں تو اس کا محبوب ہوں، مجھ پر تو اس کا فضل عظیم ہے میرا علم تو ساری مخلوقات سے وسیع تر ہے اس مضمون کو حضرت شیخ محقق یوں بیان فرماتے ہیں۔

''واہل تحقیق گفتہ اند کہ تفاوت است درمیان ایں دو رویت زیرا کہ خلیل علیہ السلام ملک آسمان وزمین را دید و حبیب ہرچہ در آسمان وزمین بود از ذوات صفات وظواہر وبواطن ہمہ را دید۔اشعۃ اللمعات)

یعنی اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ دونوں رویت میں بڑا فرق ہے کیونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے آسمانوں اورزمین کی سلطنت کو دیکھا اور حضرت حبیب اللہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ آسمانوں اورزمینوں میں ہے ذوات وصفات، ظاہر و باطن سب کچھ دیکھا۔(معارف حدیث ص۳۵)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شریف کی روشنی میں حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو اللہ عز وجل نے تمام علوم جزوی وکلی عطا فرمایا، اورحضور نے ان سب علوم کا احاطہ کرلیا اور تمام آسمانوں اور زمینوں کی ہر ہر شئے ذات ہو یا صفت، ظاہر ہو یا باطن سب حضور کے پیش نظر ہے۔باوجود اس کے دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی و مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اپنی کتاب ''براہین قاطعہ'' میں حضور ﷺ کے علم کو گھٹانے کے لیے لکھتے ہیں کہ:۔

''شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔''(براہین قاطعہ ص۵۱ مطبوعہ دیوبند)

حالانکہ شیخ محقق علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''مدارج النبوۃ شریف'' میں یہ تحریر فرمایا ہے:۔

''ایں جا اشکالے می آرند کہ در بعض روایات آمدہ است کہ گفت آں حضرت ﷺ کہ من بندہ ام نمی دانم آنچہ درپس ایں دیوارست جوابش آں ست کہ ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نہ شدہ۔''

حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں کہ اس جگہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بندہ ہوں، اس دیوار کے پیچھے نہیں جانتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ بات بالکل بے اصل ہے اور روایت صحیح نہیں ہے۔''(ص۳۶)

مسلمانو! غور کرو حضرت شیخ محقق علیہ الرحمہ نے جس قول کو رد کرنے کے لیے نقل کیا تھا، اسی مردود قول کو دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد ومولوی خلیل احمد نے روایت بنا کر حضور ﷺ کا علم گھٹانے کے لیے دلیل بنا لیا اور حضرت شیخ محقق پر روایت کا افترا کردیا۔کیا یہی دین ہے یہی مذہب ہے، ایمان اسی کا نام ہے۔

حدیث:۔عن طارق بن شهاب قال سمعت عمر رضی الله تعالیٰ عنه یقول قام فینا النبی ﷺ مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم حفظ ذالک من حفظه و نسیه من نسیه. (بخاری شریف ج۱ ص۴۵۳)

ترجمہ:۔طارق بن شہاب سے انہوں نے کہا سنا میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے کہ کھڑے ہوئے

ہمارے درمیان نبی ﷺ ایک بار منبر پر پس خبر دی ہم کو ابتداے آفرینش سے آخر روز قیامت تک کی یہاں تک کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوں یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا اور بھول گیا اس کو جو بھولا۔

یعنی حضور اکرم نور مجسم سید عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک روز ایسا عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سارے مخلوق کے عام حالت بیان فرمادیئے۔مخلوقات کی ابتدا سے انتہا تک جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا، سب بیان فرمادیا۔ مبدا معاش اور معاد یعنی کائنات کی ابتدا کے احوال اور ساری مخلوقات کی زندگی کے حالات اور مرنے اور مرنے کے بعد اٹھنے کے احوال جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کے تمام واقعات بیان فرمادیے اور یہ سب کچھ ایک ہی خطبہ میں ایک ہی دن میں بیان فرمادیا۔جیسا کہ صاحب عمدۃ القاری نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے۔(معارف حدیث ص ۳۷)

و فیہ دلالۃ علیٰ انہ اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات من ابتدائھا الی انتھائھا و فی ایراد ذالک کلہ فی مجلس واحد امر عظیم من خوارق العادۃ و کیف و قد اعطی جوامع الکلم مع ذالک۔

یعنی یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مجلس میں ساری مخلوقات کے کل حالت ابتدا سے انتہا تک سب بیان فرمادیے اور ایک مجلس میں ان سب حالات کا بیان کرنا ہی بڑا امر عظیم ہے۔یہ حضور کے معجزات میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور کیوں کر نہ ہو حضور ﷺ باوجود صاحب اعجاز ہونے کے صاحب جوامع الکلم ہیں۔

اللہ اکبر! اٹھارہ ہزار عالم کے تمام حالات ابتدائے آفرینش سے ختم دنیا تک ہی نہیں بلکہ قبر حشر ونشر وحساب و کتاب حتی کہ جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کے کل حالات سارے واقعات ایک خطبہ میں ایک مجلس میں ایک ہی دن میں بیان فرمانا یقیناً بڑا عظیم الشان معجزہ ہے۔اسی لیے امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں فرمایا "**امر عظیم من خوارق العادۃ**" یہ معجزات میں عظیم الشان معجزہ ہے۔(معارف حدیث ص ۳۸)

حدیث مذکور سے حضور اقدس ﷺ کے علم کی وسعت معلوم ہوئی کہ ابتدائے آفرینش سے انتہا تک ساری مخلوقات کے تمام حالات اور کل واقعات کا حضور ﷺ کو علم ہے۔جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک ہر ہر چیز کا علم ہے اور یہ علم تفصیلی ہے۔چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں۔

مجملا و مفصلا یعنی حضور اقدس ﷺ نے اجمال و تفصیل دونوں طور پر بیان فرمادیا جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ کو مخلوقات کی ابتدا سے انتہا تک ساری کائنات تمام موجودات کے کل حالت، تمام واقعات کا علم تفصیلی ہے کیوں کہ اگر صرف علم اجمالی ہوتو اس میں حضور اقدس ﷺ کی کیا خصوصیت ہے۔علم اجمالی تو سب مومنین کو حاصل ہے اس لیے کہ **اللہ خلق کل شئی** کی تصدیق کے لیے ہر ہر شئے کا علم اجمالی ضروری ہے لہذا ہر مومن کے لیے کل شئی کا علم

اجمالی ضروری ہوا۔ نیز قیامت حشر ونشر وغیرہ سب پر ایمان ہے ،لہذا قیامت وغیرہ کا علم اجمالی بھی ہر مومن کے لیے ضروری ہوا پھر حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت کہاں رہی ۔ نیز اجمالی بیان معجزہ کیسے ہوگا ۔ اجمالی بیان تو دولفظوں میں ہوسکتا ہے لہذا لازمی طور پر علم تفصیلی ہی مراد ہوا اسی لیے ''مرقات'' میں مجملا ومفصلا فرمایا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام حالات واقعات اجمال وتفصیل دونوں طور پر بیان فرمائے ۔

خلاصہ یہ کہ حدیث مذکور کی روشنی میں ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور کو ساری کائنات وتمام موجودات کے کل حالات کا تفصیلی علم ہے ۔ اسی لیے اہل سنت و جماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کے کل حالات کا تفصیلی علم ہے مگر وہابیوں کے نزدیک تو حضور ﷺ کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں ۔ اس لیے وہابیوں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ''تقویۃ الایمان'' میں لکھا۔

''جو کچھ کہ اللہ اپنے بندے سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سواس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا ۔'' (تقویۃ الایمان ص ۳۲ / مطبع صدیقی دہلی)

یعنی حضور ﷺ کو دنیا وآخرت ،قبر وحشر ونشر کا کوئی حال بھی معلوم نہیں ،دوسرے کا تو کیا اپنا ہی حال معلوم نہیں ۔ (معارف ص ۴۰)

دو قبروں والی حدیث کی تشریح:

عن ابن عباس قال مر النبی ﷺ بحائط من حیطان المدینة او مکة فسمع صوت انسانین یعذبان فی قبور هما فقال النبی ﷺ یعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی کان احد هما لا یستنزه من بوله و کان الاٰخر یمشی بالنمیمة ثم دعا بجریدة فکسرها کسرتین فوضع علی قبر کل منهما کسرة فقیل له یا رسول الله لم فعلت هذا قال لعله ان یخفف عنهما مالم ییبسا ۔ (بخاری شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ یا مکہ مکرمہ کے کسی باغ میں گزرے حضور نے دو مردوں کی آواز سنی جو اپنی قبروں میں عذاب دیے جارہے تھے ۔ حضور نے فرمایا یہ عذاب دیے جارہے ہیں اور کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دیے جارہے ہیں ۔ پھر فرمایا ہاں ایک ان میں سے پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا ۔ پھر حضور نے ایک سبز ٹہنی منگائی اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا ۔ عرض کیا گیا ۔ یا رسول اللہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا اس امید پر کہ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہو جب تک کہ یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں ۔

اس حدیث سے چند امور معلوم ہوئے ۔

نمبر(۱) حضور ﷺ نے قبروں کے اندر سے مردوں کی آواز سنی جن کو قبر میں عذاب ہورہا تھا ۔

نمبر(۲) یہ عذاب ایک شخص کو پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے تھا دوسرے کو چغلی کرنے کے سبب سے ہورہا تھا۔
نمبر(۳) حضور اقدس ﷺ کو معلوم ہے کہ کس مردے کو قبر کے اندر عذاب ہورہا ہے اور پھر یہ بھی معلوم ہے کہ کس گناہ کے سبب سے یہ ہورہا ہے اور یہ بھی معلوم ہے اس عذاب میں تخفیف کس عمل خیر سے ہوسکتی ہے۔
نمبر(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہری شاخ قبر پر رکھی۔
نمبر(۵) ہری شاخ قبر پر رکھنے سے تخفیف کی امیدی ہے۔(معارف حدیث ص ۴۱)

یہ حدیث حضور ﷺ کے علم پر دال ہے کہ عالم برزخ کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ قبروں کے اندر کے حالات مردوں کے احوال حضور جانتے ہیں۔مردوں کے عذاب وثواب سے حضور واقف ہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس مردے کو یہ عذاب کس گناہ کے بدلے ہورہا ہے۔یہ بھی معلوم ہے کہ اس عذاب کی تخفیف کا ذریعہ کیا ہے۔اس عذاب میں کمی کس عمل خیر سے ہوسکتی ہے۔

حکیم تو وہی ہے کہ مرض کی صحیح تشخیص کرے اس کے اسباب وعلل سے واقف ہو۔مرض کا علاج بھی جانتا ہو حضور ﷺ سارے روحانی طبیبوں کے سردار تمام روحانی معالجوں کے سرتاج ہیں،اس لیے رب جلیل نے اپنے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام امراض روحانی کا علم دیا،ان کے اسباب وعلل سے واقف کیا،ان کے علاج پر مطلع فرمایا۔

دنیوی زندگی کے تمام امراض،ان کے اسباب وعلل اور علاج تعلیم فرمایا۔یہ حدیث اس پر دلیل ہے اور دیوبندیوں کے اس عقیدہ کا رد کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں،جیسا کہ دیوبندیوں کی کتاب براہین قاطعہ میں ہے۔

رحمۃ للعالمین کی شان رحمت کی یہ ایک جھلک ہے کہ ان دونوں گنہگاروں کو اپنی آغوش کرم میں لے لیا۔ان کے عذاب میں تخفیف کرائی اور اس علاج کو عام کرنے اور قیامت تک باقی رکھنے اور ساری امت پر اپنی رحمت عام کرنے کے لیے اس عمل خیر کی علت بھی بیان فرمادی کہ سبز ٹہنی قبر پر رکھنے سے تخفیف عذاب کی امید ہے۔سبز ٹہنی میں سبزی ہی کو علت قرار دیا اور فرمایا مالم ییبسا جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔لہٰذا ٹہنی کی خصوصیت نہ ہوئی بلکہ تخفیف عذاب کی علت سبزی ہوئی۔لہٰذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پھول بھی قبر پر رکھنے سے تخفیف عذاب کی امید ہے اور یہ اصول اپنی جگہ ثابت ہے جس عمل خیر سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اگر گناہ نہ ہوں تو اس عمل سے درجات بلند ہوتے ہیں۔لہٰذا اسی حدیث سے اولیائے کرام کے مزارات مقدسہ پر پھول رکھنا ثابت ہوا اور معلوم ہوا کہ مزارات پر پھول رکھنا صاحب مزار کے درجات بلند ہونے کا سبب ہے۔(معارف حدیث ص ۴۳)

عن ابی ھریرہ قال وکلنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحفظ زکوٰۃ رمضان فاتانی آت فجعل یحثو من الطعام فاخذ تہ و قلت واللہ لارفعنک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال دعنی فانی محتاج . (الیٰ آخر الحدیث)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا حضورﷺ نے مجھے صدقۂ فطر کے غلہ کی حفاظت کے لیے مقرر کیا۔ رات کو ایک شخص آیا اور غلہ چرانے لگا۔ میں نے اس کو پکڑا اور کہا میں تجھ کو ضرور حضور کی خدمت میں لے جاؤں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں محتاج ہوں اور کثیر العیال اور سخت حاجت مند ہوں۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو مجھ سے حضور نے فرمایا "اے ابو ہریرہ تمہارا رات کا چور کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے محتاجی اور عیالداری کی شکایت کی مجھے رحم آیا میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ حضورﷺ نے فرمایا آگاہ اس نے جھوٹ کہا اور وہ پھر آئے گا پس مجھے حضور کے فرمانے سے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آئے گا میں اس کی گھات میں رہا وہ آیا اور غلہ چرانے لگا۔ پھر میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا ضرور تجھ کو حضور کی خدمت میں حاضر کروں گا اس نے کہا۔ مجھے چھوڑ دو، میں محتاج ہوں اور کثیر العیال ہوں، آئندہ نہیں آؤں گا پھر مجھے رحم آ گیا، میں نے چھوڑ دیا، پھر صبح کو حضور نے مجھ سے فرمایا، اے ابو ہریرہ !تمہارا رات کا چور کیا ہوا، میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اس نے سخت محتاجی اور عیالداری کی شکایت کی مجھے رحم آ گیا میں نے اس کو چھوڑ دیا حضورﷺ نے فرمایا، خبردار اس نے جھوٹ کہا وہ پھر آئے گا۔ پھر تیسری رات میں اس کی گھات میں بیٹھا رہا وہ آیا اور غلہ چرانے لگا پھر میں نے اس کو پکڑا اور کہا تجھ کو ضرور حضور کے پاس لے جاؤں گا یہ تیسری مرتبہ ہے تو کہتا ہے کہ نہیں آؤں گا اور پھر آتا ہے۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں تم کو ایسے کلمات سکھا دوں گا جن سے اللہ تم کو نفع دے گا میں نے کہا وہ کلمات کیا ہیں اس نے کہا جب تم سونے کے لئے بستر پر آؤ تو آیۃ الکرسی **لاالٰہ الا ھو الحی القیوم** سے آیت کے ختم تک پڑ لیا کرو۔ بیشک اللہ کی طرف سے ایک نگہبان تمہاری حفاظت کے لئے مقرر کر دیا جائے گا اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔ پھر میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو پھر حضورﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ اے ابو ہریرہ تمہارا رات کا چو کیا ہوا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے مجھے ایسے کلمات سکھائے جن سے اللہ مجھے نفع دے گا میں نے اسے چھوڑ دیا حضور نے فرمایا وہ کلمات کیا ہیں عرض کیا اس نے مجھ سے یہ کہا کہ جب تم سونے کے لیے بستر پر آؤ تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو اللہ کی طرف سے تم پر ایک نگہبان مقرر کر دیا جائے گا اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔ صحابۂ کرام تو خیر میں حریص تھے۔ نبی کریمﷺ نے فرمایا آگاہ اس نے سچ کہا۔ حالانکہ وہ بہت جھوٹا ہے اے ابو ہریرہ تم جانتے ہو کہ تین روز سے کس سے بات کرتے ہو، عرض کیا نہیں حضور نے فرمایا وہ شیطان ہے۔ (بخاری شریف)

ابو ہریرہ نے جب چور پکڑا اور چھوڑا اس وقت حضور وہاں موجود نہ تھے لیکن روزانہ اس گزرے ہوئے واقعہ کی خبر دیتے تھے اور آئندہ کے لیے بھی فرما دیتے تھے وہ چور پھر آئے گا چنانچہ حضور کے فرمانے کے مطابق وہ چور پھر آتا رہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورﷺ کو گزرے ہوئے اور آئندہ کے حالات معلوم ہیں جبھی تو حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ مجھے حضور کے فرمانے سے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آئے گا۔ اسی لیے اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہﷺ کھلی چھپی ظاہر و باطن اگلی پچھلی تمام اشیا کے عالم ہیں۔

یہ واقعہ رات کی تاریکی میں تھا کتنے مکانات، کتنے حجابات، کتنی دیواریں حائل تھیں مگر صبح کو حضور نے بتا دیا اور دریافت فرمایا اے ابو ہریرہ تمہارا رات کا چور کیا ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ نے یہ نہیں کہا کہ آپ کو کیا معلوم آپ کو تو دیوار کے

پیچھے کا بھی علم نہیں، کیسے کہتے یہ تو دیوبندیوں کا عقیدہ ہے۔دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں لکھا ہے کہ۔"آپ کو تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔"

مسلمان دیوبندی عقیدوں سے باخبر ہو کر دیوبندیوں کی حقیقت پہچانیں اور ان سے ایمان کو بچائیں اور مذہب اہل سنت پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

فائدہ:۔ اس حدیث سے آیۃ الکرسی شریف کی فضیلت معلوم ہوئی کہ جو شخص سوتے وقت آیۃ الکرسی شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لے ایک فرشتہ مقرر کردے گا جو رات بھر اس کی حفاظت کرے گا۔اور صبح تک شیطان اس کے قریب نہ آئے گا۔(معارف ص ۴۹/۴۸)

حافظ ملت علیہ الرحمہ حدیث رسول کی روح سے مخاطب کو جوڑ دیا کرتے تھے۔معارف حدیث کے تمام ہی مضامین عوام کے لیے لکھے گئے ہیں۔عوامی ذہن کو سامنے رکھ کر انہوں نے بنیادی عقائد۔اور دور حاضر کے ضال و مضل فرقوں کے پھیلائے ہوئے بدعقیدگی کے زہر کا کتنا سہل تریاق تیار کیا ہے۔آپ خود بھی اندازہ کرسکتے ہیں حافظ ملت علیہ الرحمہ کی تفہیم حدیث کے حضور بطور نذر یہ شعر پیش ہے۔

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد ،معانی میں دقیق

حضور مالک جنت ہیں:

حافظ ملت حدیث ربیعہ کی شرح فرماتے ہیں۔

عن ربیعة بن کعب قال کنت ابیت مع رسول الله ﷺ فاتیته بوضوئه و حاجته فقال لی سل فقلت اسئلک مر افقتک فی الجنة قال او غیر ذالک قلت هو ذاک قال فاعنی علیٰ نفسک بکثرة السجود. (صحیح مسلم،مشکوٰۃ ص۸۴)

"رات کا وقت ہے ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں مصروف ہیں ان کی خدمات مقبول ہوتی ہیں۔رحمۃ للعالمین کا دریائے کرم موجزن ہوتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔ربیعہ مانگ لو۔یہ نہیں فرمایا ربیعہ یہ چیز مانگ لو،وہ چیز مانگ لو۔علم مانگ لو،دولت مانگ لو شجاعت او بہادری مانگ لو،حسن و جمال مانگ لو، دنیا کی دولت مانگ لو، آخرت کی نعمت مانگ لو،کسی چیز کی تخصیص نہیں فرمائی بلکہ مطلق فرمایا۔(سل) مانگ لو۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ جو چاہو سو مانگ لو دنیا کی خوبیاں مانگو، چاہے آخرت کی بھلائیاں مانگو، چاہے دونوں جہاں کی نعمتیں مانگو، جو مانگو گے پاؤ گے یہ کون کہہ سکتا ہے؟ یہ وہی کہہ سکتا ہے جو دنیا و آخرت دونوں جہان کا مالک ہو۔جس کے قبضۂ قدرت میں دونوں جہان کی نعمتیں ہوں۔دنیا کی ہر خوبی ہر کمال ہر نعمت اس کے تحت تصرف ہو۔آخرت کی ساری نعمتیں اس کے قبضہ میں ہوں جنت کے تمام حور وغلماں ،قصور وایوان ،انہار واشجار سب پر اس کا قبضہ ہو روش روش

ڈالی ڈالی زیر فرمان ہو۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے حضور کا مالک و مختار ہونا ثابت ہوا۔۔۔۔

اس ارشاد کو سن کر حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی سمجھا کہ حضور اقدس ﷺ دونوں جہان کے مالک و مختار ہیں جو چاہیں گے عطا فرمائیں گے۔۔۔۔۔

جبھی تو عرض کر دیا: حضور میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں اپنی رفاقت عطا فرمائیں حضور نے یہ سوال سن کر یہ نہیں فرمایا کہ ربیعہ دنیا کی کوئی چیز مانگ لو۔ کچھ مال و دولت لے لو آخرت کا معاملہ میرے قبضہ کا نہیں۔ میں جنت کا مالک نہیں۔ جنت میں بھی اتنا بلند مرتبہ میری رفاقت مانگتے ہو۔ یہ کچھ نہیں فرمایا۔ بلکہ کثرت نماز کی تعلیم دی۔ یہ بتایا کہ یہ مرتبہ ہم تم کو دیں گے۔ یہ درجہ عطا فرمائیں گے۔ مگر تم اپنے نفس کو کثرت سجود سے اس کا اہل بناؤ۔

(معارف ص ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱)

اس تقریر کے بعد حافظ ملت حضرت شیخ محقق۔ حضرت ملا علی قاری اور امام ابن حجر عسقلانی کی شروح حدیث نقل فرماتے ہیں جن میں ان محدثین نے حضور انور ﷺ کا مختار کونین اور مالک خزائن خداوندی ہونا بیان فرمایا ہے پھر اخیر میں فرماتے ہیں۔

حدیث مذکور سے حضور ﷺ کا مالک و مختار ہونا ثابت ہوا اور معلوم ہوا کہ خود حضور ﷺ کا اور آپ کے صحابۂ کرام اور ائمہ دین و محدثین کرام کا یہی عقیدہ ہے یہ فرمانے کے بعد حافظ ملت علیہ الرحمہ تقویۃ الایمان ص ۴۲ رکی ایمان سوز عبارت ”جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں“ کے قائل اور اس عقیدہ کے ماننے والوں کی تردید فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ”تقویۃ الایمان میں حدیث سے کیسی کھلی جنگ ہے“ (ایضا ص ۳۲)

یہ ہماری کم نصیبی ہے کہ حافظ ملت کے درس احادیث کو کسی نے جمع نہیں کیا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ حافظ ملت کے تلامذہ میں سیکڑوں شیخ الحدیث موجود ہیں۔ اور درس حدیث دیتے وقت انہیں اپنے استاذ و شیخ کی تقاریر کے اہم حصے ضرور یاد آتے ہیں۔ اے کاش ان میں کے کچھ صاحبان عزیمت ان قیمتی افادات کو قلمبند کرلیں یا کرالیں تو ایک ذخیرۂ علمی جمع ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ کہ چند خوش نصیب اس پر کام کر بھی رہے ہیں۔

رفیق محترم حضرت مولانا محمد احمد مصباحی شیخ الادب الجامعۃ الاشرفیہ کے ذریعہ درس حدیث کے چند ضروری افادات منقول ہیں۔

بخاری شریف کی حدیث ہے۔

عن ابن عمر عن النبی ﷺ ان رجلا سأله ما یلبس المحرم فقال لا یلبس القمیص ولا العمامة ولا السراویل ولا البرنس ولا ثوبا مسه الورس والزعفران فان لم یجد النعلین فلیبس الخفین و لیقطعهما حتی یکونا تحت الکعبین. (ج ۱ ص ۲۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے راوی ہیں کہ ایک شخص نے حضور سے دریافت کیا احرام باندھنے والا کیا پہنے؟ فرمایا۔ کرتا، عمامہ، پاجامہ، اور ٹوپی نہ پہنے، نہ ہی وہ کپڑا جس میں ورس اور زعفران لگا ہو۔ اگر جوتے نہ پائے

تو موزے پہن لے، اور انہیں کاٹ دے تا کہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔

اس حدیث پر دوسرے افادات اور مکمل تقریر کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ۔ آخری حصہ فان لم یجد النعلین (اگر جوتے نہ پائے الخ) سائل نے دریافت نہیں کیا تھا جواب میں ذکر فرمایا گیا تا کہ یہ مسئلہ بھی معلوم ہو جائے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی فائدے کے تحت سوال سے زیادہ جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس پر فرمایا ایک بار محمد آباد گوہنہ سے ایک استفتا آیا کہ رافضی کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب میں دوسرے مباحث کے ساتھ لکھا رافضی قادیانی ، وہابی ، دیوبندی سب کی نماز جنازہ حرام سخت حرام ہے۔ بعد میں معلوم ہوا یہ استفتا دیوبندی مکتب فکر کے کچھ لوگوں نے بھیجا تھا اور اس سے ان کا مقصد سنی شیعہ فساد و اختلاف برپا کرنا تھا۔ مگر اس جواب سے ان کی ساری اسکیم فیل ہوگئی۔
(حافظ ملت نمبر ص ۱۷۸)

حلوا اور مٹھائی:

بخاری شریف پارہ ۲۲ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی یہ حدیث ہے "کان رسول الله ﷺ یحب الحلوا والعسل" رسول اللہ ﷺ کو حلوا اور شہد پسند تھا۔ رفیق گرامی مولانا عبد الستار پرلیاوی ذکر کرتے ہیں ۱۳۹۱ھ، ۱۹۷۱ء یہ حدیث پڑھاتے وقت حضرت نے فرمایا اس سے حلوا کا مرغوب اور رسول اللہ ﷺ کا بھی پسندیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مولانا صوفی عبد الرحمٰن پورنوی نے عرض کیا حلوا کا معنی تو مطلق "میٹھی" چیز ہے معروف حلوا مراد نہیں۔ فرمایا۔ جب بھی تو حلوا کی پسندیدگی اور استحباب ثابت ہے کہ یہ بھی اسی مطلق کا ایک فرد ہے (بلا تخصیص) مطلق کا استحباب اس کے فرد خاص کے استحباب کو مستلزم ہے"۔ (حافظ ملت نمبر ص ۱۸۱)

ایک تاویل کا رد بلیغ:

ترمذی شریف پڑھنے کے زمانے میں یہ حدیث بھی آئی "ابردوا بالظھر فان شدة الحر من فیح جھنم" ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو اس لیے کہ سخت گرمی جہنم کی تپش سے ہے" تو کسی سے اس حدیث کی تاویل یوں سننے میں آئی کہ اگر سخت گرمی، جہنم کی تپش کے باعث ہے تو ہر جگہ گرمی ہونی چاہیے جب کہ کشمیر اور نینی تال میں ٹھنڈک ہوتی ہے اس لیے یہ حدیث بر سبیل تفہیم و تمثیل ہے جیسے کہ جب خوش گوار ہوا چلتی ہے تو کہا جاتا ہے "جنت سے ہوا آرہی ہے۔"

مولانا فضل حق غازی پوری وغیرہ چند ساتھیوں نے حافظ ملت کے سامنے یہ تاویل پیش کرتے ہوئے استصواب کیا تو آپ نے فرمایا "نیچیریت" ہے (یہ طریقہ نیچریوں کا ہے کہ صریح نصوص کو ظاہر سے منحرف کر دیتے ہیں، اور بالکل بے سرو پا تاویلات اڑاتے ہیں) اور اس کا رد بلیغ فرمایا۔ اگلے سال جب بخاری شریف میں یہ حدیث آئی تو خود میں نے بھی سنا کہ حضرت نے تاویل مذکورہ پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں گرمی کے موسم میں کشمیر اور نینی تال میں بھی وہ ٹھنڈک نہیں رہ جاتی جو موسم سرما میں وہاں ہوتی ہے۔ بلکہ نسبتاً وہی فرق ہوتا ہے جو ہمارے یہاں جاڑے اور گرمی میں ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ وہاں بعض عوارض کی وجہ سے وہ موسم نہیں ہوتا جو ہمارے یہاں ہوتا ہے حدیث کو

بلا دلیل اس کے ظاہر سے پھیرنا ہرگز درست نہیں'' (ص ۱۷۸)

قانون اصول فقہ:

بخاری شریف میں یہ حدیث متعدد روایات وطرق سے بفرق اجمال وتفصیل مختلف مقامات پر آئی ہے۔ عن انس ان النبی ﷺ اتی بلحم تصدق به علی بریرة فقال هو علیها صدقة و هو لنا هدیة. (۲۰۲ج ۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں حضور ﷺ کے پاس ایک بار گوشت حاضر کیا گیا۔ جو حضرت عائشہ کی کنیز جناب بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صدقہ کیا گیا تھا فرمایا وہ اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

اس کی تفہیم کے لیے حضرت نے بجائے لمبی چوڑی تقریر کے اصول فقہ کا ایک ایسا قاعدہ بتادیا جو آج تک یا درہا اور بہت سے مواقع پر مفید ثابت ہوا فرمایا ''تبدیل ملک سے تبدل عین ہوجاتا ہے حکماً''۔

جب گوشت حضرت بریرہ کے قبضہ میں پہنچا تو صدقہ ہوا اور جب انہوں نے حضور کی خدمت میں پیش کیا تو اب صدقہ نہ رہا بلکہ ہدیہ ہوگیا اس لیے ہاشمی کے لیے اسے تناول کرنا جائز ہوگیا اسی حدیث سے فقہا نے یہ اصول مستنبط کیا کہ ملکیت بدل جانے سے حکما اصل حقیقت بدل جاتی ہے۔ فقہ کے بہت سارے مسائل اسی اصل اور قانون پر مبنی ہیں۔

(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۷۸)

حضرت مولانا محمد اسلم عزیزی گورکھپوری درس بخاری کے حوالے سے حافظ ملت کے چند علمی افادات بیان فرماتے ہیں۔

حدیث جبرئیل کا ترجمہ:

ماالمسئول عنها باعلم من السائل۔ حدیث جبرئیل کے اس حصہ کو علم غیب رسول کی نفی میں پیش کیا جاتا ہے مگر حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے حدیث جبرئیل کے اس حصہ کا ایسا ترجمہ فرمایا جس سے علم غیب رسول کے ثبوت میں استدلال کیا جاسکتا ہے فرمایا۔ ''ماالمسئول عنها باعلم من السائل'' کا ترجمہ شیخ محقق نے ''ماہر دو برابریم درنادانستن فرمایا ہے'' مگر اس کے بعد ''الرحمن علم القرآن'' خداوند ذوالجلال کا ارشاد ہے۔

توضیح:۔ حضرت جبرئیل امین اللہ کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام ایمان، احسان اور قیامت کے متعلق یکے بعد دیگرے پوچھتے رہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ہر ایک کا جواب ارشاد فرمایا اور جب قیامت کے متعلق پوچھا تو فرمایا ''ماالمسئول عنها باعلم من السائل'' علم قیامت سائل سے زیادہ نہیں جانتا ہوں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ علم قیامت سے متعلق دو گوشے ہیں ان میں سے ایک گوشہ کا علم جبرئیل علیہ السلام کو بھی ہے اور حضور ﷺ کو بھی اس ایک گوشہ کا علم ہے اور دوسرا گوشہ علم قیامت سے متعلق وہ ہے جس کا علم سائل و مسئول دونوں کو نہیں۔ اسی دوسرے گوشہ کا ترجمہ ''ہم دونوں نہ جاننے میں برابر ہیں'' شیخ محقق نے کیا ہے۔ مگر اللہ کے رسول ﷺ کا دوسرے گوشہ سے متعلق عدم علم

وقت سوال ہے اس کے بعد رحمٰن نے اپنے مجتبیٰ رسول ﷺ کو پورے قرآن کا علم عطا فرمایا، اور پورے قرآن کے علم میں اس دوسرے گوشہ کا علم بھی ہے۔(معارف حافظ ملت ص ۴۳)

ایک موقع پر، بخاری شریف کا سبق پورا ہونے کے بعد راقم بھی اپنے مخصوص شرکاء درس کے ساتھ حضور حافظ ملت کی درسگاہ میں رک گیا اور عرض کیا گیا کہ حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور امت کے درمیان ازدواجی حکم میں فرق کی کیا وجہ ہے۔

ارشاد فرمایا۔کثرت ازدواج کی طاقت کا ہونا جسمانی کمال ہے آقا و مولیٰ ﷺ جس طرح روحانی کمال میں امت سے بدرجہا اعلیٰ ہیں اسی طرح جسمانی کمال میں بھی امت سے بدرجہائے اعلیٰ ہیں اور جب رسول پاک علیہ التحیۃ والثناء جسمانی کمال میں بھی امت سے بدرجہا اعلیٰ ہیں تو امت کے مقابل ازدواج کے حکم میں فرق کا ہونا لازمی امر ہے۔ (معارف حافظ ملت ۴۲)

تمت بالخیر کا مطلب :۔

ختم بخاری شریف کے وقت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان نے بیان فرمایا کہ حضرت صدرالشریعہ قبلہ نے تمت بالخیر کا سبق بھی پڑھایا تھا۔اس کے بعد تمت بالخیر پر بڑی جاندار درسگاہی تقریر فرمائی راقم نے اپنے بعض ذہین احباب سے اس تقریر کے سلسلہ میں رجوع کیا مگر تمت پر درسگاہی تقریر کا حصہ کچھ مزید حاصل نہ ہوسکا لہذا اپنے حافظہ میں اس تقریر کا موجود حصہ ہدیہ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

ارشاد فرمایا حضرت امام بخاری نے بخاری شریف کی ابتدا باب بدء الوحی سے فرمایا پہلی حدیث شریف ”انما الاعمال بالنیات “ جو بظاہر باب سے مطابق نہیں ہے پیش فرما کر علم حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کو یہ ذہن دیا کہ علم حدیث شریف مہتم بالشان علم ہے علم حدیث پڑھنے اور پڑھانے سے پہلے نیت میں خلوص وللّٰہیت پیدا کرلی جائے اور پوری بخاری شریف خلوص نیت کے ساتھ پڑھی اور پڑھائی جائے اب انما الاعمال بالنیات کی مطابقت صرف باب بدء الوحی سے نہیں بلکہ پوری بخاری شریف سے ہوگئی کہ ہر حدیث شریف کو خلوص وللّٰہیت کے ساتھ پڑھا اور پڑھایا جائے تو تمت بالخیر ہے ورنہ تمت بالخیر نہیں۔(معارف حافظ ملت ص ۴۲)

☆☆☆



ساتواں باب

حافظ ملت بحیثیت فقیہ

راز دار شرع تو ، شان فقاہت تجھ سے ہے
بکھرا ہر سو خطہ میں نور شریعت تجھ سے ہے
کس نے ذلت سے نکالا اور وقار و شان دی
اہل سنت کی زمانے بھر میں عزت تجھ سے ہے

(بدرالقادری)

حافظ ملت بحیثیت فقیہ

حافظ ملت کو باقاعدگی سے فتوی نویسی کا موقع نہیں ملا۔ مگر تفقہ فی الدین جس نعمت عظمیٰ کا نام ہے وہ انہیں وافر مقدار میں ملی اور کیوں نہ ہو کہ آپ فقیہ اعظم صدرالشریعہ بدرالطریقہ حضرت علامہ شاہ محمد امجد علی القادری الرضوی کے قابل فخر فرزند معنوی ہیں۔ جن کی فقہی بصیرت پر مجدد ملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو اعتماد تھا۔ جن کی فقہی انسائیکلوپیڈیا (بہار شریعت) سے دارالافتا کم وبیش نصف صدی سے استفادہ کرر ہے ہیں۔

یہ موضوع بھی عاجز سوانح نویس کی علمی بساط سے نہایت بلند اور عظیم ہے اس لئے محض رسمی قلم فرسائی سے باز رہ کر حافظ ملت کے ذخیرۂ فتاویٰ سے چند نمونے نقل کرے گا۔ تاکہ اہل بصیرت خود ہی اس فن شریف میں بھی ان کے امتیازی کمال کے جلوے دیکھ سکیں۔ اس سے قبل ہم نہایت فخر کے ساتھ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی فقہی سند کو پیش کریں گے جو حضور صدرالشریعہ اعلیٰ حضرت اور امام اعظم ابوحنیفہ (قدست اسرارہم) سے ہوتی ہوئی سرکار دوعالم شارع اسلام ﷺ تک پہونچتی ہے۔

حافظ ملت کی سند فقہ:

حضور رسول اکرم سیدنا محمد عربی ﷺ

|

حضرت عبداللہ بن مسعود

|

حضرت علقمہ .... حضرت الاسود

|

حضرت ابراہیم

حضرت شیخ حماد

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ

حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی

حضرت احمد بن حفص (ابوحفص کبیر)

حضرت عبداللہ بن ابی حفص البخاری

حضرت امام ابوعبداللہ السبز مونی

حضرت شیخ ابو بکر محمد بن الفضل البخاری

حضرت شیخ القاضی ابوعلی النسفی

حضرت امام شمس الائمہ الحلوانی

حضرت امام فخر الاسلام البز دوی

حضرت امام برہان الدین (صاحب الہدایہ)

حضرت امام عبد الستار بن محمد الکردری

حضرت شیخ جلال الدین الکبیر

حضرت شیخ عبد العزیز البخاری

حضرت شیخ سید جلال الدین الخبازی

حضرت شیخ علاء الدین السیرانی

حضرت شیخ السراج قاری الہدایہ

حضرت شیخ الکمال بن الہمام (صاحب فتح القدیر)

حضرت شیخ سری الدین عبد البر ابن الشحنۃ

حضرت شیخ احمد بن یونس الشلبی

حضرت شیخ محمد بن عبد الرحمٰن المسیری، حضرت شیخ عبد اللہ الخریری، حضرت شیخ محمد بن احمد الحموی، حضرت شیخ احمد المحبی

حضرت شیخ حسن الشرنبلانی (صاحب نور الایضاح)

حضرت شیخ علی المقدسی، حضرت شیخ الشمس الحانوتی، حضرت شیخ عمر بن نجیم

حضرت شیخ احمد شوبری

حضرت شیخ اسماعیل بن عبد الغنی النابلسی (صاحب شرح الدرر و الغرر)

حضرت شیخ عبد الغنی بن اسماعیل بن عبد الغنی النابلسی (صاحب الحدیقۃ الندیۃ)

حضرت شیخ اسماعیل بن عبد اللہ البخاری (علی زادہ)

حضرت شیخ عبد القادر بن خلیل

حضرت شیخ یوسف بن محمد بن علاء الدین المزجاجی

حضرت شیخ محمد عابد الانصاری المدنی
حضرت شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر مفتی مکہ
حضرت شیخ عبدالرحمٰن السراج بن شیخ عبداللہ السراج مفتی مکہ
حضرت شیخ امام احمد رضا بریلوی (اعلیٰ حضرت)
حضرت شیخ محمد امجد علی اعظمی (صدر الشریعہ)
حضرت شیخ عبدالعزیز مراد آبادی (حافظ ملت) رضی اللہ عنہم اس سند کے تمام مشائخ حنفی فقہا ہیں (العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ج۱ص۵)

حافظ ملت علیہ الرحمہ نے قیام مبارکپور کے دوران سیکڑوں اہم اور لا ینحل سوالات کے جواب میں فتوے تحریر فرمائے۔ شعبہ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کی ادارت کے عرصہ میں راقم الحروف نے فتاویٰ کا وہ رجسٹر حاصل کر کے محبّ مخلص مولانا محمد اسلم عزیزی گورکھپوری وغیرہ کے تعاون سے اس کی ترتیب وانتخاب کا کام شروع کرایا تھا۔ مولانا موصوف نے اس پر خاصی محنت بھی کی۔ مگر اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی یہاں حضرت کے چند فتاویٰ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

برآمدشدہ گوشت اور بے ہوش جانور کے ذبیحہ کا حکم:

ماریشش، رُیوین واکو اسے حافظ ملت کے شاگرد جناب مولانا محبوب خدا بخش نے ایک استفتا بھیجا جس کا جواب حافظ ملت نے خود تحریر فرمایا۔

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ گوشت آسٹریلیا سے ذبح کر کے بھیجتے ہیں جو ایک ماہ کا راستہ ہے وہ جہاز سے یہاں آتا ہے اور برف میں رکھ کر آتا ہے پھر ذبح کرنے والے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمان ہوں۔ اس کی تصویر میں اس کی صورت بنائی ہے اور سر پر ٹوپی بھی نہیں، کیا اس صورت میں مانا جا سکتا ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ ہے اور شریعت میں فوٹو کا اعتبار ہے۔ اور پھر یہ گوشت کفار منگاتے ہیں اور پھر یہ گوشت اور گوشتوں کے ساتھ مل کر آتا ہے اس میں خنزیر کا گوشت بھی ساتھ ہی آتا ہے۔

(۲) اور دوسری بات یہ ہے کہ اب ایک نیا حکم نکلنے والا ہے کہ جانور کو الیکٹرک میں ڈال دیا۔ کسی صورت سے بے ہوش کر کے ذبح کیا جائے گا، یہ جائز ہے؟۔۔۔ اور بہت دنوں سے ایسا ہی ذبح ہوتا ہے جیسا کرنے کا حق ہے ہمیں امید ہے کہ اس کے متعلق تشفی بخش جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

(از مولانا محبوب خدا بخش صاحب، ریوین واکوا، ماریشش، افریقہ)

الجواب (۱) مجبوری اور اضطراری حالت میں تو کسی جانور کا بھی گوشت ہو ذبح کیا ہوا یا نہ کیا ہوا۔ بقدر ضرورت کھانا جائز ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے :اِلّا مَا اضْطُرِ رْتُمْ اِلَیْہِ. (سورہ الانعام: ۱۱۹) مگر جب اس کی طرف تم مضطر کئے جاؤ، تو بقدر ضرورت کھاؤ۔ لیکن اختیاری صورت میں حلال جانور کا بھی ذبیحۂ شرعی ضروری ہے بغیر ذبیحہ شرعی کے حرام ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَاکُلُوا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ . (الانعام : ۱۲۱) اس کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا گیا ہو یعنی مسلمان یا کتابی حلال جانور کو تسمیہ (بسم اللہ اللہ اکبر) پڑھ کر ذبح کرے تب کھاؤ۔ اور اگر غیر مسلم یا غیر کتابی تسمیہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تب بھی حرام ہے، اور مسلمان اور کتابی ہی ذبح کرے لیکن اگر وہ قصداً تسمیہ ترک کر دیں تب بھی حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے ومن شرطه أن يكون الذابح صاحب ملة التوحيد اما اعتقاداً كالمسلم أودعوى كالكتابى ہدایہ ج ۴ ص ۴۳۴ کتاب الذبائح مجلس برکات (وفيه) والمسلم والكتابى فى ترك التسمية سواء۔ (ہدایہ ج ۴ ص ۴۳۵ کتاب الذبائح مجلس برکات)

یعنی ذبح کرنے کی شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا دین توحید رکھتا ہو اعتقاداً جیسے مسلمان یا بطور دعویٰ کے جیسے کتابی اور مسلمان اور کتابی ترک تسمیہ میں دونوں برابر ہیں۔ یعنی قصداً تسمیہ ترک کریں تو دونوں کا ذبیحہ حرام ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کتابی اور تسمیہ پڑھ کر ذبح کرے تو حلال ورنہ حرام۔ لہذا جب تک یقین یا ظن غالب نہ ہو کہ اس جانور کو مسلمان یا کتابی نے تسمیہ پڑھ کر ذبح کیا ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ صورت مسئولہ میں ذبح کرنے والے کے متعلق مسلم یا کتابی ہونے کا نہ یقین ہے نہ ظن غالب، بلکہ اشتباہ ہے اور یہ شک ذبح کرنے والے میں ہے اور ذبح کرنے والے کا جب کہ مسلم یا کتابی ہونا شرط ہے تو شک میں وہ شرط نہ پائی گئی۔ لہذا جب تک شک رہے گا ذبیحہ جائز نہ ہوگا۔ البتہ اگر کسی ذریعہ سے شک رفع ہو جائے خواہ خبر سے یا تحری سے ذبح کرنے والے کے مسلم یا کتابی ہونے کا ظن غالب حاصل ہو جائے تو جائز ہوگا مگر اس میں دوسرا اشتباہ مردار گوشت ساتھ ہونے کی وجہ سے ہے اس کے رفع کی صورت یہ ہے کہ اگر مردار گوشت کم ہو اور حلال گوشت زیادہ ہو تو تحری کرے اگر ظن غالب حلال ہونے کا ہو جائے تو جائز ورنہ نہیں۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے: غنم مذبوحة فيها ميتة فان كانت ذبيحة أكثر تحرىٰ وأكل۔ ذبح کی ہوئی بکریوں میں مردار بھی ہے تو اگر ذبح کی ہوئی زیادہ ہے تو تحری کرے اور کھائے۔ یعنی تحری سے مذبوح کا ظن غالب ہو جائے تو اس کو کھائے لیکن اس گوشت کو جب کہ کفار منگاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس پر ان کا پورا قبضہ بھی ہوتا ہے یعنی مسلمانوں کی حفاظت اور نگرانی میں نہیں رہتا اور گوشت کا حکم بعد قبضہ قابض کی حیثیت سے ہے۔ یعنی اگر قابض صاحب ذبیحہ ہے تو اس کا گوشت کھانا جائز، ورنہ نہیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اذا دعاه المجوس والنصرانى الى طعامه يكره للمسلم أن يا كل وان قال اشتريت اللحم من السوق لأن المجوسى يبيع المنخنقة والموقوذة والنصراني لا ذبيحة له وانما ياكل هو ذبيحة مسلم او يختنق و ان كان الداعى الى الطعام يهوديا فلا باس للمسلم أن ياكل طعامه لأن اليهوديَّ لايأ كل الا من ذبيحة اليهود أوالمسلم

الجواب(۱) مجبوری اور اضطراری حالت میں تو کسی جانور کا بھی گوشت ہو ذبح کیا ہوا یا نہ کیا ہوا۔ بقدر ضرورت کھانا جائز ہے۔قرآن مجید کا ارشاد ہے :اِلَّا مَااضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ.(سورہ الانعام: ۱۱۹) مگر جب اس کی طرف تم مضطر کئے جاؤ، تو بقدر ضرورت کھاؤ۔لیکن اختیاری صورت میں حلال جانور کا بھی ذبیحۂ شرعی ضروری ہے بغیر ذبیحہ شرعی کے حرام ہے۔قرآن مجید کا ارشاد ہے۔وَلَا تَاكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ .(الانعام : ۱۲۱)اس کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا گیا ہو یعنی مسلمان یا کتابی حلال جانور کو تسمیہ (بسم اللہ اللہ اکبر) پڑھ کر ذبح کرے تب کھاؤ۔اور اگر غیر مسلم یا غیر کتابی تسمیہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تب بھی حرام ہے،اور مسلمان اور کتابی ہی ذبح کرے لیکن اگر وہ قصداً تسمیہ ترک کردیں تب بھی حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے ومن شرطه أن يكون الذابح صاحب ملة التوحيد اما اعتقاداً كالمسلم أودعوى كالكتابى ہدایہ ج۴ص۴۳۴ کتاب الزبائح مجلس برکات (وفيه) والمسلم والكتابى فى ترك التسمية سواء۔(ہدایۃ ج۴ص ۴۳۵ کتاب الزبائح مجلس برکات)

یعنی ذبح کرنے کی شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا دین توحید رکھتا ہو اعتقاداً جیسے مسلمان یا بطور دعویٰ کے جیسے کتابی اور مسلمان اور کتابی ترک تسمیہ میں دونوں برابر ہیں۔یعنی قصداً تسمیہ ترک کریں تو دونوں کا ذبیحہ حرام ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کتابی اور تسمیہ پڑھ کر ذبح کرے تو حلال ورنہ حرام۔لہذا جب تک یقین یا ظن غالب نہ ہو کہ اس جانور کو مسلمان یا کتابی نے تسمیہ پڑھ کر ذبح کیا ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔صورت مسئولہ میں ذبح کرنے والے کے متعلق مسلم یا کتابی ہونے کا نہ یقین ہے نہ ظن غالب، بلکہ اشتباہ ہے اور یہ شک ذبح کرنے والے میں ہے اور ذبح کرنے والے کا جب کہ مسلم یا کتابی ہونا شرط ہے تو شک میں وہ شرط نہ پائی گئی۔لہذا جب تک شک رہے گا ذبیحہ جائز نہ ہوگا۔البتہ اگر کسی ذریعہ سے شک رفع ہوجائے خواہ خبر سے یا تحری سے ذبح کرنے والے کے مسلم یا کتابی ہونے کا ظن غالب حاصل ہوجائے تو جائز ہوگا مگر اس میں دوسرا اشتباہ مردار گوشت ساتھ ہونے کی وجہ سے ہے اس کے رفع کی صورت یہ ہے کہ اگر مردار گوشت کم ہو اور حلال گوشت زیادہ ہو تو تحری کرے اگر ظن غالب حلال ہونے کا ہوجائے تو جائز ورنہ نہیں۔فتاویٰ سراجیہ میں ہے:غنم مذبوحة فيها ميتة فان كانت ذبيحة أكثر تحرىٰ و أكل۔ذبح کی ہوئی بکریوں میں مردار بھی ہے تو اگر ذبح کی ہوئی زیادہ ہے تو تحری کرے اور کھائے۔یعنی تحری سے مذبوح کا ظن غالب ہوجائے تو اس کو کھائے لیکن اس گوشت کو جب کہ کفار منگاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس پر ان کا پورا قبضہ بھی ہوتا ہے یعنی مسلمانوں کی حفاظت اور نگرانی میں نہیں رہتا اور گوشت کا حکم بعد قبضہ قابض کی حیثیت سے ہے۔یعنی اگر قابض صاحب ذبیحہ ہے تو اس کا گوشت کھانا جائز، ورنہ نہیں۔فتاویٰ قاضی خان میں ہے اذا دعاه المجوس والنصراني الى طعامه يكره للمسلم أن يا كل وان قال اشتريت اللحم من السوق لأن المجوسي يبيع المنخنقة والموقوذة والنصراني لا ذبيحة له وانما ياكل هو ذبيحة مسلم او يختنق و ان كان الداعى الى الطعام يهوديا فلا باس للمسلم أن ياكل طعامه لان اليهوديَّ لا يأ كل الا من ذبيحة اليهود أوالمسلم

’’یعنی اگر مجوسی اور نصرانی نے مسلمان کو اپنے کھانے کی طرف بلایا تو مسلمان کو وہ کھانا کھانا مکروہ (تحریمی) ہے اگرچہ وہ کہے کہ یہ گوشت میں نے بازار سے خریدا ہے کیونکہ مجوسی گلا گھونٹا ہوا، لاٹھی سے مارا ہوا بیچتے ہیں۔ اور نصرانی خود ذبح نہیں کرتے بلکہ وہ جانور کا گلا گھونٹتے ہیں یا مسلمان کا ذبیحہ کھاتے ہیں۔ اور اگر بلانے والا یہودی ہے تو مسلمان کو کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہودی یا تو یہودی کا ذبیحہ کھاتے ہیں یا مسلمان کا۔ اس سے ظاہر کہ گوشت کا حکم قابض کے اعتبار سے ہے اگر قابض صرف یہودی یا مسلمان کا ذبیحہ کھاتا ہے تو اس گوشت کے کھانے میں حرج نہیں ورنہ مکروہ تحریمی ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے اور پرہیز اور گریز کرنا چاہیے وہوتعالیٰ اعلم۔

(۲) جانور کو بے ہوش کرکے ذبح کرنا اگرچہ خلاف سنت ہے لیکن بے ہوش جانور حالت بے ہوشی میں اگر زندہ رہا اور زندہ ہی ذبح کیا گیا تو وہ ذبیحہ ناجائز و حرام نہ ہوگا البتہ اگر ایسا بے ہوش ہوا کہ ذبح کرنے سے پہلے ہی روح نکل گئی اور مر گیا تو حرام ہوگا۔ یہ بے ہوشی کی اسکیم غالبا جانور کو تکلیف سے بچانے کی غرض سے پاس کی جارہی ہے، مگر اسکیم سازوں کو یہ ہوش نہیں کہ ذبح کی تکلیف سے پہلے ہی جانور کو بے ہوشی کی تکلیف دیتے ہیں، بے ہوش کرنا بہت بڑی تکلیف ہے جس کے صدمہ سے احساسات باطل ہوجاتے ہیں بلکہ بعض وقت روح بھی نکل جاتی ہے۔ پھر یہ بے ہوشی کی تکلیف ذبح کی تکلیف سے زیادہ ہے کیوں کہ ذبح کی تکلیف منٹ کے اندر ہی ختم ہوجاتی ہے، اور بے ہوشی کی تکلیف دیر تک رہے گی جب تک ذبح نہ کیا جائے گا باقی رہے گی اگرچہ اس کا احساس نہ کرسکے کاش ان اسکیم سازوں کو عقل سلیم ہو اور سنت کے مطابق تیز چھری سے جلد از جلد ذبح کریں تاکہ جانور کو تکلیف بھی کم ہو اور ذبح بھی سنت کے مطابق ہو۔ وہوتعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ

قیام جماعت کے وقت ادائے سنت فجر:

وہابیہ کا کام یہی ہے سنت حقیقی کو مٹانا حضرات ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی راہ مستقیم سے ہٹ کر انہوں نے جو فقہ ایجاد کی ہے اس کی بوقلمونیوں سے شریعت حقہ کے قوانین میں معمولی درک رکھنے والا بھی ہنس پڑتا ہے۔ ان کی رکیک حرکتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بلا تحقیق و تدقیق کتاب وسنت سے ثابت شدہ مسائل کو خلاف سنت کہہ ڈالتے ہیں۔ اور کسی ایک ظاہری حدیث کو آڑ بنا کر فقہائے کرام پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اسی جذبہ کے تحت کیے گیے ایک اعتراض کو استفتا بنا کر حضرت مولانا حکیم عبد الغفور صاحب برادر خورد حضور حافظ ملت نے پیش کیا۔ جس کا عظیم الشان جواب حافظ ملت نے تحریر فرمایا اور اس محققانہ فتوے میں نہ صرف غیر مقلد وہابیوں کی جہالت ثابت کی بلکہ مسلمانان اہل سنت کو نصیحت بھی فرمائی۔ سب سے پہلے نفس مسئلہ کو کئی حصوں میں تقسیم کرکے دلائل سے سمجھایا، سنت فجر کی اہمیت بتائی۔ پھر تعامل صحابہ سے ثابت کیا کہ خود یہ حضرات کس طرح جماعت فرض قائم رہتی اور سنت فجر پڑھتے اس طرح مدلل فتوے کے ضمن میں فقہ حنفی کی حقانیت کو آفتاب نصف نہار کی طرح نمایاں فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز فجر کی جماعت قائم ہونے کے بعد فجر کی سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہیے جیسا کہ ہم حنفیوں کا طریقہ ہے یا بغیر سنت پڑھے فورا جماعت میں شامل ہونا ضروری ہے۔ایک شخص نے پیل سانہ کے مسلمانوں سے اعتراض کیا کہ تم لوگ قرآن وحدیث کے خلاف سنت فجر پڑھنے کھڑے ہوجاتے ہو۔حالاں کہ حدیث مسلم و بخاری میں یہ ہے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ اور یہ کہتا ہے کہ میرے اس قول کے خلاف قرآن وحدیث لاؤ، فقہ میں کسی کا قول نہیں مانتا۔لہذا اس کا جواب کسی حدیث سے لکھیے۔

الجواب ــ:۔

نحمدہ نصلی علی حبیبہ الکریم

فجر کی جماعت قائم ہونے کے بعد اگر غالب گمان ہے کہ سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہوجائے گا تو جماعت سے الگ دوسری جگہ پہلے سنت فجر پڑھ لے۔اس کے بعد جماعت میں شریک ہوجائے اور اگر سنت پڑھنے میں جماعت ترک ہونے کا اندیشہ ہے یا دوسری کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں سنت پڑھے تو سنت نہ پڑھے جماعت میں شریک ہوجائے۔احادیث کریمہ سے یہی ثابت ہے۔صحابہء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اسی پر عمل ہے،کوئی حدیث اس کے خلاف نہیں مگر بد مذہب،مسلمانوں میں اختلاف وافتراق پیدا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں،اسی میں اپنی کامیابی جانتے ہیں قرآن وحدیث کو نہ بد مذہب مانتے ہیں نہ جانتے ہیں،فہم قرآن ہر نتھو خیرا بدھو جمن کا کام نہیں۔قرآن مجید کا ارشاد ہے وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلا الْعٰلِمُون ان کہاوتوں کو صرف علما ہی جانتے ہیں،اسی لئے ارشاد فرمایا :فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْن (النحل آیت ۴۳) اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے دریافت کرو۔حدیث دانی کے متعلق تو امام اجل حضرت سفیان ابن عیینہ جو امام شافعی اور امام احمد کے استاذ ہیں اور امام بخاری کے استاذ ہیں فرماتے ہیں الحدیث مضلۃ الاللفقهاء حدیث سخت پھسلانے والی ہے مگر فقہا کو لہذا اگر حدیث پر عمل کرنا ہے تو پہلے فقہا کا دامن پکڑے۔

یہ کہنا کہ قرآن وحدیث سے جواب دو،میں فقہ کسی کا نہیں مانتا،اس غیر مقلد کی سخت جہالت ہے،وہ فقہ کو جانتا ہی نہیں،وہ اپنی جہالت سے فقہ کو قرآن وحدیث کے خلاف سمجھتا ہے حالاں کہ فقہ ہی قرآن وحدیث کا صحیح مطلب ہے۔خصوصا فقہ حنفی حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اصول ہے کہ حدیث کے خلاف قیاس ہرگز قابل اعتبار نہیں،مثلا قهقهہ فی الصلوٰۃ ناقض وضو ہے۔یہ حدیث سے ثابت ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ قہقہہ سے وضو نہ ٹوٹے اس لیے کہ قہقہہ کوئی نجاست نہیں ہے جو طہارت کے منافی ہو پھر اس سے وضو کیوں کر ٹوٹے گا،اسی لئے خارجِ نماز قہقہہ ناقض وضو نہیں مگر چوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے۔لہذا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور قیاس کو ترک کردیا۔فقہ حنفی کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں جو حدیث کے خلاف ہو اور کسی حدیث سے بھی فقہ حنفی پر اعتراض کیا جاسکے،وجہ اعتراض صرف معترض کی جہالت یا تعصب ہے۔

حدیث :۔ اِذاَ اقیمت الصَلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ سے مسلک حنفیہ پر اعتراض بھی جہالت ہی پر مبنی ہے جو شخص مسئلہ ادائے سنت فجر سے واقف ہو اور حدیث مذکور کا مطلب جانتا ہو۔صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عمل سے باخبر ہو اس پر آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ فجر کی جماعت قائم ہونے کے بعد سنت فجر حنفیہ کے مذہب کے مطابق ادا کر کے جماعت میں شریک ہونا ہی حق ہے ۔حدیث کا یہی حکم ہے ،اس پر اعتراض سراسر جہالت و حماقت ہے یا تعصب وعداوت ہے ۔

لہذ اپہلے مسئلہ ادائے سنت فجر بیان کیا جاتا ہے، اس کے بعد حدیث مذکور کا مطلب اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تعامل بیان کیا جائے گا۔

سنتِ فجر کی اہمیت :

فجر کی سنتیں تمام سنتوں سے زیادہ قوی سب سے زیادہ موکد ہیں ،حضور ﷺ نے ان کو کبھی کسی جگہ ترک نہیں کیا نہ سفر میں نہ حضر میں، ہمارے لئے ارشاد فرمایا ہے: حدیث قال ﷺ لا تدعو هما و ان طردتكم الخيل یعنی فجر کی سنتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ تمھیں گھوڑے کچل ڈالیں ۔دوسری حدیث قال ﷺ ركعتا الفجر أحب الى من الدنيا و ما فيها حضور نے فرمایا فجر کی سنتیں مجھے ساری دنیا اور دنیا کی ساری کائنات سے زیادہ محبوب ہیں۔

جبکہ فجر کی سنتیں حضور اقدس ﷺ کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں اور ہمیں ہر حال میں ان کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور خود ان کو ہمیشہ پڑھا ہے کبھی کسی حال میں ان کو ترک نہیں فرمایا تو حتی الامکان ان سنتوں کا ادا کرنا ضروری ہوا اور جماعت بھی ضروری ہے، اس کی بھی شدید تاکید فرمائی ہے، اس لئے سنت کی ادا میں یہ لحاظ ضروری ہے کہ جماعت ترک نہ ہونے پائے اور ایسی جگہ ادا کرے کہ افتراق جماعت لازم نہ آئے یعنی نہ تو صف کے برابر ہو کر پڑھے نہ صف کے قریب کہ یہ مکروہ ہے بلکہ جس مکان میں جماعت ہو رہی ہے اس سے دوسرے مقام میں علیحدہ پڑھے اور سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہو جائے تا کہ دونوں فضیلت حاصل کر لے اور اگر سنت پڑھنے میں جماعت جانے کا خوف ہو تو سنت نہ پڑھے بلکہ جماعت ہی میں شریک ہو جائے تا کہ جماعت ترک نہ ہو۔خلاصہ یہ ہے کہ جماعت قائم ہونے کے بعد ادائے سنت دو شرطوں پر موقوف ہے ۔اول: جماعت ملنے کا غالب گمان ہو ۔دوم: جس جگہ جماعت ہو رہی ہو اس سے علیحدہ دوسرے مقام میں پڑھنا۔درمختار میں ہے: وا ذا خاف فوت ركعتي الفجر لا شتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل و الا لا يتركها بل يصليها عند باب المسجد ان وجد مكانا والا تركها لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة (درمختار ج ۲ ص ۵۱۰ کتاب الصلوۃ باب ادراک الفریضہ) یعنی جب فجر کی سنتیں پڑھنے میں جماعت جانے کا خوف ہو تو سنت ترک کرے اور جماعت میں شامل ہو جائے کیوں کہ جماعت زیادہ اہم اور اکمل ہے اور اگر جماعت جانے کا خوف نہ ہو تو سنتیں نہ چھوڑے بلکہ ضرور پڑھے اگرچہ جماعت سے علیحدہ مسجد کے دروازے کے قریب پڑھے ۔اور اگر علیحدہ جگہ نہ ہو تو سنت ترک کرے کیوں کہ جماعت کے قریب اسی مکان میں سنت پڑھنا مکروہ ہے اور

مکروہ فعل کا ترک، سنت پر مقدم ہے۔

معنی حدیث:

حنفیہ کے اس مسلک پر حدیث اِذاَ أُقِيمت الصلوٰة فلا صلوة الا المكتوبة سے ہرگز اعتراض نہیں ہوسکتا کیوں کہ حدیث کے یہ معنی ہیں کہ جس مکان میں جماعت قائم ہے اس مکان میں سوائے اس فرض نماز کے دوسری نماز نہیں اس مکان میں دوسری نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں انتشار جماعت اور افتراق جماعت لازم آتا ہے نیز سنت اور فرض کا خلط لازم آتا ہے جس سے حدیث میں ممانعت فرمائی ہے، لہذا اسی مکان میں جس میں جماعت فجر ہو رہی ہے سنت فجر پڑھنا مکروہ ہے اور حدیث میں اسی مکان میں سنت فجر کی ممانعت ہوئی، لہذا دوسرے مکان میں دوسری جگہ سنت فجر پڑھنا حدیث سے ممنوع نہیں، اس لئے یہ حدیث مسلک حنفیہ کے ہرگز خلاف نہیں۔

اور اگر حدیث کے یہ معنی ہوں کہ جب جماعت قائم ہوجائے تو دوسرے مکان میں دوسری جگہ بھی سنت فجر پڑھنا منع ہے تو لازم آتا ہے کہ کثیر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کا عمل اس حدیث کے خلاف ہو اور وہ صحابہ کرام اس حکم رسول ﷺ کے تارک ہوں کیوں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم برابر سنت فجر ادا کرتے تھے، جماعت ہوتی رہتی تھی اور صحابۂ کرام فجر کی سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود، حضرت عبد اللہ ابن عباس، حضرت عبد اللہ ابن عمر، حضرت حذیفہ، حضرت ابو موسی، حضرت ابو الدرداء، وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے، یہی عمل ہے، جماعت ہوتی رہتی تھی، مگر یہ حضرات جماعت سے الگ دوسرے مقام میں اول سنت فجر ادا کرتے تھے، اس کے بعد جماعت میں شریک ہوتے تھے، اس کے ثبوت میں کثیر احادیث کریمہ وارد ہیں، حضرت عبد اللہ بن ابو موسی اپنے باپ حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسی اور حضرت حذیفہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو نماز فجر سے قبل بلایا، یہ حضرات جب واپس آئے تو نماز فجر کی جماعت قائم ہوگئی تھی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد کے ستون کی آڑ میں بیٹھ گئے اور سنت فجر ادا کی اور اس کے بعد جماعت میں شامل ہوئے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سنت فجر ادا کی اور حضرت ابو موسیٰ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما نے ان کو منع نہ کیا۔ یہ دلیل ہے کہ انھوں نے بھی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی موافقت فرمائی، ان کے نزدیک بھی فجر کی جماعت شروع ہوجانے کے بعد سنت فجر کا ادا کرنا جائز ہے اور سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا درست ہے'' (شرح معانی الآثار ۲۱۹)

حضرت ابو مجلّہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ میں فجر کی نماز کو حضرت عبد اللہ ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوا۔ جماعت ہو رہی تھی حضرت عبد اللہ بن عمر جماعت میں شریک ہوگئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سنت فجر ادا کی اس کے بعد جماعت میں شامل ہوئے۔ (شرح معانی الآثار)

اس حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جماعت قائم ہوجانے کے بعد سنت فجر

ادا کی اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس سے اتفاق کیا کیوں کہ ان کو منع نہیں فرمایا، حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے مکان سے چلے اور فجر کی جماعت قائم ہوئی، آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے راستہ میں دو رکعت نماز پڑھی پھر مسجد میں داخل ہوئے اور جماعت سے نماز ادا کی۔

(شرح معانی الآثار ص ۲۲۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ جانتے ہوئے کہ جماعت ہو رہی ہے مسجد سے باہر سنت فجر ادا کی اس کے بعد جماعت میں شریک ہوئے۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو نماز فجر کے لئے جگایا اور جماعت قائم ہو چکی تھی، آپ کھڑے ہوئے اور پہلے سنت فجر ادا کی حضرت ابو عبید اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مسجد میں آتے تھے اور فجر کی جماعت ہوتی رہتی تھی، پہلے آپ سنت فجر ادا کرتے، اس کے بعد جماعت میں شریک ہوتے تھے (شرح معانی الآثار)

حضرت ابو عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سنت فجر کی روایت کی ہے، یعنی جس طرح حضرت ابو درداء پہلے سنت فجر ادا کرتے تھے اس کے بعد شریک جماعت ہوتے تھے، اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل تھا۔ ان تمام احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جماعت قائم ہونے کے بعد سنت فجر پڑھتے تھے اور سنت فجر پڑھنے کے بعد جماعت میں شریک ہوتے تھے کثرت سے صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل دلیل ہے کہ خیر القرون میں سنت فجر ادا کرنے کا یہی طریقہ تھا اور یہی تعامل تھا۔ چنانچہ حضرت ابو عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ہم بغیر سنت فجر پڑھے آتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز فجر پڑھاتے ہوتے تھے، ہم پہلے مسجد کے اخیر حصہ میں سنت فجر پڑھتے تھے، اس کے بعد جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ دوسری حدیث میں فرمایا ہم آتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز فجر پڑھاتے ہوتے تھے، پہلے ہم سنت فجر پڑھتے تھے اس کے بعد جماعت میں شریک ہوتے تھے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جماعت قائم ہونے کے بعد سنت فجر کی ادا کا یہی طریقہ تھا کہ جماعت سے علیحدہ دوسری جگہ پہلے سنت فجر ادا کرتے تھے اس کے بعد شریک جماعت ہوتے تھے، دور فاروقی میں صحابہ اور تابعین کا یہی تعامل تھا۔ یہی حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے۔ احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ صحابہء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین کرام نے حدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ کا یہی مطلب سمجھا کہ جس مکان میں جماعت ہو رہی ہے، اس مکان میں اسی جگہ اس فرض نماز کے علاوہ دوسری نماز کی ممانعت ہے، دوسرے مکان میں دوسری جگہ ممانعت نہیں ہے، حدیث کا یہی مطلب حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے لیا ہے، وہی صحابۂ کرام کا مسلک، حضرت امام اعظم کا مذہب ہے، حضرت امام اعظم اور ان کے مسلک پر طعن صحابۂ کرام پر طعن ہے غیر مقلد آنکھیں کھولیں۔

جو غیر مقلد اس حدیث کو مذہب حنفی کے خلاف بتاتا ہے اور حدیث کے یہ معنی لیتا ہے کہ دوسرے مکان اور

دوسری جگہ بھی سنت فجر پڑھنا منع ہے ۔وہ ان تمام صحابہ کرام کا مخالف ہے، سب کے خلاف حدیث کا مطلب بتاتا ہے، ان سب کے تعامل کے مخالف ہے ۔ یہ اس کی جہالت ہے، غیر مقلدوں کی حدیث دانی ایسی ہی ہوتی ہے ۔اسی پر حدیث حدیث چیخا کرتے ہیں ۔اسی جہالت کے نشہ میں کود کود کر اچھل اچھل کر فقہائے کرام پر اعتراض کیا کرتے ہیں، خصوصا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ پر بڑے زور وشور سے تبرا کرتے ہیں ۔ان کا یہی مذہب ہے، ان کا یہی کام ہے، یہ ان کی روحانی غذا ہے، ان سے کیا شکایت، شکایت تو سنی مسلمانوں سے ہے غیر مقلد اعلان کر رہا ہے اور اپنی بددینی کو پکار کر بتا رہا ہے کہ فقہ میں کسی کا نہیں مانتا یعنی میں ائمہ دین میں سے کسی امام کو نہیں مانتا باوجود اس کے سنی مسلمان اس کی بات سنتے ہیں، اس کو منہ لگاتے ہیں، مذہب حنفی پر اس جاہل کندہ ناتراش کے اعتراض کو قابل جواب سمجھتے ہیں، اس کا صاف و صحیح جواب یہ تھا کہ جب تو کسی امام کو نہیں مانتا تو ہم تجھے کیوں مانیں، جب تو ائمہ دین کا فرمان نہیں سنتا تو ہم تیری بات کیوں سنیں ۔مسلمانو! ہوش میں آؤ اور غور سے سنو بددینوں سے حدیث کیا قرآن مجید بھی سننا منع ہے ۔

حضرت امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خارجی آیا اور کہا کہ میں آپ کو قرآن مجید سنانا چاہتا ہوں ۔ حضرت نے فرمایا میں نہیں سنتا، اس نے پھر کہا، آپ نے پھر انکار فرمایا اور اجازت نہ دی ۔جب وہ چلا گیا تو حاضرین نے عرض کیا کہ یا حضرت آپ نے قرآن سننے سے انکار کردیا ۔آپ نے فرمایا تمھیں معلوم نہیں وہ خارجی تھا، لوگوں نے عرض کیا کہ خارجی تھا تو کیا وہ تو قرآن مجید سنانا چاہتا تھا، قرآن مجید سننے میں کیا حرج تھا، حضرت امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ قرآن مجید سناتا، اس کے بعد اپنے مذہب کے موافق اس کا مطلب بیان کرتا ممکن تھا کہ میں گمراہ ہو جاتا، اس لئے میں نے دروازہ ہی بند کردیا ۔حضرت ابن سیرین کبار تابعین میں سے ہیں، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے دیکھنے والے ہیں وہ تو بدمذہب سے قرآن مجید نہیں سنتے اور گمراہی کا خوف کرتے ہیں، مگر آج سنی مسلمان ہر بدمذہب غیر مقلد، وہابی، دیوبندی، قادیانی، نیچری وغیرہ کی ہر بات سننے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں، اسی وجہ سے گمراہی بڑھتی چلی جاتی ہے، مسلمان اگر اس اصول پر عمل کرتے کہ وہ بدمذہب کی کوئی بات ہی نہ سنتے حتی کہ قرآن مجید بھی ان سے نہ سنتے تو مسلمانوں کا دین وایمان محفوظ رہتا اور یہ گمراہ فرقے ترقی نہ کرتے مسلمانو تمھیں لازم ہے کہ نہایت مضبوطی سے اپنے مذہب اہل سنت و جماعت پر قائم رہو اور ہرگز ہرگز کسی بدمذہب کی کوئی بات نہ سنو، اسی میں تمھارے دین و ایمان کی حفاظت ہے، اسی میں سلامتی ہے ۔ **وما علینا الا البلاغ....**

فقہی استحضار:

حافظ ملت کو فقہی جزئیات کا اس قدر استحضار تھا کہ جہاں جب کوئی سوال کیا جاتا اس کا حل پیش فرمادیتے ۔ دار العلوم اشرفیہ کے دار الافتا سے جب بھی کوئی فتویٰ صادر ہوتا، آپ اگر موجود ہوتے تو اس کی تصدیق فرماتے اور برمحل افادات بھی ۔ہمارے دور طالب علمی میں بارہا ایسا دیکھا گیا کہ حضرت نائب شیخ الحدیث علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ اور مفتی عبد المنان صاحب اعظمی وغیرہما کسی فقہی علمی دشواری کے لیے بلاتکلف حافظ ملت کے پاس کتاب لیے

پہنچ جاتے۔اور چند لمحوں میں چہرے پر اطمینان کی بشاشت لیے لوٹتے۔مولانا محمد اسلم عزیزی لکھتے ہیں:

کسی ضرورت یا ہم درس ساتھیوں کے ساتھ سبق پڑھنے کے لیے راقم حافظ ملت کے پاس حاضر تھا، اسی وقت بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ چند سوالوں (استفتاء) کے جوابات لکھ کر، جوابات کی توثیق کے لیے حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔تو فرمایا۔''پڑھ کر سنایئے''

سوال و جواب سننے کے بعد حضرت نے کہیں کہیں رہنمائی بھی فرمائی، ایک جگہ ارشاد فرمایا، اس میں ''اذالم یکن فیه غدر'' کی شرط بھی ہے۔اور چند کتابوں کے حوالے بھی بیان فرمائے۔(معارف حافظ ملت ص۲۱)

جمعہ کی اذان ثانی اور حافظ ملت کی فقہی بصیرت:

الجامعۃ الاشرفیہ کے شیخ الادب علامہ محمد احمد مصباحی صاحب بیان فرماتے ہیں: ایک بار درس گاہ میں حضرت نے فرمایا بنارس سے کچھ لوگ آئے انھوں نے کہا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل شہر سے فرمایا:''جب بین یدی الخطیب اذان ہو اس وقت نہ چلو بلکہ جب پہلی اذان ہو اسی وقت چلو'' اس میں بین یدی الخطیب کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے یہاں اذان ثانی خطیب کے قریب ہوا کرتی تھی۔میں نے کہا اس سے اذان ثانی کا بیرون مسجد ہونا ثابت ہوتا ہے، کوفہ جیسے شہر کے لوگ اذان ثانی سن کر اپنے گھروں سے مسجد چلتے۔یہ لوگ اذان ثانی اسی وقت سن سکتے تھے جب بیرون مسجد ہوتی رہی ہو اندرون مسجد کی اذان بھلا اس وسیع شہر میں لوگوں کے گھروں کے اندر کب پہنچتی کہ وہ سن کر آتے۔(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص۱۸۱)

ادھار اور نقد کی خرید و فروخت:

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں، ایک شخص سوت بیچنے کا کام کرتا ہے اور وہ ہر میل کے تین بھاؤ رکھتا ہے مثلا ۲۰ رکا بھاؤ نقد روپیہ سے ۱۲ رکھتا ہے اور پرچی سے ۱۴ بھاؤ رکھتا ہے اور جو ادھار لینے آتا ہے اس سے کہتا ہے کہ تم کو ۱۳ روپیہ میں ملے گا وہ شخص بطور رضا مندی ۱۳ میں لیجاتے ہیں اس صورت میں یہ بیاج یعنی سود میں شامل ہوا یا نہیں۔

فقط والسلام

(حافظ) محمد صدیق بقلم خود

۴ راگست ۱۹۵۴ء

الجواب:

ہر شخص کو اپنے مال کا اختیار ہے جس قیمت پر چاہے فروخت کرے، اسی طرح ہر خریدار کو اختیار ہے کہ اس قیمت پر راضی ہو تو خریدے نہ راضی ہو تو نہ خریدے، شریعت مطہرہ میں بیع کی حقیقت ہی یہ ہے البیع مبادلة المال بالمال بالتراضی یعنی بیع رضا مندی کے ساتھ مال کا مال سے بدلنا ہے بیع کی حقیقت ہی میں بیچنے والے اور خریدنے والے کی رضا مندی شامل ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ بیچنے والے کو اپنے مال کا اختیار ہے، جس دام پر چاہے فروخت کرے

جس طرح خریدار کو پورا اختیار ہے کہ اس قیمت پر راضی ہو تو خریدے ورنہ نہ خریدے، اس لیے بھاؤ کیا جاتا ہے جو سنت ہے، اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک دام پر راضی ہو جائیں، بیچنے والے کو مال کا پورا اختیار ہے کہ جس قیمت پر چاہے فروخت کرے تو نقد و ادھار میں فرق کرنے کا بھی اختیار ہے مگر صحیح طریقہ کو اختیار کرے اور غلط طریقہ سے بچے۔

غلط طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص نے ایک ہی بیع میں دو بیع کی اور یوں کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ چیز دس روپیہ نقد کو اور گیارہ کو ادھار بیچی خریدار کہے کہ میں نے خریدی یہ منع ہے اور اگر علیحدہ علیحدہ کر کے بیچے کہ وہی چیز نقد دس روپیہ کو بیچے اور وہی چیز دوسری بیع میں گیارہ ادھار کر کے بیچے تو جائز ہے کوئی حرج نہیں۔ ترمذی شریف میں ہے:

"عن أبي هريره قال نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة العمل على هذا عند اهل العلم و قد فسر بعض اهل العلم قالو أبيعتين في بيعة ان يقول ابيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين ولا يفارقه على احد البيعين فاذا فارقه على احدهما فلا باس اذا كانت العقدة على واحد منهما" (ترمذی شریف ج اول ص ۲۳۳)

یعنی حضور ﷺ نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع فرمایا اور عمل اسی پر ہے اہل علم کے نزدیک بعض اہل علم نے بیعتین فی بیعۃ کی یہ تفسیر فرمائی کہ دونوں کو جمع کر کے یوں کہے کہ میں نے تجھے یہ کپڑا نقد دس میں اور ادھار بیس میں بیچا اور علیحدہ علیحدہ نہ کہے یہ صورت منع ہے لیکن جبکہ علیحدہ علیحدہ کر کے ایک ہی پر عقد وارد کرے تو کوئی حرج نہیں مثلاً جو شخص نقد لیتا ہے اس کو دس کو دے اور جو ادھار لیتا ہے اس کو بیس کو دے تو یہ بیع علیحدہ علیحدہ ہے، لہذا کوئی حرج نہیں، مطلب یہ ہے کہ ایک ہی شخص کو ایک ہی بیع میں نقد اور ادھار جمع کر کے بیچنا منع ہے مثلاً یوں کہے کہ یہ چیز تجھ کو نقد دس روپیہ میں اور ادھار گیارہ میں بیچی یہ منع ہے اور علیحدہ علیحدہ فرق کر کے نقد دس اور ادھار گیارہ کو بیچنا جائز ہے کوئی حرج نہیں، پرچی اگر رسید یا چیک کے طور پر روپیہ کا کوئی تحریری ثبوت ہے تو اس میں کمی بیشی کا اختیار ہے حتی کہ نوٹ اور روپیہ میں بھی فرق کر سکتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ صورت منقولہ میں نرخ کا فرق کرنا تین صورتوں سے جائز ہے مثلاً ۲۰ کا بھاؤ نقد روپیہ سے اٹھارہ روپیہ بارہ آنہ اور پرچی اٹھارہ روپیہ چودہ آنہ اور ادھار انیس روپیہ بھاؤ رکھے مگر یہ نرخ ہے لیکن جب بیع کرے علیحدہ علیحدہ کرے نقد اور ادھار جمع نہ کرے نقد دینے والے سے نقدی کی بیع کرے اور ادھار لینے والے سے ادھار ہی کی اور پرچی لینے والے سے پرچی ہی کی بیع کرے تینوں صورتوں میں قیمت کا تفاوت جائز ہے کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رہن اور اجارہ کا حکم:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے پانچ بیگھہ زمین ایک سو روپیہ میں دخلی رہن رکھی، ایک سو روپیہ کاشت کار کو دے دیا اور سرکاری لگان ایک روپیہ بیگھہ کا اس زمین کا ہے اپنے ذمہ لے لیا، کاشت کار کا کہنا ہے کہ تمہارے مبلغ ایک سو روپیہ ادا کردوں گا اور زمین واپس لے لوں گا اس صورت میں روپیہ دینے والے کو اس کی پیداوار یا

اس کے منافع کھانا شرعا جائز ہے یا نہیں۔؟

عبد الحمید ولد حاجی اللہ بخش

بھوجپور ضلع مرادآباد

الجواب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔:۔

ظاہر ہے کہ مرتہن نے زمین مرہون کی سرکاری لگان اپنے ذمہ خود بخود نہیں لے لیا بلکہ راہن نے اس کے ذمہ دیا ہے اور اس سے یہی طے کیا ہے مرتہن لگان ادا کرتا رہے اور اس کے عوض زمین مرہون سے نفع حاصل کرے، لہذا یہ اجارہ ہوا یہ جائز ہے اگر چہ دخلی رہن جس میں مرتہن شئ مرہون سے نفع حاصل کرے نا جائز ہے سود ہے حرام ہے، لیکن سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے یہ صورت رہن کی نہیں بلکہ اجارہ ہے، لہذا نہ سود ہے، نہ حرام اس لیے کہ رہن دوسرے کی شئ کو اپنے حق کے مقابلہ میں روکنا ہے تا کہ اس کے ذریعہ وصول کر سکے مثلا قرض کے مقابلہ میں مکان یا زمین یا زریا کپڑا یا تلوار وغیرہ روکنا اپنے قبضہ میں کر لینا رہن ہے۔

ہدایہ میں ہے۔الرهن جعل الشئي محبوسا بحق يمكن استيفاؤه من الرهن كالديون۔

(الهداية، كتاب الرهن جلد ۴ ص ۵۱۶ مكتبه علميه ملتان)

یہ صرف قرض کے وصول کے لیے روکنا ہوتا ہے، اس میں راہن مرتہن پر کچھ واجب نہیں کرتا، نہ اس شئ کا کوئی معاوضہ ہوتا ہے اور نہ معاوضہ طے کیا جاتا ہے۔

رہن صرف عقد تبرع ہے، ہدایہ میں:

"لأنه عقد تبرع لما أن الراهن لا يستوجب بمقابلته على المرتهن شيئا"

(الهداية: كتاب الرهن جلد ۴ ص ۵۱۶ مكتبه علميه ملتان)

چوں کہ رہن کے مقابلہ میں کوئی معاوضہ نہیں ہوتا اس لئے مرتہن کا شئ مرہون سے انتفاع مقصود نہیں ہوتا ہے، سود وہ زیادتی ہے جو عوض سے خالی ہو، شامی میں ہے :لأن الربا هو الفضل الخالي عن العوض دخلی رہن میں مرتہن اپنا قرض بھی پورا وصول کرتا ہے اور شئ مرہون سے نفع بھی حاصل کرتا ہے تو یہ نفع عوض سے خالی ہوتا ہے، اس لیے سود ہوتا ہے اور سود کسی طرح جائز نہیں ہے۔ راہن اجازت دے یا نہ دے بہر حال نا جائز ہے۔شامی میں ہے:

لايحل له أن ينتفع بشئي منه بوجه من الوجوه وان أذن له الراهن لأنه أذن له فى الربا لأنه يستوفى دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فيكون الربا۔(الشامی، الجزالخامس ص ۳۱۰ مکتبہ نعمانیہ)

رہن میں سود کی علت یہی ہے کہ مرتہن چوں کہ اپنا قرض پورا کا پورا وصول کرتا ہے لہذا شئ مرہون سے اس کا انتفاع معاوضہ سے خالی ہو کر سود ہو جاتا ہے اور اگر قرض ہی اس کا معاوضہ ہوتا کلاّ یا جزءً تو سود نہ ہوتا، سود کی دلیل میں شامی کی مذکورہ عبارت اس پر دلیل ہے کہ فرمایا يستوفى دينه كاملا یعنی مرتہن اپنا قرض پورا پورا وصول کرتا ہے،

اس لئے سود ہوتا ہے معلوم ہوا کہ اگر قرض کا کوئی بھی جز انتفاع کے مقابلہ میں ہوتا تو سود نہ ہوتا تو جس طرح کلًا یا جزءً انتفاع کے مقابلہ میں ہونے سے سود نہیں ہوتا اسی طرح اگر انتفاع کا مقابلہ کسی دوسری شئی سے ہوگا تو بھی سود نہ ہوگا، جب زمین مرہون میں کاشت کا معاوضہ قرار پایا سود ہرگز نہ ہوا، البتہ یہ رہن بھی نہ ہوا بلکہ اجارہ ہوا جیسے قرض لینے والا اپنا مکان قرض دینے والے کو رہنے کے لیے دیا یا مرتہن شئی مرہون کو اجارہ پر لے لے ان صورتوں میں رہن نہیں رہتا بلکہ اجارہ ہوجاتا ہے۔

شامی میں ہے:

ولواستقرض دراهم وسلم حماره الى المقرض ليستعمله الى شهرين حتى يوفيه دينه أو داره يسكنها فهو بمنزلة الاجارة الفاسدة ان استعمله فعليه أجر مثله ولا يكون رهنا۔

(الشامی کتاب الرہن جلد ۵ ص ۳۱۱ مکتبہ نعمانیہ)

یعنی اگر کسی نے کچھ روپیہ قرض لیا اور اپنا جانور قرض دینے والے کو دے دیا کہ اس جانور کو دو ماہ تک استعمال کرے یہاں تک کہ وہ اس کا قرض ادا کردے یا قرض دار نے اپنا مکان قرض خواہ کو رہنے کو دیا تو یہ بمنزلۂ اجارہ فاسدہ کے ہے، اگر قرض خواہ نے استعمال کیا تو اس پر اجرت مثل لازم آئے گی اور یہ رہن نہیں ہوگا، اس صورت میں رہن نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ رہن عقد تبرع ہے، جیسا کہ ہدایہ کے حوالے سے اوپر مذکور ہوا، لہذا جب راہن اور مرتہن نے مرہون کا استعمال طے کرلیا تو یہ عقد تبرع نہ رہا۔ لہذا رہن نہ رہا اجارہ کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ معاوضہ مقرر نہیں کیا، اگر معاوضہ مقرر کر لیتا تو اجارہ فاسدہ نہ ہوتا اور اجرت مثل لازم نہ آتی، صورت مسئولہ میں بھی زمین مرہون کا استعمال طے ہوا ہے اور مرتہن نے استعمال بھی کیا ہے لہذا رہن نہیں رہا بلکہ اجارہ ہوگیا اس میں چوں کہ معاوضہ مقرر ہے اس لئے اجارہ فاسد نہ ہوا بلکہ اجارہ صحیح ہوا۔

کتاب فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

واذا ارتهن الرجل دابة بدين له على الراهن قبضها ثم استاجر ها المرتهن صحت الاجارة وبطل الرهن حتى لا يكون للمرتهن ان يعود فى الرهن ۔ یعنی مرتہن نے کسی جانور کو اپنے قرض کے بدلہ رہن رکھا اور اس جانور پر قبضہ کرلیا پھر مرتہن نے اس جانور کو اجرت میں لے لیا تو یہ اجارہ صحیح ہے اور رہن باطل ہوگیا، یہاں تک کہ مرتہن کو عقد رہن کے لوٹانے کا حق نہیں رہا جب عقد منعقد ہونے کے بعد بھی اجارہ سے باطل ہوجاتا ہے تو عقد رہن میں اگر اجارہ ہو تو بدرجہ اولیٰ رہن منعقد نہ ہوگا کیوں کہ بعد تحقق شی اس کا بطلان و زوال اشد اہم ہے، زوال قبل تحقق شی ہے، لہذا صورت مسئولہ میں بدرجہء اولیٰ رہن نہ ہوا اور اجارہ منعقد ہوا کیوں کہ اجارہ وہ عقد ہے جو منافع بالعوض پر وارد ہو، ہدایہ میں ہے الاجارة عقد ترد على المنافع بعوض ۔ صورت مسئولہ میں زمین مرہون کے منافع کے عوض زرلگان معاوضہ مقرر ہے، لہذا اجارہ ہوا اگر زرلگان زمین مرہون کی اجرت واپسی سے ہو تب بھی اجارہ صحیح ہوگا، اس لیے کہ بیع اور اجارہ میں عاقدین کو معاوضہ کی تعیین کا پورا پورا حق ہوتا ہے جس قدر چاہیں معاوضہ مقرر کریں ہر شخص کو یہ حق

حاصل ہے کہ ایک روپیہ کی چیز پانچ روپیہ میں بیچے، اسی طرح اس کو یہ بھی حق ہے کہ پانچ روپیہ کی چیز ایک روپیہ میں، اسی طرح اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے مکان کو جس کا کرایہ ایک روپیہ ہے پانچ روپیہ پر دے، اسی طرح پانچ روپیہ کرایہ کا مکان ایک روپیہ پر دینے کا اختیار ہے یوں ہی اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ مکان یا کھیت پر جو سرکاری ٹیکس یا لگان ہو اسی ٹیکس کے یا لگان پر، ایسے ہی مکان یا کھیت کو کرایہ پر دے دے لہذا صورت مسئولہ میں جب کہ مالک زمین نے زرلگان کو زمین کی کاشت کا معاوضہ قرار دیا تو وہی معاوضہ قرار پایا اگر چہ واجب اجرت سے کم ہوا، لہذ یہ اجارہ صحیح ہوا، نہ سود ہے ،نہ حرام ہے، البتہ اس شبہہ کی بنا پر کہ واجبی اجرت سے کم معاوضہ پر زمین مرہون کو قرض ہی کی وجہ سے دیا ہے اس سے بچنا چاہئے ۔واللہ تعالی اعلم

کیا وتر کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین زادکم اللہ تعالیٰ شرفا وتعظیما مسئلہ ذیل میں کہ وتر کے بعد کے جو دو نفل پڑھے جاتے ہیں ان کو بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہو کر پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے؟ کیوں کہ ہمارے اس اطراف میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے ۔بعض اشخاص یہ کہتے ہیں کہ حضور نے یہ نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں ۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرتے ہیں اور چھوٹی موٹی کتابوں میں بھی بیٹھ کر پڑھنا لکھا ہے ۔لہذا بحوالہ حدیث تحقیقی جواب دیں ۔بینوا توجروا

سائل عبد الرشید قصبہ بھوجپور ضلع مرادآباد

الجواب ــ:

نفل نماز میں کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنے کی قدرت ہو جب بھی بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے ۔مگر کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے ۔حدیث میں فرمایا " صلٰوۃ الرجل قاعدا نصف الصلٰوۃ" بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہوکر پڑھنے والے کی نصف ہے ۔یعنی آدھا ثواب ہے ۔اور عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھے تو ثواب میں کمی نہیں ہوگی ۔ وتر کے بعد جو دورکعت نفل پڑھے جاتے ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے اور اس میں حدیث سے دلیل لانا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں صحیح نہیں کیوں کہ یہ حضور کی خصوصیت میں سے ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم شریف کی حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ۔فرماتے ہیں :

مجھے خبر پہنچی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہوکر پڑھنے والے سے آدھی ہے ۔اس کے بعد میں حاضر خدمت ہوا تو حضور کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے پایا، سر اقدس پر میں نے ہاتھ رکھا (کہ بیمار تو نہیں ہیں)ارشاد فرمایا کہ کیا ہوا عبد اللہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حضور نے تو ایسا فرمایا ہے اور حضور بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں فرمایا ہاں لیکن میں تم جیسا نہیں ہوں ۔حدیث کے مبارک الفاظ یہ ہیں:

عن عبد اللّٰه بن عمر قال حدثت ان رسول الله ﷺ قال صلوة الرجل قاعدا نصف الصلوة قال فأتيته فوجدته يصلي جالسا فوضعت يدي على رأسه فقال مالك يا عبد اللّٰه بن عمر قلت حدثت يا رسول اللّٰه انك قلت صلوة الرجل قاعدا نصف الصلوة وانك تصلي قاعدا قال اجل و لكني لست كاحد منكم (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۳)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "قوله ﷺ مع القدرة على القيام كنا فلته قائما تشريفا له كما خص باشياء معروفة "یعنی حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ میں تم جیسا نہیں وہ حضور کے خصائص میں سے ہے۔لہذا حضور کی نفل نماز بیٹھ کر باوجود قدرت کے کھڑے ہونے پر ایسے ہی ہے جیسے حضور کھڑے ہو کر نماز پڑھتے۔

امام ابراہیم حلبی و صاحب درمختار و صاحب ردالمحتار نے فرمایا کہ یہ حکم حضور کے خصائص میں سے ہے۔اور اسی حدیث سے استدلال فرمایا۔

اما النبی ﷺ فمن خصائصه ان نافلته قاعدا مع القدرة على القيام كنا فلته قائما ففي صحيح مسلم عن عبد اللّٰه بن عمر حدثت يا رسول اللّٰه انك قلت صلوة الرجل قاعدا على نصف الصلوة و انك تصلي قاعدا قال اجل و لكني لست كاحدمنكم . (ردالمحتار جلد اول ص ۴۸۹)

جب بیٹھ کر نفل پڑھنے میں ثواب کم نہ ہونا حضور ﷺ کی خصوصیات سے ہوا تو دوسرے کسی شخص کے لیے یہ حکم نہیں ہوسکتا، دوسرا شخص بلا عذر کوئی نفل بھی بیٹھ کر پڑھے گا تو اس کا ثواب آدھا پائے گا، جو احکام حضور کے ساتھ خاص ہیں ان میں دوسروں کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔مثلاً صوم وصال پے در پے بلا افطار روزہ رکھنا حضور کی خصوصیات میں سے ہے لہذا دوسروں کے لیے مکروہ ہے۔یہ استدلال کرنا غلط ہے کہ چوں کہ حضور ﷺ نے صوم وصال رکھا ہے، لہذا ہمارے لیے بھی صوم وصال افضل ہے۔اسی طرح یہ استدلال کہ چوں کہ حضور ﷺ نے وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں۔لہذا ہمارے لیے بھی بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے قطعاً غلط ہے۔کیوں کہ یہ حضور کی خصوصیت ہے کہ حضور کے ثواب میں کمی نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالعزیز عفی عنہ

۳ ربیع الاول شریف ۱۳۷۵ھ

اذان خطبہ داخل مسجد سنت ہے یا خارج مسجد؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ اذان ثانی جو خطبہ کے وقت ہوتی ہے، دروازہ پر کہنا سنت ہے یا مسجد کے اندر؟

سنن ابو داؤد شریف جلد اول میں ہے:

عن السائب بن يزيد رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال كان يؤذن بين يدي رسول اللّٰه ﷺ اذا

يـجـلـس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وابى بكر و عمر ۔یعنی جب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن ممبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی ،اور ایسا ہی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں۔

اس حدیث سے بداہۃً یہی معلوم ہوتا ہے کہ اذان ثانی جو خطبہ کے وقت کہی جاتی ہے مسجد کے دروازے پر ہونا چاہیے یہی سنت ہے: فتاویٰ عالمگیری جلد اول میں ہے:

یکره أن يؤذن فی المسجد

غنیۃ شرح منیہ میں ہے:

والمكان هنا (أی فی الأذان)مختلف لانه ينتقل عن مكان الاذان ،فى الغالب لانه انما يكون فى المدينة خارج المسجد و الاقامة فی داخله ،اه (غنية المستملی شرح منية المصلی ص۳۷۷)

عمدۃ الرعایۃ شرح وقایہ جلد اول ص ۲۴۵ میں ہے:

قوله ،بين يديه أی مستقبل الامام فی المسجد كان أو خارجه والمسنون هو الثانی۔

ان اقوال کے باوجود بکر اس پر اڑا ہوا ہے کہ خارج مسجد اذان ہونا حنفی مسلک کے خلاف ہے اور استدلال میں کفایہ شرح ہدایہ جلد اول ص ۱۰۴ کی عبارت پیش کرتا ہے "روی الحسن عن أبي حنيفة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن المعتبر في وجوب السعی و حرمة البيع الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة " (کفایۃ جلد ثانی ص ۳۸) اور عند کا ترجمہ قریب کرتا ہے۔

حالانکہ مولانا قاضی ثناء اللہ مالا بد منہ کے ص ۶۹ ۔ ۶۰ میں فرماتے ہیں:

وچوں امام بر ممبر نشیند اذان دوم روبروے او گفتہ شود۔یعنی امام جب ممبر پر بیٹھے اذان اس کے سامنے کہی جائے آپ حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ معروض ہوں کہ آپ اپنے قلم ہدایت رقم سے اظہار حق فرمائیں کہ اذان خارج مسجد ہونا سنت ہے یا مسجد کے اندر؟ بینوا توجروا۔

المستفتی

فقیر ابوسعید عبد الوحید فریدی الفاروقی

خانقاہ عالیہ رشیدیہ شکر تالاب ڈاک خانہ کینٹ بنارس

الجواب ــــــــــــــــــــــ :۔

مسجد خانہ خدا ہے دربار الٰہی ہے ۔بادشاہ اور حاکم کے دربار کی حاضری کا بلاوا دربار کے باہر ہی سے ہوتا ہے دربار کے اندر سے پکارنا بے ادبی ہے ۔اسی لئے اذان مسجد کے باہر مشروع ہوئی ۔لہذا اذان ثانی ہو یا اول جمعہ کی ہو یا دوسرے اوقات کی ہر اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے ۔فتاویٰ عالمگیری،قاضی خاں اور شامی وغیرہ فقہ حنفی کی تمام کتابوں میں

ہے"یکرہ أن یؤذن فی المسجد "مسجد میں اذان مکروہ ہے۔جمعہ کی اذان ثانی جوخطبہ کے وقت ہوتی ہے وہ بھی اذان ہی ہے۔لہذا وہ بھی مسجد کے اندر مکروہ ہے۔اس کی کراہت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ اذان ہے اور ہر اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے لہذا یہ اذان بھی مسجد کے اندر مکروہ ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور خلفاے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت کریمہ کے خلاف ہے لہذا مکروہ ہوئی۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مذکور فی السوال سے حضور ﷺ اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ اقدس میں اذان ثانی مسجد کے باہر ہونا ثابت ہے۔اور کوئی روایت ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد پاک میں اذان ثانی مسجد کے اندر ہوتی تھی۔لہذا قدیم طریقہ ہی پر باقی رہے گی ،اور یہ ثابت ہوگیا کہ پوری خلافت راشدہ میں اذان ثانی مسجد کے باہر ہوتی تھی۔لہذا اس کے خلاف اندرون مسجد ہونا بلا شبہہ مکروہ ہوگا۔اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ کی تخصیص اذان اول کے اعتبار سے ہے۔یعنی اذان اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہ تھی بلکہ دور عثمانی میں ہوئی۔اور یہ اذان اول بھی مسجد سے باہر مقام زورا پر ہوتی تھی۔

اور وہ اذان جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔لہذا وہ اپنی حالت پر رہی، بغیر ثبوت اسے مسجد کے اندر سمجھنا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف بلا ثبوت اس کی نسبت کرنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افترا ہے۔یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں میں جب سستی دیکھی تو ضرورت محسوس کی اور ضرورۃً اذان اول کا اضافہ کیا اس کے اضافے سے وہ ضرورت ختم ہوگئی ،اذان ثانی کو حضور اقدس ﷺ اور شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سنت کریمہ کے خلاف مسجد کے اندر لانے کی کون سی ضرورت پیش آئی ، بلکہ ضرورت تو دوسری کو بحالہ مسجد سے باہر رکھنا چاہتی ہے۔

کفایہ کی عبارت سے بکر کا استدلال کرنا صحیح نہیں، کفایہ کی عبارت میں اذان سے سعی واجب کی ہے اور بیع حرام کی ہے، اس میں یہ دلیل قائم کی ہے کہ اگر اذان ثانی کا انتظار کرلیا گیا تو سنت کی ادا فوت ہوجائے گی۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ اذان ثانی اور اول دونوں مسجد سے خارج ہی ہیں۔دونوں اذانوں کو مسجد سے باہر کے لوگ برابر سنتے ہیں جب ہی تو فرمایا کہ اگر اذان عند المنبر کا انتظار کرے گا تو سنت ترک ہو جائے گی اگر اذان ثانی مسجد کے اندر منبر کے قریب ہی ہوتو شہر والے ، محلے والے ، بازار والے اس کا انتظار کیسے کریں گے، ان کو اس کی آواز کیسے پہنچے گی۔کفایۃ کی عبارت "لو انتظر الأذان عند المنبر"خود اس پر دلیل ہے کہ اذان عند المنبر بھی مسجد سے خارج ہے مگر عند المنبر اس لیے کہا ہے کہ منبر کے سامنے ہے اور منارہ کی نسبت منبر سے قریب بھی ہے۔لہذا جمعہ کی اذان ثانی بھی خارج مسجد ہی سنت ہے لیکن منبر کے سامنے۔

غرغرہ کی تعریف:

غرغرہ کی شرعی تعریف کیا ہے مفصل تحریر فرمائیں۔چوں کہ رمضان کا مہینہ ہے اور ان چیزوں کی سخت ضرورت ہے۔

المستفتی:عبدالباری پسر ضیاء اللہ

الجواب ــ :

(۱)غرغرہ میں پانی حلق سے نیچے اتر نا لازم وضروری نہیں ہے البتہ حلق سے نیچے پانی اترنے کا احتمال ہے اس لئے روزہ کی حالت میں غرغرہ مکروہ ہے۔درمختار میں ہے: وسنة المبالغة بالغرغرة غير الصائم لا حتمال الفساد ؟لہذا جب تک پانی حلق سے نیچے اترنے کا یقین نہ ہوجائے صرف احتمال سے روزہ کے فاسد ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔لہذا مطلق یہ اعلان صحیح نہیں ہے کہ جن لوگوں نے صبح کے وقت غسل یا وضو میں غرغرہ کرلیا ہے وہ روزہ نہیں رکھ سکتے،اس کے ساتھ یہ قید ضروری ہے کہ اگر غرغرہ کرنے میں پانی حلق سے نیچے اتر گیا تو روزہ نہ ہوگا،اگر کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا تو بھی رمضان شریف کے احترام کا لحاظ ضروری ہے۔کھلے بندوں کھانے پینے سے احتراز کریں۔

(۲)غسل میں غرغرہ سنت ہے فرض نہیں،ایک مرتبہ کلی کرنا فرض ہے کہ حلق کی جڑ تک منہ کے ہر حصہ ہر پرزہ اور تالو اور دانتوں داڑھوں زبان کے نیچے اوپر گردنوں سب جگہ پانی بہہ جائے۔

(۳)غرغرہ حلق میں پانی گھمانے کو کہتے ہیں منتھی الارب میں ہے: آب در گلو گردانیدن

تنبیہ: روزہ حلق سے نیچے پانی وغیرہ اترنے سے فاسد ہوتا ہے،حلق میں جا کر واپس آنے سے فاسد نہیں ہوتا چوں کہ غرغرہ میں حلق کے اوپر کے پانی کو باہر ہی نکالتے ہیں،اس لئے صرف غرغرہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔البتہ حلق سے پانی نیچے اتر گیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔واللہ تعالی اعلم۔

زکوۃ اور مصارف زکوۃ:

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمین غیر عشری اور غیر خراجی ہے اس میں سے غلہ کتنا نکالنا چاہیے؟

(۲)اور یہ کہ زکوۃ،صدقہ اورعشر وغیرہ کے مصارف کون کون ہیں وضاحت سے بیان فرمائیں اور افضل مصرف بھی ذکر کریں۔

(۳)بعض مسلمانوں کو سوال کرنے کی لت پڑگئی ہے اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ تو ہمارے باپ دادا سے ہوتا آیا ہے حالاں کہ یہ لوگ تندرست ہیں کیا ایسے لوگوں کو دینا جائز ہے کیا ؟شرع شریف میں کوئی ممانعت نہیں ہے ؟ بینوا توجروا

از: محمد اسلام اللہ خاں

پہاڑ پور ضلع گورکھپور ۳رذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ :۔

(۱) جو زمین غیر عشری اور غیر خراجی ہے اس کا حکم بھی عشری زمین کا ہے یعنی اس کی پیداوار میں سے عشر (دسواں حصہ) نکالنا مثلاً پہاڑ اور جنگل کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی اس سے شہد حاصل ہو تو اس میں سے دسواں حصہ دیا جائے گا۔ درمختار میں ہے:

(ویجب) العشر (فی عسل) و ان قل (أرض غیر الخراج) ولو غیر عشریة کجبل و مفازة ۔
(درمختار جلد سوم ص ۲۵۶/۲۶۴)

شامی میں ہے:

قولہ (أرض غیر الخراج) اشار الی أن المانع من وجوبہ کون الأرض خراجیة لأنہ لا یجتمع العشر والخراج فشمل العشریة، وما لیست بعشریة و خراجیة کالجبل والمفازہ (ردالمحتار جلد سوم ۲۶۵)

یہ حکم جب ہے کہ بادشاہ اسلام نے اس کی ڈاکوؤں اور باغیوں سے حفاظت کی ہو۔

درمختار میں ہے:

و یجب العشر فی ثمرة جبل او مفازة ان حماہ الامام (درمختار جلد سوم ۲۶۵)

(۲) زکوۃ کے مصارف یہ ہیں، فقرا، مساکین اور عمال یعنی وہ لوگ جنھیں بادشاہ اسلام نے زکوۃ اور عشر وصول کرنے کے لیے مقرر کیا ہے، مکاتب غلام کہ وہ اس مال سے بدل کتابت ادا کرے، فی سبیل اللہ یعنی راہ خدا میں مثلاً کوئی حج کو جانا چاہتا ہے، اس کے پاس مال نہیں ہے، یا کوئی طالب علم ہے کہ علم دین پڑھنا چاہتا ہے اسے دے سکتے ہیں، یہ بھی راہ خدا میں دینا ہے ابن سبیل یعنی مسافر جس کے پاس مال نہ رہا اسے بھی دے سکتے ہیں اگر چہ اس کے گھر پر مال موجود ہو مگر اسی قدر جس سے اس کی حاجت پوری ہو جائے اس سے زیادہ نہیں، مؤلفۃ القلوب کی زکوۃ منسوخ ہے، اتنا خیال رہے کہ ہاشمی کو مال زکوۃ نہ دیا جائے جو مصارف زکوۃ کے ہیں وہ صدقہ فطر اور عشر کے بھی مصارف ہیں، صدقہ نفل اغنیا کو بھی دے سکتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (سورہ توبہ آیت ۶۰)

ترجمہ: صدقات فقرا و مساکین کے لیے ہیں اور ان کے لیے جو اس کام پر مقرر ہیں اور وہ جن کے قلوب کی تالیف مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لیے یہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

شامی میں ہے:

(أی مصرف الزکوٰة و العشر) الی قولہ و ھو مصرف أیضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذر

وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني (ردالمحتار جلد سوم ص ۲۸۳)

زکوۃ وغیرہ صدقات میں افضل یہ ہے کہ پہلے اپنے بھائیوں بہنوں کو دے، پھر ان کی اولاد کو دے، پھر چچا اور پھوپھیوں کو پھر ان کی اولاد کو پھر ماموں اور خالہ کو پھر ان کی اولاد کو پھر ذوی الارحام یعنی رشتہ داروں کو پھر پڑوسیوں کو پھر اپنے پیشہ والوں کو پھر اپنے شہر یا گاؤں کے رہنے والوں کو اور زکوۃ دینے والے کو یہ بھی چاہیے کہ زیادہ حاجت مند زیادہ مستحق اعانت کو دیکھے اور سوچے کہ کہاں مال زکوۃ صرف کیا جائے تو مسلمانوں کے حق میں زیادہ مفید ہوگا، جو زیادہ نفع بخش مصرف ہو وہاں دے نادار طالب علموں کا بھی خیال رکھے جاہل فقیر کو دینے سے عالم فقیر کو دینا افضل ہے۔

عالم گیری میں ہے:

والأفضل في الزكاة والفطر والنذور الصرفُ أولا الى الاخوة والاخوات ثم الى أولادهم ثم الى الأعمام والعمّات ثم الى أولادهم ثم الى الأخوال و الخالات ثم الى أولادهم ثم الى ذوى الأرحام ثم الى الجيران ثم الى أهل حرفته ثم الى اهل مصره أو قرينه كذا في السراج الوهاج

(جوہرہ عالم گیری جلد اول ص ۱۹۰)

در مختار میں ہے:

" وكره نقلها الا الى قرابة "

یعنی دوسرے شہر کو زکوۃ بھیجنا مکروہ ہے مگر جب کہ وہاں اس کے رشتہ والے ہوں۔

پیشہ ور نام کے فقیر جو روزی کما سکتے ہیں، گھر سے آسودہ حال ہیں ان کو دینا بھی منع ہے کہ اعانت فی المعصية ہے، فقیر کہ جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب تک پہنچے، یا بقدر نصاب ہو مگر اس کی حاجت اصلیہ میں مستغرق ہو اسے بھی بغیر ضرورت و مجبوری سوال کرنا ناجائز ہے، اگر چہ اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں، مسکین جس کے پاس کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے کے لے بھی نہیں ہے اسے اپنے کھانے اور بدن چھپانے کے لئے سوال کرنا حلال ہے۔

بھینس کی قربانی کس حدیث سے ثابت ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید کہتا ہے کہ بھینس چوں کہ گائے کی ہم جنس ہے اس لئے اس کی قربانی جائز ہے اور عمرو کہتا ہے کہ اس کی قربانی کا ثبوت نہ آں حضرت ﷺ اور صحابہ و تابعین سے ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی مرفوع روایت ہے نہ آثار صحابہ میں سے کوئی لائق حجت اثر۔ اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ عمرو کی باتوں سے لوگوں میں بھینس کی قربانی سے متعلق شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لیے سوال یہ ہے کہ اگر اس سلسلہ میں کوئی مرفوع روایت یا لائق حجت اثر ہو تو تحریر فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد اسمٰعیل املو، مبارکپور

الجواب ــــــــــــــــــ :

زید کا قول صحیح ہے اور عمرو کا قول غلط ہے کیوں کہ حدیث شریف سے جس طرح گائے کی قربانی ثابت ہے اسی

طرح بھینس کی قربانی ثابت ہے، بھینس کی قربانی کے ثبوت میں حدیث مرفوع موجود ہے۔

عن جابر بن عبد الله نحرنا مع رسول الله ﷺ عام الحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة.(صحیح مسلم جلد اول کتاب الحج ص ۴۲۴)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال قربانی کی اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے ربھینس کی سات آدمیوں کی طرف سے۔حدیث میں لفظ بقرہ آیا ہے، عربی زبان میں بقرہ کا معنی گائے اور بھینس دونوں ہیں جیسا کہ لغت عرب کی معتبر کتاب المغرب میں ہے۔الجاموس نوع من البقرة۔بھینس بقر کی ہی ایک قسم ہے۔المنجد میں ہے: الجاموس ضرب من كبار البقرة۔بھینس بڑی بقر کی ایک قسم ہے۔ جب حدیث کا لفظ بقر گائے اور بھینس دونوں کو شامل تو جس طرح اس حدیث سے گائے کی قربانی ثابت ہے اسی طرح بھینس کی قربانی بھی ثابت ہے۔اسی لیے فقہائے کرام نے فرمایا: الجواميس والبقر سواء لان اسم البقر يتناولهما یعنی گائے اور بھینس دونوں برابر ہیں اس لئے کہ بقر دونوں کو شامل ہے۔

نیز ہدایہ میں ہے:

ويدخل فی البقر الجاموس لأنه من جنسه .(ہدایہ ج ۴ کتاب الاضحیہ ص ۲۴۹)

بقر کا لفظ بھینس کو شامل ہے۔کیوں کہ بھینس اسی جنس سے ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

(والجاموس)هو نوع من البقر كما فی المغرب فهو مثل البقر فی الزكاة والا ضحية والربا و يكمل به نصاب البقر (ردالمحتار جلد سوم باب زکوۃ البقر ص ۲۰۳)

یعنی گائے بھینس کی قسم ہے جیسا کہ المغرب میں ہے پس وہ زکوۃ وقربانی میں مثل گائے کے ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: والجاموس نوع من البقر (فتاوی عالمگیری ص ۲۹۷ ج ۵) بھینس بقر کی جنس سے ہے،

واللہ تعالیٰ اعلم

نکاح فسخ کرانے کے طریقے:

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ: شوہروں کے گم ہو جانے یا نامرد و مجنون ہو جانے ،یا ظالمانہ برتاؤ اور سنگ دلی کی وجہ سے عورتوں اور ان کے پورے گھرانے کے لیے سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے، کوئی نہ ٹھکانے سے رکھتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے، نہ خرچ دیتا ہے، ان مشکلات کا حل موجودہ زمانے میں علما نے دو صورتوں سے نکالا ہے۔

ایک تو یہ کہ مسلمان حاکم سے فسخ کرالیا جائے، اس کے لئے بعض علما انھیں قیود و شرائط کا لحاظ کرتے ہیں جو قاضی شرع کے نزدیک معتبر ہوں بعض علما صرف مسلم حاکم ہونا کافی جانتے ہیں ، جو فسخ کرنے میں قوانین شرعیہ کا لحاظ نہیں کرتے۔اور بعض علماے اہل حدیث نے تو اتنی وسعت دی ہے کہ وہ مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید ہی نہیں لگاتے ، ہر حاکم

کے فسخ کو معتبر مانتے ہیں۔

ان صورتوں میں بعض جگہ یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ حکام عدالت کے فسخ کرنے کے بعد یہ لوگ اپنے طور پر پنچایتی نظام کے ذریعہ جس میں دین دار لوگ اور بعض علما بھی شریک ہوتے ہیں فسخ کو نافذ کرتے ہیں۔

لہذا سوال (۱) یہ ہے کہ فسخ حکام کے بعد پنچایتی نظام مذکورہ میں از سر نو پوری کارروائی کرنی پڑے گی، یا صرف فسخ کو نافذ کردینا کافی ہوگا؟

(۲) بعض عورتیں شوہروں کے مفقود الخبر ہونے کے تین ہی چار سال کے بعد حکام سے فسخ کرالیتی ہیں اور بعض دوسری صورت میں شوہر کی عدم حاضری کی وجہ سے بھی عورت کو ڈگری مل جاتی ہے کیا ان صورتوں میں فسخ حکام جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) مسلم یا غیر مسلم حاکم کے فسخ کرنے کے بعد شرعی پنچایت جس میں علما بھی شریک ہیں اگر ان میں اختلاف رائے ہو جائے تو اکثریت کا فسخ نافذ ہوگا یا نہیں۔؟

(۴) اگر فسخ حکام کے بعد شرعی پنچایت کا انعقاد ہوا اور اس کے بلانے پر اہل معاملہ اور ان کے گواہان جس کے بیان پر تحقیق معاملہ موقوف ہے نہ آئیں تو اس مجبوری کی صورت میں پوری کارروائی شرعی قاعدے سے کیوں کر انجام دی جائے؟

الجواب:۔

ان سوالوں کا مقصد یہ ہے کہ شوہروں کے مظالم سے بچنے کے لئے کوئی ایسا شرعی طریقہ ہونا چاہئے کہ جس پر عمل کر کے عورتیں اپنی حفاظت کرسکیں اور ان ظالم شوہروں سے طلاق حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں وہ ختم ہو جائیں اور آسانی سے طلاق حاصل ہو جائے،اس کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ شوہروں کو ایسے شرائط سے پابند کردیا جائے جن سے ان مظالم کا سد باب ہو جائے، یا عورتیں بلا کسی دشواری کے نجات حاصل کرسکیں، یہ شرائط اس قسم کی ہونی چاہیے جو ان خطرات کو کما حقہ ختم کرتی ہوں مثلا یہ شرط ہو کہ اگر شوہر نے اتنے دنوں تک نان ونفقہ نہیں دیا تو طلاق، یا اتنے دنوں تک غائب رہا اور خبر گیری نہیں کی تو طلاق، یا اس حد تک مارا تو طلاق یا اس قسم کے دیگر شرائط بیان کر دئے جائیں جس سے عورتیں محفوظ رہ سکیں۔جب کبھی اس قسم کی باتیں پیش آئیں گی حسب شرائط طلاق پڑ جائے گی۔اور شوہروں سے طلاق حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں وہ نہیں آئیں گی۔

یہ شرائط تحریری ہوں تو بہتر ہے تا کہ انکار کا موقع نہ ملے اور گواہان کے نام بھی درج کر لیے جائیں اور شوہروں سے دستخط لے لیے جائیں اور بیان نامہ میں طلاق کے بائن یا مغلظہ ہونے کی تصریح کر دی جائے، یوں ہی شرائط صاف اور صریح ہوں مبہم یا محتمل الفاظ نہ ہوں جس کی طرح طرح کی تاویلیں کر کے ان ظالموں کو ظلم کرنے کا موقع ملے مثلا یوں نہ لکھا جائے کہ یہ بات ہوئی تو تصور کیا جائے، یا سمجھا جائے بلکہ یوں لکھا جائے کہ یہ بات ہوئی تو طلاق ہو جائے گی یا

پڑجائے گی غرضیکہ ہرطریقہ سے اطمینان کرلیا جائے۔اسی طریقہ مذکور پرعمل کرنے کے بعد کسی مزید کارروائی کی ضرورت نہیں رہی۔واللہ تعالی اعلم

اگرشوہر بیوی کی کفالت کا اہل نہ ہوتو کیا کیا جائے؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ رفیق نے اپنی شادی طیب النساء سے کی، عرصہ دوسال ہوا کفیل اپنی زوجہ کا نان ونفقہ سے نہیں ہوا۔اور نہ کوئی صورت معلوم ہوتی ہے اور نہ طلاق دیتا ہے ایسی حالت میں کون سی صورت اختیار کی جائے از روے شرع حکم صادر فرمائیں۔

نوٹ: شوہر کسی طرح سے رضا مند نہیں ہے،اپنی زوجہ کو مکان پر لانا گوارہ نہیں کرتا۔محمد بہاء اللہ انصاری موضع ،ہردی ڈاکخانہ بکھرا ضلع بستی

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ:.

برادری کے اورقوم کے ذمہ دار حضرات جس طرح بھی ہوسکے رفیق سے طلاق دلوائیں اگر راضی وخوشی سے طلاق نہیں دیتا تو برادری اپنی بستی کے لوگوں سے دباؤڈلوائے اور اگر اس طرح بھی کام نہ چل سکے تو جبرا طلاق لیں۔ایسی شدید ضرورت پر جبریہ طلاق ہوجاتی ہے۔واللہ تعالی اعلم

کیا منسلک اقرار نامہ کی صورت میں طلاق ہوجائے گی؟

علماے دین شرع متین سے دست بستہ یہ التماس ہے کہ منسلک اقرار نامہ اور معاہدہ کے رو سے بجاے ایک ماہ کے سات مہینہ گزر گیا لیکن قدرتی میاں نے کنیز فاطمہ کی کسی طرح بھی کچھ بھی کھوج خبر نہ لی ،ایسی حالت میں طلاق عائد ہوگئی یا نہیں اور یہ گزری ہوئی سات مہینہ کی مدت عدت میں لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ ایک جوان غریب پردہ نشین عورت بے گناہ بے بسی ماری جاتی ہے۔

اس کا علما دین وشرع متین کے مطابق جوحق فیصلہ ہوجلد صادر فرما کر مستحق ثواب ہوں اور مدعیہ کوبھی شکریہ کا موقع دیں۔خدا حافظ

از:احمد محسن محلہ گیوال بیگہ گیا،بہار ۱۱راپریل ۱۹۵۰ء

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ:.

منسلک اقرار نامہ کا مقصد چوں کہ یہی ہے کہ اگر قدرتی میاں اپنی بی بی کنیز فاطمہ کا نان نفقہ بند کردے اور ایک ماہ تک اس کی خبر گیری نہ کرے تو اس کی بی بی کو طلاق ،اگرچہ اقرار نامہ میں جہالت سے ’’طلاق نامہ تصور کریں‘‘ لکھا ہے لیکن یہ جہالت فی زمانہ عام ہوگئی ہے اور عام تحریروں میں اسی طرح لکھتے ہیں۔لہٰذا مقصد اقرار نامہ کی رو سے طلاق واقع ہوگی ،اقرار نامہ کی تاریخ سے ایک ماہ بعد چوں کہ شرط پائی گئی،لہٰذا طلاق واقع ہوگئی اور جب سے طلاق واقع ہوئی اسی وقت سے عدت شمار کی جائے گی،طلاق کی عدت تین حیض ہے۔قال اللہ تعالیٰ:

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثة قروء۔ لہٰذا طلاق واقع ہونے کے بعد تین حیض پورے ہونے پر عدت ختم ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ

کیا فرماتے ہیں علما کرام حسب ذیل مسئلہ میں کہ

(ا) زید کہتا ہے کہ رام اور رحیم ایک ہی نام ہیں یعنی خدا رام بھی ہے اور رحیم بھی۔ آیا زید کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

(ب) زید کہتا ہے کہ مسجد مندر ایک ہیں۔ آیا یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟

(ج) کیا امام کے لیے مصلیٰ ضروری ہے؟

المستفتی۔ نظام الدین چاند محمد

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ :۔

(ا) زید جاہل ملحد ہے، وہ رام اور رحیم کا معنی نہیں جانتا، رحیم کے معنی انتہائی رحم و کرم فرمانے والا اور رام کے معنی رمنے والا اور کسی چیز میں سمانے، والا خداوند قدوس رحیم ہے، رام ہرگز نہیں، خدا کا رام ہونا محال ہے۔ یہ ہندوں کا عقیدہ ہے، وہ خدا کو ہر شئی میں اسی طرح سمایا ہوا مانتے ہیں جیسے کپڑے میں رنگ اور پھول میں خوشبو، اس لیے اس کو رام کہتے ہیں یہ حلول ہے یہ خداوند تعالیٰ کے لیے محال ہے، یہ عقیدۂ کفر والحاد ہے۔

(۲) مسجد خانۂ خدا ہے اللہ وحدہ لاشریک کی خالص عبادت کا مکان ہے، مندر بت خانہ ہے، بتوں کے پوجا کرنے کی جگہ ہے، شرک کا گھر ہے۔ مسجد اور مندر کو ایک کہنا سخت جہالت ہے، کفر والحاد ہے (۳) اگر مصلی سے مراد جائے نماز بمعنی نماز پڑھنے کی جگہ ہے تو یہ ہر نمازی کے لئے ضروری ہے، امام ہو یا مقتدی یا منفرد اور اگر مصلی سے مراد چٹائی یا دری یا کپڑا وغیرہ ہے جس کو بچھا کر اس کے اوپر نماز پڑھتے ہیں تو یہ کسی کے لیے ضروری نہیں۔ نہ امام کے لیے نہ مقتدی کے لیے نہ منفرد کے لیے باجود اس کے سبھی استعمال کرتے ہیں اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں سمجھتے اور اسی طرح اگر مقتدی چٹائی یا دری پر نماز پڑھے اور امام کے لیے کپڑے وغیرہ کی جانماز ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷/ اگست ۵۵ء

کیا زندوں کو بھی ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علما دین ان مسائل میں کہ (ا) آں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو باحیات مانتے ہیں اگر یہ درست ہے تو آں حضرت ﷺ کو ثواب بخشنا کیسا ہے؟

(۲) جو لوگ شہید ہوتے ہیں اسلام کے بارے میں یعنی راہ حق میں جیسے شہدائے کربلا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم یا اصحاب رسول اللہ ﷺ یا ان کے بعد اور بزرگان دین جو بھی شہید ہوئے ہیں آیا وہ زندہ ہیں یا نہیں؟

(۳) اگر وہ زندہ ہیں تو ان کو ثواب بخشنا چاہیے یا نہیں۔
(۴) اگر ثواب بخشنے کا حکم شریعت محمدی میں ہے تو اس کا طریقہ بتادیں کس طرح بخشنا چاہیے۔
ان سوالوں کا جواب قرآن شریف اور حدیث شریف سے حکم خداوندی اور فرمان محمد ﷺ کے ساتھ ثابت کر کے سمجھادیں۔
سوال نمبر ایک۔۲ میں مسئلہ حیات النبی اور شہداے کربلا کی صورت کو خیال میں رکھتے ہوئے جواب دیں۔
مستفتی احمد سیٹھ موتی لاب مالیگاؤں سٹی

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ :۔

بے شک انبیاے عظام علیہم الصلاۃ والسلام اور شہداے کرام زندہ ہیں اور ان حضرات کے لیے ایصال ثواب باعث اجر و ثواب ہے۔حدیث میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہ حرَّمَ علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء فَنبی اللّٰہ حَیٌّ یُرْزَقُ

(ابو داوٗد کتاب الصلوۃ ۳۰۱ رنسائی ابن ماجہ کتاب الاقامۃ)

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ انبیا علیہم السلام کے جسموں کو کھائے پس اللہ کے نبی زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔شہداے کرام کے لیے قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ.

(قرآن عظیم آل عمران آیت ۱۶۹)

جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور روزی پاتے ہیں۔قرآن مجید اور حدیث شریف سے انبیاے عظام علیہم السلام اور شہداے کرام کی حیات ثابت ہے۔

رہا یہ شبہہ کہ جب وہ زندہ ہیں تو ان کو ثواب نہیں بخشنا چاہیے، یہ شبہہ جہالت پر مبنی ہے،ثواب بخشنے کے لیے آدمی کا مرنا ضروری نہیں صرف سنی مسلمان ہونا شرط ہے۔زندہ ہو یا مردہ ہر شخص کو ثواب پہنچتا ہے۔نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اپنی قربانی میں اپنی تمام امت کو شریک کیا،حدیث کے مبارک الفاظ یہ ہیں۔بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ من محمد و آل محمد و من امة محمد ثم ضحی۔(مسلم شریف جلد ۲ کتاب الاضاحی ص ۱۵۶)

یعنی اے اللہ قبول کر اس قربانی کو محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے۔

حدیث شریف میں امت محمد وارد ہوا جو زندوں اور مردوں سب کو شامل ہے لہذا حدیث سے ثابت ہوا کہ عمل خیر کا ثواب زندوں اور مردوں سب کو پہنچتا ہے۔

ہدایہ میں ہے: ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ او صوما اوصدقة اوغیرھا عند اھل السنة والجماعة. (الجزأن الاولان من الہدایہ ص ۲۷۶)

بیشک انسان کو حق حاصل ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسروں کو پہنچائے نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا ان کے علاوہ اہل

سنت و جماعت کے نزدیک سب کو ثواب پہنچتا ہے۔

اس عبارت میں لفظ "لغیرہ" ہے جو زندوں، مردوں سب کو شامل ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ زندوں اور مردوں سب کو ثواب پہنچتا ہے۔ جس عمل خیر کا ثواب بخشنا ہو بارگاہ الٰہی میں عرض کرے۔ خداوندا اس عمل خیر کو قبول فرما اور اس کا ثواب اپنے حبیب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا، ان کے طفیل اور وسیلہ سے اہل بیت کرام و اصحاب عظام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو پہنچا اور جس کو بخشنا ہو اس کا نام شامل کردے۔ درود شریف اور چاروں قل سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھ لے تو بہتر ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ

اصاب من اجاب: غلام جیلانی اعظمی عفی عنہ

مدرس درالعلوم اشرفیہ مبارکپور

الجواب صحیح: محمد یحیی غفرلہ۔ ۲۵؍صفر ۷۱ھ

مدرس درالعلوم اشرفیہ، مبارکپور

سال گرہ کا شرعی طریقہ:

محترم حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب

گزارش ہے کہ ایک رسم کے متعلق جاننا چاہتا ہوں کہ یہ رسم کہاں تک جائز ہے۔ اور اس کی ادائیگی کی کون سی صورت ہے، سال گرہ کی تقریب بلا تفریق مذہب و ملت جس کا جی چاہے مناتا ہے، شرعی طور پر اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ میری ایک بچی ہے جو گزشتہ ہفتہ ۳؍اکتوبر ۱۹۵۲ء جمعہ کی صبح کو پیدا ہوئی ہے تو یہ پہلی بچی ہے، اس کے پہلے کوئی بچہ نہیں ہے اور نہ بچی ہے۔ میرے خاندان میں یہ رسم کسی نے نہیں منائی لیکن میری خواہش ہے کہ مناؤں لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس کی صورت شرعی ہو، آپ سے گزارش ہے کہ صحیح جواب سے مستفیض فرمائیں۔

محمد سمیع اللہ

کلکتہ ۲۱؍ستمبر ۱۹۵۳ء

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ:-

انسان کی عمر بہت بڑی دولت اور جلیل القدر نعمت ہے، سال کیا مہینہ اور ہفتہ و بلکہ ایک ایک دن بیش بہا اور گراں مایہ دولت ہے، سال گزرنے پر اس جلیل القدر نعمت کے شکریہ میں کوئی تقریب جو شرعا جائز ہو کر سکتے ہیں۔ ادائے شکریہ کی نیت سے محفل میلاد شریف منعقد کرنا مستحب اور باعث ثواب ہے تو آپ مجلس میلاد شریف سے سال گرہ کی تقریب منائیں اور اس طرح اپنے رب جلیل کا شکریہ ادا کریں۔ واللہ تعالی اعلم



آٹھواں باب

حافظ ملت بحیثیت مناظر

دشمن دیں کے لیے قہر وغضب کی بجلی
اہل الفت کے لیے رحمت پیہم تو ہے
دودھ کا دودھ کیا پانی کا پانی تونے
اپنے ماحول کا فاروق معظم تو ہے

(بدر القادری)

حافظ ملت بحیثیت مناظر

مناظرہ کا میدان نہ صرف درس و تدریس کی مہارت سے سر ہوتا ہے، اور نہ ہی محض خطابت اور زور بیان سے بلکہ اس کے لیے اور بھی مختلف علوم اور صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں ۔ایک کامیاب مناظر کے لیے علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت و رسوخ کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ اور ماحول کی نبض شناسی بھی درکار ہے ۔اس کے ساتھ ساتھ شخصی طور پر استحضار علمی ،قدرت کلام ،کمال اظہار، ملکۂ تفہیم ،زورِ استدلال اور بروقت گرفت کی خوبی بھی ضروری ہے ۔

اس روشنی میں جب ہم حضور حافظ ملت کی ذات کو دیکھتے ہیں تو لگتا ہے وہ اپنے عہد کے مناظر اعظم تھے، المصباح الجدید، حافظ ملت کے چند گھنٹوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ وہابیت و دیوبندیت کے رد میں یوں تو سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں مگر کمال اختصار کے ساتھ اس کتاب کے ذریعہ حافظ ملت نے علما دیوبند کی حقیقت جس طرح واشگاف کی ہے اور دیوبندی عقائد باطلہ سے جس سادگی اور پرکاری کے ساتھ عام مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہے، وہ آج بھی لاجواب ہے ۔

دارالعلوم دیوبند کے چند گستاخ رسول مولویوں کے باعث برصغیر ہند و پاک میں اسلام اور سنیت کو جتنا شدید نقصان پہونچا ہے اسے گزشتہ صدی کا عظیم المیہ کہا جائے گا ۔افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس گروپ کے تعلیم یافتہ لوگ بھی گروہی عصبیت کے انتہائی عمیق غار تک جا پہنچے ہیں کہ انھیں عظمت سرور دو عالم ﷺ کے بالمقابل اپنے چند مولویوں کا وقار زیادہ پیارا ہے جنھوں نے کفریہ عبارتوں کو غور سے دیکھا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اکابر دیوبند سے کفر کا سنگین جرم سرزد ہوا ہے مگر اکابر پرستی اور گروہی عصبیت کا نشہ اتنا تیز ہے کہ ایمان اور اسلام ہاتھ سے جارہا ہے مگر بارگاہ رسول کے مجرم مولویوں سے اظہار نفرت کی توفیق نہیں ہو رہی ہے ۔اور اب تو فتنۂ دیوبندیت ایک مستقل الگ تھلگ فرقہ بن چکا ہے جس کی اساسی بنیادیں تقویۃ الایمان ،صراط مستقیم ، رشید احمد گنگوہی اور اشرف علی تھانوی کے مخصوص نظریات ہیں ۔امام احمد رضا محدث بریلوی اور متحدہ ہندو پاک کے ہزارہا علماے اہل سنت نے اس فتنۂ دیوبندیت کے خلاف ابتدا ہی سے نعرہ جہاد بلند کر رکھا ہے ۔حافظ ملت علیہ الرحمہ کو بھی اس فرقہ سے عمر بھر مقابلہ کرنا پڑا اور بحمدہ تعالیٰ انہیں دیوبندی فرقہ کے بالمقابل ہمیشہ فتح مبین نصیب ہوئی۔

حضور حافظ ملت نے زمانۂ طالب علمی سے ہی فن مناظرہ میں اپنی مہارت ،محکم گرفت اور قوت استدلال کا مظاہرہ شروع کر دیا تھا۔ زمانۂ طالب علمی کی ان کی مناظرانہ شان کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے ۔ملاحظہ کیجیے۔

زمانۂ طالب علمی میں ایک پر لطف استدلال:۔

حضور حافظ ملت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ و ارضاہ عنا نے اپنے دور طالب علمی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ایک بار فرمایا گرمی کے موسم میں نانیہال گیا ہوا تھا، ایک دن دوپہر کے وقت باغیچہ میں ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا تھا، گاؤں کے کچھ لوگ ایک مولوی صورت انسان کے ساتھ میرے پاس آئے اور کہا یہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نماز

میں امام کے پیچھے مقتدی کے لئے بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔حضرت حافظ ملت نے ان سے پوچھا یہ مسئلہ کس کتاب میں لکھا ہوا ہے، انھوں نے جواب دیا اثم ماجہ میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے ،پھر حضرت نے پوچھا اثم ماجہ ''سین'' سے ہے یا ''ث'' سے تو جواب دیا ''ث'' سے اثم ماجہ ہے ۔پھر حضرت حافظ ملت نے پوچھا ''ث'' سے اثم کے معنی کیا ہیں تو مولوی صاحب نے جواب دیا ''اثم'' کے معنی گناہ ہیں، اب حضرت حافظ ملت نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا، مولوی صاحب بتا رہے ہیں اثم کے معنی گناہ ہیں۔تو سورۂ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم گناہ کی کتاب میں ہے اور جو حکم گناہ کی کتاب میں ہو وہ ماننے کے لائق ہرگز نہیں ہوسکتا۔مولوی صاحب تو مبہوت ہوگئے اور سب لوگ مطمئن ہو کر چلے گئے۔

حضور حافظ ملت نے اگر اس مسئلہ پر فقہی اور اصولی استدلال فرمایا ہوتا تو مولوی صاحب کو مبہوت ہونا ہی پڑتا اور وہ علمی استدلال کے اہل تو تھے نہیں جیسا کہ ان کے لفظ اثم ماجہ سے واضح ہے ۔مگر ساتھ میں آنے والے لوگوں کی سمجھ میں شاید پوری بات نہ آتی۔

علم غیب پر مناسب حال استدلال:

حافظ ملت نے فرمایا کہ اجمیر شریف دارالخیر میں قیام کے دوران وہاں کے ایک رئیس صاحب جو میرے شناسا تھے کے پاس ایک مولوی صاحب پہنچے ۔اورانھیں سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب نہیں تھا ،رئیس صاحب نے فوراً ایک شخص کو میرے پاس بھیجا تا کہ اصل بات واضح ہوجائے ۔میں پہنچا۔گفتگو شروع ہوئی تو ثبوت علم غیب میں مَیں نے چوتھے پارے کی آیت کریمہ پڑھی۔

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ''

(آل عمران آیت نمبر ۱۷۹)

اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگوں تمھیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔

اس کے جواب میں اس شخص نے نویں پارے کی آیت پڑھی۔

''وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ'' (الاعراف آیت ۱۸۸)

اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی ۔

اور کہا کہ چوتھے پارے میں اگر علم غیب کا ثبوت ہے تو نویں پارے میں علم غیب کی نفی ہے ۔مزید کہا کہ اس طرح نویں پارے کی آیت سے چوتھے پارے کی آیت منسوخ ہوجائے گی۔

یہ سننے کے بعد مجھ پر اس کی جہالت کھل چکی تھی ،میرا اب اس سے یہ پوچھنا فضول تھا کہ نسخ اخبار کا ہوتا ہے یا احکام کا اس لیے میں نے اب اسی کی سطح پر اتر کر جواب دیا کہ!

اگر بقول تمہارے نویں پارے کی آیت سے چوتھے پارے کی آیت منسوخ ہوجائے گی ،تو لوسنو! تیسویں پارے

میں خدائے ذوالجلال کا ارشاد ہے۔

"وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ" (التکویر آیت ۲۴) اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔اور اس پارے کے بعد تو کوئی پارہ نہیں جس سے یہ آیت منسوخ ہو۔

اس طرح وہ منکر علم رسول خاموش ہو گیا۔

مناظرہ بھوجپور:

حافظ ملت کے ہم وطن جناب حاجی چھدا صاحب بڑے زوروشور سے گیارہویں شریف کی فاتحہ کیا کرتے تھے۔ اور ان کے سمدھی میاں جی عبدالرحیم گیارہویں شریف کو ناجائز، بدعت اور حرام بتاتے۔ایک روز حاجی صاحب نے میاں جی سے کہا یہ ایک دینی مسئلہ ہے۔اگر تم اس کا صحیح فیصلہ چاہو تو اپنے مؤید عالم کو لاؤ۔میں اپنے مولوی صاحب کو بلاتا ہوں۔فیصلہ کن گفتگو ہو جائے۔اگر تمھارے عالم کا برحق ہونا ثابت ہو جائے تو ہم اس عمل کو ترک کر دیں گے۔اور اگر ہمارے مولوی صاحب کی حقانیت ثابت ہوگئی تو جاری رکھیں گے طرفین راضی ہو گئے میاں جی قصبہ کاٹ سنا، مرادآباد سے وہاں کے دیوبندی عالم، مولوی نذیر کو لائے۔حاجی صاحب، حافظ ملت کے پاس درخواست لائے۔حافظ ملت ان دنوں اجمیر شریف میں زیر تعلیم تھے، چھٹی میں گھر آئے ہوئے تھے۔ایک وسیع میدان میں بعد عشا مناظرہ طے ہوا۔یہ میدان حاجی صاحب کے مکان کے قریب ہی تھا۔دونوں جانب تخت بچھا دئے گئے۔عشا کے بعد تقریبا پانچ سو آدمی مناظرہ سننے جمع ہوئے۔بات شروع ہوئی

حافظ ملت: آپ گیارہویں شریف کے منکر ہیں، اور اسے بدعت، ناجائز و حرام کہتے ہیں۔آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟

مولوی نذیر: نذر لغیر اللہ حرام ہے۔اس کے لیے وقت کا تعین ناجائز ہے۔بکرے مرغ پال کر اولیا کی نذر کرتے ہیں۔یہ کفار مشرکین کے عمل سے مشابہت رکھتا ہے۔کفار بھی اپنے بتوں پر نذر مان کر جانور چھوڑ دیتے ہیں۔لوگ اولیا کی قبروں پر جا کر سجدے کرتے ہیں۔چادریں چڑھاتے ہیں۔چراغ جلاتے ہیں مرادیں مانگتے ہیں۔خدا قرآن کے اندر فرما چکا ہے سب پیر و پیمبر میرے محتاج ہیں تو جو خود محتاج ہے کسی کی حاجت کیا پوری کرے گا۔صاحب مزار نہ اپنے ہاتھ سے اپنی قبر پر چادر ڈال سکتا ہے۔نہ چراغ جلا سکتا ہے۔نہ جھاڑو لگا سکتا ہے۔وغیرہ وغیرہ

حافظ ملت: نے خطبہ مسنونہ، تعوذ و تسمیہ کے بعد قرآن مجید کی آیت مبارکہ "جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً" (الاسراء آیت ۸۱)

پڑھی اور سامعین سے مخاطب ہو کر سوال کیا۔

حضرات! گیارہویں کی فاتحہ آپ لوگ گیارہ تاریخ کو ختم کر دیتے ہیں یا اس سے قبل اور بعد بھی کرتے ہیں؟

سامعین: ربیع الثانی کے پورے مہینے بلکہ سال بھر حسب مواقع اور حسب گنجائش یہ فاتحہ ہوتی رہتی ہے۔اور ہم

اسے فاتحہ گیارہویں کہتے ہیں۔

حافظ ملت: اس کا مطلب یہ ہوا کہ تعین وقت کی بات جو آں جناب نے کہی، بے ثبوت، غلط، بلکہ مسلمانوں پر الزام ہے، اب آپ حضرات یہ بتائیں کہ کیا واقعی آپ لوگ بکرے اور مرغ اولیاء اللہ کی نذر اور ایصال ثواب کے لیے پال کر یوں ہی زندہ چھوڑ دیا کرتے ہیں۔

سامعین: ہرگز نہیں۔ بلکہ ہم لوگ ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔

حافظ ملت آپ لوگ ان بکروں، اور مرغوں کو ذبح کرتے وقت کیا پڑھتے ہیں

سامعین: بسم اللہ۔ اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔

حافظ ملت نذر اولیا اور ایصال ثواب کے جانوروں کو ذبح کر کے کھانا وغیرہ پکا کر آپ لوگ کھانے کو کیا کرتے ہیں۔

سامعین: مسلمانوں کو کھلاتے ہیں۔

حافظ ملت: کفار و مشرکین اپنے جانوروں کو اپنے باطل معبودوں کے نام پر زندہ چھوڑتے ہیں، اور چھوڑتے وقت اعل ھبل وغیرہ کہتے ہیں مسلمان ایصال ثواب کے جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔ گوشت اور کھانا پکا کر مسلمانوں کو کھلاتے ہیں جو باعث اجر و ثواب ہے۔ ایسی نذر اور ایصال ثواب کو ''نذر عرفی'' کہا جاتا ہے۔ جو مسلمانوں میں جاری وساری ہے اور مستحسن ہے۔ مثلاً علما، مرشدین، اطبا، معالجین اور بزرگوں کو نذر دینا۔ یہ تمام نذریں نذر عرفی ہیں۔ اور وہ جس کا بیان قرآن مجید میں آیا ہے وہ نذر شرعی ہے۔

مولوی جی! آپ کو جب نذر عرفی اور نذر شرعی تک کا فرق معلوم نہیں۔ اور یہ معاملہ صرف آپ ہی کا نہیں آپ کے دیوبندی وہابی تمام بڑے بڑے جماعتی لوگوں کا یہی حال ہے۔ نورانیت و روحانیت والا گیارہویں شریف کا تبرک تو آپ لوگوں کے لیے حرام ٹھہرا۔ اور غلاظت ونجاست پر پرورش پانے والا کوا گنگوہی صاحب نے اپنے لوگوں کے لیے حلال کر دیا۔ جسے تمام علمائے اسلام حرام سمجھتے ہیں۔

دین اور شریعت میں ان لوگوں کی دیدہ دلیری تو دیکھیے کہ کوا کھانے کو نہ صرف حلال لکھا بلکہ باعث ثواب بھی دیکھو۔

(فتاوی رشیدیہ ج۲، ص۱۴۵)

حافظ ملت: مسلمانو! اور بتاؤ کیا تم لوگ کسی ولی کی قبر پر شیرینی لے جا کر چھوڑ آتے ہو؟ یا کیا کرتے ہو؟

سامعین: فاتحہ دے کر خدام، مجاورین اور مسلمانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

حافظ ملت: یہ بھی مسلمانوں پر دیوبندی مذہب کا الزام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، اور نذر کفار سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ اور مسلمانو! سنو۔ اولیاء اللہ مخلوق میں حکام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ عظیم سے عظیم کارنامے انجام دیتے ہیں چراغ جلانا، جھاڑو دینا ان کے شایان شان نہیں۔ گورنر یا نواب اپنے گھر جھاڑو اور صفائی کا کام خود نہیں کرتا۔ اس کے خدام کرتے ہیں۔

مسلمانو! دنیا ترقی کررہی ہے بہت سی نئی چیزیں انسانوں کے لیے مفید ہیں۔مگر یادرکھو دین اورمذہب قدیم ہی اچھا ہے یعنی دین اسلام حدیث شریف میں آیا ہے کہ میری امت تہتر فرقے ہوجائے گی ۔یعنی ان میں بہتر نئے فرقے نکلیں گے جوسب گمراہ ہوں گے صرف راہ راست "اِنَّ ھٰذا صِراطِیْ مُسْتَقِیْما"میرا سیدھا راستہ ہے جس پر میں اورمیرے صحابہ ہیں وہ راہ حق،سچا دین،سیدھا مذہب اہل سنت وجماعت ہے۔

مسلمانو! آج میں آپ کو گمراہی کے ان نئے نئے سرغنوں کے بارے میں بھی بتادوں،بنیادی فتنہ ابن عبدالوہاب نجدی نجد میں پیدا ہوا تھا۔اسی نے حرمین طیبین میں اہل سنت و جماعت کے قتل کوروا رکھا۔ہمیں مشرک ٹھہرایا۔مزارات مقدسہ کے مقبروں کو بت خانہ بتایا۔جنت المعلی ،اور جنت البقیع میں صحابہ واہل بیت کے قبے گروادیے سبز گنبد شریف کو گرانا چاہتا تھا۔اور روضۃ النبی ﷺ کو صنم اکبر کہتا تھا۔

جب سبز گنبد شریف کوگرانے کا ارادہ کیا تو مسلمان جان کی بازی لگا کر سدراہ ہوگئے۔اس ظالم نے ایک کتاب ''کتاب التوحید'' کے نام سے لکھی۔جس میں تمام مسلمانوں کومشرک لکھا۔اوراس کے مطابق جواس کے عقیدہ پرنہیں وہ کافر ہے۔اسی کتاب کو مولوی اسماعیل دہلوی نے''تقویۃ الایمان'' کے نام سے اردو میں منتقل کیا جس میں شان الوہیت شان رسالت اورشان اولیاء اللہ میں کھلی ہوئی گستاخیاں کیں،اسی طرح حفظ الایمان کے نام سے تھانوی نے کتاب لکھی جس میں شان رسالت کی گستاخی کی۔ان تمام گستاخان بارگاہ کوعلمائے اسلام،علمائے عرب وعجم نے گمراہ و بددین کہا اس دور میں ان ہی لوگوں کے ذریعہ نئی نئی باتیں نئے نئے مسائل۔اور نئے نئے فتوے کفروشرک کے نکل رہے ہیں

مسلمانو!ان تمام دیوبندی،وہابی نجدی فرقوں سے ہوشیار۔اور مجتنب رہواوراپنے سچے دین اسلام مذہب حق اہل سنت و جماعت کومضبوطی سے تھامے رہو۔اللہ تعالیٰ ثابت قدمی عطا فرمائے۔آمین!

حافظ ملت نے اس کے بعد دعا پراپنی تقریر ختم کی

ملاعبدالرحیم اپنے مولوی کی خاموشی اور حافظ ملت کی کامیابی پراپنے مناظر سے مخاطب ہوئے اورکہا

''یار!اگرمیں جانتا کہ تو ہمارا منہ کالا کروائے گا،تو تجھے کبھی نہ لاتے''

مولوی نذیر: یہ کوئی بات نہیں،کہیں ہم ہارتے ہیں کہیں ہم جیتتے ہیں''

حافظ ملت نے جس آسانی اورسہولت سے اپنے مسلک کی حقانیت اجاگر کی اس پر تمام مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔اس واقعہ کوغالبا بہتر سال ہوئے ۔جسے راقم نے حافظ ملت کے برادر خُرد حضرت حافظ عبدالرشید علیہ الرحمہ کے حوالے سے تحریر کیا

جواب لاجواب:۔

بحث ومناظرہ میں مخالف پر آپ کی گرفت نہایت سخت ہوتی،دلائل کی قوت،اوراعتراض کی مضبوطی ایسی ہمہ گیر ہوتی کہ خصم کوراہ فرار مسدود نظر آتی۔ایک بار بنارس میں غیرمقلدوں نے حنفی سنیوں پر اعتراض کیا کہ یہ لوگ امام کے

پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے اور سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی حدیث میں ہے لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب اس موضوع پر دونوں جانب سے مہینوں سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ اشتہار بازی بھی ہوتی اور جلسے بھی۔ زبردست مذہبی کشیدگی کا ماحول پیدا ہو گیا انہی دنوں مالتی باغ میں ایک سہ روزہ جلسہ ہوا آخری اجلاس میں حافظ ملت کچھ دیر سے پہنچے مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ نے غیر مقلدوں کے اشتہارات حضرت کے سامنے رکھ دیے اور کہا جواب دیجیے حافظ ملت نے فرمایا، میں تو ابھی چلا آرہا ہوں اشتہارات بھی نہیں دیکھے جواب کیسے دوں؟

بہر حال آخر میں آپ نے تقریر شروع کی قرآن و حدیث سے استشہاد کرتے ہوئے اپنے مسلک کو اس طرح محکم فرمایا کہ سامعین متحیر تھے، اسی دوران غیر مقلد حضرات پر اعتراضات بھی کرتے جاتے اور بعد میں ایک ایسا مواخذہ کیا جس نے ماحول کی کایا پلٹ دی، آپ نے فرمایا کیا قراءت سورۂ فاتحہ کے قائلین یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ ہر نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں ان کی کوئی نماز بغیر سورہ فاتحہ کے نہیں ہوتی؟ (ماحول پہ سناٹا طاری تھا آپ نے خود ہی جواب دیا) ایسا نہیں بلکہ غیر مقلد حضرات بھی بغیر سورہ فاتحہ کے نماز پڑھنے کے قائل ہیں اور ان کی نماز ہوتی ہے آپ کہیں گے کیسے؟ تو سماعت فرمایئے۔

اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں شریک جماعت ہوا تو اس کی وہ رکعت ہوئی یا نہیں؟ کیا آپ میں کا ہے کوئی علامۃ الدہر یا مجتہد جو یہ فتویٰ دے کہ مسبوق کی وہ رکعت نہیں ہوئی باوجود ے کہ شخص مذکور نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔ ان کے پاس اس کا جو جواب ہے ان کے لیے وہی ہمارا بھی جواب ہے۔ حافظ ملت کے اس ایک جواب نے مخالفین کی ساری دلیلوں کے تارو پود بکھیر دیے۔

حرارت علمی:۔

۲۶/رجب کو شب میں اعظم گڑھ کی جامع مسجد میں معراج النبی کا جلسہ تھا۔ پہلے قاری محمد عثمان صاحب گھوسوی کی تقریر ہوئی انھوں نے معراج جسمانی کے ثبوت میں بیان کیا۔ ان کے بعد ایک دوسرے مقرر کھڑے ہوئے جو اتفاق سے معراج منامی کے قائل تھے انھیں قاری صاحب کی تقریر سے کافی تکلیف ہوئی تھی، یہ آں جناب بیٹھتے ہی ابل پڑے اور یوں گویا ہوئے، الحمد اللہ مجھ میں حرارت نہیں ہے۔ اور نہ میں دائیں بائیں ہاتھ ماروں گا، لوگ معراج جسمانی کے ثبوت میں بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں۔ میں اس کا قائل نہیں، ان کے بعد حافظ ملت تشریف لے آئے آپ نے یہ بیان شروع کیا:

حرارت ہر اس شخص کے اندر موجود ہے جو زندہ ہے۔ یہ غلط ہے کہ کوئی شخص زندہ بھی ہو اور اس میں حرارت بھی نہ ہو۔ میں تو تقریر کے لیے بیٹھا ہوں تو ہاتھ بھی ماروں گا اس لیے کہ مجھے ہاتھ معلوم ہے جسے ہاتھ معلوم ہی نہ ہو وہ ہاتھ دھرے بیٹھا رہے وہ ہاتھ کیا مارے گا؟

میں جو ہاتھ مارنے جا رہا ہوں وہ عالمگیری دَور کا ہاتھ ہے، یہ ہاتھ اور اس کے سارے داو پیچ و خم شریعت کی روشنی

میں مرتب کیے گئے ہیں، اس ہاتھ کی خاصیت یہ ہے کہ ہاتھ تو ایک ہی ہے مگر وار چوطرفہ ہے۔ سنو تفسیر احمدی کے مفسر ملا جیون علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

من قال بروحه فقط أوفي النوم فقط فهو ضال مضل فاسق مبتدع۔

جو کہے کہ حضور کو معراج صرف روحانی یا منامی ہوئی وہ گمراہ، گمراہ کن، فاسق اور بدعتی ہے۔ اس کے بعد تو اس مولوی کی ہوا ہی اکھڑ گئی اور مبہوت ہو کر رہ گیا اور سارا مجمع سمجھ گیا کہ حق اور حقیقت کیا ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ سے انٹرویو کے دوران (جو جناب عبدالاول صاحب ایڈوکیٹ کی تحریک پر اور انھیں کے کہنے پر حافظ ملت کی رضا مندی کے بعد راقم الحروف کے مرتب کردہ سوالات کے ذریعہ لیا گیا تھا) جب حضرت کی خدمت میں یہ سوال پیش ہوا۔

حضور! آپ مناظر کی حیثیت سے کہاں کہاں تشریف لے گئے۔ اس سلسلہ کے کچھ واقعات سے نوازیئے تو آپ نے مختصرا فرمایا تھا، بسڈیلہ، ضلع بستی۔ لیکن میرے پہونچنے سے پہلے ہی دیوبندی مناظر فرار ہو چکے تھے، مناظرہ کی نوبت نہ آئی، بھدرسہ ضلع بستی میں بھی یہی ہوا۔

ایک ہی تقریر میں فضا صاف:۔

ایک بار بستی ضلع میں دیوبندیوں نے پالن حقانی کے جلسوں کا طویل سلسلہ شروع کیا۔ اور دور دراز سے لوگوں کے نقل وحمل کا طولانی انتظام کیا۔ مہنداول میں بھی جلسہ رکھا اور لمبا چوڑا پوسٹر چھاپا۔ مہنداول کے سنیوں نے اس فتنہ کے انسداد کی جانب توجہ دی۔ اور انھوں نے بھی اپنا جلسہ ان ہی تاریخوں میں مقرر کیا۔ اور ڈسٹرکٹ بورڈ کی ایک وسیع زمین پر جلسہ کرنے کا پرمیشن ضلع کے دفتر سے جا کر حاصل کرلیا۔ اتفاق کی بات کہ اسی میدان میں دیوبندی گروپ نے بھی جلسہ کرنا چاہا تھا اور بغیر اجازت نامہ حاصل کیے ہی پمفلٹ اشتہار چھاپ کر بانٹ چکا تھا۔ سنیوں کے جلسہ اور جلسہ گاہ کی اجازت کا حال دیوبندیوں کو معلوم ہوا تو بڑے جزبز ہوئے۔ اور فتنہ وفساد کا بہانہ بنا کر سنیوں کا جلسہ روکنے کے لیے ایس، ڈی، ایم کو درخواست دی۔ ایس ڈی ایم نے دیوبندی نمائندوں اور سنی رہنماؤں (مولانا محمد ادریس بستوی صاحب کے برادران سیٹھ محمد امین اور حکیم محمد یوسف عزیزی) کو بلایا۔ اور فیصلہ دیا کہ سنیوں کا جلسہ اسی میدان میں ہوگا، اس لیے کہ وہ پرمیشن حاصل کر چکے ہیں۔ اور دیوبندی اگر اپنا جلسہ کرنا چاہیں تو وہاں سے ایک کلومیٹر دور فلاں مقام پر کریں۔ دیوبندی نمائندے اپنی رسوائی کا داغ لیے واپس آئے اور ادھر منہداول میں شاندار تاریخی جلسہ ہوا جس نے پورے ضلع بستی پر اپنا اثر چھوڑا اور دیوبندیوں کی خوب رسوائی ہوئی۔ مقرر صرف حافظ ملت علیہ الرحمہ اور مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی بلائے گئے۔ مگر فضا ایسی بن گئی کہ اسٹیج پر ایک سو علمائے اہل سنت جمع تھے اور دس بیگھہ زمین کا رقبہ سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس روز حافظ ملت نے ایسی مناظرانہ تقریر فرمائی اور ایسا دل پذیر بیان ہوا جس نے عامۃ المسلمین میں دیوبندیوں کی پھیلائی ہوئی گندگیوں کو دھو دیا۔ اس فتح مبین کا سہرا تمام تر جناب مولانا محمد ادریس صاحب اور ان کے

برادران کے سر جاتا ہے۔اس واقعہ کی تفصیل اور نتیجہ سن کر حافظ ملت نے انھیں قلبی دعاؤں سے نوازا۔

فروغ معاندین کے اسباب اور اس زہر کا تریاق:۔

ہمارے ملک میں وہابی ازم پھیلنے کے اسباب پر حافظ ملت کے تلمیذ ارشد شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ سابق صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

انگریزوں کی شہہ اور ان کے تعاون سے ہندوستان میں وہابیت کی بنیاد پڑی، وہابیت کے شاطر بانیوں نے اس کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ کسی نئی تحریک کو پروان چڑھانے کے لیے تحریک چلانے والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب لوگ نہ پڑھے ہوئے ہیں کہ کتابیں پڑھ کر کسی چیز کو سمجھیں اور نہ پڑھا لکھا آدمی ہر قسم کی کتابیں پڑھتا ہے۔ جلسوں سے صرف جلسوں کے سامعین متاثر ہو سکتے ہیں۔مشائخ صرف اپنے نیاز مند مریدین میں تبلیغ وارشاد کے عادی ہو چکے ہیں۔لیکن اگر کسی تحریک کے لیے کچھ افراد ہوں تو وہ افراد تحریک کو گھر گھر پہنچا سکتے ہیں۔اس نکتے کو وہابیوں نے خوب اچھی طرح سمجھا۔انھوں نے تصنیف و تالیف اور جلسہ و جلوس پر توجہ کم دی اور اپنی ساری صلاحیت مدارس قائم کرنے پر صرف کر دی۔جس کے نتیجے میں وہابیوں کے مدارس کا جال بچھ گیا۔عوام بے چارے جو وہابیت سے واقف نہیں تھے اپنے بچوں کی دینی تعلیم کے لیے وہابیوں کے مدارس میں بھیجنے لگے۔جس کے نتیجے میں سنیوں کے بچے وہابی مدارس میں جا کر وہابی ہو گئے۔اور انھوں نے نہ صرف اپنے گھر بلکہ اپنے خاندان اور دوسرے رشتہ داروں اور اپنی آبادی کے لوگوں کو وہابی بنا دیا جس کی نظیر ایک دو نہیں سینکڑوں پیش کی جا سکتی ہیں۔

اس سلسلے میں چند اشارات سنتے چلیے، ایک وقت وہ تھا کہ جب کسی کو تعلیم کا شوق ہوتا تو وہ تن بہ تقدیر دہلی چلا جاتا۔ابتداءً کسی سرائے میں ٹھہرتا پھر دہلی کے مشہور علما کے گھروں پر جاتا۔ان کے درس میں شریک ہوتا، ہفتہ دو ہفتہ کے بعد وہ ایک یا چند علما کو منتخب کر لیتا۔اگر ان عالم صاحب کی نگاہ عنایت ہوگئی تو کہیں اس غریب کا کھانا مقرر ہو گیا۔اس میں مزید دشواری یہ تھی کہ صرف ونحو کا درس کہیں اور ہوتا، منطق و فلسفہ کا کسی اور محلہ میں فقہ کا کہیں اور تفسیر و حدیث کا کہیں اور اس کے برخلاف جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تو وہاں ایک ہی جگہ ہر فن کے مدرس مل جاتے، اور آسانی سے قیام و طعام کا انتظام ہو جاتا جس کے نتیجے میں طلبہ کا عام رجحان دارالعلوم دیوبند کی طرف ہو گیا۔

جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، دہلی اجڑ چکی تھی۔خال خال کہیں کہیں نوابوں کے کچھ مدرسے تھے، مگر منتظمین کی کمی کے باعث وہ بھی چراغ سحری ہو رہے تھے۔(حافظ ملت افکار اور کارنامے ص ۱۰۔۱۱)

اپنی ایک نجی مجلس میں مولانا نواب حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی نے وہابیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بہت اہم اور مفید دلائل سے مضبوط کتابیں تصنیف کیں اور وہابیوں نے

کثرت سے مولوی پیدا کیے۔مولانا احمد رضا خاں صاحب نے میگزین تیار کی۔سپاہی نہیں پیدا کیے اور وہابیوں نے زیادہ سے زیادہ سپاہی پیدا کیے" (حافظ ملت افکار واور کارنامے ص۱۲)

یعنی اہل سنت کے پاس عمدہ سے عمدہ ہتھیار تھے مگر ان کو استعمال کرنے کے لیے ضرورت کے مطابق سپاہی یعنی علما نہیں تھے۔ الحمد للہ اب یہ کمی پوری ہوگئی ہے اور اس میں حافظ ملت کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔

فروغ مسلک حق کے لیے حافظ ملت کی فکر:

حق و باطل کا معرکہ تو ہمیشہ سے گرم رہا ہے اور باطل ہمیشہ ہی شاطرانہ چالوں سے کامیاب ہوا ہے،ادھر انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کا حال ابتر تھا اسی دوران اہل سنت کے مخالفین نے اپنا بیج بونا شروع کردیا دہلی اجڑی۔

وہاں کا علمی وقار رخصت ہوا،انگریزوں کا تسلط پورے ہندوستان پر تھا ہی، ساتھ ہی مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جارہے تھے، اسی اثنا میں انگریزوں کی مدد سے دیوبند سہارنپور وغیرہ میں دیوبندیوں نے مدارس قائم کیے کہیں کہیں سنیوں کے مدارس پر قبضہ جمایا۔خود دیوبند کا مدرسہ بھی سنی حاجی عابد حسین کا قائم کردہ تھا، مگر اس پر قاسم نانوتوی نے حیلے سے قبضہ جمالیا اور اس کو فروغ دینا شروع کیا،اس وقت سنی مسلمانوں کا کوئی بڑا مدرسہ نہ تھا اور جو تھا بھی تو کس مپرسی کا شکار۔ عام مسلمان دیوبندیوں کو سمجھ نہ سکے، اپنے بچوں کو مولوی،عالم بنانے کے لے دیوبند بھیجنا شروع کردیا اور چندہ بھی خوب دیا،ادھر سنی لوگ ملکی حالات کی وجہ سے کچھ کرنے کی ہمت نہ کر سکے اور جب کچھ کرنے کے لائق ہوئے اور ذرا غفلت سے بیدار ہوئے تو دیوبندیت کا پودا درخت بن چکا تھا اور ان کے کافی حمایتی بھی پیدا ہو چکے تھے،حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمہ نے مرادآباد میں مدرسہ اہل سنت قائم کیا،بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت نے منظر اسلام قائم کیا۔مگر ان کو ملکی حالات کی وجہ سے وہ ترقی نہ مل سکی جو ملنی چاہیے تھی حافظ ملت نے جب مبارک پور میں قدم رکھا تو دیکھا ہر طرف سناٹا ہے مسلمان تعلیم سے پیچھے ہو رہے ہیں اور مسلک سے دور،ان حالات میں اہل سنت کی اسی کمی کو اپنی خداداد صلاحیتوں اور انتھک جدوجہد سے حافظ ملت قدس سرہ نے پورا کیا۔

حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ کی شکل میں ایک ایسی تربیت گاہ (Training Center) بنائی جہاں سے حقیقی اسلام اہل سنت و جماعت کے لٹریچر بھی تیار ہوں اور دینی سپاہیوں کی تیاری بھی ہو۔ایسے سپاہی جو دین کی خدمت کے راستے میں بڑی بڑی پریشانیوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرسکیں اور ہر اسلام دشمن تحریک کا ہر باطل فرقے کا مقابلہ کرسکیں۔

عزیز القدر مولانا محمد نصر اللہ بھیروی نے اس موضوع پر جو بات کہی ہے وہ تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

"افق ہند پر نمودار ہونے والی باطل تحریکوں اور اسلامی عقائد ونظریات سے متصادم سازشوں کی، دربارِ حافظ ملت کے فیض یافتہ ماہر خطیبوں اور باکمال مقرروں کی ایمان افروز تقریروں سے کایا پلٹ گئی۔باطل قوتوں سے جہاں نبرد آزمائی کی ضرورت پیش آئی۔چاہے وہ جمشید پور ہو یا جھریا،اور اڑیسہ ہو یا بستی گونڈہ ہو یا بجرڈیہہ بنارس اور بھیونڈی ہر محاذ پر حافظ ملت کے تربیت یافتہ مناظر علما و خطباے اہل سنت نے مخالفین کے چھکے چھڑا دیے۔کتنے میدانہاے مناظرہ تو ایسے

قائم ہوئے جہاں سے مخالفین کے زبردست سورماؤں نے میدان مناظرہ میں اترنے سے پہلے ہی پشت دکھا کر راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی (انوار حافظ ملت ،ص ۲۸)

وہ مناظر اور مناظر ساز تھے:

حافظ ملت مناظر اور مناظر ساز تھے۔مناظرۂ مبارک پور کے دوران یکہ وتنہا صرف اپنے طلبہ کو ساتھ لے کر حافظ ملت نے جس کمال وخوبی سے دیوبندی جماعت کے ماہر مناظرین سے ڈٹ کر مقابلہ فرمایا وہ ہندوستان میں آویزش حق و باطل کی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔روزانہ طلبہ کو تیرہ ،تیرہ منتہی کتابوں کا سبق دیتے تھے۔مدرسہ کے انتظامی امور کی نگرانی اور اپنے معمولات کی تکمیل فرماتے تھے۔دوسری طرف اس معرکہ کے لیے محض عصر ومغرب کے درمیانی وقفہ میں طلبہ سے دیوبندی مناظر کی شب گزشتہ کی تقریر کے اعتراضات سماعت فرماتے اور بروقت انہیں جوابات کے لیے کتابوں کی نشان دہی فرماتے جاتے تھے۔

وہ طلبہ خود بھی حافظ ملت کے فیض صحبت سے اتنے قابل ذہین وفطین،اورفن مناظرہ کے ماہر ہو گئے تھے کہ خصم کی تقریر سنتے ہی اہم باتوں کی تلخیص کرنے کے بعد اپنے تئیں مناسب جواب کی تیاری بھی کرتے تھے۔

مبارک پور میں حافظ ملت کے مقابلہ پر دیوبند سہارنپور،مئو،کوپا گنج اور گھوسی تک کی پوری دیوبندی علمی اورفکری مشینری لگی ہوئی تھی ۔المصباح الجدید،کی اشاعت کے بعد سب نے مل کر کسی طرح سالوں بعد ''مقامع الحدید'' کے نام سے ایک جواب نامہ شائع تو کیا۔مگر اس کی حیثیت کیا ہے خود ان میں کے تھوڑی سوجھ بوجھ رکھنے والے بھی اسے جانتے ہیں،خصم کو عوامی سطح پر یہ پروپگنڈہ کرنے کا موقع دیے بغیر کہ ہم نے چھوٹے سے کتابچہ کا جواب ایک کتاب کی شکل میں دے دیا اس کا جواب الجواب لایئے۔

مناظر اعظم حافظ ملت علیہ الرحمہ نے صرف ایک ہفتہ کے اندر "العذاب الشدید"کا مسودہ تیار کردیا۔اور کتاب مکمل کر کے اپنے شاگرد مولانا محبوب احمد اشرفی نواَدوی (علیہ الرحمہ) کے نام سے شائع کیا دنیا آنکھ کھول کر دیکھے کہ نصف صدی گزرنے والی ہے ۔دیوبندی لابی کے پاس آج تک اس کتاب کا جواب نہیں ہے ۔آقاے نعمت فرمایا کرتے تھے۔اس کا نام ہے: "العذاب الشدید"اللہ کے عذاب کا بھلا کیا جواب ہوسکتا ہے''۔

☆☆☆



نواں باب

حافظ ملت بحیثیت خطیب

نطق کی ضرب سے احساس کے چشمے پھوٹے
ذہن و افکار کو سیرابی نصیب ہوتی گئی
حسن گفتار نے تیرے، وہ جگایا جادو
قوم برگشتہ تھی، منزل سے قریب ہوتی گئی

(بدر)

حافظ ملت بحیثیت مقرر

تقریر وخطابت ایک عظیم فن ہے۔ دنیا میں اس فن کے بہت سے فنکار گزرے ہیں۔ تقریر اور خطاب کی تاثیر سے تاریخ انسانی پُر ہے۔ تقریروں نے حکومتوں کی تعمیر اور ملتوں کے عروج وزوال میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، یہ وہ وصف عظیم ہے جس سے حضرات انبیا ورسل علیہم السلام کو نوازا گیا۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کا اصل میدان عمل تو تدریس تھا۔ مگر پروردگار عالم نے انھیں تقریر وخطابت کے جوہر سے بھی نوازا تھا آپ طالب علمی کے زمانے میں ہی بہترین تقریریں فرمانے لگے تھے۔ کسی بھی بر وقت موضوع پر ایک گھنٹہ پر مغز خطاب کرنے میں آپ کو کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، آپ چوں کہ علم کو عمل کے ساتھ لے کر چلنے کے عادی تھے اس لیے آپ کی تقریروں میں تاثیر وتاثر کا ایک انوکھا پن پایا جاتا تھا۔ جو عام مقررین سے جدا تھا۔

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

آپ کی تقریر ہوتی تو سامعین پر نئے نئے افق روشن ہوتے چلے جاتے۔ معانی وافکار کے نورانی قافلے اترتے اور سننے والے سادگی بیان، اور باریک سے باریک مسائل کی آسان ترین تفہیم پر دنگ رہ جاتے جس کا اعتراف اکابر علما، مشائخ، مفکرین اور دانشوروں نے اپنے اپنے مقام پر کیا ہے۔

احسن العلما مولانا سید شاہ حسن میاں سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ فرماتے ہیں:

”آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کی کانپور کانفرنس منعقدہ نومبر ۱۹۶۳ء میں پہلی بار اور یوم شہید اعظم ۱۹۷۱ء ممبئی میں دوسری بار ان کا مبارک بیان سننے کا موقع ملا۔ آخری بیان میں نے یہ سنا کہ دارالعلوم برکاتیہ مگہر ضلع بستی کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر اپریل ۱۹۷۶ء میں فرمایا تھا۔

ان تمام مواعظ حسنہ میں علم وحکمت کے موتی پروئے تھے۔ انداز گفتگو میں نوجوانوں کی سی گھن گرج تھی جو بات منہ سے نکلتی ایک میخ سی گڑ جاتی۔ علم وحکمت کا یہ درخشندہ آفتاب جس کی ضیا باری سے اقطار ہند وبیرون ہند منور، جس کی شعاعیں دور دور تک بکھری ہوئی ہیں“۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر)

صدر الشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی (خلیفہ امام احمد رضا قدست اسرارہما) کے بارے میں محدث اعظم کچھوچھوی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کی ایک تقریر میں مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (والد گرامی مولانا شاہ احمد النورانی) کی دو تقریریں بنتی ہیں اور ان کی ایک تقریر میں میری تین تقریریں بنتی ہیں۔ گویا حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی تقریریں نہایت جامع ہوا کرتی تھیں، یہی حال حافظ ملت علیہ الرحمہ کا تھا، ان کی تقریریں بھی علم وشعور سے لبریز ہوتی تھیں، معانی ونکات کی بھرمار ہوتی تھی۔

سہولت پسند مقررین حافظ ملت کی ایک تقریر سن کر تین تین تقریریں بنالیا کرتے تھے۔ آپ نے محض تقریر کے

لیے شاید کبھی مخصوص مطالعہ نہ کیا ہو۔ تفسیر وحدیث، اصول وادب، عقائد وتصوف کی جن کتابوں کا درس شب وروز آپ کا مشغلہ تھا۔ ماحول، ضرورت اور ظرف کا خیال فرماتے ہوئے ان ہی میں سے تقریر فرمایا کرتے تھے۔

رفیق محترم مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی حضرت کی تقریری خصوصیات پر رقم طراز ہیں:

"آپ کی تقریر مسجع مقفیٰ عبارتوں اور پیشہ ور مقررین کے قصے کہانیوں، لچھے دار باتوں اور بے سر وپا نکتوں سے یکسر خالی ہوتی، سیدھے سادے انداز میں ترغیب وتشویق اور ترہیب وتخویف فرماتے، پرحکمت باتیں اور عالمانہ نکات ہوتے، نہ غیر متعلق باتیں ہوتیں، نہ وقت گزاری کے حیلے۔ نام ونمود تحسین وآفریں کے جذبہ سے خالی ہوکر پوری تقریر قرآن وحدیث واقوال سلف صالحین کی روشنی میں ہوتی اخلاص ودردمندی کا اظہار ایک ایک جملہ سے ہوتا جس کا اثر یہ ہوتا کہ بہت سی زندگیوں کے دھارے بدل جاتے، دلوں کا عالم زیروزبر ہونے لگتا۔

(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر، ص۴۰۰)

اقبال سہیل کا اعتراف:

حافظ ملت کی تقریروں میں کمال تفہیم، عام فہم استدلال، اور تردید باطل کا انداز نہایت لطیف پایا جاتا تھا۔ جناب اقبال سہیل اعظمی مدرسہ شبلی کے مشہور رکن، قادرالکلام شاعر اور ادیب ہیں انھوں نے دیوگانوی میں حافظ ملت کی متعدد تقریریں سماعت کیں۔ دیوگانوی میں حافظ ملت متواتر ۲۲ رسال تک عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجلاس میں، جناب منشی منیر دیوگانوی (والد گرامی مولانا محمد نعمان دیوگانوی مصباحی) کی دعوت پر تشریف لے جاتے رہے، جناب منیر دیوگانوی صاحب کے بیان کے مطابق ۲۲ رسال متواتر حافظ ملت ایک ہی آیت پر تقریر فرماتے رہے۔ جناب منیر دیوگانوی خود بھی بہترین شاعر، کلام شناس، اور ادب نواز تھے۔ شاعری میں وہ جناب اقبال سہیل اعظمی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ حافظ ملت کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب اقبال سہیل کہتے ہیں: "میں نے ایسا عالم نہیں دیکھا، اسلوب بیان ایسا نظیف ہے کہ مخالفین کا رد بھی کرتے ہیں۔ اپنے مذہب ومسلک کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔ مگر کچھ اس انداز سے کہ انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑتے"۔

لکھنؤ کا ایک جلسہ اور حافظ ملت:

انداز موعظت میں حافظ ملت قرآن کے ارشاد گرامی

"اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ"

(اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحتوں سے دعوت دو) پر عامل تھے۔

لکھنؤ میں شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت حضور مفتی اعظم ہند قبلہ نے کی، ملک العلما مولانا ظفر الدین صاحب علیہ الرحمہ کے علاوہ اور بہت سے مقررین بھی تھے، حافظ ملت چوں کہ دعوت منظور فرما چکے تھے، اس لیے وہ بھی پہنچ گئے اگرچہ علالت کے باعث تقریر کرنے کے لائق نہ تھے، حضرت شیر بیشۂ سنت

مولانا حشمت علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ملت کی تقریر کا بھی اعلان کر دیا۔

اور تکفیر وہابیہ نیز اعلیٰ حضرت کے فضائل ومناقب کا عنوان بھی دے ڈالا نیز حافظ ملت نے تقریر کا آغاز ان لفظوں سے کیا:

''اعلیٰ حضرت ایک طبیب روحانی ہیں جس طرح کسی جسمانی طبیب کے روبرو اگر کوئی دق کا مریض پہنچ جائے اور وہ طبیب اس کے مرض کے تعین کے بعد نسخہ بھی تجویز کر دے اور بتا دے کہ میاں تمھارا مرض بہت مہلک ہے ابھی چوں کہ ابتدائی منزل میں ہے، اگر تم نے یہ نسخہ استعمال کر لیا تو مرض کے دور رس نقصانات سے محفوظ ہو جاؤ گے، ورنہ یہ مرض تمھاری زندگی کا دشمن ثابت ہوگا، مخلص طبیب کا مشورہ سن کر ہوش مند مریض نسخہ کا استعمال شروع کر دے گا اور نہایت نادان ہے وہ شخص، جو الٹا طبیب کا دشمن ہو جائے، بجنسہ یہی مثال اعلیٰ حضرت کی ہے جنھوں نے روحانی مریضوں کو توبہ کا نسخہ بتایا مگر نہایت نادان تھے وہ مریض جو اپنے سچے مخلص کے نسخہ پر عمل کرنے کے بجائے اس کے مخالف بن گئے۔

حافظ ملت نے جس سنجیدگی اور متانت سے اعلیٰ حضرت اور علمائے حق کی عالمانہ اور قائدانہ ذمہ داریوں کو سمجھایا اس سے سامعین بے حد متاثر ہوئے۔ اور ساتھ ہی ساتھ حافظ ملت کی دور اندیشی اور حکیمانہ ذہنیت کے قائل بھی ہوئے۔

ڈاکٹر محمد عرفان کا تبصرہ:

جناب ڈاکٹر محمد عرفان صدر شعبہ اردو شبلی کالج اعظم گڑھ، حافظ ملت کی تقریر پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

''میرا مولانا سے کوئی خاص قریبی تعلق تو نہیں رہا لیکن میں نے اکثر ان کو دینی جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے دیکھا اور کبھی مختصر ملاقات بھی ہوئی۔ جب میں نے پہلی بار ان کو دیکھا تو وہ جامع مسجد اعظم گڑھ میں تقریر کر رہے تھے، تقریر کرنے میں تمہید اٹھانے یا کسی نہ کسی معذوری کے بیان کرنے میں مطلق وقت نہ صرف کرتے جیسا کہ عام طور پر پیشہ ور مقرروں کا دستور ہے، کچھ گلے اور سینے کی تکلیف، کچھ سفر کی صعوبت، کچھ ملک وملت کی ابتری یا اپنی نا اہلی کا تذکرہ کیا، اس کے بعد تقریر شروع کی، مولانا کبھی اس طرح کی بات نہ کرتے، اپنی جگہ سے اٹھتے تقریر کرنے کی جگہ پر آ کر کھڑے ہوتے السلام علیکم کہتے۔

بسم اللہ پڑھتے، کلام پاک کی کوئی آیت نہایت سادگی اور احترام سے تلاوت فرماتے اور تقریر شروع کر دیتے، آواز میں اتار چڑھاؤ نہ ہوتا، چہرے پر جذبات کی دھوپ چھاؤں نہ طاری ہونے دیتے۔ ہاتھ پاؤں نہ پٹکتے نہ پھینکتے، کوئی بلند یا بلیغ فقرہ کہہ کر، اس کے متوقع نہ رہتے کہ حاضرین سے شور تحسین اٹھے جیسا کہ اکثر لوگ کرتے ہیں، باتیں بڑی واضح کہتے الفاظ وعبارت کی دھوم دھام نہ ہوتی، البتہ کبھی کبھی ایک آدھ فقرے بڑے ذو معنی کہہ جاتے، اس کے پیچھے کوئی مقصد ہوتا جس بات کو اجاگر کرنا چاہتے تھے یا اجاگر کو چھپا کر کہنا چاہتے تھے وہاں اس طرح کی مناسبات لفظی سے کام لیتے تھے، تقریر کرنے میں کہیں اٹکتے نہ تھے، اچھے سے اچھے مقرر بھی کبھی کبھی جملہ میں مبتدا اور خبر کو مربوط نہیں کر پاتے۔ لیکن مولانا کی تقریروں میں کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آتا، ایسا معلوم ہوتا جیسے پوری تقریر قلم بند ہو جسے اطمینان واعتماد سے دہراتے جارہے ہوں، کوئی کہہ نہیں سکتا کہ ان کی تقریر کب ختم ہوگی۔ کسی قدر لمبی تقریر کرتے تھے، تقریر کے کچھ ایسے ماہر

بھی نہ تھے، لیکن تعجب یہ ہے کہ ان کی تقریر سے دل اکتا تا نہ تھا، ہر مجمع میں لوگ بڑے سکون سے ان کی تقریر سنتے تھے، وہ تقریر کے فسوں سے بے نیاز تھے، لیکن ان کی باتوں میں اثر ہوتا تھا۔ اور ذہن کے کسی نہ کسی حصہ میں اتر جاتی تھیں، ان کی تقریروں میں بڑا خلوص بڑا وزن اور بڑی سادگی ہوتی تھی کہ سننے والے کو اس پر اعتماد ہوتا کہ مولانا کوئی ایسی بات نہ کہیں گے جس کے ثبوت میں قوی سے قوی سند نہ پیش کر سکتے، یوں مولانا سے اختلاف کرنا بڑا مشکل، تھا ذاتی معاملہ ہو یا اجتماعی یا علمی وہ بڑی جچی تلی اور شریفانہ رائے دیتے تھے، مذہب کی بات ہو یا علمی مسئلہ ہو یا کوئی اور بحث ہو مولانا بڑی سنجیدگی سے اظہار خیال کرتے تھے اور دوسروں کا نقطۂ نظر سننے میں بڑے تحمل سے کام لیتے تھے، بحث میں وہ کبھی جز بز نہ ہوتے تھے، بلند آواز سے گفتگو نہ کرتے، کسی کی بات نہیں کاٹتے تھے، کبھی کوئی دل آزاری کی بات نہ کہتے تھے، ان کے رکھ رکھاؤ میں ذرا فرق نہ آتا تھا، خواہ بحث کتنا ہی طول کھنچ جائے''۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۹۸،۹۹)

انتہائے کمال انسانی اور ابتدائے مقام رسول:

شہر ناگپور کو بھی یہ شرف نصیب ہوا کہ حافظ ملت نے کچھ روز تک وہاں بھی اپنی بساط تدریس بچھائی اور قیام ناگپور کے مختصر عرصہ میں عمائدین شہر، دانشوروں مفکروں اور تعلیم یافتہ طبقوں میں آپ کی مقبولیت عام ہوگئی، یہ ۱۳۶۱ھ کی بات ہے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر اہل شہر نے ناگپور کے ایک کالج میں جلسہ رکھا جس میں حافظ ملت کو دعوت خطاب دی۔ مغربی تعلیم یافتہ اساتذہ وطلبہ، وکلا، بیرسٹرس، ڈاکٹرز اور پروفیسرز بھی موجود تھے، آگے کا واقعہ محبّ گرامی مولانا محمد نصیر الدین صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ سے سماعت فرمائیں:

وہ وقت بڑی آزمائش کا ہوتا ہے جب مختلف ماہرین فن کے سامنے اپنے فکری شہہ پاروں کو پیش کرنا ہوتا ہے مگر حضور استاذ العلما اتنے بلند پایہ عالم اور خطیب تھے کہ کسی موقع پر بھی کسی قسم کی مرعوبیت کے شکار نہیں ہوتے تھے۔

آپ نے آغاز خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

حضرات! جب امام انبیا سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے تو صحن عالم میں ان کا پہلا قدم انسانیت کی معراج کمال پر تھا، اس لیے کہ عقل انسانی کے چار مراتب ہیں:

(۱) عقل ہیولانی (۲) عقل بالملکہ (۳) عقل بالفعل (۴) عقل مستفاد

جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اس کی عقل کو ''عقل ہیولانی'' کہتے ہیں، عقل اس منزل میں علم وادراک سے یک لخت خالی ہوتی ہے اور جب کچھ بڑا ہو کر شعور کی آنکھیں کھولتا ہے اور بدیہی اشیا کا علم حاصل کر لیتا ہے تو اس وقت اس کی عقل کو ''عقل بالملکہ'' کہتے ہیں، اس منزل میں عقل کے اندر اکتساب نظریات کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور جب انسان ایک طویل زمانہ تک تجربات اور مشاہدات میں زندگی گزارتا ہے اور نظریات کا علم حاصل کر لیتا ہے تو اس وقت اس کی عقل کو ''عقل بالفعل'' کہتے ہیں، اس منزل میں عقل کے خزانے میں بے شمار نظریات اکٹھے ہو جاتے ہیں اور جب انسان کے نزدیک بدیہیات اور نظریات واضح اور روشن ہو کر موجود رہتے ہیں تو اس وقت اس کی عقل کو ''عقل مطلق یا عقل مستفاد'' کہتے ہیں۔ جب انسان عقل کا یہ آخری درجہ حاصل کر لیتا ہے تو کامل کہلاتا ہے اور حق اللہ وحق العبد کی صحیح معرفت کو

پہنچتا ہے پھر اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو تو ان حقوق کو بحسن وخوبی ادا کر پاتا ہے مگر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس خاک دان عالم میں جلوہ افروز ہوتے ہی اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگئے اور بخشش امت کی دعائیں کرنے لگے، اس وقت سر اقدس سجدہ میں تھا اور زبان مبارک پر "رَبِّ هَبْ لِيْ اُمَّتِيْ رَبِّ هَبْ لِيْ اُمَّتِيْ" کے پاکیزہ کلمات تھے۔

سر سجدۂ معبود میں رکھ کر یہ شہہ نے عرض کی
یا رب ہب لی امتی یارب ہب لی امتی

اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونا ادائیگی حق اللہ کی روشن دلیل ہے اور بخششِ امت کی درخواست پیش کرنا ادائیگی حق العبد کی ناقابل انکار حجت ہے اور حقوق کی ادائیگی ان کے علم کے بغیر ممکن نہیں ہے، لہذا ثابت ہوجاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحن عالم میں جلوہ افروز ہونے کے وقت ہی وہ تمام مراتب علیٰ وجہ الکمال حاصل ہو چکے تھے جو انسانیت کے کمال کے لیے ضروری ہیں، اسی لیے کہتا ہوں کہ حضور کا فرش گیتی پر پہلا قدم انسانیت کی معراج کمال پر تھا۔ مجمع پر مکمل سکوت طاری تھا، کبھی کبھی دیوانگان عشق جھومنے لگتے تھے اور اہل دانش وبینش حیرت سے منہ تک رہے تھے۔

اس جان دار تمہید کے بعد دو گھنٹہ تک سحاب علم وفضل ٹوٹ ٹوٹ کر برستا رہا اور حاضرین باران عشق وعرفان میں شرابور ہوتے رہے، جب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے تو راستے بھر چرچا کرتے رہے کہ، حضرت مولانا بڑے فلسفی معلوم ہوتے ہیں پھر نہ پوچھئے صبح کو پورے شہر میں تقریر کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ (حافظ ملت نمبر، ص ۴۵۳)

انگریزی تعلیم یافتہ ماڈرن لوگوں پر حضرت کی تقریر کا خاص اثر ہوا۔

نئی روشنی اور پرانے خیالات:

اس کے بعد ناگپور شہر کے قلب میں ایک عظیم الشان جلسۂ سیرت کا پروگرام ہوا جس میں بحیثیت مقرر کچھ پروفیسر اور جدید تعلیم یافتہ حضرات مدعو تھے چوں کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پہلی تقریر سے تعلیم یافتہ طبقہ بے حد متاثر تھا، اس لیے حضرت کو بھی دعوت دی گئی تھی، ایک وسیع میدان میں بہت ہی روح پرور اجتماع ہوا، ایک فاضل مقرر نے دوران تقریر یہ کہہ دیا کہ جب نئی روشنی اور پرانے خیالات کے افراد مجتمع ہوتے ہیں تو اظہار مافی الضمیر میں بڑی دشواری ہوتی ہے، حضرت کی تقریر سب سے آخر میں رکھی گئی تھی، پورا مجمع تقریر کے لیے محو انتظار تھا، حضرت نے خطبہ کے بعد آیت کریمہ "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ" تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میری تقریر کا عنوان "نئی روشنی اور پرانے خیالات" ہے یہ سنتے ہی سامعین چونک پڑے پھر ارشاد فرمایا: اس زمانہ میں جسے پرانا خیال سمجھا جاتا ہے، وہ درحقیقت نور ہی نور، روشنی ہی روشنی ہے اور جسے نئی روشنی کہا جاتا ہے، وہ دراصل تاریکی ہی تاریکی، اندھیرا ہی اندھیرا بلکہ پرانا اندھیر ہے، اس لیے کہ کلام کی حیثیت متکلم سے قائم ہوتی ہے جس پر کلام الامام امام الکلام کا محاورہ شاہد عدل ہے، اللہ تعالیٰ قدیم ہے، ازلی ہے، اس کی شان اَلْآنَ كَمَا كَانَ ہے، اس لیے اس کا کلام محکم نظام بھی قدیم ہے، ازلی

ہے، اُس پر مرور زمانہ کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ اس کی نورانیت کبھی بھی مدھم نہیں ہوسکتی، وہ کبھی پرانا نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کی بھی شان اَلآنَ کَمَا کَانَ ہے۔

اُس کے برخلاف مخلوقات میں کتنے ہی بڑے دانشور اور محقق زمانہ کا قول ونظریہ کیوں نہ ہو مرور زمانہ سے متاثر ہوتا ہے، حوادثات کا شکار ہوتا ہے اور اس میں ترمیم و تنسیخ کی پوری صلاحیت ہوتی ہے، وہ اپنے کو ضعیف، پرانا ہونے سے بچا نہیں سکتا ہے کیوں کہ اس کا قائل حادث ہے، محدود نظر اور محدود عقل رکھتا ہے، لہذا مذہب کے لافانی اور زندۂ جاوید حقائق کو پرانا خیال کہنا کسی طرح بھی میزان عقل میں درست نہیں ہے، اس مضمون کو شرح وبسط کے ساتھ دلائل وبراہین سے مزین کر کے اس طرح علم وحکمت کے لعل وگوہر لٹائے کہ تمام دانشوران شہر انگشت بدنداں تھے۔

اب حضرت استاذ العلما کی جلالتِ شان اور شوکت علم کا پرچم پورے شہر پر لہرا رہا تھا۔ علم ودانش کے بڑے بڑے کج کلاہوں نے ان کی خداداد عظمت کے سامنے اپنی کلاہ سروری رکھ دی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ ایک روز شہر کے عظیم دانشور بیرسٹر محمد شریف صاحب خدمت عالی میں تشریف لائے اور بکمال ادب عرض کیا ''حضور مجھے تفسیر پڑھا دیں'' (بہ روایت مولانا نصیر الدین صاحب پلاموی)

(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۴۵۴)

مسجد میں کرسی پر اعتراض کا جواب:

شہر گورکھپور میں سہ روزہ جلسہ کا اہتمام ہوا۔ جس میں قاضی احسان الحق صاحب بہرائچی علیہ الرحمہ، شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفٰے اعظمی علیہ الرحمہ، طوطی ہندوستان صوفی رجب علی نانپاوری صاحب قبلہ وغیرہم علما تقریر کے لیے مدعو تھے، درمیان میں جمعہ پڑا علمائے کرام نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد تشریف لے گئے تو بعض معززین شہر نے یہاں بھی تقریر کی خواہش ظاہر کی نماز ختم ہونے پر مولانا عبد المصطفٰے صاحب اعظمی نے کرسی پر بیٹھ کر تقریر کی، کچھ شر پسند لوگ جنھیں مسلک اہل سنت اور اس شان دار اجلاس اور جلیل القدر علما سے جلن تھی شہر میں یہ ہوا باندھی کہ اعظمی صاحب نے کرسی پر بیٹھ کر مسجد کی توہین کر دی، خدا کے گھر میں جہاں لوگوں کی پیشانیاں سجدہ ریز ہوتی ہیں، کرسی بچھا کر بیٹھے، الغرض شام ہوتے ہوتے پورا شہر اس غلط پروپیگنڈے کی زد میں آ گیا، آخری روز کا اجلاس ہوا، علمائے کرام نے تقریریں کیں اور مابہ النزاع مسئلہ پر روشنی ڈالی مگر عوام الناس پورے طور پر مطمئن نہ ہوسکے۔

زعمائے شہر بالخصوص رئیس اعظم سید ساجد علی اور جناب نسیم احمد صاحب ایڈووکیٹ بھی متردد تھے، آخری تقریر حضرت حافظ ملت کی تھی، تمام علما اور منتظمین اجلاس نے حضرت سے جواب کی درخواست کی۔

حافظ ملت کی تقریر شروع ہوئی، آپ نے فرمایا: میں کل کے شبہہ کا جواب دینا چاہتا ہوں لیکن اس جواب کا انحصار چند سوالوں پر ہے جس کا جواب آپ لوگوں کو دینا ہوگا۔ پہلے یہ بتایئے کہ کرسی اعظمی صاحب کے لیے لگی تھی یا ان کی تقریر کے لیے مجمع خاموش رہا آپ نے فرمایا میں کہتا ہوں کرسی اعظمی صاحب کے لیے نہیں، ان کی تقریر کے لیے لائی گئی تھی کیوں کہ اگر ان کے لیے آتی تو جب وہ مسجد میں آئے، اسی وقت آتی یا نماز پڑھ رہے تھے اس وقت

لائی جاتی تسبیح پڑھ رہے تھے اس وقت موجود کی جاتی مگر ایسا نہیں ہوا کرسی اس وقت لاکر لگائی جب تقریر کرنی ہوئی اور سن لو خدا ورسول کے لیے مسجد میں کرسی پر بیٹھنا جائز ہے حدیثوں سے ثابت ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسجد نبوی میں کرسی بچھائی گئی۔

"قال أبورفاعة انتهيت الى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم وهو يخطب قال فقلت يا رسول اللّٰه رجل غريب جاء يسأل عن دينه لا يدرى مادينه قال فاقبل علىّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وترك خطبته حتى انتهىٰ الى فاتى بكرسى حسبت قوائمه حديدا قال فقعد عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وجعل يعلمنى مما علمه اللّٰه ثم أتى خطبته فاتم اٰخرها" (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۸۷)

''ظاہر بات ہے یہ کرسی مسجد ہی میں تھی نہ کہ حضور کے گھر میں''

نسیم احمد صاحب وغیرہ یہ محکم دلیل سن کر چیخ اٹھے۔ سبحان اللہ۔ یہ ہے شان علم۔ حافظ ملت کوئی بات بلا دلیل نہیں فرماتے تھے، ان کے ہر فقرہ کے پیچھے قرآن وحدیث یا اقوال واعمال سلف صالحین کی سند ہوتی، کسی کٹھن وقت جب لوگوں پر سوال جواب کی ایسی منزل آتی تو حضرت کے خداداد حافظے اور استحضار علمی کا دریا موجزن ہوجاتا۔

حضور حلال وحرام کرنے والے ہیں:

سنی بڑی مسجد مدنپورہ ممبئی میں علمائے کرام کے مجمع میں کسی نے آکر یہ بتایا کہ ایک بد مذہب واعظ نے یہ بیان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف رسول تھے یعنی محض اس لیے بھیجے گئے تھے کہ اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچادیں، ان کو کسی چیز کے حلال وحرام کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ دلیل میں اس نے یہ کہا کہ حضور نے بعض ازواج کی وجہ سے اپنے اوپر شہد حرام فرمالیا تھا جس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ "يٰـاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ" (التحریم آیت نمبر ۱)

اس پر حافظ ملت نے برجستہ فرمایا، اس گستاخ کو آگے نظر نہیں آیا، ''تَبْتَغِىْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ'' یعنی آپ کو ہر موقع پر اللہ کی رضا مدنظر رکھنی چاہیے، ازواج کو خوش کرنے کے لیے اللہ کی حلال کی ہوئی ایسی مفید چیز کو اپنے اوپر کیوں

---

(۱) علامہ ابن حیان اندلسی تفسیر ''البحر المحیط'' میں فرماتے ہیں کہ یا ایها النبی، ندائے تشریف واقبال ہے اور لم تحرم، سوال تلطف یعنی اے پیارے حبیب! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ شان نزول میں دو واقعات بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور انور بعد عصر امہات المؤمنین کے حجروں میں جاتے تھے۔ ایک روز حضرت زینب نے خدمت اقدس میں شہد پیش کیا جو حضور کو بے حد پسند تھا، اس کے باعث وہاں معمول سے زیادہ وقت صرف ہوا۔ محبت جتنی زیادہ ہو رقابت بھی اتنی ہی ہوتی ہے۔ امہات المومنین میں سے جس کے حصہ کا یہ وقت کم ہوا۔ ان میں سے حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما نے طے کیا کہ حضور ہمارے یہاں تشریف لائیں تو ہم کہیں گی کہ حضور کے دہن مبارک سے مغافیر کی بساند آرہی ہے ''حضور نفاست طبعی کے باعث بدبو کو ناگوار سمجھتے تھے۔ انھوں نے جب ایسے کہا تو حضور نے ارشاد فرمایا: میں نے مغافیر تو نہیں کھائی، میں نے تو شہد استعمال کی ہے۔ اس کے بعد میں شہد نہیں پیوں گا۔ تم کسی سے نہ کہنا۔

دوسری روایت یہ کہ ام المومنین حفصہ اپنی باری کے روز حضور سے اجازت لے کر اپنے والد سے ملنے گئیں۔ حضور ان ہی کے حجرے میں تھے کہ حضرت ماریہ وہیں آگئیں اور حضور کی خدمت میں رہیں۔ اتنے میں حضرت حفصہ لوٹ آئیں۔ دروازہ بند تھا۔ انھیں یہ ناگوار ہوا۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے حقیر سمجھتے

حرام فرمایا، اگر حضور کو اختیار تحلیل وتحریم نہ ہوتا تو یہ فرمایا جاتا کہ تم نے اسے کیوں حرام فرمایا، تمھیں کیا اختیار ہے۔ اور کسی حلال شی کو اپنے اوپر حرام قرار دینا تو ایک یمین (قسم) ہے نہ کہ حلت وحرمت کے احکام کی تبدیلی۔(۱)

آیت کی مصداق محافل:

میلاد النبی کے ایک اجلاس میں جب کہ نشست گاہ سامعین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ حافظ ملت کو اسٹیج پر تقریر کی دعوت دی گئی، آپ نے اپنا موضوع اس آیت کریمہ کو بنایا۔

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا" (المجادلۃ آیت ۱۱)

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو، تو جگہ دو، اللہ تمھیں جگہ دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔

اور فرمایا کہ اس آیت کریمہ کا مصداق محافل میلاد شریف اور دینی جلسے ہیں، انہی مجالس میں لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو لوگ پہلے سے موجود ہیں، وہ آگے کھسک کر بیٹھیں، اور بعد میں آنے والوں کو جگہ دیں اور اس پر اللہ کا وعدہ کہ اگر تم نے بعد والوں کو جگہ دی تو اللہ تعالیٰ تم کو جگہ دے گا۔ اور انہی محافل میں سلام پڑھنے کے لیے کھڑے ہونے کو کہا جاتا ہے۔ (معارف حافظ ملت ص۲۹)

حافظ ملت کی تقاریر میں مناسب حال بیان ہوتا، آپ کے متعدد اوصاف کی طرح تقریر بھی نہایت جامع مانع ہوتی۔

علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری لکھتے ہیں:

"حافظ ملت بے شمار اوصاف کمال تھے اور ہر وصف میں آپ کی جامعیت محسوس کی جاتی تھی، آپ بہت ہی نکتہ رس طبیعت کے مالک تھے۔ بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ آپ کی گفتگو ہر قسم کی خامی سے پاک ہوتی۔ ہر جملہ علم وحکمت کا سرچشمہ ہوتا اور الفاظ بہت جچے تلے ہوتے۔ (المصباح ص۱۴)

رفیق محترم مولانا یٰس اختر مصباحی فرماتے ہیں:

مجلس کی گفتگو بڑی شگفتہ، اور بعض اوقات ظریفانہ مگر سنجیدہ باوقار ہوتی۔ آپ کے حکیمانہ نکتے مصباحی علما میں

ہیں، اس لیے میرے حجرے میں حضرت ماریہ کو شرف خدمت بخشا۔ حضور نے ان کی آزردگی دیکھ کر قسم کھالی کہ آئندہ حضرت ماریہ سے ازدواجی تعلق نہیں رکھوں گا۔ اور حضرت حفصہ سے فرمایا کہ یہ بات کسی سے نہ کہنا۔

توضیحاً عرض ہے کہ سورۂ تحریم کی ابتدائی آیات میں رب کائنات کی اپنے حبیب پاک سے غایت محبت کا ثبوت ملتا ہے، حضور کا ایک حلال شی کو ازواج مطہرات کی رعایت میں خود پر پابندی لگانے کی قسم کھانا، اور خود کو تکلیف میں ڈالنا۔ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوا اور اگر وہ پابندی برقرار رہتی تو حضور کو تکلیف ہوتی۔ اس کے علاوہ افراد امت اسے حضور کی سنت سمجھ لیتے اور خود پر ناروا پابندیاں لگانا مسنون خیال کرتے اور اسلامی معاشرہ خود ساختہ پابندیوں کا شکار ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک اور ان کی امت سے چوں کہ غایت درجہ محبت فرماتا ہے اس لیے اس نے کفارہ ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ اس آیت کا حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریعی اختیارات کی نفی کی دلیل بنانا منکرین شان رسول کے بغض کی دلیل ہے بلکہ اس سے تو سرکار دوعالم ﷺ کے خداداد اختیار کا کھلا ثبوت ملتا ہے۔ (بدر غفرلہ)

کافی مشہور ہیں۔ کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُولِهِمْ کے مطابق ہی حاضرین سے خطاب فرماتے۔
(ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۳۹۸)

سرکار کی عظمت بشریت:

محبّ محترم مولانا محمد اسلم عزیزی گورکھپوری بیان کرتے ہیں:

معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک محفل میں تقریر کرتے ہوئے حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا؛ حضرت جبرئیل علیہ السلام آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں رب کا حکم لے کر حاضر ہوئے، آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محو خواب پایا۔ بیدار کرنا خلافِ ادب تھا، ایک طرف حکم رب العالمین اور دوسری طرف آقا کا خواب ہے۔ جبرئیل امین اپنی کافوری پیشانی آقائے کریم کے تلوۂ پاک سے ملنے لگے کہ ٹھنڈک کے اثر کا احساس فرما کر بیدار ہوں تو رب کا حکم بارگاہ میں عرض کیا جائے۔ آقا بیدار ہوئے جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا رب کا حکم لے کر آیا ہوں، رب کی بارگاہ میں بلاوا ہے، اس کے بعد بیان فرمایا جسم کا ادنیٰ درجہ پیر کا تلوہ ہے اور جسم میں سب سے بلند حصہ پیشانی ہے۔ جبرئیل امین نے ملکوتی پیشانی تلوۂ رسول سے مس کر کے یہ ثابت کردیا کہ مقام ملکوتیت کی جہاں انتہا ہے وہاں سے رسول کی بشریت کا مقام شروع ہوتا ہے، رسول پاک بشر ہیں۔ مگر ایسے بشر کہ ان کی بشریت کی ابتدا وہاں سے ہے جہاں مقام ملکوتیت کی انتہا ہے پھر کون ہے رسول کی بشریت سے مقابلہ کرنے والا؟ (معارف حافظ ملت ص ۴۴،۴۳)

سورہ لہب اور تعریف رسول:

ایک بار مبارکپور محلّہ حیدرآباد میں دیوبندیوں کا جلسہ ہوا، اس میں ان کے ایک مقرر نے سورۂ لہب تلاوت کر کے اس پر تقریر کی جس میں اس نے کہا کہ پورا قرآن حضور کی تعریف سے پُر ہے، یہ بات غلط ہے۔ بھلا بتاؤ اس سورہ میں کہاں حضور کا نام ہے۔ اور اس میں حضور کی کون سی تعریف ہے۔ الغرض مقرر مذکور کی زبان سے نہ احترام رسول باقی رہا اور نہ شان صحابہ، مسلمانان اہل سنت کو اس پر بڑا غصہ آیا۔ انھوں نے اسی مقام پر دوسرے دن اپنا جلسہ رکھا اور حافظ ملت کی تقریر ہوئی۔ مولانا عزیزی لکھتے ہیں!

”حافظ ملت نے بھرے مجمع میں دیوبندیوں اور وہابیوں کو چیلنج کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ پورے مجمع سے کوئی بھی وہابی دیوبندی کھڑا ہو اور قرآن کی کسی آیت کی تلاوت کردے جس میں اس کو میرے آقا ومولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین نظر آتی ہو۔

عبدالعزیز اسی آیت کی روشنی میں دو گھنٹہ آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بیان کرے گا، کئی بار اعلان فرمایا۔ مگر پورے مجمع سے کوئی کھڑا نہ ہوا۔ انتظار کے بعد جب کوئی کھڑا نہ ہوا تو خطبہ مسنونہ کے بعد سورۂ لہب کی تلاوت فرما کر (گذشتہ رات جس کی تلاوت کر کے تقریر میں یہ کہا گیا تھا دیکھو اس پوری سورت میں رسول اللہ کا نام اور ذکر بھی نہیں ہے پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ پورا قرآن رسول اللہ کی تعریف وتوصیف میں ہے) تقریر کا آغاز اس طرح کیا:

عرب کا طریقہ تھا کہ قوم کو جب کسی اہم بات سے آگاہ کرنا ہوتا تو کسی اونچی جگہ کھڑے ہوکر یا صباحاہ کہہ کر پکارتے، آواز سنتے ہی پورے قبیلے کے لوگ جمع ہوجاتے۔ جب اعلان نبوت کا وقت آیا یہ بڑی اہم بات تھی۔ اس لیے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے اور عرب والوں کے طریقہ پر یا صباحاہ کہہ کر قوم کو پکارا پوری قوم جمع ہوگئی، اب ارشاد فرمایا: اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک مسلح لشکر کھڑا ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم تسلیم کروگے، سب نے بیک زبان کہا، اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تم صادق ہو، امین ہو، کبھی تم کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا گیا۔ اس لیے ہم سب تمہاری باتوں پر یقین کرتے ہیں۔ اب اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تم کو ایسے عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمھارے سامنے آنے والا ہے۔ جان لو، اس عذاب سے نجات صرف ایک خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے میں ہے۔ جس نے تم کو اور ساری کائنات کو پیدا فرمایا ہے، عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔ مخلوقات میں کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔

قریش کے سرداروں نے اپنے آبائی دین کے خلاف دلوں میں اثر کر جانے والا یہ کلام سنا تو حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت ولادت پر نگاہ ڈالی تو بندگی کے درجہ کمال پر پایا کہ زمین پر قدم رکھتے ہی عابد ومعبود کا فرق پہچان رہے ہیں۔ بچپن کے زمانہ پر نگاہ دوڑائی تو بچپن کے عام عادات واطوار سے خالی پایا، سلیم الطبع پایا، بڑوں اور چھوٹوں کے حقوق کو پہچاننے والا پایا، عنفوان شباب پر نگاہ ڈالی تو رحم ومروت، مودت واخوت کا سراپا پایا، جوانی کے ایام کو دیکھا تو خانۂ کعبہ میں حجر اسود کے رکھنے میں ایسا ثالث پایا جس کے فیصلہ کو سرداران قریش نے بسر وچشم منظور کیا، خلاصہ یہ کہ اعلان نبوت سے پہلے کے ایک ایک لمحہ پر نگاہ دوڑائی، زندگی پاک کے کسی لمحہ میں کوئی ایسی بات نہ مل سکی جس کو عیب کے طور پر پیش کرکے قوم کو آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان حق سے منحرف کرسکیں۔ اب کوئی صورت سمجھ میں نہیں آرہی تھی تو ابولہب جہالت پر اتر گیا اور جھنجلا کر اس نے کہہ دیا۔

تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا، تمھارے لیے ہلاکت ہو کیا ہم کو اسی لیے جمع کیا تھا۔

اس کے بعد "تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ" کا نزول ہوا۔ میرے محبوب کو تَبًّا لَكَ کہہ رہے ہو۔ ابولہب ہی ہلاک ہوجائے اور وہ ہلاک ہوگیا۔

اس جان دار تمہید کے بعد حافظ ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کا بحر علم دو گھنٹہ تک موجیں مارتا رہا، اور سورۂ لہب کی روشنی میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کے لعل وگہر لٹاتے رہے۔

(معارف حافظ ملت ص ۳۲،۳۳)

رفیق محترم علامہ محمد احمد مصباحی شیخ الادب الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے اپنے وقیع مضامین میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کے بعض اہم تقریری موضوعات کو محفوظ کیا ہے۔

موت کیا ہے؟

انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے جب کہا جاتا ہے۔ فلاں آدمی مر گیا۔ تو بتاؤ جسم وروح میں سے وہ کون سی چیز

ہے جو مرگئی یا فنا ہوئی ۔ کیا روح مرجاتی ہے؟ ہرگز نہیں ۔ اہل اسلام ہی نہیں بلکہ فلاسفہ کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ روح نہیں مرتی۔ پھر کیا جسم مرجاتا ہے؟ یہ بھی نہیں اُسے تو تم آنکھوں سے دیکھتے ہو، ہاتھوں سے ٹٹولتے ہو، تمام اعضا اپنی جگہ سلامت ہیں، کوئی عضو فنا نہیں ہوا پھر موت کیا ہے؟؟ میں کہتا ہوں۔ موت جسم اور روح کے اختلاف کا نام ہے جب تک روح وجسم کا اتصال واتفاق تھا، آدمی زندہ تھا جب دونوں میں اختلاف اور جدائی ہوگئی کہہ دیا انسان مرگیا۔

معلوم ہوا اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت ۔ ایک جسم وروح کا اختلاف شخص کی موت ہے ۔ افراد خانہ کا اختلاف گھر کی موت ہے ۔ ایک محلّہ، ایک گاؤں ایک شہر، یا ایک ملک کا اختلاف اس محلّہ، گاؤں شہر یا ملک کی موت ہے۔

مدارس کی اہمیت:

اگر کسی نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا تو اُسے اُس مسجد میں ہر نماز پڑھنے والے کا ثواب ملے گا لیکن اگر وہی شخص دوسری مسجد یا کسی دوسری جگہ نماز پڑھے تو اس کے نماز پڑھنے کا ثواب پہلی مسجد تعمیر کرانے والے کو نہ ملے گا۔ اور اگر کسی نے مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لیا، تو اس مدرسہ سے نماز وروزہ احکام شرع، اور علوم دینیہ سیکھ کر جانے والا ہر ایک طالبِ علم جہاں بھی رہے جس جگہ نماز پڑھے، روزہ رکھے، یا اور کوئی کار خیر کرے، اس مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لینے والا اس طالب علم کے ہر کار خیر کا ثواب پائے گا۔ اور خود اس مدرسہ کے اندر اساتذہ وطلبہ یا دیگر حضرات کے تعلم وتعلیم اور عمل خیر کا ثواب مزید برآں ہے ۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۸۵)

تقریر دعائے قنوت:

ایک بار آپ کے عہد طالب علمی میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے کسی جگہ آپ کو تقریر کے لیے بھیجا، وہاں لوگوں نے آپ کو دعائے قنوت کے عنوان پر تقریر کرنے کو کہا۔ آپ نے برجستہ اس عنوان پر ایک گھنٹہ تقریر کی ۔ فرمایا" اس دعائے قنوت میں، توکل ایمان،، شکر، کفران نعمت، عبادت، نماز وغیرہ کا مضمون تو ہے ہی مگر میں نے "وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ" پر خاص روشنی ڈالی بتایا کہ رب العلمین کے حضور کھڑے ہوکر روزانہ اقرار کیا جاتا ہے کہ "ہم جدا ہوتے ہیں اور اس شخص کو چھوڑتے ہیں جو تیری نافرمانی کرے لیکن اس اقرار کے مطابق عمل کہاں تک ہوتا ہے؟

یہ تو ہر فاجر اور خدا کے نافرمان سے قطع تعلق کا اقرار ہے، اور کافر و مرتد تو سب سے بڑا فاجر اور نافرمانِ خدا ہے، اس سے تعلق اور دوستی بھلا کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ۱۸۶)

عالم اور عالَم:

حضرت مولانا عبد اللہ خاں عزیزی ایک جلسہ کا حال قلم بند فرماتے ہیں جس میں موصوف کے برادر خورد مولانا عبدالرحیم خاں بستوی کی تقریر کے بعد حافظ ملت کا خطاب ہوا۔ حضرت نے خطبہ کے بعد پیشرو مقرر کی خوبی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"سنو یہ بڑے صالح نوجوان جید عالم ہیں، اس دور میں اتنے نیک اور اچھے عالم کم ملتے ہیں ،ان کی قدر پہچانو

اورغور سے سنو جب تک اس دنیا میں عالِم ہیں اس وقت تک یہ عالَم ہے جب عالِم نہیں رہیں گے تو یہ عالَم بھی نہیں رہے گا پھر تفننِ طبع کے لیے یہ لطیف نکتہ ارشاد فرمایا کہ عالِم اور عالَم میں صرف زیر اور زبر کا فرق ہے اس لفظ کے لام کو زبر دے کر پڑھو عالَم اور زیر دے کر پڑھو عالِم ہے، اس سے اشارہ مل رہا ہے کہ جب تک عالِم کا وجود ہے، اس وقت تک دنیا برقرار رہے گی اور جب یہ دنیا عالِم کے وجود سے خالی ہوجائے گی تو یہ زیر وزبر ہوجائے گی یعنی نظامِ ہستی تہہ وبالا ہوجائے گا حضرت نے اس نکتہ کو ایسے حسین انداز میں ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے علاقہ کے لوگوں کی زبان پر بہت دنوں تک اس کا تذکرہ رہا کہ عالِم ہیں تو عالَم ہے، عالِم نہیں تو عالَم نہیں، یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ لفظ کے زیر وزبر سے نظامِ ہستی کے زیر وزبر ہونے پر حضرت نے استدلال قائم نہیں کیا تھا بلکہ اس حقیقت پر حدیث کریم کی ٹھوس شہادت پیش فرمائی تھی، افسوس کہ مجھے یاد نہ رہی۔ (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۷۴)

حاضر اور گواہ:

علامہ محمد احمد مصباحی اپنے وطن بھیرہ، ولید پور ضلع اعظم گڑھ کی انجمن امجدیہ کے اجلاس میں حضرت الاستاذ مفتی عبد المنان الاعظمی صاحب قبلہ دام ظلہ کی تقریر کے بعد حافظ ملت کے خطاب کا ذکر فرماتے ہیں کہ مفتی صاحب قبلہ نے آیت کریمہ ''اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا ''(الاحزاب، آیت ۴۵) پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا ''شاہد کے معنی حاضر ہے نماز جنازہ کی وہ دعا جس میں ہے ''شاهد نا و غائبنا'' (مغفرت فرما) ہمارے حاضر کی اور ہمارے غائب کی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہد بمعنی حاضر آتا ہے، لہٰذا آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر بنا کر بھیجا۔ بعدہ حافظ ملت نے تقریر کی تو حضرت نے مفتی صاحب قبلہ کی تحسین کے ساتھ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا یہی مان لو کہ شاہد کا معنی گواہ ہے۔ تو بتاؤ گواہ کون ہوتا ہے؟ کیا وہ شخص گواہ ہوسکتا ہے جو واقعہ کے وقت موجود نہ ہو۔ یا موجود ہو مگر بچشم خود دیکھا نہ ہو۔ ہرگز نہیں۔ گواہ وہی ہوتا ہے جو واقعہ کے وقت حاضر بھی ہو اور ناظر بھی۔ لہٰذا ''اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا'' میں شاہد کا معنی گواہ لینے پر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا اپنی جگہ بعینہ ثابت ہے۔ وللہ الحمد (ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص ۱۸۲)

اپنے قارئین کرام کی ضیافت طبع اور مابعد کے علما، فضلا، مقررین وواعظین جنھوں نے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی خطابت نہیں سنی۔ اور ان کی تقریر سے مستفید ہونے کا جنھیں موقع میسر نہیں آیا۔ اور ان کے قلوب واذہان حافظ ملت کی تقریر سے اکتساب فیض کرنا چاہتے ہیں، ان کے اشتیاق کا لحاظ کر کے ہم حضور حافظ ملت کی ایک نہایت خوبصورت مرصع آسان اور دل پذیر تقریر پیش کرتے ہیں، امید کہ قبول ہوگی۔ اس تقریر میں حافظ ملت علیہ الرحمہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتوں اور صاحب میلاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل ومحاسن کو کس کس رُخ سے سمجھاتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ کے دن کی یاد دلانا زمانہ کا مرور، اوقات کا تبدل، سابق حادث وگذشتہ واقعات کی یاد تازہ کرتا ہے، سال کا جو مہینہ اور مہینہ کا جو مخصوص دن آتا ہے وہ اپنی خصوصیاتِ ماضیہ کا نقشہ اہل عالم کے سامنے پیش کرتا ہے، وہ واقعاتِ عجیبہ وحالات غریبہ جو اس وقت رونما ہوئے سامنے آجاتے ہیں، وہ واقعات بڑے ہی قیمتی ہیں، وہ دن بڑے ہی قابل قدر

ہیں، اسی لیے قرآن مجید میں ان دنوں کو ایام اللہ سے تعبیر کیا۔ سلیم الطبع انسان ان حالات و واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے۔ متمتع و متنفع ہوتا ہے، اسی لیے ارشاد فرمایا اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ بیشک اس میں اللہ کی نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے شکر گذار کو۔ (پ۱۳)

انھیں ایام اللہ سے ماہ ربیع الاول شریف ہے۔ بالخصوص اس کی بارہویں تاریخ جس کو محبوب کبریا سرور انبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی سعادت اور حضور والا کی تشریف آوری کا شرف حاصل ہے۔

چوں کہ مظروف کی شرافت وکرامت سے ظرف کی شرافت و بزرگی بدیہات و مسلمات سے ہے، لہٰذا اس حیثیت سے کہ یہ ماہِ مبارک اشرف انبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ظرف ہے اس کی شرافت وفضیلت بہت بلندی پر ہے، اسی اصول سے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شب ولادت کو شب قدر سے افضل فرمایا ہے، اور اگر نزول عجائبات وغرائبات اور واقعاتِ عجیبہ کے اعتبار سے لیا جائے تب بھی ماہ ربیع الاول کو نرالی ہی شان حاصل ہے کیوں کہ تمام واقعات عالم اور سارے عجائباتِ روزگار میں عجیب تر واقعہ، واقعہ ولادت شریف ہی ہے۔ نوع انسانی کے بے شمار افراد دنیا میں آئے بڑی بڑی شاندار ولادتیں ہوئیں مگر ولادت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا اپنی خصوصیات خاصہ میں وہ امتیازی شان رکھتی ہے کہ اپنی آپ ہی مثال ہے۔ بلا شبہہ حضرت خلیل وحضرت کلیم حضرت مسیح علیہم السلام کا ظہور بھی سراپا اعجاز ہے، ایام طفولیت ہی میں ان سے جو خوارق عادات صادر ہوئے محیر العقول ہیں مگر حبیب کبریا سرور انبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور، آپ کی تشریف آوری اپنی شان وشوکت میں یقیناً ان سب سے ممتاز اور اپنے جاہ وجلال میں قطعاً بے مثال ہے۔

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ظہور ہے جس کے لیے سب کا ظہور ہوا۔ آپ کا آنا وہ آنا ہے جس کے لیے سب آنے والے آئے۔

وصلی اللہ علی نور کزو شد نورہا پیدا
زمیں از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا

یہ وہ مسبب ہیں جن پر تمام اسباب موقوف ہیں، یہ وہ نتیجہ ہیں جو تمام دلائل کا مدار ہیں، یہ وہ معلول ہیں جو علۃ العلل ہیں، یہی وہ فرزند ہیں کہ نوع انسانی کو جن کی ابوت کا شرف حاصل ہے، ہاں! بلا شبہہ انھیں کو مخاطب کر کے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام فرماتے ہیں "یا ابنی صورۃ وابی معنیً" (اے ظاہر میں میرے بیٹے اور حقیقت میں میرے باپ) خود سرکار کا ارشاد ہے: "اَنَا مِنْ نُورِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ نُورِی" (میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے) یہی وہ مولودِ مسعود ہیں کہ جن کی میلاد شریف کا اعلان ہزاروں برس پیشتر سے ہوتا رہا ہے، اعلان کرنے والے صف انسانی میں سب سے ممتاز شخصیت والے ہیں، قدرت نے اس اعلان کے لیے انبیا علیہم السلام کو منتخب کیا ہے حضرت آدم ونوح وابراہیم علیہم السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک تمام انبیا کرام ورسل عظام نے آپ کی بشارت دی، آپ کی تشریف آوری کا اعلان فرمایا، حضرت مسیح نے تو اپنے آنے کی غایت ہی اس

کو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں :(اے بنی اسرائیل میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کی تصدیق کرتا ہوں اوران رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے)۔

اللہ اکبر! یہ ولادت مبارک اپنے اعلان میں بھی کس قدر ممتاز ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ساری ولادتیں اسی لیے ظہور پذیر ہوئیں اور سب آنے والے اسی کے لیے آئے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

مقصود ذات اوست دگر جملگی طفیل
منظور نور اوست دگر جملگی ظلام

مقصود اصلی انھیں کی ذات ہے دوسرے طفیلی ہیں، انھیں کا نور مقصود ہے، باقی سب تاریکی ہے، وہ فضیلت کے آفتاب ہیں، باقی انبیا ستارے ہیں، انھیں کے انوار سے مخلوق کی رہنمائی فرماتے تھے، ایسی شان وشوکت والی ولادت، ایسی جاہ وجلال والی ولادت جس مہینہ میں ہو وہ ماہِ مبارک ایام اللہ میں ضرور ممتاز ہوگا، یہ وہ ولادت ہے جس نے دنیا کے ظلمت کدوں کو عالمِ انوار بنادیا، ساری زمین انوار وتجلیات سے مشرف بنی ہوئی تھی، زمین سے نفحات اٹھ رہے تھے، آسمان سے انوار الٰہی کی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی ملاء الاعلیٰ سے قدوسی جماعتیں اس میلادِ مبارک میں حاضر ہوئیں، سبوحی گروہ حبیب کبریا کی تشریف آوری کے لیے صف بصف دست بستہ اِستادہ تھے، بے زبانوں کو زبان ملی تھی، آپس میں مبارکبادیاں دے رہے تھے، خشک دریا جاری ہوئی، ہزاروں برس کے آتش کدہ سرد ہوئے، عالم کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ وقت ولادت شریف وہ عجائبات وغرائبات رونما ہوئے کہ ماضی واستقبال کوئی بھی اس کا حریف نہ بن سکا۔ لہذا اس حیثیت سے بھی ماہ ربیع الاول شریف اپنی شرافت میں ممتاز ہے اور ایام اللہ میں امتیازی شان رکھتا ہے۔

پہلا سجدہ:

اس میں شبہہ نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایام طفولیت میں کلام کیا اور اپنی رسالت کا بہت ہی بلیغ خطبہ دیا ''فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں سنانے والا کیا اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں'' (پارہ ۱۶ مریم، آیت ۳۱) لیکن محبوب کبریا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحن عالم میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ ہے کہ

سر سجدۂ معبود میں رکھ کر یہ شہہ نے عرض کی
یا رب ھب لی امتی یا رب ھب لی امتی

سرکار نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا اور حمد الٰہی وثنائے ربانی کے ساتھ ساتھ شفاعت امت کی درخواست پیش کردی۔ اللہ اللہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا ہی قدم کس بلندی پر ہے کہ عقل کے تمام مراتب ختم کر لینے کے بعد انسان کامل جن فرائض کی انجام دہی کے لیے کمر بستہ ہوسکتا ہے محبوب کبریا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہیں بالاتر رتبہ سجدہ ادا کر کے حاصل فرمایا۔

اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ انسان کو خداوند قدوس نے دو قوتیں عطا فرمائی ہیں، قوت عقلیہ، قوت عملیہ، قوت عقلیہ کی تکمیل حصول علم سے ہوتی ہے، اس کا کمال خدا شناسی و معرفت الٰہی ہے، قوت عملیہ کی تکمیل اعمال حسنہ وافعالِ حمیدہ سے ہوتی ہے، اس کا کمال حقوق اللہ وحقوق العباد کا کماحقہ ادا کرنا ہے۔ لہٰذا جس کو دونوں قوتوں کا کمال حاصل ہے، وہی خدا شناس ونیکوکار ہے، وہ ضرور حقوق اللہ وحقوق العباد کی انجام دہی میں کمر بستہ رہے گا۔ معبود حقیقی کے لیے سر نیاز خم کرنا اور اس کی حمد وثنا بجالانا حقوق اللہ کی ادا کا اعلیٰ درجہ ہے۔ امت گنہ گار کے لیے دعاے مغفرت کرنا حقوق العباد کی ادا کا انتہائی مرتبہ ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ محبوب کبریا سرور انبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ایک ہی سجدہ میں حقوق اللہ وحقوق العباد کو علیٰ وجہ الکمال ادا کیا اور ثابت ہوا کہ بوقت ولادت ہی آپ کو قوت عقلیہ وقوت عملیہ کا کمال بروجہ کمال حاصل تھا اسی کو کسی نے کہا ہے۔

تعلیم جبرئیل امیں تھی برائے نام
حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

یہ بھی غور کرنا ہے کہ اداے حقوق کس بلندی پر ہے کہ ابھی ابھی صحن عالم میں قدم رکھا ہے، ابھی کوئی فریضہ آپ پر عائد نہیں، کسی امر کے مکلّف نہیں مگر بارگاہِ بے نیاز میں سر نیاز خم ہے، زبان پر حمد وثنا جاری ہے، اس میں یہ درسِ بصیرت ہے کہ عبادتِ معبود فطری چیز ہے، سر نیاز اس بارگاہِ بے نیاز میں جھکنے ہی کے لیے ہے جبینِ نیاز میں سجدوں کی تڑپ فطری ہے، اس کے لیے فرائض کے انتظار کی ضرورت نہیں، عابد ومعبود کا یہ علاقہ طبعی ہے، فطرت سلیمہ کا مقتضیٰ ہی یہ ہے کہ بندہ کی پیشانی بارگاہِ معبود میں جھکے، زبان اسی لیے ہے کہ اپنے خالق ومالک کو یاد کرے، اس کی حمد وثنا بجالاے ذکر معبود کی حلاوت وشیرینی ہی اس کا ذوق ہو۔ اسی سجدہ میں حقوق العباد کی ادا بھی کس معراج کمال پر ہے کہ جس کے بعد کوئی مرتبہ باقی نہیں رہتا۔ کیوں کہ اول تو نبی کا فریضہ صرف تبلیغ ہے "وما علی الرسول الا البلاغ" (سورۂ مائدہ آیت ۹۹) رسول پر صرف پہونچا دینا ہے۔ فرائض نبوت سے یہ ہرگز نہیں ہے کہ نبی امت کی یاد کرے۔ پیشانی رگڑ رگڑ کر امت کے لیے دعائیں کرے، یہ نبی کا کرم ہے اور صرف کرم ہے۔ پھر ابھی وہ دامنِ کرم سے وابستہ بھی نہیں، ابھی انھوں نے آپ کا کلمہ بھی نہیں پڑھا مگر سجدہ میں سر ہے اور زبان پر درخواست شفاعت ہے، وہ بھی کتنی نرالی شان سے "یا رب ھب لی امتی" اے میرے رب میری امت مجھے دے دے، میری امت کا معاملہ میرے سپرد کردے۔ صرف یہ درخواست نہیں کی کہ خداوندا! میری امت کو بخش دے میری امت کی مغفرت فرمادے بلکہ درخواست یہ ہے کہ میری امت مجھے دیدے، میری امت کا معاملہ میرے سپرد کردے۔ اس لیے کہ مغفرت تو یوں بھی ہوسکتی ہے کہ عاصی کو خوب رسوا کیا جائے۔ اس کے گناہوں کی خوب تشہیر کی جائے، اس کے بعد اس کا قصور معاف کردیا جائے۔ اس کو بخش دیا جائے جیسا کہ بنی اسرائیل میں گنہگاروں کے دروازے پر ان کا جرم لکھ دیا جاتا تھا۔ مجرموں کی رسوائی ہوتی تھی پھر حضرت کلیم کی دعا سے ان کی توبہ قبول ہوجاتی تھی، یہ رحمۃ للعالمین کی انتہائی رحمت اور کمالِ رافت ہے کہ اپنے گنہگاروں کو اپنے ہی دامن میں چھپانا چاہتے ہیں، ان کو منظور نہیں کہ ان کا امتی ہو کر ان کا نام لے کر ان کا کلمہ پڑھ کر رسوائے عام ہوا اسی کو کسی نے کہا:

آج جو عیب کسی پر نہیں کھلنے دیتے
کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رسوائی ہو

یوں تو تمام انبیا علیہم السلام اپنی امتوں کے خیر خواہ ہیں۔ امتوں کے لیے دعائیں فرمائیں۔ امتوں کی دست گیری کی لیکن یہ خصوصیت صرف رحمۃ للعالمین ہی کے دامن کرم سے وابستہ ہے کہ دنیا میں تشریف لاتے ہی

ع سر سجدۂ معبود میں رکھ کر یہ شہہ نے عرض کی۔ "یا رب هب لی امتی یا رب هب لی امتی"

درس بصیرت:

اللہ اللہ امت کا غم لے کر آئے۔ پوری حیات غم امت میں گذاری۔ رحلت کے وقت بھی امت کا غم، قبر میں امت کا غم، حشر میں امت کا غم، قربان رحمت عالم کی اس ادا پر کہ ہمیشہ ہر مقام پر اپنی گنہگار امت کو یاد فرمایا کبھی فراموش نہ کیا۔ تو کیا امت پر یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا کہ وہ بھی اپنے کریم آقا و رحیم مولیٰ کی یاد کرے۔ ان کے ذکر میں رطب اللسان رہے۔ باللہ العظیم امت کی ساری عمر کی یاد حضور کے ایک بار "یا رب هب لی امتی" فرمانے کے برابر نہیں ہو سکتی اور ماہِ ربیع الاول شریف کے اس ایک سجدہ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی مگر بمقتضائے "مالا یدرک کلہ لا یدرک کلہ" جو پورا حاصل نہ ہو سکے وہ پورا چھوڑا بھی نہ جائے۔ جس قدر بھی ہو سکے سید انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کی سعادت حاصل کی جائے۔ ماہِ ربیع الاول شریف اس یاد کے لیے بڑی خصوصیت رکھتا ہے۔ اسی لیے سلف صالحین وائمۂ دین نے میلاد شریف کی مجالس ترتیب دیں تمام بلاد اسلامیہ میں مجلس میلاد شریف پر عمل درآمد رہا۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ خصوصاً یوم ولادت تو خاص یاد کی تاریخ ہے۔ جس قدر اہتمام ہو سکے نہایت ہی شان و شوکت کے ساتھ والہانہ جذباتِ عقیدت کے ساتھ محبوب کبریا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کرنا ایک سعادت مند امتی کی انتہائی سعادت ہے۔

آؤ مل کر ہم منائیں جشن میلادِ رسول
آج کے دن مالک دنیا ودیں پیدا ہوئے

اس کے ساتھ ساتھ وہ یاد بھی ہمارے لیے اشد ضروری ہے جس کا درس ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس پہلے ہی سجدہ میں دیا۔ وہ حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادا ہے۔ یہی اسلامی مرکز ہے۔ اسی پر قائم رہنے میں مسلمانوں کی صلاح وفلاح منحصر ہے۔ مگر آج مسلمان اسی کو بھولے ہوئے ہیں۔ اسی سے بے پروا ہیں۔ ان کو نہ اللہ کے حق ادا کرنے کی فکر ہے۔ نہ اللہ کے بندوں کے حق ادا کرنے کی پروا اسی بے پروائی ونافرمانی نے انھیں تباہ وبرباد کر دیا۔ ذلت کے غار میں ڈال دیا لہذا مسلمان اگر اس قعر مذلت سے نکلنا چاہتے ہیں اور عزت کے طالب ہیں تو ان کو فوراً اپنے مرکز پر آجانا ضروری ہے۔ یعنی مسلمانوں کو صحیح معنی میں مسلمان بن جانا ضروری ہے۔ جلد سے جلد تعلیماتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عامل ہو جانا ضروری ہے، اپنی صورت وسیرت کو اسلامی سانچے میں ڈھال لینا ضروری ہے۔

غلط روی سے منازل کا بعد بڑھتا ہے　　مسافروں! روشِ کارواں بدل ڈالو
جگا جگا کے تھکے تھک چکے ہیں ہنگامے　　نشاط و لذت خواب گراں بدل ڈالو

جلسوں اور کانفرنسوں کے عوامی اجلاس میں حافظ ملت کو اخیر دور میں (خصوصاً) بعد میں خطاب کا موقع دیا جاتا۔ اور یہ بات صدہا اہم اجلاس میں دیکھی گئی کہ سابقہ مقررین جن عنوانات پر تقریر کر چکتے۔ حافظ ملت اس موضوع کو اپنا عنوان کلام بناتے۔ اور پھر ایسی نادر و نایاب باتیں پیش فرماتے کہ سامعین عش عش کر اٹھتے۔ اور خود سابقہ مقررین بھی حافظ ملت کے خطاب سے اپنی تقریر کے نئے گوشوں سے واقفیت حاصل کرتے۔ خطیب اعظم علامہ قمر الزماں اعظمی اور ان کے ہم عصر کئی باوقار مقررین کا بیان ہے کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کا ایک خطاب ہمیں کئی وسیع تقاریر کا ماخذ فراہم کر دیتا تھا۔

تاثیر کا جادو:

حافظ ملت کی تقریر کی تمام خوبیوں میں یہ بات منفرد ہوتی تھی کہ وہ ذہن و دماغ کو بے حد متاثر کرتی تھی سننے والا۔ خود میں ایک تبدیلی، ایک جذبۂ عمل، اور ایک نئی امنگ محسوس کرتا تھا۔ ان کی تقریریں ان کے قلب ذاکر سے ٹکرا کر برآمد ہوتی تھیں، اس لیے ان میں اثر انگیزی اور انقلاب آفرینی ہوتی تھی، سننے والا بعض اوقات یہ محسوس کرتا تھا کہ یہ تو وہ بات ہے جو میرے ضمیر میں مخفی تھی۔

مرد حق فطرت کا ترجمان، اور روح پژمردہ کو زندگی دینے والا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی باتیں، اس کا تکلم عام انسانوں سے، اس کی پاکیزہ خصلتوں ہی کی طرح ممتاز ہوتا ہے۔ گویا

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

غیر مسلمین کا قبول اسلام

۱۹۷۳ء میں حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز عید میلاد النبی کے موقع پر شہر رائے پور (صوبہ مدھیہ پردیش۔ موجودہ صوبہ چھتیس گڑھ) تشریف لے گئے، آپ کا قیام مدرسہ اصلاح المسلمین دار الیتامیٰ (بانی حضرت محسن ملت مولانا محمد حامد علی صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ۔ موجودہ مہتمم مولانا محمد علی صاحب فاروقی) میں تھا۔
جلسہ میں کالج کے پروفیسر صاحبان و دیگر دانش وروں کا بھی مجمع تھا اور خاص کر غیر مسلم اسکالرز اور تعلیم یافتہ لوگ بھی موجود تھے۔

''حضور حافظ ملت نے اسلام کی صداقت'' ''قرآن کی حقانیت'' اور قدیم و جدید علم کے نفع و نقصان پر'' بہت ہی پر مغز تقریر فرمائی۔ اس جلسہ کے تعلق سے مولانا محمد علی صاحب فاروقی تحریر کرتے ہیں۔ '' تقریر کے بعد سارا مجمع آپ کی قدم بوسی اور دست بوسی کے لیے ٹوٹ پڑا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ ایک طرف کچھ غیر مسلم بھی کنارے کھڑے حضرت کا دیدار کر رہے ہیں۔ انھیں میں سے ایک شریواستو صاحب بھی تھے، وہ غالباً درگاہ کالج میں اکونامکس

(Economics) کے پروفیسر تھے۔ انھوں نے الگ لے جاکر مجھ سے پوچھا کہ یہ جو آپ کے گرو جی ہیں، ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں، یہ تو مجھے وڈّیا ساگر دکھائی دیتے ہیں۔ کیا ان سے ملنے کے لیے ہمیں بھی کوئی وقت مل سکتا ہے۔ میں نے انھیں وقت اور پورا پتہ بتا دیا۔ دوسرے دن وہ وقت مقررہ پر مدرسہ اصلاح المسلمین دارالیتامیٰ پہنچ گئے۔ اس وقت ان کے ساتھ کچھ تو وہی لوگ تھے جو رات میں تقریر میں موجود تھے اور کچھ وہ بھی تھے جو بالکل نئے لگ رہے تھے۔ حضرت نے مسکرا کر اخلاق حسنہ کی تنویر بکھیرتے ہوئے انھیں بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ شریواستو جی نے اسلام اور پردہ، اسلام اور انسانیت، اسلام اور امن عالم کے تعلق سے کئی سوالات کیے، قرآن کے خدائی کتاب ہونے پر گفتگو کی۔ ان کے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی تھے جن کا نام غالباً ایس، اے راٹھور تھا، انھوں نے بھی اسلام کے نظام طہارت وصفائی پر گفتگو کی، ہاف پینٹ پر آور گھٹنا کھلے رہنے پر سوالات کیے۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس موقع پر حضور حافظ ملت ایسے حسین انداز میں گفتگو فرمارہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی مولوی نہیں بلکہ کسی کالج یا یونیورسٹی کا عظیم محقق اور تجربہ کار پروفیسر یا ڈاکٹر گفتگو کررہا ہے۔ یہی نہیں بات بات پر مسکرا کر پوچھنے والوں کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے کہ آپ نے یہ سوال پوچھ کر اپنی دانش مندی کا ثبوت دیا اور پھر اس کا جواب دیتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے کوئی اندھیروں سے اچانک اجالے میں آگئے ہیں۔

آپ کی اس گفتگو نے شریواستو صاحب پر کچھ ایسا اثر ڈالا کہ وہ اسی وقت آپ کے ہاتھوں پر توبہ واستغفار کی منزل سے گزر کر ایمان کی چاندنی میں نہانے لگے۔ ڈاکٹر صاحب بھی کچھ ایسے متاثر ہوئے کہ مجلس برخواست ہوئی تو مجھ سے کہنے لگے کہ میرا ایک دوست بہت پہلے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھتا تھا، آپ کے یہ مولانا صاحب کیا وہیں پڑھے ہیں؟ میں نے بھی ان کے سوال پر مسکرا کر کہا کہ حضرت تو وہاں پڑھے نہیں ہیں، البتہ وہاں کے بہت سے پڑھے ہوئے لوگ حضرت کے پاس پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔

انھیں میں سے ایک صاحب تھے غالباً جن کا نام گنیش داس تھا، وہ بھی حضرت کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت نے ان کا نام بلال اور شریواستو جی کا نور محمد رکھا۔ بعد میں وہ حضرت کو اپنے گھر بھی لے گئے اور اہل وعیال کو بھی مسلمان کرواتے ہوئے کہنے لگے کہ میں بہت دنوں سے اسلام پر معلومات حاصل کررہا تھا مگر جو اطمینان چاہیے تھا وہ مجھے نہیں مل رہا تھا۔ آج آپ کی باتوں میں مجھے ایک نیا سنسار مل گیا اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ جیسی شخصیت مجھے پہلے مل جاتی تو آج تک کفر کے اندھیروں میں اس طرح نہ بھٹکتا"۔

"مقالہ: حضور حافظ ملت کا انداز تبلیغ از: مولانا محمد علی فاروقی مشمولہ رسالہ حافظ ملت کا فیضان نظر مؤلفہ: مولانا امام الدین قادری مصباحی، ناشر: نوری لائبریری بسکھاری، امبیڈکر نگر۔ (ص ۳۷ تا ۳۹)

مقرر اور مقرر ساز:

حافظ ملت صرف خطیب ومقرر ہی نہیں بلکہ مقرر ساز تھے۔ ان کی ہدایات وترغیبات پر عمل کرکے درجنوں ایسے خطبا، مقررین اور واعظین پیدا ہوئے جن سے اس قرن کا دامن آباد ہے۔ اور جن کی گھن گرج مذہبی اسٹیجوں سے پارلیمنٹ

کے ایوانوں اور سیاست کے پنڈالوں تک اپنا سکہ بٹھا رہی ہے۔عزیز القدر مولانا نصر اللہ رضوی نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت خوب ہے۔ ملاحظہ ہو۔

''آپ کی ہمہ جہت شخصیت نے جہاں شعبۂ ہائے تعلیم وتدریس کے لیے ماہر اساتذہ، اور کارہائے افتا کے لیے باصلاحیت مفتیان کرام پیدا کیے، وہیں ایسے فصیح اللسان شعلہ بیان اور انقلاب آفریں خطبا ومقررین کی جماعت بھی تیار کی، جن کی انقلاب برپا کردینے والی تقریریں اور شعلہ بار خطبات خفتہ قوم کو بیدار کردیتے ہیں۔ان انقلاب آفریں خطابوں میں جذبات کا ایسا تلاطم پیدا ہوتا ہے کہ مرد مومن اپنی جان تک کی بازی لگادیتا ہے جس کا حیرت انگیز مشاہدہ اس موقع پر ہوا جب کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک جج چاندمل چوپڑا نے قرآن کی توہین کی۔اسی طرح جب شہر بانو کیس کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں ناکام مداخلت کی کوشش کی گئی، اس وقت پورے ہندوستان میں ہر طرف جذبات کا تلاطم پیدا کردینے والے وہ انقلابی مقررین تھے جنھوں نے حافظ ملت کی تربیت گاہ سے فیض پایا تھا۔جن کی شعلہ بار تقریروں سے اس وقت کی حکومت مخالف تحریکوں میں سر دھڑ کی بازی لگانے والے مردان حر کے دلوں میں ایمانی جذبات کی وہ لہر دوڑ گئی جس کی مثال کم ملے گی''۔(انوار حافظ ملت ص۹۱،۹۲)

☆☆☆



دسواں باب

حافظ ملت اور جہان قرطاس وقلم

یہ بھی میرے حافظ ملت ترا ہی کام ہے
عظمت لوح وقلم نسل جواں میں عام ہے
اپنے علما پر جو تھا پنجاہ سالہ اک جمود
خیر سے اب ٹوٹا ، یہ تیرا بڑا انعام ہے

(بدر)

حافظ ملت اور قرطاس وقلم

"ن والقلم ومایسطرون" فرما کررب عظیم نے قلم کی عظمت وتقدیس اوراس کی قوت وافادیت کوواضح فرمادیا۔

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ تحریر کی اہمیت وافادیت اور طاقت وقوت سے خوب واقف تھے۔ایک موقع پرآپ نے فرمایا تقریر سب سے آسان کام ہے،اس سے مشکل تدریس اورسب سے مشکل تصنیف۔

(حافظ ملت نمبر،ماہنامہ اشرفیہ مبارک پورص ۴۱۱)

اگرچہ حضور حافظ ملت کوتدریس وتربیت،تعمیر شخصیت اورالجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیراوراس کے نظم ونسق نیز دیگر دینی خدمات کی وجہ سے تصنیف وتالیف کا موقع نہ مل سکا لیکن آپ کے نزدیک تصنیف وتالیف اورتحریری کاموں کی جواہمیت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آخر عمر میں اس بات پرسخت افسوس اور قلق کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔کہ ان سے قابل قدر قلمی کام نہ ہوسکا۔ایک مرتبہ بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا:

"مجھے لوگوں نے کسی کام کانہ رکھا غیر اہم اور غیر ضروری کاموں میں مجھ کوایسا الجھادیا کہ لکھنے کا کام خاطرخواہ نہ ہوسکا جس کا مجھے افسوس ہے،حالاں کہ اوائل عمر میں میرا قلم نہایت برق رفتار تھا اور اب نہ وہ قوت دماغ ہے اورنہ ہی فرصت اس لئے اب میرا مطمح نظر اور میری زندگی کا مقصد صرف اورصرف الجامعۃ الاشرفیہ کی تکمیل ہے" (ایضاً ص ۴۱۲)

ایک مرتبہ آپ کے تلمیذ عزیز حضرت مولانا محمد احمد صاحب مصباحی آپ کے تصنیفی سرمایہ کے سلسلے میں اپنی تمنا کا اظہار کیا تو ارشاد فرمایا:

"بفضلہٖ تعالیٰ تصنیفی صلاحیت مجھے ضرور ملی اور قلم کی قوت بھی۔پھر فرمایا: کیا کہوں! بہرحال مجھے لکھنے پر قدرت تھی جس کا نمونہ المصباح الجدید،ارشاد القرآن،معارف حدیث وغیرہ ہیں لیکن قوت تصنیف کی باوجود ہمیشہ عوائق وموانع در پیش رہے اور مصروفیات نے گھیرے رکھا جس کے باعث میں کچھ نہ لکھ سکا۔ایک طالب علم نے مرقات کی شرح (جوقاضی مبارک کے درجہ میں ہے) پڑھنا شروع کی اوران کے اسرار پر میں نے شرح مرقات کا حاشیہ لکھنا شروع کیا مگر طالب علم موصوف فراغت حاصل کر کے چلے گئے جس کے باعث یہ حاشیہ ناتمام رہ گیا اور پھر کوئی ایسا باذوق طالب علم مذکورہ کتاب پڑھنے والا نہیں ملا کہ اس کے لئے حاشیہ کی تکمیل ہوسکے"۔(ایضاً ص ۱۷۶)

حضور حافظ ملت نے اپنی نگارشات کا کوئی بڑا ذخیرہ نہیں چھوڑا مگر آپ نے تصانیف،تقاریظ،مکاتب،اورنقول معائنہ کی شکل میں جوتحریری سرمایہ عطا کیا وہ اپنی کیفیت کے اعتبار سے بڑی گراں قدری کا حامل ہے۔آپ نے جب بھی تصانیف وتالیف کے لیے قلم اٹھایا۔علم وادب کے اعلیٰ معیار کے مطابق لکھا اور صفحات قرطاس پر اپنی قلم حق رقم سے حسب موقع علم وفضل وادب کے لعل وگہر تولٹائے ہیں۔البتہ قرطاس وقلم کی پرورش کا جو فریضہ انجام دیا اسے دیکھنا ہے تو

ہندوسندھ لے کر یورپ وامریکہ وافریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں فرزندان اشرفیہ کے علمی وقلمی کاموں کو دیکھ لیجیے۔کہاں کہاں ان چراغوں (مصباحی افاضل) سے روشنی نہیں ہے۔کیسے کیسے علم وفن وادب کے رمزشناس ،کیسے کیسے ادیب ومصنف وشاعر ونقاد ،میدان درس وتدریس کے کیسے کیسے نامور شہسوار اور کشور تبلیغ وخطابت کے کیسے کیسے کج کلاہ اور تاجدار پائے جاتے ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے جشن تاسیس کے زریں موقع پر دارالعلوم اشرفیہ کے ابنائے قدیم کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے حضور حافظ ملت نے جو فرمایا تھا وہ سچ ہی فرمایا تھا۔

’’اشرفیہ کے کاغذی اشتہارات واخبارات تو شائع نہیں کیے لیکن (حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی ،مولانا شاہ سراج الہدیٰ گیاوی ،حضرت علامہ ارشد القادری ،حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری ،مولانا قمرالزماں اعظمی اور دیگر ممتاز شاگردوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) یہ سب وہ زندہ جاوید اشتہارات واخبارات ہیں جو بڑے اہتمام کے ساتھ خون جگر کی سرخیوں سے شائع کئے ہیں‘‘ (حافظ ملت افکار وکارنامے ص ۶۳، ۶۴)

اس وقت جس طرح ملک وبیرون ملک علما کی سب سے بڑی تعداد حافظ ملت کے تلامذہ کی ہے،ادبا،مصنفین اور اہل قلم بھی سب سے زیادہ حافظ ملت کے تلامذہ ہی میں پائے جاتے ہیں۔عصر حاضر میں ادبا،مصنفین اور بانیان ادارہ بالخصوص اشاعتی وتصنیفی اداروں کے بانی زیادہ تر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں پائے جاتے ہیں آج اگر شمار کیا جائے تو تلامذہ حافظ ملت اور ان کے تلامذہ کے تلامذہ کی تصانیف ہزار سے زائد ہوجائے گی ،یوں ہی تصنیفی اشاعتی ادارے بھی سو سے زائد ہوں گے۔

تصانیف کے آئینے میں

حضور حافظ ملت نے حسب ذیل تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں:۔

۱۔ارشاد القرآن

۲۔معارف حدیث

۳۔انباء الغیب

۴۔فرقہ ناجیہ (جنتی فرقہ)

۵۔المصباح الجدید

۶۔العذاب الشدید لصاحب مقامع الحدید

۷۔الارشاد

۸۔فتاویٰ حافظ ملت

۱۔ارشاد القرآن:

زیر نظر رسالہ حضور حافظ ملت نے اس ہنگامی دور میں تحریر فرمایا جب مسلمانان ہند بے سوچے سمجھے سرحد اس پار اسی ملک ہندوستان کے ایک منقسم حصے کی طرف ہجرت کے لیے دیوانے ہو رہے تھے۔

اس بات سے قطع نظر کہ نظریہء پاکستان اور ترک وطن کر کے پاکستان کی طرف کوچ کرنے کے بارے میں اس دور کے علما نے کیا احکام صادر فرمائے تھے، حافظ ملت نے کھلی آنکھوں سے قوم کی بربادی دیکھی اور خون کے آنسو رو پڑے اس لیے کہ ان کے سامنے آبادیاں ویران ہو رہی تھیں، اثاثے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کی طرح پھونکے جا رہے تھے، مسلمان زندگی سے مایوس ہو رہے تھے خود اس پریشانی کے ماحول کو یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

''مسلمانوں پر جو مصیبتیں آئیں، تکلیفیں پہنچیں اور شدائد و آلام کے پہاڑ ٹوٹے سب جانتے ہیں۔جانی، مالی، اعزازی نقصانات سب پر روشن ہیں۔ہر شخص کی بجائے خود خطرہ محسوس کرتا ہے، تردد و تفکر، اضطراب و بے چینی کے عالم میں حیران و پریشان ہے، گرفتار بلا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے مگر نجات نہیں ملتی۔'' (ارشاد القرآن ص:۳)

نشۂ ہجرت میں مخمور ترک وطن کے دیوانوں کو اس طرح تلقین فرماتے ہیں:۔

''مسلمانو! تمہارے دنیا میں آنے کی غرض اور تمہارا مقصود اصلی اللہ عز وجل کی عبادت ہے۔تمہارا رب فرماتا ہے، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن، یعنی میں نے جن و انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے لہذا مسلمانو! جب تک تم اپنے وطن میں اپنے رب کی عبادت میں آزاد ہو تمہارا مقصود حاصل ہے۔ایسی صورت میں ہرگز کہیں جانے کی ضرورت نہیں اور اگر خدانخواستہ تم اپنے رب کی عبادت سے روک دیے جاؤ اور اس مقصود کے حاصل کرنے سے مجبور کر دیے جاؤ تو ایسی صورت میں بشرط استطاعت ترک وطن ضروری ہے اور محض یاد الٰہی کے لیے ضروری ہے، خوش نودی خدا کے لیے ضروری ہے اس میں کسی ملک اور کسی خطہء زمین کی تخصیص نہیں، جہاں بھی امن کے ساتھ اپنے رب کی یاد کر سکو وہاں جا کر اپنے رب کی عبادت کرو اگرچہ جنگل اور پہاڑ ہی کیوں نہ ہو۔۔کیوں کہ

مست جو جام اٹھا لے وہی پیمانہ بنے
جس جگہ بیٹھ کے پی لے وہی میخانہ بنے

(ایضا:ص ۲۸)

حافظ ملت نے واضح فرما دیا کہ جب تک کسی ملک یا مقام میں عبادت الٰہی اور شریعت اسلامیہ پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو ترک وطن کی ضرورت نہیں!

حافظ ملت نے سارے جہان کے خالق و مالک کے اس ارشاد "مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُم وَ يَعْفُوعَنْ كَثِيْر"، یعنی تمہیں جو مصیبتیں پہونچیں وہ تمہاری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے اور بہت سی کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے'' سے مسلمانوں پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں کی ذلت و خواری، غم و اندوہ اور خوف و ہراس یعنی اس بلائے عظیم

کے مسلط ہونے کا سبب کیا ہے؟ فرماتے ہیں:۔

غلط روی سے منازل کا بعد بڑھتا ہے　　　مسافرو روش کارواں بدل ڈالو
جگا جگا کے تمہیں تھک چکے ہیں ہنگامے　　　نشاط و لذت خواب گراں بدل ڈالو
سفینہ جا کے کنارے سے لگ تو سکتا ہے　　　ہوا کے رخ پہ چلو بادباں بدل ڈالو

مسلمانو! تمہاری ہوا کا رخ وہی گنبد خضرا ہے، تمہارا مقصود وہی تاجدار مدینہ ﷺ ہیں، تمہاری مشکلات کا حل انہیں کی نظر کرم اور اشارۂ ابرو پر موقوف ہے، تمہارے مقاصد کا حصول انہیں کی تعلیم پر عمل ہے جس کو مسلمان اپنی بد نصیبی سے فراموش کر چکے ہیں‘‘(ایضا: ص۴۰۳)

عشق رسالت پناہی کا کیسا واضح اور حسین پیغام دیا ہے حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اقبال کی زبان میں مسلمانوں کے وقار و کامرانی کا پیغام اس طرح دیا ہے

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

۱۹۴۷ء کے ہنگامۂ ترک وطن میں مبارک پور میں ’’ارشاد القرآن‘‘ مفت تقسیم کی گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بھی مسلمان نے ترک وطن نہیں کیا۔ یہ تھا اس پر خلوص اور دینی و ملی درد میں ڈوبی ہوئی تحریر کا اثر۔ اور آج حافظ ملت کے پیغام اور ان کے عزم واستقلال کی بدولت الحمدللہ وہی مبارک پور علم و دانش کا شہر جمیل اور پیغام عشق رسول نشر کرنے والا مرکز بنا ہوا ہے۔

زیر نظر کتاب میں حافظ ملت نے مسلمانوں کو خوف الٰہی، توکل اور صبر کی تعلیم بھی دی ہے اور ان کے فوائد بھی بتائے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کی حیات کا مقصد بھی بتایا ہے اور انہیں ان کا مقام بھی دکھایا ہے اور قرآن کی اس آیت کریمہ ’’یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ادْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً‘‘ کے مصداق صحیح معنی میں اسلام میں داخل ہو جانے کی تلقین کی ہے۔ اس طرح آپ نے مسلمانوں کو فلاح و کامرانی کی ایسی کلید عطا کر دی ہے جو صرف اسی ہنگامۂ ترک وطن کا نسخۂ کامرانی نہیں بلکہ ہر دور کا نسخۂ کامرانی ہے۔

۲۔ معارف حدیث:

زیر نظر کتاب میں حضور حافظ ملت نے رواں دواں زبان اور شگفتہ اسلوب میں حدیث کے مختلف زاویوں کے جلوے دکھا کر عقائد وایمان کو عطر بیزی و شادابی عطا کرتے ہوئے عبادات واعمال کی تلقین کی ہے اور اس طرح مسلمانوں کو صراط مستقیم پر گامزن کیا ہے۔

اس کتاب کی بابت خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی تحریر فرماتے ہیں:۔’’سمندر کو کوزے میں بھرنے کی کہاوت سنتے تھے لیکن ’’معارف حدیث‘‘ اس کی جیتی جاگتی زندہ مثال ہے۔ حدیث کے ترجمے کے ساتھ اس پر عالمانہ و

عارفانہ نکتہ آفرینی یہ صرف استاذ العلماء جیسی بلند شخصیت کا کام ہے۔
(کلمات عقیدت از معارف حدیث ص۳ مطبوعہ مکتبہ پاسبان الہ آباد)

معارف حدیث میں حافظ ملت علیہ الرحمہ نے حدیث نیت کی مختصر مگر جامع شرح فرماتے ہوئے ہجرت کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:۔

ہجرت کے شرعی معنی یہ ہیں:

کہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں بود و باش اختیار کرے۔ یہ ظاہری ہجرت ہے۔ باطنی اور حقیقی ہجرت یہ ہے کہ طبیعت میں جو اخلاق ذمیمہ اور نفس میں جو شیطانی شرارتیں ہیں ان کو چھوڑ دے اور ان سے باز آجائے۔ اور حقیقت میں شرعی ہجرت کی یہی غرض ہے کہ انسان خدائے تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز آجائے۔ اگر یہ غرض وطن میں پوری ہو رہی ہے تو وہ بھی فی الحقیقت مہاجر ہے ورنہ صرف ترک وطن سے کیا فائدہ اگر چہ ظاہری ہجرت بھی بحکم شرع واجب ہے جیسا کہ قبل فتح مکہ مکرمہ سے ہجرت واجب تھی۔"
(معارف حدیث ص۱۰ مطبوعہ بزم عزیزیہ امجدیہ بلرام پور)

صراط مستقیم کیا ہے؟

لکھتے ہیں: دین حق صراط مستقیم ہی وہ سچا، سیدھا راستہ اور شاہراہ ہے جس پر دوام و ثبات کی دعا ہر مسلمان کرتا ہے اور پانچوں وقت بارگاہ خداوندی میں دست بستہ عرض کرتا ہے، بار بار عرض کرتا ہے کہ ہمارے رب ہمیں سیدھا راستہ چلا" (ایضاً ص:۱۱)

قرآنی آیت "اِهۡدِنَـا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ" کی تطبیق حدیث مصطفیٰ سے کرتے ہوئے ثابت کر دیتے ہیں کہ یہ سیدھا راستہ خدا کا راستہ ہے اور اسی کا اتباع لازم ہے۔

معارف حدیث میں حضرت حافظ ملت نے حضور جان نور ﷺ کی محبت ان کی حاکمیت و سخاوت، بے نظیری اختیار اور علم غیب کو حدیث پاک سے ثابت کیا ہے۔

حضور ﷺ ہی کی محبت کو ایمان قرار دیا ہے۔

چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:۔

محبت رسول (۱) عزیزوں اور دوستوں کی الفت ہو یا جان و مال کی محبت اگر ان سب پر حب رسول غالب ہے تو یہ واقعی ایمان ہے، قابل مبارک باد ہے اور یہی اللہ عزوجل کی سچی محبت ہے۔ محبت رسول ہی محبت خدا ہے۔ قُل اِن کنتم تحبون اللّٰہ فاتَّبعونی یحببکم اللّٰہ میں اسی کی تعلیم ہے" (ص ۲۵)

اختیار رسول (۲) "رات کا وقت ہے ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں مصروف ہیں، ان کی

خدمات مقبول ہوتی ہیں۔رحمۃ للعالمین کا دریائے کرم موجزن ہوتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے،ربیعہ مانگ لو یہ نہیں فرمایا،ربیعہ یہ چیز مانگ لو،وہ چیز مانگ لو۔۔کسی چیز کی تخصیص نہیں فرمائی بلکہ مطلق فرمایا مانگ لو۔

اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو چاہو سو مانگ لو،دنیا کی خوبیاں مانگو چاہے آخرت کی بھلائیاں مانگو،چاہے دونوں جہاں کی نعمتیں مانگو،جو مانگو گے پاؤ گے۔یہ کون کہہ سکتا ہے؟ یہ وہی کہہ سکتا ہے جو دنیا و آخرت دونوں جہان کا مالک ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے حضور کا مالک ومختار ہونا ثابت ہوا اور اس درجۂ کمال پر کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں ساری دولتیں حضور کے تصرف اور زیر فرمان ہیں،حضور ان سب نعمتوں کے مالک ومختار ہیں جس کو جو چاہیں گے عطا فرمائیں گے دریاے کرم موجزن ہے جو مانگوں گا پاؤں گا مگر دنیاے ناپائیدار کا کیا سوال کروں،آخرت وہ بھی جنت مانگوں جنت میں بھی سب سے برتر و بالا،افضل و اعلی جنت الفردوس،اس میں بھی بلند ترین مقام،بلندی و برتری کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ومعیت،یہ وہ جلیل القدر نعمت ہے جس پر تمام نعمتیں قربان،ساری دولتیں،تمام راحتیں نثار وہ مخصوص نعمت طلب کی۔

حضرت ربیعہ کے اس سوال سے ان کا عقیدہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ربیعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کا مالک جانتی ہیں۔" (ایضاص ۲۹-۳۰)

علم رسول (۳)علم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت،ادراک انسانی اور طاقت بشری سے خارج ہے۔انسان کی کیا مجال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا احاطہ کرسکے رب السموات والارض نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر چیز روشن کردی کھلی، چھپی،ظاہر و باطن ہر شی پیش نظر فرمادی،گزشتہ،آئندہ اور موجودہ کل حالات اور تمام واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر روشن فرمادیئے" (ایضاص:۴۵)

اس کے بعد حدیث پاک سے دلیل پیش فرما کر ثابت کردیتے ہیں۔

اسی لئے اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھلی چھپی، ظاہر وباطن، اگلی، پچھلی تمام اشیا کے عالم ہیں۔ (ایضاص:۴۸)

زیر نظر کتاب میں حافظ ملت نے عقائد واعمال کا بیان بھی فرمایا ہے۔نماز،روزہ، زکوۃ اور حج کی فرضیت، ان کے فضائل اور فوائد پر حدیث مصطفےٰ سے روشنی ڈالی ہے۔صدقہ کے فوائد، مسلم اتحاد کے برکات بیان کرکے مسلم معاشرہ کی تشکیل اور اصلاح معاشرہ کے طریقے واضح کردیئے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کی صلاح وفلاح ونجات کی حقیقی کلید عطا کی ہے۔

لکھتے ہیں:۔

مسلمانوں کی صلاح وفلاح اسی میں ہے کہ آپس میں اتحاد واتفاق کے ساتھ رہیں، اخوت اسلامی کے ماتحت زندگی گزاریں، مسلمان کو مسلمان کے ساتھ حسن سلوک رکھنا چاہیئے۔ بدظنی، بدگمانی بری بات ہے۔ (ایضاص:۱۰۳)

زیر نظر تصنیف میں حضور حافظ ملت نے ہر حدیث کا ترجمہ بھی لکھا ہے ۔ ہر حدیث کی شرح میں محققین ومحدثین مثلاً علامہ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ علی قاری، امام ابن حجر مکی وغیرہ کے اقوال کتابوں کے حوالے بھی پیش کیے ہیں۔ جو حدیث جس موضوع پر بیان کی ہے اس کی صداقت میں قرآنی آیات کے حوالے بھی دیئے ہیں اور کتب تفاسیر کے حوالوں سے بھی مدلل ومبرہن فرمایا ہے۔

زیر نظر تصنیف لا ریب حضور حافظ ملت کے محدثانہ مقام کی رفعت اور مصلحانہ پر دال ہے ۔ زبان وبیان سلیس وشگفتہ اور دلکش ہے اور اسلوب، ایجاز کا عمدہ نمونہ ہے ۔ سچ ہے کوزے میں دریا کو بھر دیا ہے۔

۳۔ انباء الغیب :۔

کتاب کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ علم غیب مصطفےٰ ﷺ سے متعلق ہے ۔

ایک دیوبندی مولوی جو پہلے مفتی بن کر اخبار ''سہیل'' اعظم گڈھ میں اپنے فتوے چھپوایا کرتا تھا۔ ایک بار اس نے سائل بن کر علم غیب رسول پر سوال کیا اور سوال میں مکاری و چالاکی کا بھر پور ہاتھ دکھاتے ہوئے چار جگہوں پر دھوکا دینے کی کوشش کی مگر مرد مومن کی فراست سے باطل پرستوں کی چال کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

دیوبندی سائل نے جو سوال کیا ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''عالم الغیب'' لکھا ہے تین چالاکیاں سوال میں اور بھی دکھائی ہیں۔

سوالات ملاحظہ ہوں۔ ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں یا نہیں؟ اور جو شخص آپ کو عالم الغیب اعتقاد کرے وہ کافر ہے یا مسلمان؟ مذہب حنفی کی معتبر کتابوں کی عبارت مع ترجمہ نقل کر کے جواب دیا جائے۔

حضور حافظ ملت اس دیوبندی سائل کی چالاکی کی گرہوں کو اس طرح کھولتے ہیں:

ا۔ ''اس سوال میں لفظ عالم الغیب لانا چالاکی ہے کیوں کہ علماے اہل سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عز وجل کا دیا ہوا علم غیب مانتے ہیں، اسی کو ثابت کرتے ہیں''

یہ لکھنا'' ہم نے کتاب درمختار اور اس کی شرح ردالمحتار کو عوام کی سہولت کے لیے لازم پکڑا ہے یہ بھی چال ہے''

۳۔ ''ایسی عبارت دکھائی جاوے جس کا لفظی ترجمہ یہی ہو کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہ جانے وہ کافر ہے یعنی ایسی عبارت ہو جس میں حضور کے لیے بھی لفظ عالم غیب کا استعمال کیا گیا ہو اور اسی لفظ عالم الغیب کے نہ ماننے والے کو کافر کہا گیا ہو''۔

۴۔ ''اور اگر ایسی عبارت متفق علیہ کتاب میں نہ ہو تو صاف لکھا جاوے کہ ایسی صریح عبارت نہیں ہے''

(انباء الغیب ص ۱۳، ۱۴)

اس کے بعد جواب دیتے ہیں۔ جواب کے لیے دو ابواب قائم کیے ہیں۔

پہلے باب میں سوالوں کا جواب اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا اثبات ہے ۔ دوسرے باب

میں مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے اور دیوبندی مولوی کے فتوی کی حقیقت ظاہر کی ہے۔

باب اول کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا لہذا انہیں علم غیب عطائی حاصل ہے۔ اور چوں کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب لبیب نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو روز اول تا روز آخر ہر ایک شے کا عرش سے فرش تک، شرق سے غرب تک تمام چھوٹی بڑی، کھلی اور چھپی اشیا کا علم دیا لہذا انہیں رب العزت نے علم ''ماکان ومایکون'' عطا فرمایا۔

پہلے باب کی فصل اول میں حضور حافظ ملت نے قرآنی آیات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب عطائی کا اثبات فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

''آیات نفی میں علم ذاتی غیر متناہی مراد ہے اور آیات اثبات میں عطائی ہونا ظاہر اور متناہی اس لیے کہ غیر متناہی کی عطا محال ہے۔ لہذا دونوں قسم کی آیتوں کو ملانے سے آیات خود بتا رہی ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا۔ مزید استدلال کے طور پر امام ابن حجر مکی کی فتاویٰ حدیثیہ اور امام قاضی عیاض کی شفا اور اس کی شرح نسیم الریاض سے حوالے دیئے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ درمختار اور اس کی شرح ردالمحتار حنفیہ کی نہایت معتبر ومستند کتاب ہے اور پھر ردالمحتار کے حوالے سے ثابت کر دیتے ہیں کہ ''عالم الغیب'' اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے پسندیدہ رسولوں یہاں تک کہ بعض علم غیب پر اولیا کو بھی مطلع کیا ہے۔

جواب امر سوم میں فرماتے ہیں ''جب آیات قرآنیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ثابت ہے تو یقیناً اس کا منکر کافر''۔ (ص:۲۹)

باب اول، فصل دوم میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عطائی علم غیب تو حاصل ہے لیکن ''عالم الغیب'' کی خصوصیت کی بناء پر آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں۔ (ص ۳۴)

''علم ماکان ومایکون'' کے باب میں آپ نے قرآن، احادیث اور اقوال ائمہ سے ثبوت دیا ہے۔

باب دوم میں دیوبندی معترضین کا جواب اس طرح دیتے ہیں۔

''ردالمحتار کی عبارت میں لفظ عالم الغیب قرینہ ہے اس امر کے لیے کہ کفر اس صورت میں ہے جب علم غیب ذاتی مراد ہو اس لیے کہ ''عالم الغیب'' کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ غیر خدا پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا اور اس کا علم ذاتی ہے محیط ہے کہ کوئی ممکن ومعدوم وغیرہا اس سے خارج نہیں۔'' (ص ۵۸)

اس مختصر رسالے ''انباء الغیب'' کے مطالعہ سے حضرت حافظ ملت کی متکلمانہ بصیرت اور طرز استدلال کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

۴۔ فرقۂ ناجیہ:۔

زیر نظر رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امت کے جو تہتر فرقے ہوں گے ان میں ناجی فرقہ سواد اعظم اہل سنت ہے باقی بہتر فرقے ناری ہیں۔

یوں تو ہر فرقہ خود کو قرآن وسنت کا ماننے والا بتاتا ہے لیکن حقیقتاً ان کا ماننے والا کون ہے؟ حافظ ملت تحریر کرتے ہیں:

قرآن وحدیث پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ پورے قرآن وحدیث کو مانے ۔ اگر کسی ایک آیت یا حدیث متواتر کا انکا کرے تو وہ قرآن وحدیث کا ماننے والا نہیں۔

آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا صحیح مطلب وہی ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے بیان فرمایا اسی مطلب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے خلاف کوئی دوسرے معنی اپنی رائے سے گڑھنا گمراہی ہے۔ (ص۱۱)

اب آگے لکھتے ہیں:

جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرقہ ناجیہ کو دریافت کیا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا "ما انا علیہ واصحابی" یعنی نجات پانے والا وہ گروہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر قائم رہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا "وھی الجماعۃ" وہ ناجی گروہ بڑی جماعت ہے۔

اس کے بعد دو احادیث اور بھی پیش فرمائیں جن میں یہ صراحت ہے کہ ایک فرقہ جنتی ہے اور وہ بڑی جماعت ہے۔ اور بڑی جماعت یعنی ناجی فرقہ سواد اعظم یعنی اہل سنت وجماعت ہے۔ چوں کہ سواد اعظم ہر زمانے میں وہی رہی جس پر صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، علماے معتمدین اور اولیا کاملین قائم رہے وہی مذہب اہل سنت وجماعت کا ہے۔ (ص۱۵)

فرقہائے باطلہ کے بطلان پر بڑی دل لگتی بات فرماتے ہیں:

"ان فرق باطلہ کے بطلان کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ان کا حدوث صدر اول کے بعد ہے، ان کے عقائد صحابہ کرام کی جماعت کے خلاف ہیں ان سب نے آیات قرآنیہ واحادیث صریحہ شہیرہ کا خلاف کیا" (ص۱۶)

پھر آٹھ فرقوں کے نام پیش فرماتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) معتزلہ (۲) شیعہ (۳) خوارج (۴) مرجیہ (۵) نجاریہ (۶) جبریہ (۷) مشبہ (۸) ناجیہ

ان فرقوں کی الگ الگ شاخوں کی تعداد بھی بتائی ہے پھر تحریر فرمایا یعنی یہ ۷۲ رفرقے گمراہ ہیں۔ البتہ ایک فرقہ ناجیہ جنتی ہے۔

حافظ ملت نے ان سات خاص فرقوں کی گمراہی بھی ثابت کی ہے۔

دیوبندی، غیر مقلد، نیچری اور قادیانی وغیرہ نجاریہ، جبریہ، مشبہہ میں شامل ہیں۔

زیر نظر رسالہ ایمان افروز، علمی اور معلوماتی ہے اور حضرت کے اسلوب (توضیحی نثر) کا عمدہ نمونہ بھی۔

۵۔ المصباح الجدید:

حضور حافظ ملت کے اس رسالہ کو اس قدر شرف قبول حاصل ہوا کہ اب تک ہندو پاک سے اس کے پچاسوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس میں علماے دیوبند کے مذہب وعقیدہ کے متعلق ۳۰ر سوالات مع جوابات ان ہی کی کتب معتبرہ کے حوالوں سے درج ہیں۔

شروع (پہلے ایڈیشن) سے ہی ایک حوالہ کو غلط ثابت کرنے پر ۵۰۰ر روپئے کا انعام بھی رکھا گیا ہے۔ الحمد للہ آج تک کسی بھی حوالہ کو کوئی چیلنج نہیں کر سکا اور نہ ہی کبھی کر سکتا ہے۔

رسالہ ''المصباح الجدید'' کی تالیف کی وجہ یہ ہے کہ قصبہ بھوج پور ضلع مراد آباد سے ۳۰ر سوالات پر مشتمل ایک استفتا حضور حافظ ملت کی خدمت میں آیا تھا۔ اس استفتا کا منشا دیوبندی مذہب کی حقیقت دریافت کرنا تھا۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اس کا جواب تفصیل کے ساتھ دیوبندیوں کی معتبر کتابوں کے حوالے سے نہایت سلیس عام فہم طرز میں لکھا۔ چونکہ حافظ ملت دیوبندیوں کی فطرتِ کذب وکید سے واقف تھے کہ وہ اپنے پیشواؤں کے ان اقوال کفریہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر سکتے ہیں اور قارئین کو بہکا سکتے ہیں لہذا ان کی ذہن دوزی کے لیے سرورق پر لکھ دیا کہ ''ایک حوالہ بھی غلط ثابت کرنے پر ۵۰۰ر روپیہ انعام۔ الحمد للہ دیوبندیوں کی چال کا یہ دروازہ اس سے بند ہو گیا۔

''المصباح الجدید کے'' ہندی وگجراتی میں بھی تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

۶۔ العذاب الشدید لصاحب مقامع الحدید:

چونکہ ''المصباح الجدید'' نے دیوبندی عقائد کی دھجیاں بکھیر کر دیوبندیوں کو دم بخود کر دیا تھا لہذا جب انہوں نے دیکھا کہ اب تو جو بھولے بھالے مسلمان ان کے زام فریب میں آچکے تھے ہاتھ سے نکل رہے ہیں لہذا ''المصباح الجدید'' کے جواب میں ''مقامع الحدید'' لکھی جس میں دیوبندیوں کے عقائد باطلہ پر اور دیوبندی دھرم کی ننگی تصویر پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی گئی اور اسے ایک غیر معروف شخص مسمی بہ محمد حنیف رہبر کے نام سے شائع کی۔

حضرت حافظ ملت نے اس کا بھی جواب لکھا اور شاگرد عزیز علامہ فاضل مولانا محمد محبوب صاحب اشرفی نے مرتب کر کے کتاب کا نام ''العذاب الشدید'' لصاحب مقامع الحدید'' رکھا۔ کتاب ایک مقدمہ اور دو باب پر مشتمل ہے مقدمہ میں مختصراً تاریخ وہابیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اس میں دیوبندی مولوی رہبر کے جھوٹے دعووں اور سنیوں نیز امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر لگا گئے فرضی الزامات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

باب اول کا عنوان ہے۔ ''در ابطال جواب اعتراضات المصباح الجدید''

''المصباح الجدید'' میں حضرت حافظ ملت نے عقائد دیوبندیہ کے جن تیس باطل عقائد اور کفری اقوال کی گرفت فرمائی ہے اور ان کا رد بلیغ کیا ہے۔ صاحب مقامع الحدید نے ان اعتراضات حافظ ملت کے جوابات دیے ہیں اور

دیوبندی مولویوں کے اقوال کفریہ پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن وہ پھر اپنے ہی جال میں پھنس گیا ہے۔

مثال کے طور پر ملاحظہ کریں۔

دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن نے مرثیہ میں اپنے پیر مولوی رشید احمد صاحب کو مربی خلائق لکھا ہے۔

خدا ان کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے
مرے مولیٰ مرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی

اس پر المصباح الجدید میں تنبیہ فرمائی گئی ہے صاحب مقامع الحدید نے بڑی چالاکی سے خلائق اڑا کر صرف یہ دکھایا کہ مرثیہ میں صرف مربی ہے اور مربی پالنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ آیت میں والدین کو اولاد کا مربی کہا گیا ہے۔

حضور حافظ ملت نے مربی، رب وغیرہ کی لسانی بحث بھی کی ہے اور بہت ہی علمی اور استدلالی انداز میں دکھایا ہے کہ جب رشید احمد گنگوہی کو خلائق کا مربی (یعنی ساری مخلوق کا رب) کہا گیا تو گویا انہیں رب العالمین بنا دیا گیا۔ (معاذ اللہ)

حافظ ملت نے دیوبندیوں کی اردو دانی کی بھی پول کھولی ہے۔

اسی طرح تیسوں اعتراضات کے رہبری جوابات کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔

باب دوم کا عنوان ہے: ''دیوبندی مذہب کا آئینہ''

اللہ، رسول اور قرآن مجید کے بارے میں دیوبندیوں کے کفری عقائد نیز بارگاہ خدا و رسول میں ان کی گستاخیوں کو اس باب میں ظاہر کیا گیا ہے اور دیوبندیوں نے اپنے پیشواؤں اور مولویوں کو جس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے، انہیں شہید، نجات دہندہ وغیرہ بتایا گیا ہے اس پر بھی گرفت فرمائی ہے اس لیے کہ دیوبندی شہدا و اولیا کے لیے تصرفات کے قائل ہی نہیں ہیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شافع اور نجات دہندہ نہیں مانتے بلکہ صرف اپنے پیروں کی کرامتوں اور اختیارات و تصرفات کا ذکر کرتے ہیں۔

دیوبندیوں نے ''حسام الحرمین'' کو جھوٹا بتایا ہے، اعلیٰ حضرت پر بھانت بھانت کے بہتان لگائے ہیں ان سب کا بھی مسکت جواب دے کر فریب کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ مولوی محمود حسن نے مولوی رشید احمد گنگوہی کی مدح میں یہ شعر لکھا۔

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

اس پر ''المصباح الجدید'' میں جو گرفت کی گئی ہے اس سے بوکھلا کر دیوبندی رہبر نے محمود حسن کے کفری شعر کے مقابلے میں مدائح اعلیٰ حضرت کا یہ شعر پیش کیا۔

شفا بیمار پاتے ہیں طفیل حضرت عیسیٰ
ہے زندہ کر رہا مردے خرام احمد رضا خاں کا

اور پھر دلیل سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ اعلیٰ حضرت کو بھی تو حضرت مسیح علیہ السلام پر فوقیت اور برتری دی گئی ہے۔ (معاذ اللہ)

حضرت حافظ ملت نے بڑی متانت سے رہبری دلیل کی کمر توڑ کر اس کی رہزنی ظاہر کردی ہے۔

لکھتے ہیں: ''مرثیہ کے مقابلہ میں مدائح اعلیٰ حضرت کا پیش کرنا کتنی بڑی شرم کی بات ہے۔ مدائح کے قائلین عوام الناس ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک مذہبی حیثیت سے ان کا قول معتبر نہیں اور مرثیہ تو تمہارے شیخ الہند کا ہے جن کے ہر قول پر دیوبندی ایمان لا چکے ہیں پھر مدائح سے مقابلہ کیسی شرمناک حرکت ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ علماء اہل سنت میں سے کسی کا کوئی قول قیامت تک مل ہی نہیں سکتا اس لیے عوام ہی کے قول کو لاتے ہیں اور وہ بھی محض عوام کو دھوکا دینے کے لیے۔ کیا اس شعر میں بھی ''اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم'' ہے؟ کیا اس میں بھی تقابل ہے؟ کیا اس میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کو اعلیٰ حضرت کی مسیحائی دکھائی گئی ہے؟

تم نے اس کا مقابل بنانے کے لیے شعر کا مطلب بگاڑا، لفظ طفیل کو ایک ہی طرف لیا۔ طفیل حضرت عیسیٰ کا تعلق دونوں مصرعوں سے ہے اور مطلب صاف یہ ہے کہ بیماریوں کا شفا پانا اور مردے زندے ہونا یہ دونوں کام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طفیل وصدقہ سے ہیں اور اس کا ظہور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سعی وکوشش سے ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ مدائح کے اس شعر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف ہے مگر دیوبندیوں کو کیا سوجھے۔

ع آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے

(ص۵۶،۵۷)

۲۔ امام احمد رضا کا دفاع اس طرح فرماتے ہیں اور تھانوی، گنگوہی وغیرہ کا رد کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

''چونکہ تھانوی وغیرہ کے اقوال خبیثہ کفریہ یقینی قطعی ہیں۔ ان اقوال پر حکم کفر ہے، جو ان اقوال خبیثہ سے متفق ہو اس پر حکم کفر ہے لہٰذا کفر کی صورت ہے جو تم نے اختیار کی ہے کہ حفظ الایمان، براہین قاطعہ، تحذیر الناس کی وہ کفری عبارتیں دیکھتے ہوئے جانتے ہوئے کہ واقعی ان عبارتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے پھر بھی ان خبثا کا دامن نہیں چھوڑتے۔ اللہ ورسول کے مقابلہ میں ان مرتدین کی حمایت کرتے ہو۔ ایسی صورت میں تمہیں حکم کفر ضرور ہے اور یہ کوئی نیا حکم نہیں اس پر تو خود دیوبندی رہبر صاحب نے نمبر ۲۶ر میں اجماع نقل کیا ہے مگر اس حکم میں ناواقف مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کرنا یہ تمہاری دجالی، مکاری، فریب کاری ہے۔ والعیاذ باللہ! لہٰذا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے فتوے حسام الحرمین کی بنا پر ساری دنیا کے تمام مسلمان مسلمان ہی ہیں البتہ تمہارے تھانوی، گنگوہی، انبیٹھوی وغیرہ ساڑھے تین مرتدین ضرور کافر ہیں مگر تم ان کے کفریات پر مطلع ہو کر سمجھ کر جان کر ان کا دامن تھام کر برضا ورغبت خود بخود ان کے پیچھے جہنم میں جا رہے ہو ان میں اعلیٰ حضرت یا دوسرے علماء اہل سنت کا کیا قصور ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہدایت دے'' (ص۱۸۹)

۳۔ چونکہ ''الکوکبۃ الشہابیہ'' میں مولوی اسماعیل دہلوی کو اللہ ورسول کی شان میں گستاخی کرنے والا، گالیاں دینے

والا وغیرہ لکھا مگر مولوی اسماعیل کے ان کفریات مذکورہ کے باوجود ان کو کافر کہنا خلاف احتیاط کہا۔ لہٰذا وہ اقراری کافر ہوئے۔ معاذ اللہ!

دیوبندی رہبر کو ''کفر کلامی'' اور ''کفر فقہی'' میں تمیز نہیں۔

اس پر حافظ ملت نے بڑی زبردست علمی بحث کی ہے اور رہبر کی جہالت آشکارا کی ہے اور مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے سکوت کی وجوہات بھی بیان کی ہیں۔

''المصباح الجدید'' اور زیر نظر کتاب ''العذاب الشدید، لصاحب مقامع الحدید'' ہی علمی، معلوماتی، کفر سوز اور ایمان افزا کتابیں ہیں۔ ان سے حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ علمی جلالت (عقائد وکلام میں بشمول مہارت) نیز استدلالی انداز کا اظہار ہوتا ہے۔ زیر نظر تصنیف میں حضرت نے جس طرح دیوبندی عقائد، افترا، چالبازی وغیرہ کی دھجیاں بکھیری ہیں اس تعلق سے وہ خود لکھتے ہیں:

''دیکھا رہبر صاحب یہ ہے کہ آپ کے مذہب کا آہنی قلعہ اور سنگین محل جس پر اکڑتے ہوئے آپ نے اپنی کتاب کے ساتھ ساتھ فخر وناز کو بھی ختم کردیا۔ معلوم ہوئی اس کی حقیقت، العذاب الشدید نے بفضلہٖ تعالیٰ ایک اشارہ میں اس کے ٹکڑے کردیئے''۔ (ص:۲۵۹)

۷۔ الارشاد:

متحدہ ہندوستان کی تاریخ میں ۱۹۴۷ء کے ہنگامے کم اہمیت کے حامل نہیں تقسیم ملک کا مسئلہ درپیش تھا ملک میں بدامنی، اضطراب، لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا جو ماحول تھا اسے دیکھنے والی نگاہیں آج بھی اس کا تصور کرکے خون کے آنسو رونے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ بھانت بھانت کی سیاسی پارٹیاں میدان میں تھیں مسلمانان ہند الگ الگ پارٹیوں میں بٹے ہوئے تھے خصوصیت کے ساتھ اس وقت دو پارٹیاں زیادہ نمایاں تھیں کانگریس، مسلم لیگ علما کی بھی اچھی خاصی تعداد ان سیاسی جماعتوں سے وابستہ تھی کانگریس ملکی تقسیم کی مخالف تھی اور مسلم لیگ قیام پاکستان کے لیے کوشاں تھی۔

''وہ آل انڈیا سنی کانفرنس جس نے مرادآباد اور بنارس کی کانفرنسوں میں سنی اجتماعیت اور طاقت کا مظاہرہ کرکے اہل ہند کو حیرت میں ڈال دیا تھا، مسلم لیگ کی حمایتی ہوگئی،

اگر مسلم لیگ صرف اہل سنت وجماعت کے اصولوں پر کاربند ہوتی تو اس کی حمایت میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن اس کی نگاہ میں تمام گمراہ بدعقیدہ فرقے سب مسلمان تھے۔ وہ تقسیم شدہ ملک پاکستان میں ایک ایسی حکومت بنانا چاہتی تھی جس میں سبھی فرقے کے لوگ شامل ہوں۔ ظاہر ہے کوئی خالص دیندار عالم وہ بھی حافظ ملت جیسا دینی، علمی اور روحانی پیشوا اسے کیسے گوارہ کرسکتا تھا۔ حافظ ملت نے آل انڈیا سنی کانفرنس میں اپنی خدمات خالص دینی وملی درد کے جذبے سے پیش کی تھیں لیکن کانفرنس کی اس لیگی حمایت نے انہیں ایسا درد دیا کہ وہ خون کے آنسو رو اٹھے اور خون دل میں انگلیاں ڈبو

کر رسالہ ''الارشاد'' لکھا۔

رسالہ کی عنوانات ہی اس حقیقت کے غماز ہیں کہ حضور حافظ ملت کیسے کیسے درد اور اذیت سے گزرے ہوں گے۔

رسالہ کے سرخیوں اور عنوانات پر نظر ڈالئے:۔

مسلمانوں کی کج روی، کج روی کی سزا، لیگ کا اسلام کاغذی ہے، لیگ کی شرکت واعانت ناجائز وحرام ہے، لیگ اہل سنت کی دشمن ہے، لیگ میں سنیوں کی حیثیت اور غلامانہ اکثریت، لیگ میں بد دینوں کی فرمانروائی، لیگ میں بدمذہبوں کا مستقل وجود، بدنصیب اکثریت کی بے کسی وغیرہ۔

حضور حافظ ملت محبّ وطن تھے اور ترک وطن کو قطعاً نا مناسب سمجھتے تھے مگر وہ کسی خالص اسلامی مملکت کے مخالف بھی نہیں تھے لیکن لیگ کے دستور اساسی، جناح کے بیانات نیز دوسرے لیگی لیڈروں مثل راجہ محمود آباد وغیرہ کے بیانات پڑھ کر حافظ ملت بے چین ہوگئے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس ایسے لیگ کی حمایت کیوں کر رہی ہے۔ حالانکہ حافظ ملت نے سنی کانفرنس کے ڈھائی ہزار ممبر بنائے تھے

چونکہ حضرت حافظ ملت سمجھ چکے تھے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس اب لیگ سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچے گی لہذا آپ نے سنی کانفرنس سے استعفیٰ دے دیا۔ آپ نے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو جو خط لکھا ہے اس سے آپ کی دینی دردمندی کا اظہار ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل جملے ملاحظہ کریں:

''ارا کین سنی کانفرنس نے اب تک جو منفرداً لیگ نوازیاں کیں مجھے ان سے بھی سخت تکلیف تھی اور شدید اختلاف تھا لیکن امید یہ تھی کہ ممکن ہے آل انڈیا اجلاس میں اس کی تلافی ہو سکے مگر یہاں بھی وہی صورت نظر آتی ہے اس سے وہ امید ختم ہوگئی اور آج سے میں نے سنی کانفرنس سے علیحدگی اختیار کر کے استعفا داخل کر دیا۔ وجوہ استعفا سنی کانفرنس کی لیگ نوازیاں قرار دیتے ہوئے لکھ دیا کہ تا وقتے کہ سنی کانفرنس لیگ سے اپنی علیحدگی اور بیزاری کا اعلان نہ کر دے میں اس کی خدمت سے قاصر ہوں''۔ (غلام حسین: فتاویٰ اہل السنۃ ص ۱۹)

زیر نظر رسالہ کی سطر سطر سے حافظ ملت کی حق گوئی، جرأت مندی، دینی درد، مومنانہ فراست اور سیاسی بصیرت کا برملا اظہار ہوتا ہے۔

رسالہ ''الارشاد'' لاریب ایک دستاویزی حیثیت کا حامل ہے اور عصر حاضر کے علما اور لیڈروں کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۷۔ فتاویٰ عزیزیہ:

چوں کہ ابھی حضور حافظ ملت قدس سرہ کے فتاویٰ کا مجموعہ بنام ''فتاویٰ عزیزیہ حافظ ملت'' زیر تدوین ہے لہذا اس کے تعارف وتبصرہ کی بابت کچھ عرض کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

حافظ ملت کا اسلوب نگارش:

حضور حافظ ملت کو رب عظیم نے اورخوبیوں کے ساتھ تحریر کی بھی خوبی عطا فرمائی تھی۔ انہیں نثر لکھنے پر بڑی قدرت تھی البتہ دیگر دینی وعلمی کاموں کی مصروفیات کے سبب اس میدان میں وہ نمایاں نہ ہو پائے لیکن جو کچھ لکھا ہے اسی سے آپ کی قلمی تب وتاب اور توانائی کا اندازہ ہوجاتا ہے، آپ کی مذکورہ بالا تصانیف فقہ، حدیث وعقائد سے متعلق ہیں اور موضوع وفن کے اعتبار سے آپ نے اسلوب اختیار کیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دینی وعلمی تصنیف میں نثر خالص یا علمی نثر کی جلوہ گری ہوتی ہے لیکن یہ مصنف کے طرز کی خوبی پر منحصر ہے کہ دقیق نثر نہ لکھ کر حتی الامکان دور کی رائج زبان کو اختیار کر کے توضیح واستدلال، ایجاز واختصار وغیرہ کے توسط سے قاری تک اپنا مدعا بآسانی پہنچا سکے اور سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

حضور حافظ ملت نے نفس مضمون کے اعتبار سے اسلوب اختیار کیا ہے اور ان کے متنوع اسالیب میں ایک قدر مشترک موجود رہتی ہے اور وہ ہے حسن تحریر اور لطف مطالعہ کی کیفیت۔

حافظ ملت کی تحریر میں وضاحت وقطعیت:

خیال کی وضاحت کے لیے منتخب اور جچے تلے الفاظ کا استعمال ضروری ہے۔ وضاحت کے لیے مضمون کو زیادہ پھیلانے کی ضرورت نہیں جو بات کہی جائے اس میں قطعیت ہو اور اسے استدلال سے باندھ دیا گیا ہو۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

’’ہجرت کے شرعی معنی یہ ہیں کہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں بود وباش اختیار کرے، یہ ظاہری ہجرت ہے۔ باطنی اور حقیقی ہجرت یہ ہے کہ طبیعت میں جو اخلاق ذمیمہ اور نفس میں جو شیطانی شرارتیں ہیں ان کو چھوڑ دے اور ان سے باز آجائے اور حقیقت میں شرعی ہجرت کی یہی غرض ہے کہ انسان خدائے تعالیٰ کی نا فرمانیوں سے باز آجائے۔ اگر یہ غرض وطن میں پوری ہورہی ہے تو وہ بھی فی الحقیقت مہاجر ہے ورنہ صرف ترک وطن سے کیا فائدہ‘‘ (معارف حدیث ص:۱۰)

ان فرق باطلہ کے بطلان کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ان کا حدوث صدر اول کے بعد ہے ان کے عقائد صحابۂ کرام کی جماعت کے خلاف ہیں باوجود اس کے ان سب نے آیات قرآنیہ واحادیث صریحہ شہیرہ کا خلاف کیا ہے اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ کبار فرق اسلامیہ آٹھ ہیں۔ (۱) معتزلہ (۲) شیعہ (۳) خوارج (۴) مرجیہ (۵) نجاریہ (۶) جبریہ (۷) مشبہہ (۸) ناجیہ۔ (فرقۂ ناجیہ ص ۱۹)

ایجاز واختصار:

حضور حافظ ملت کی خصوصیت تحریر، ایجاز واختصار بھی ہے، وہ غیر ضروری باتوں کو نظر انداز کر کے ٹھوس اور دل لگتی بات بیان کرتے ہیں۔ سادہ بیانی اور روز مرہ کے استعمال کے ساتھ منتخب الفاظ کا استعمال آپ کی عبارت میں چمک اور

بہتری پیدا کردیتا ہے۔

مندرجہ ذیل اقتباسات دیکھیے :۔

’’لیگ کا اسلام صرف کاغذی اور گورنمنٹی اسلام ہے کیوں کہ قادیانی ، رافضی، دیوبندی، نیچری تمام کفار مرتدین لیگ کے نزدیک مسلمان ہیں‘‘ (الارشاد ص۵)

کس قدر اختصار کے ساتھ دوٹوک بات کہہ دی اور استدلال کے ساتھ لیگ کے اسلام کو کاغذی ثابت کردیا۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب (عطائی) کے اثبات میں استدلال واعتدال اور ایجاز واختصار ملاحظہ کیجئے۔

’’دوسری آیت ’’قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ‘‘ (کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ اس آیت میں غیر خدا سے غیب جاننے کی نفی اور اللہ تعالیٰ کے لیے بطور حصر اس کا اثبات ہے تو لامحالہ غیر خدا سے جس علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت اور اللہ عز وجل کا علم ذاتی غیر متناہی ہے لہذا اسی علم ذاتی غیر متناہی کی غیر خدا سے نفی ہوئی اور اگر آیت میں غیر خدا سے علم عطائی متناہی کی نفی مانی جائے تو وہی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہوگا اور لازم آئے گا کہ اللہ عز وجل کا علم عطائی متناہی ہو یہ محال وباطل ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ آیات نفی میں علم ذاتی غیر متناہی مراد ہے اور آیات اثبات میں عطائی ہونا ظاہر اور متناہی اس لیے کہ غیر متناہی کی عطا محال ہے۔ لہذا دونوں قسم کی آیتوں کو ملانے سے آیات خود بتارہی ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا‘‘ (انباء الغیب ص۲۴،۲۵)

اس اقتباس میں قرآنی آیت کی شمولیت سے وقار بھی پیدا ہوگیا ہے اور استدلال کی توانائی بھی داخل ہوگئی ہے۔

وقار ومتانت:

حضرت حافظ ملت علمی اور تحقیقی تصانیف میں سطحیت سے اجتناب کرتے ہوئے صداقت کو متانت اور وقار کے ساتھ پیش فرماتے ہیں۔ آپ تنقید وتردید میں بھی اس امر کا خیال رکھتے ہیں، جچے تلے لفظوں سے تحریر کو بلاغت کا جامہ پہنا کر اسے متانت ووقار عطا کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو اقتباسات:

(۱) تمہید ایمان، چوں کہ کفر کلامی میں ہے اس میں کلام متکلمین کی اصطلاح پر ہے لہذا اس میں صریح بمعنی متعین ہے یعنی کفری معنی ایسے متعین ہیں کہ کوئی بعید احتمال بھی صحیح نہیں نکل سکتا لہذا اس میں اگر تاویل کی جائے گی تو غلط اور متعذر ہوگی اور یہ تاویل متکلمین کے نزدیک بھی مردود ہے۔ تمہید ایمان میں صریح کے معنی یہ ہوئے کہ وہ کفری معنی میں متعین ہے اور تاویل بعید بلکہ ابعد بھی صحیح نہیں ہوسکتی اور الکوکبۃ الشہابیہ کی یہ عبارت کہ اس کی کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں چوں کہ مسلک فقہا پر ہے اور فقہا کے نزدیک تاویل بعید معتبر نہیں لہذا تاویل قریب نفی ہے اور صاف مطلب یہ ہے کہ اسماعیل کی اس کفری عبارت میں فقہا کے نزدیک کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں لہذا اگر متکلمین کے نزدیک

کوئی بعید تاویل ہو سکے تو وہ اس کے معارض نہیں۔تمہید ایمان کے کفر کلامی کی اصطلاح کو الکوکبۃ الشہابیۃ کے کفر فقہی سے لڑانا یہ دیو بندی رہبر کی نری عداوت نہیں تو کوری جہالت ضرور ہے۔

ع ”گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی“

(العذاب الشدید لصاحب مقامع الحدید ص۲۳۸،۲۳۹)

مندرجہ بالا اقتباس کفر کلامی وکفر فقہی کے تعلق سے ہے۔

ایک دیو بندی مولوی کے کفر کلامی وکفر فقہی کے عدم امتیاز پر اس کی جہالت کا جس وقار ومتانت سے جواب دیا ہے وہ لائق دید ہے۔حضرت حافظ ملت نے فقہی اسلوب کا عمدہ نمونہ پیش فرمایا ہے۔

(۲) مقصود مسلم پر یہ تحریر دیکھئے:۔

”مسلمانو! تمہارے دنیا میں آنے کی غرض اور تمہارا مقصود اصلی اللہ عزوجل کی عبادت ہے۔تمارا رب فرماتا ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِن والانس اِلا لیعبدون" یعنی میں نے جن وانسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔مسلمانو! جب تک تم اپنے وطن میں اپنے رب کی عبادت میں ہو آزاد ہو تمہارا مقصود حاصل ہے۔ایسی صورت میں ہرگز کہیں جانے کی ضرورت نہیں اور اگر خدانخواستہ تم اپنے رب کی عبادت سے روک دیئے جاؤ اور اس مقصود کے حاصل کرنے سے مجبور کردیئے جاؤ تو ایسی صورت میں بشرط استطاعت ترک وطن ضروری ہے اور محض یاد الہی کے لیے ضروری ہے،خوشنودی خدا کے لیے ضروری ہے اس میں کسی ملک اور کسی خطہ زمین کی تخصیص نہیں جہاں بھی امن کے ساتھ اپنے رب کی یاد کرسکو وہاں جاکر اپنے رب کی عبادت کرو اگر چہ جنگل اور پہاڑ ہی کیوں نہ ہو“۔(ارشاد القرآن ص۲۸)

حسن تحریر اور شعری فضا کا اہتمام:

حضرت حافظ ملت تحریروں میں شعری فضا کا اہتمام فرما کر تحریر میں زور اور حسن بھر دیتے ہیں آپ کی تحریروں میں یہ اہتمام کثرت سے پایا جاتا ہے۔

چند نمونے ملاحظہ ہوں:

(۱) ”زمانہ خوش ولے دریاب دُریاب
کہ ہردم در صدف گوہر نباشد

گھٹائیں اٹھتی ہیں ، بارشیں برستی ہیں، سیلاب آتے ہیں مگر پانی کا پانی ہی رہتا ہے وہ ایک خاص ہی وقت ہوتا ہے جس میں باران رحمت کا ایک قطرہ دہن صدف میں پہنچ کر گوہر آبدار بن جاتا ہے یوں تو عبادت الہی یاد خداوندی بڑی نعمت ہے، ہر وقت ہر زمانہ میں مقبول ہے لیکن مقبولیت کے مراتب ہیں بعض خصوصی اوقات ایسے ہیں جو بارش کے قطرہ کی طرح گوہر آبدار اور در شہوار بنادیتے ہیں اور عبادت کو مقبولیت پر پہنچا دیتے ہیں کہ دوسرے اوقات میں وہاں تک

رسائی نہیں ہوسکتی وہ خاص وقت سال کا مبارک مہینہ رمضان شریف ہے جس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جس میں آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں''۔ (معارف حدیث نمبر ۵)

(۲) اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ   ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں   ایمان یہ کہتا ہے مری جاں ہیں یہ

محبت ومودت، الفت وعقیدت ایک قلبی کیفیت ہے جو حیات انسانی کا محور اور زندگانی کا مرکز ہے۔ میلان قلب پر ہی انسانی حرکات وسکنات کا مدار ہے۔ دل کا جھکاؤ جس طرف ہوتا ہے، سر سے پیر تک تمام اعضا اسی طرف مائل ہوتے ہیں جس سے محبت ہوتی ہے، اس کی ہر بات اچھی، ہر ادا پیاری معلوم ہوتی ہے، اس کے ہر قول وفعل کو اپنانا دلی خواہش اور قلبی تمنا ہوتی ہے۔ صرف یہی دیکھنا ہوتا ہے کہ محبوب کی مرضی کیا ہے، محبوب کیا چاہتا ہے، محبوب جو کہے وہی کیا جائے، جس طرف لے جائے اسی طرف جائے، اس کے اشارۂ ابرو اور جنبش لب پر مرنا اور جینا معراج تمنا ہے۔ (معارف حدیث ص ۲۴)

مندرجہ بالا دونوں اقتباس کی ابتدا شعر سے ہوئی ہے۔ اقتباس نمبر ا میں تشبیہ واستعارہ اور مبالغہ کے بغیر نثر میں حسن وشعریت کا جو انداز ہے وہ ظاہر ہے۔ تحریر میں شگفتگی، صفائی، وضاحت، ترتیب، سلیقہ بندی، اور شعری فضا کا اہتمام بہت خوب ہے۔

اقتباس نمبر ۲ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان اور مقصد حیات بتایا ہے جو مبنی بر صداقت ہے۔ اپنی بات کو جس توضیحی اور مدلل انداز میں تحریر کی دل کشی اور شگفتگی کے ساتھ بیان کیا ہے وہ حضرت حافظ ملت کے حسن تحریر کا خوب صورت نمونہ ہے۔

جوش بیان:

حضور حافظ ملت جب مسلمانوں کی غیرت کو للکارتے ہیں، انہیں خوف الٰہی کی تلقین کرتے ہیں، دین پر کاربند رہنے کی دعوت دیتے ہیں تو ان کی تحریر میں بجلی کی تڑپ اور شعلے کی لپک پیدا ہوجاتی ہے۔

نمونے ملاحظہ ہوں:

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز   قبلہ رو ہوکے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز   نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

ان کے سینوں میں جذبۂ عبودیت موجزن تھا، زبانوں پر حق وصداقت کا آفتاب روشن تھا، جسم کا رونگٹا رونگٹا تابع

فرمانِ الٰہی تھا، جوڑ جوڑ پر حکومتِ الٰہی کا سکہ رائج تھا۔ عبادت تو عبادت ہے، معاشرت اور معاملات کو بھی ان کے ایمانی انوار اوراسلامی جذبات نے طاعت وعبادت بنادیا تھا۔ کوئی فعل کوئی کا | یادِالٰہی سے خالی نہ تھا'' (ارشاد القرآن ص۲۴،۲۵)

(۲) مسلمانوں پر سوار کانگریسی بھوت پر اس لاحولی تحریر کی حرکیت اور جوش وزور ملاحظہ کیجئے:۔

'' مگر اس وقت چوں کہ مسلمانوں پر کانگریس کا بھوت سوار تھا اس لیے ان ارشادات ربانی کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے تھے بلکہ کانگریس کے نشہ میں ایسے سرشار تھے کہ ان علماء ربانی پر تبرا کرتے تھے، ان کو انگریزوں کا تنخواہ دار بتاتے تھے اور نہایت والہانہ انداز میں گاندھی کی جے پکارتے تھے، تلک کی ارتی اٹھاتے تھے، ماتھے پر قشقہ لگاتے تھے، شر دانند کو دہلی کی جامع مسجد کے منبر پر بٹھا کر اس کا لکچر سنتے تھے۔ کانگریس کے نشہ میں کفر اور اسلام کا امتیاز جاتا رہا تھا۔ یہ سب کچھ حصول سوراج کا خواب پریشاں تھا۔ جب اس کی ذرا سی تعبیری جھلک نمودار ہوئی اور کفار کو موقع ملا تو قرآن مجید کا وہ حکم ''ودوا ما عنتم'' وہ تمہارا نقصان ہی چاہتے ہیں۔ آفتاب سے زیادہ روشن نظر آ گیا'' (الارشاد ص۴)

تحریر میں خطابت کا انداز:

اسلوب کا جلال اور آہنگ بھی تحریر میں حسن ودل کشی پیدا کرتا ہے۔

حضرت حافظ ملت کی تحریر میں یہ انداز بھی تمام تر رنگ وآہنگ کے ساتھ موجود ہے۔

چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے:۔

(۱) '' مسلمانو! خدا سے ڈرو اور صرف خدا سے ڈرو اور خوب یاد رکھو۔

بے حکم خدا کے کبھی ذرہ نہیں ہلتا
ہوتی ہے ہوا بند تو پتہ نہیں ہلتا

یقین جانو کہ کائنات عالم کے تمام تصرفات اسی مالک حقیقی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اس کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، وہی خالق اور وہی مالک ہے، وہی زندہ کرنے والا ہے اور وہی مارنے والا ہے جس کو وہ مارے کوئی جلا نہیں سکتا، جس کو وہ زندہ رکھے اس کو کوئی مار نہیں سکتا اور جس کو وہ ذلیل کرے اس کی کہیں عزت نہیں۔ مسلمان کا ایمان تو یہی ہے''

(ارشاد القرآن ص۵)

(۲) '' مسلمانو! سوچو اور غور کرو اللہ عزوجل جس کا ذمہ لے لے، جس کی کامیابی کا وعدہ فرمائے جس کو اپنا محبوب بنالے تو کیا وہ کسی مقصد میں ناکام ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ شخص دنیا وآخرت دونوں جہاں کے مقاصد میں ضرور کامیاب ہوگا، اللہ کا وعدہ حق ہے۔

لہذا اے مسلمانو! اگر تم اپنی پوری پوری کامیابی چاہتے ہو اور دونوں جہان کی سربلندی وسرفرازی مقصود ہے تو اپنے رب پر توکل کرو اور اسی پر اعتماد رکھو، تم کامیاب ہوگے اور ضرور ضرور کامیاب ہوگے۔ (ارشاد القرآن ص۱۷)

(۳) ''مبارک پور کے سنی اپنی مذہبی خصوصیت میں ممتاز تھے مگر لیگ کی خوش عقیدگی نے ان سے مرتد اشرفعلی

تھانوی کے خلیفہ ظفر احمد تھانوی کا استقبال کرایا، اس کا لکچر سنوایا، اس کے پیچھے نماز پڑھوائی، اس کے پیر کے موزے دھلوائے غرضیکہ بڑی دھوم دھام سے اس کی تعظیم کرائی۔ اس کی صفائی میں کہتے ہیں کہ ہم مذہبا ظفر احمد تھانوی کو نہیں مانتے صرف سیاسی رہنما ہونے کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ اگر مسلمانان مبارکپور پر لیگ کا بھوت نہ سوار ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ یہ ہیں لیگ کی تائید کے زہریلے نتائج''۔ (الارشاد ص ۱۸)

تحریر کے خطابیہ انداز میں قلم کار اپنی بات کو منوانے کے لیے بیان کا زور بھی دکھاتا ہے، اور ماحول کا آئینہ بھی دکھاتا ہے۔

مندرجہ بالا تینوں اقتباسات میں حضرت حافظ ملت کا زور بیان، استدلالی طرز اور لب ولہجہ کی متانت نیز بات کی صداقت موجود ہیں۔

طنز وتعریض:

حضور حافظ ملت کی ان تحریروں میں طنز وتعریض کے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں جہاں وہ بد مذاہب کا تعاقب اور رد فرماتے ہیں، ماضی کا تذکرہ کرتے ہیں یا عصر حاضر کے مسلمانوں کی کیفیات کو انہیں آئینہ دکھاتے ہیں۔ آپ کے طنز میں لطافت، تیکھاپن، کھٹک سبھی انداز موجود ہیں۔

چند مثالیں دیکھئے:

(۱) ''اور سنیوں کا کام یہ ہے کہ لیگ کے جھنڈے اٹھائیں، لیگی لیڈروں کا شاندار استقبال کریں، مسلم لیگ زندہ باد، قائد اعظم زندہ باد کے نعرے لگائیں، لیگ کے جلسوں کا پنڈال سجائیں، کمر بستہ ہوکر جگہ صاف کریں، فرش بچھائیں، لیگ کے جلسوں کو خوب کامیاب بنائیں، الیکشن میں لیگ کا ورک کریں، خوب دوڑ دھوپ کریں، بڑی جدو جہد کے ساتھ سنی مسلمانوں سے لیگ کے لیے بڑے بڑے چندے کریں، لیگی نمائندوں کی کامیابی کے لیے گراں قدر قیمتیں صرف کریں، ہر امکانی کوشش ختم کرکے لیگ کو کامیاب بنائیں، بہرحال جانی اور مالی قربانیوں اور مذمتوں کا جہاں تک تعلق ہے سنی مسلمانوں کی کثرت ضرور کارآمد ہے بس''

یہ جملہ دیکھئے اور نشتریت کے لطیف انداز سے محظوظ ہویئے:۔

''بہرحال جانی اور مالی قربانیوں کا جہاں تک تعلق ہے سنی مسلمانوں کی کثرت ضرور کارآمد ہے بس''۔

(۲) آل انڈیا سنی کانفرنس کے ذمہ دار حضرات لیگ کی عقیدت اور جناح پر اعتماد میں ایسے بے خود ہوگئے تھے کہ یہ بھی نہ دیکھا اور سوچا کہ لیگ بدمذاہب اور مرتدین کو نواز رہی ہے اور سنیوں کا استحصال بھی کر رہی ہے اور ان کی مذہبیت کو مجروح کرکے ان کے تشخص کو بھی ختم کرتی چلی جارہی ہے۔ حافظ ملت اس لیگی عقیدت کا عبرت ناک منظر دکھا رہے ہیں:

''سبحان اللہ! سنی مسلمانوں کا دستور اساسی یہی ہے کہ حکومت میں مرتدین کا دخل ہو۔ آپ کے نزدیک سنیوں کا پرانا دین یہی ہے، تمام سنیوں کی تجاویز متفقہ یہی ہیں کہ حکومت میں دیوبندی سربراہ کار ہوں اور مسلمانوں کی سیٹیں

ہندوؤں کو دی جائیں، وزارتی مشن کی تجاویز منظور کرلے، مسٹر جناح سربراہ کار بنائے مرتدین کو اور آپ ابھی تک لیگ کو سنیوں کا مخصوص ترجمان ہی بتائیں۔ کیا خوب ترجمانی ہے"۔ (الارشاد ص:۱۴)

(۳) عصر حاضر کے مسلمانوں پر طنز کا یہ انداز دیکھئے۔ اس میں دینی درد پوشیدہ ہے اور اسی درد کی کھٹک کا اظہار کیا جارہا ہے۔

"مسلمانوں کو اپنے متعلق بڑی غلط فہمی ہے کہ وہ اپنے کو نہایت سچا، پکا، پورا کامل قرنِ اول کا جیسا مسلمان سمجھتے ہیں حالاں کہ۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے — وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز وروزہ وقربانی وحج — یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

وہ کیا مسلمان ہے کہ جس کی صورت نہ اسلامی صورت ہے نہ سیرت اسلامی سیرت، نہ عادت اسلامی عادت ہے نہ خصلت اسلامی خصلت، نہ عقائد اسلامی عقائد ہیں، نہ اعمال اسلامی اعمال، نہ سینہ میں اسلامی جذبات ہیں، نہ دماغ میں اسلامی خیالات، نہ جگر میں اسلامی درد ہے نہ زبان میں اسلامی صداقت ہے، نہ نیت میں اخلاص ودیانت، ایسے ہی مسلمانوں کا کسی نے فوٹو کھینچا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود — یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو — تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں — کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

(ارشاد القرآن ص:۷،۸)

☆☆☆



گیارہواں باب

حافظ ملت کے معائنے اور تقریظات

تیرے دو دو بول سے کتنے کنکر پتھر لعل بنے
خوش خلقی سے تو نے خارستانوں کو گلزار کیا
چند گھڑی تو اس دھرتی پر بادل بن کر برسا تھا
بس ان لمحوں ہی نے ہر اک شاخ کو گوہر بار کیا

(بدر)

تقریظات کی روشنی:

تقدیم نگاری کی طرح تقریظ نویسی بھی ایک فن ہے اور تصانیف خواہ دینی، علمی ، ادبی کسی بھی نوعیت کی ہوں ان پر تقریظ نگاری کی روایت ابتدا سے ہی چلی آ رہی ہے اور بدستور جاری ہے۔

یہ ضروری ہے کہ تصنیف، تالیف جس علم وفن پر مشتمل ہو تقریظ نویس ان علوم وفنون اور موضوعات سے کما حقہ واقف ہو۔

تقریظ نویسی کے لیے پوری کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ تقریظ لکھنا سمندر کو کوزے میں بھرنے کے مترادف ہے۔ الحمد للہ! حضور حافظ ملت کی علمی جلالت سارے زمانہ پر آشکارا ہے۔ جس کسی تصنیف/تالیف پر حافظ ملت نے تقریظ لکھی یہ اس مصنف/مؤلف کے لیے فخر وسعادت کی بات اور اس کی خوش بختی ہے۔

حضرت حافظ ملت کی حسب ذیل تقاریظ دستیاب ہیں۔ انہیں کی روشنی میں جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ تقریظ بر رسالہ ''السراج الوہاج'' از مولانا شاہ ابوالنصر محمد سراج الہدیٰ گیاوی

۲۔ تقریظ بر کتاب ''معیار ایمان'' از مولانا قاری حکیم ابوالرضا محمد لقمان بنارسی

۳۔ تقریظ ''بر فیض الادب'' حصہ اول و دوم از مولانا بدرالدین احمد گورکھپوری

۴۔ جواہر المنطق

۵۔ مصباح التجوید

۶۔ تذکرہ پاک صاحب لولاک

(۱) مولانا شاہ محمد سراج الہدیٰ صاحب گیاوی کے رسالہ کو پڑھ کر تقریظ رقم کرنے سے پہلے حضرت حافظ ملت نے رسالہ کا نام بھی رکھا یعنی ''السراج الوہاج''

تقریظ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

''رسالہ جلیلہ نافعہ مصنفہ حضرت مولانا شاہ ابوالنصر محمد سراج الہدیٰ صاحب زید مجدہم کا مطالعہ کیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ مسلمانوں کی دینی ودنیوی، ایمانی روحانی ضروریات کا کفیل اور دور حاضر میں مسلمانوں کے لیے مشعل راہ اور مکمل لائحہ عمل پایا۔ یہ رسالہ جہالت وبطالت کی ظلمتوں کو دور اور ضلالت وگمراہی کی تاریکیوں کو کافور کرنے کے لیے روشن چراغ ہے اس لیے میں نے اس کو ''السراج الوہاج'' کے نام سے موسوم کیا۔ مولیٰ تعالیٰ اس کو اسم بامسمیٰ کرے، اس کے ذریعہ مسلمانوں کو ایمان کامل بخشے اور صراط مستقیم پر قائم رکھے اور حضرت مصنف زید مجدہم کی اس دینی خدمت کو قبول فرمائے اور جزائے خیر دے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

عبدالعزیز عفی عنہ

۵/رجب المرجب ۱۳۶۹ھ

تبصرہ:

حضور حافظ ملت کی اس مختصر مگر جامع اور گراں قدر تقریظ سے ہی اس رسالہ کو پڑھے بغیر سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ رسالہ عقائد واعمال پر مشتمل ہے جو مسلمان کی روز مرہ زندگی سے متعلق ہیں اور اس کی دینی اور دنیوی زندگی کے لیے اہم اور نافع ہیں۔

حضرت حافظ ملت نے دعائیہ انداز میں تقریظ رقم فرما کر رسالہ کے موضوعات اور اس کی افادیت کو چند لفظوں میں اجاگر فرمادیا ہے اور یہ بلاغت کا عمدہ نمونہ ہے۔

(۲) تقریظ بر کتاب ''معیار ایمان'' مصنفہ حضرت مولانا قاری حکیم ابوالرضا محمد لقمان صاحب بنارسی تصنیف ۲۳ر ذی قعدہ ۱۳۷۹ھ

تقریظ ملاحظہ ہو:

تقریظ پر تنویر

از تاجدار مسند تدریس جلالۃ العلم استاذ العلما حضرت علامہ
حافظ قاری شاہ ابوالفیض عبدالعزیز صاحب شیخ الحدیث قبلہ دامت برکاتہم العالیہ دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

حقیقت یہی ہے کہ کائناتِ عالم میں اللہ تعالیٰ کا مقصود اصلی اس کے محبوب اکرم رسول مکرم سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کے سوا سارا عالم طفیلی ہے، انہیں کے صدقے میں پیدا کیا گیا ہے، حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

مقصود ذاتِ اوست دگر جملگی طفیل
منظور نورِ اوست دگر جملگی ظلام

لہذا خدائے قدوس تک پہونچنے کے لیے اس کے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی ضروری ہے، دامنِ مصطفیٰ چھوڑ کر خدا تک پہونچنا محال ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف اپنے پرائے سب کو ہے، کہنا ہی پڑتا ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

بلاشبہہ حب رسول ایمان اور ایمان کی جان ہے، اس کے بغیر نہ آدمی مومن ہوتا ہے نہ اس کا کوئی عمل مقبول، اسی

لیے کتاب معیارِ ایمان میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دی ہے، حب رسول کا پُر کیف ساغر پلایا ہے، مختلف عنوان سے دلائل شرعیہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ تمام فرائض سے اہم فرض اور تمام احکام سے ضروری اور بنیادی حکم حبِ رسول واتباع رسول ہے، رضائے الٰہی وخوشنودی خداوندی اسی پر موقوف ہے، مولیٰ عزوجل اس کتاب کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔ اور فاضل مصنف کو جزائے خیر دے اور نمایاں دینی خدمات کی توفیق رفیق بخشے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم۔

فقط

عبدالعزیز عفی عنہ

تبصرہ:۔

زیر نظر تقریظ شعری فضا کے اہتمام کے ساتھ ادبی شان کی حامل ہے۔ بیان کا جوش وخروش حب رسول لائق دید ہے۔ زیر نظر کتاب ''معیار ایمان'' نام سے تو یہ ظاہر ہے کہ موضوع حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت ومحبت اور رضا اور اتباع ہے لیکن تقریظ میں طرح داری اور استفہام کا رنگ بھر کر اسے ادبی شان کا حامل بنادیا ہے اور اس طرز ادا میں رمزیت کا وضاحت کا بھرپور جلوہ نظر آتا ہے۔

بے شک آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی خالق کائنات، مالک کل اللہ عزوجل کے مقصود اصلی ہیں اور درِ رسالت مآب ہی درِ الٰہی ہے اور رضائے مصطفےٰ ہی رضائے خداوندی ہے۔ اتباع رسول پر ہی محبت الٰہی موقوف ہے اور رسول کونین علیہ التحیۃ والثنا ہی جان جہاں وجان ایمان ہیں۔

حضرت نے فاضل مصنف کو دعاؤں سے نوازتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی ہے۔

اس تقریظ جمیل نے موضوع کتاب اور اس کی افادیت واضح کردی ہے۔ سچ یہ ہے کہ قطرہ میں دجلہ کا نظارہ کرادیا ہے۔

(۳) تقریظ بر کتاب ''فیض الادب'' حصہ اول ودوم

از: مولانا بدرالدین احمد صاحب گورکھپوری

(۱) تقریظ بر حصہ اول:

دعائیہ انداز میں سادہ بیانی کے ساتھ صاف گوئی کا اظہار کرتے ہوئے کتاب کی افادیت سے متعلق اس طرح رقم طراز ہیں۔

کتاب ''فیض الادب'' حصہ اول مولانا بدرالدین احمد سلمہ ربہ کی پہلی تصنیف ہے۔ مبتدی طلبہ کے لیے بہت مفید اور طلبہ کی ادبی استعداد میں معین ہے۔ اس کا پڑھنے والا اردو سے عربی اور عربی سے اردو ترجمہ پر جلد قابو پاسکتا ہے۔

دعا ہے کہ خداوند کریم اس کو شرف قبول بخشے اور حضرت مصنف سلمہ کو تصنیف وتالیف کی مزید توفیق رفیق عطا فرمائے ۔ آمین! بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

عبدالعزیز عفی عنہ (رحمۃ اللہ علیہ)

۲۳؍ربیع الآخر ۱۳۷۶ھ

(ب) تقریظ بر حصہ دوم:

حصہ اول کی تقریظ کی طرح اس تقریظ کا بھی انداز ہے۔ لکھتے ہیں:

کتاب ''فیض الادب'' کا دوسرا حصہ نظر سے گزرا۔ یہ بھی حصہ اول کی طرز پر ہے ۔اس میں مفردات سے مرکبات بنانے کا سہل طریقہ بتایا ہے۔ مرکبات میں نحوی قواعد کے اجرا میں جلد بصیرت حاصل ہوسکتی ہے۔ عربی سے اردو اور اردو سے عربی ترجمہ کی مہارت ہوسکتی ہے۔ انتہائی مفید کتاب ہے ۔مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور حضرت مصنف زید مجدہ کو جزائے خیر دے اور کثیر تصنیفات کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

عبدالعزیز عفی عنہ (نور اللہ مرقدہ وتربتہ)

۲۸؍رجب المرجب ۱۳۷۸ھ

معائنہ کی روشنی میں:

مدرسہ کے سالانہ امتحان اور جشن دستار فضیلت کے موقع پر ممتحنین اور شریک جشن علما ومشائخ سے معائنہ لکھوانے کا مدارس اسلامیہ کا قدیم دستور ہے جو آج بھی جاری ہے ۔علاوہ ازیں اگر کوئی دیگر اہم دینی علمی شخصیت کی تشریف آوری ہوتی ہے تو ان سے بھی مدرسہ کا معائنہ کرا کے تاثرات لکھوائے جاتے ہیں۔

مدارس کے معائنہ رپورٹ سے بڑے فائدے ہیں۔ معائنہ کرنے والا مدرسہ کے نظم ونسق، تعلیم وتربیت، اساتذہ کی کارکردگی اور طلبہ کے تعلیمی رجحان وغیرہ کی خوبیوں اور خامیوں کو اجاگر کرتا ہے، اصلاح ودرستگی کے مشورے دیتا ہے، اچھی کارکردگی کے لیے حوصلہ افزائی کرتا ہے ۔ مدرسہ کی بلڈنگ، تعمیر وتوسیع ، مطبخ وغیرہ پر نگاہ ڈالتے ہوئے ان کی خرابی وخوبی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مدرسہ کے تعاون کے لیے رپورٹ میں اپیل بھی کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے فروغ علم دین کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

حضور حافظ ملت کی دینی وعلمی عظمت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہرسنی مدرسہ کی یہ تمنا رہتی تھی کہ وہ وہاں تشریف لائیں، بحیثیت ممتحن طلبہ کا امتحان لیں، جشن دستار فضیلت میں شرکت فرمائیں۔

آپ اپنی گوناگوں مصروفیات کے سبب اس طرح کے مواقع کم ہی نکال پاتے تھے تاہم متعدد مدارس کے امتحان بھی لیے ہیں اور ان کے جلسوں میں شرکت بھی فرمائی۔

فی الوقت جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس اور مدرسۂ اہلسنت بحر العلوم کے معائنوں کی نقول دستیاب ہیں۔ ان کی روشنی

میں آپ کی معائنہ نگاری کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

یہ بھی واضح ہو کہ معائنہ کی رپورٹ تاثر کا اظہار ہے اور اس کا شمار تاثراتی نثر میں ہوتا ہے۔ تاثرات کے لیے ضروری ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور جزئیات تک کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔

تینوں نقول معائنہ ملاحظہ کیجئے۔

معائنہ جامعہ حمیدیہ بنارس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱۲؍شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ یوم دوشنبہ کو میں نے جامعہ حمیدیہ رضویہ کے فوقانی درجات کا امتحان لیا۔ بخاری شریف، بیضاوی شریف، ہدایہ آخرین، محصل کے طلبہ کو خوب جانچا۔ بفضلہ تعالیٰ طلبہ نے اچھا امتحان دیا۔ جس سے اساتذہ کرام کی قابلیت ومحنت ظاہر ہوئی۔ نتیجہ امتحان سو فی صدی کامیاب اور قابل تحسین رہا (فلہ الحمد والمنہ)

جلسہ دستار فضیلت میں جو سالانہ رپورٹ پیش کی گئی وہ جامعہ حمیدیہ رضویہ کے حسن انتظام اور اراکین جامعہ کی مخلصانہ صداقت ودیانت اور دین پروری پر روشن دلیل تھی۔ مجھے اس سے بے حد خوشی ہوئی کہ اراکین جامعہ نے آئندہ سال ایک سو پچیس بیرونی طلبہ کا داخلہ منظور کرکے جامعہ کی فوقانی تعلیم کو فروغ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس ہوش ربا گرانی میں سوا سو طلبہ کے خورد ونوش اور ان کی ضروریات کا انتظام آسان نہیں ہے۔ اراکین کا یہ ذوق قابل قدر ولائق تحسین ہے۔ قوی امید ہے کہ اراکین ومدرسین کے مخلصانہ جذبات سے جامعہ حمیدیہ رضویہ عروج وترقی کی بلند منزل پر پہنچے گا۔ اس کے لیے مسلمانوں کی خصوصی توجہ درکار ہے۔ ضرورت ہے کہ مسلمان پورے حوصلہ سے جامعہ حمیدیہ رضویہ کی امداد واعانت کی طرف متوجہ ہوں۔ بھرپور امداد کرکے جامعہ کے ضروریات کو پورا فرمائیں۔

دعا ہے کہ خداوند کریم مسلمانوں کے قلوب کو اس ادارہ کے امداد واعانت کی طرف متوجہ فرمائے اور اس دینی ادارہ کو بام عروج پر پہنچائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

فقط

عبد العزیز عفی عنہ

صدر المدرسین دار العلوم اشرفیہ مبارکپور

معاینہ جامعہ حمیدیہ بنارس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۷؍شعبان المعظم ۹۳ھ کو دارالعلوم حمیدیہ رضویہ بنارس کے سالانہ امتحان اور جلسۂ دستار فضیلت میں حاضر ہوا۔ دورۂ حدیث کے طلبہ کا امتحان لیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ طلبہ امتحان میں کامیاب ہوئے۔ جن کو دستارِ فضیلت سے سرفراز کیا گیا۔

مولائے کریم کا فضل عظیم ہے کہ حمیدیہ رضویہ کی عمارت نہایت وسیع اور شاندار ہے۔ اس دینی ادارہ کا نظم وضبط حساب باضابطہ باقاعدہ ہے۔ اراکین دارالعلوم خصوصاً جناب حاجی نذیرالدین صاحب مہتمم بڑی دلچسپی سے اپنے فرائض منصبی کو انجام دیتے ہیں۔ میں امسال بھی کئی مرتبہ آیا لیکن حاجی صاحب موصوف کو ہر بار دفتر میں موجود پایا۔ اپنے کام میں مصروف پایا، یہی وجہ ہے دارالعلوم برابر ترقی کر رہا ہے۔

البتہ اس کا مجھے افسوس ہے کہ سال گذشتہ بھی بجٹ میں خسارہ کا اعلان ہوا اور امسال بھی یہی اعلان ہوا کہ دارالعلوم مقروض ہے۔ برادران اسلام خصوصاً مسلمانان بنارس کو توجہ کرنا چاہیے۔ کام آپ کے سامنے ہے ہر سال علما فارغ ہورہے ہیں۔ حفاظ کافی تعداد میں فارغ ہورہے ہیں۔ پرائمری درجات بڑھا کر تعلیم ہورہی ہے۔ اس کام کو دیکھتے ہوئے ضرور اس کی مالی امداد زیادہ سے زیادہ کی جائے۔ میری گذارش ہے کہ حمیدیہ رضویہ کے مالیات کو کم از کم اتنا مضبوط کیا جائے کہ آئندہ خسارہ کا اعلان نہ ہو۔

ماہ رمضان المبارک میں اراکین حمیدیہ رضویہ اگر پوری کوشش کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ عقدہ ضرور حل ہوجائے گا۔ دعا ہے کہ خداوند کریم حمیدیہ رضویہ کے اراکین اور مدرسین ومعاونین کی خدمات میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کی خدمات سے اس ادارہ کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین

فقط

عبدالعزیز عفی عنہ

معاینہ بحرالعلوم مئو

حضرت علامہ اجل حامی سنت ماحی لا مذہبیت مولانا مولوی حافظ قاری عبدالعزیز صاحب مرادآبادی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

آج مورخہ ۲۴؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ کو میں نے مدرسہ اہل سنت بحرالعلوم کا معائنہ کیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ تعلیمی وانتظامی تمام شعبے نہایت عمدگی سے قابل اطمینان کام کررہے ہیں عمارت کی وسعت اور خوبی کارکنان کی جدوجہد اور بلیغ

کوششوں پر دلیل ہے۔ مئو کا ماحول اس سنی درس گاہ کے لیے اس قدر ناساز گار تھا کہ بظاہر اس کی امید نہ تھی۔ وہابیوں کی طاغوتی طاقتیں اس کی بیخ کنی کے لیے میدان میں آئیں اور سالہا سال پوری قوت سے ایڑی چوٹی کا پورا پورا زور خرچ کر دیا۔ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ بحر العلوم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا گیا اور آگے بڑھتا گیا۔ آج مجھے اس کی وسیع عمارت وصحن اور احاطہ کے وسیع میدان کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی یہ سب اراکین کے حسن نیت واخلاص کا نتیجہ ہے۔ مولیٰ تعالیٰ مزید توفیق بخشے، آمین۔ تعلیمی حالات بہت ہی امید افزا ہیں۔ اردو، ہندی، فارسی، عربی حفظ القرآن تجوید وقراءت کا درس جاری ہے۔ ضرورتِ حاضرہ کے تحت مرکز جامعہ اردو یونیورسٹی علی گڑھ بھی قائم ہے۔ کئی سال سے جس کے کامیاب امتحانات ہورہے ہیں، بحر العلوم کی شاخ بھی قائم ہے اور اچھا کام کر رہی ہے۔ شعبہ مالیات کے باضابطہ رجسٹر ہیں اور صحیح اندراج ہے۔ پائی پائی کا حساب ہے۔ آمد وخرچ کا بہت ہی واضح اور باضابطہ اندراج ہے۔ ان تمام شعبوں کا اس طرح کامیاب ہونا اراکین کی حسن کارکردگی پر دلیل ہے۔ اس کے روح رواں عزیز مکرم مولانا عبدالحیٔ صاحب صدر المدرسین ہذا ہیں۔ جو اپنے جذبات صادقہ سے بلا خوف لومۃ لائم مخلصانہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ناظم اعلیٰ محترم جناب ماسٹر محمد عمر صاحب قادری نہایت ہی قابل اور صادق جذبات کے مالک ہیں۔ تمام شعبوں کو اپنے حسنِ انتظام سے خوبی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ بحر العلوم کی ترقی ان کی خدمات کا نتیجہ ہے۔ صدر مدرسہ جناب حاجی محمد ظہور صاحب وسکریٹری جناب محمد عبدالحی صاحب بے پناہ جذبات کے حامل ہیں۔ مخلصانہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے تحت جو حضرات مدرسہ کی خدمات انجام دیتے ہیں، میں سب کارکنان کے لیے دعائے خیر کرتا ہوں۔ خداوند کریم ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، اور کارِ خیر کی مزید توفیق رفیق بخشے اور تمام ہندوستان کے سنی مسلمانوں کو متوجہ کرتا ہوں کہ وہ مدرسہ اہل سنت بحر العلوم کی طرف توجہ کریں اور دامے، درمے، قدمے، قلمے، سخنے امداد کریں۔ اور عند اللہ ماجور ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم اس دینی درس گاہ کو روز افزوں ترقی عطا فرمائے۔ بام عروج پر پہنچائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فقط

عبد العزیز عفی عنہ

تبصرہ:

۱۲؍ شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ کو حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے "جامعہ حمیدیہ رضویہ" بنارس کے فوقانی درجات کا امتحان لیا۔ طلبہ کی کامیابی پر اظہار مسرت فرمایا۔ ظاہر ہے طلبہ کی کامیابی کے پیچھے ان کے اساتذہ کی قابلیت اور تدریسی دل چسپی ہی کا ہاتھ ہوتا ہے لہذا آپ نے اساتذہ کی قابلیت اور محنت کو بھی سراہا ہے۔ جامعہ کے حسن انتظام، اراکین کی اچھی کارکردگی وغیرہ پر اظہار مسرت کیا ہے۔ فوقانی تعلیم کے فروغ کی خاطر بیرونی داخلہ اور ان کے قیام وطعام نیز تعلیمی وتدریسی انتظامات پر ارکان جامعہ کو مبارکباد پیش کی ہے اور جامعہ کی مالی امداد اور زیادہ سے زیادہ تعاون کی اپیل بھی۔

اسی جامعہ میں دوسری بار کے امتحان (۷؍شعبان المعظم ۱۳۹۳ھ) دورۂ حدیث کے طلبہ کی استعداد پر رب عظیم کا شکر ادا کیا ہے۔ جامعہ کی عمارت، ادارہ کے نظم وضبط، حساب کتاب کی درستگی کو سراہتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ مہتمم جامعہ الحاج نذیر الدین صاحب کی اپنے فرائض منصبی کے خلوص ودیانت اور دل چسپی کے ساتھ انجام دہی کی تعریف فرمائی ہے۔

یہ جان کر حضرت کو افسوس ہوا کہ جامعہ مالی بحران سے دوچار ہے لہذا جامعہ کی کارکردگی پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانان اہل سنت سے مالی تعاون کی پرزور اپیل بھی کی ہے۔

حفظ اور پرائمری درجات کا ذکر بھی کیا ہے اور اس طرح جامعہ کے بڑھتے ہوئے کام اور ترقی کرتے ہوئے قدم کو دیکھ کر خصوصیت کے ساتھ جامعہ کے لیے مالی امداد کی اپیل فرمائی ہے۔

ان دونوں معائنہ جات سے حضور حافظ ملت کی طالبان علم دین سے محبت، ان پر شفقت، علما (اساتذہ) کی قدر ومنزلت اور دین وفروغ علم دین میں مصروف مہتمم وارکان جامعہ کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔

حضرت نے جس طرح جزئیات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ لائق دید ہے۔ جیسے پرائمری وحفظ کے درجات کی تعلیم، بلڈنگ کی تعمیر وتوسیع، جامعہ کے حساب کی درستگی، مہتمم صاحب کی توجہ، لگن اور دل چسپی وغیرہ۔

جامعہ کے بجٹ میں خسارہ اور اس کے مقروض ہونے سے حضرت کو سخت افسوس ہوا۔ اس سے ان کی دینی دردمندی اور فروغ علم دین سے حد درجہ محبت اور دل چسپی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

معاینہ بحر العلوم پر تبصرہ

مئو ضلع اعظم گڑھ (اب خود ضلع مئو ہو گیا ہے) اپنی وہابیت کے لیے بدنام ہے۔ ایسے بدمذہبی کے ماحول میں کسی سنی درس گاہ کا پھلنا پھولنا اور مضبوطی کے ساتھ قائم رہ کر اپنی پہچان بنا لینا بہت بڑا کام بلکہ ایک کارنامہ ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۲۴؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ کو اس درس گاہ کا معائنہ فرمایا اور مدرسہ کی عمارت اور نظم ونسق، تعلیمی وتدریسی کارکردگی وغیرہ دیکھ کر مسرور ہوئے اور ذمہ داران مدرسہ کی کھل کر تعریف کی۔ یہ حوصلہ افزائی ایک دینی درد رکھنے والا سچا نائب رسول ہی کر سکتا ہے۔

مدرسہ میں حفظ وقراءت کے ساتھ اردو، ہندی، فارسی وعربی تعلیم نیز جامعہ اردو علی گڈھ کے سینٹر کے قیام پر بھی اطمینان ومسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ جس سے جائز عصری علوم کی تعلیم کی حمایت ہے۔

حضرت حافظ ملت نے رجسٹر آمد وخرچ کا بھی معائنہ فرمایا اور حساب صحیح پانے پر صدر المدرسین اور مدرسہ کے ارکان کی دیانت، خلوص نیت، جذبۂ دینی سے مطمئن ومسرور ہوئے۔

ذمہ داران مدرسہ کے حسن کارکردگی پر سکریٹری، صدر مدرسہ وغیرہ کا نام لے کر ان کی تعریف کی ہے اور حوصلہ

افزائی فرمائی ہے۔ مدرسہ کے تمام متعلقین کو دعاؤں سے نوازا ہے۔

اس معائنہ میں بھی حضرت حافظ ملت نے جزئیات تک کو بیان کرکے اپنے تاثرات پیش فرمائے ہیں اور اس طرح نثر نگاری کے تاثراتی اسلوب کا بھی نمونہ پیش کیا ہے۔ تحریر بہت ہی جامع ہے۔ ترتیب وسلیقہ مندی کا بھی اچھا اظہار ہوتا ہے۔

معائنہ مدرسہ انجمن رضائے مصطفےٰ بنارس:

حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے سرکار مفتی اعظم ہند قبلہ اور حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھ انجمن رضائے مصطفےٰ بنارس کی نگرانی میں چلنے والے شبینہ مکتب کا معائنہ فرمایا۔ معائنہ میں حضرت نے بہت ہی دل لگتی بات کہی ہے۔ ''شبینہ مدرسہ اپنی افادی حیثیت سے انتہائی مفید ہے۔ رات ہی کا وقت بچوں اور نوجوانوں کی آوارگی کا ہوتا ہے۔ اس وقت کو دینی تعلیم میں صرف کرنا، آوارگی سے بچانا اور علم بڑھانا فائدہ ہی فائدہ ہے، نہایت ہی مفید ہے۔ ایک زمانہ دراز تک یہ سلسلہ جاری رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ قوم کے نوجوان غلط روی سے بچ کر صراط مستقیم پر گامزن ہوں گے، دین سے واقف ہوں گے جس سے ان کی زندگی سدھرے گی جو قوم وملت کے لیے مفید ہوگی۔''

حضور حافظ ملت نباض قوم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ نوجوانوں ہی کی اصلاح سے قوم کی اصلاح ہے اور انہیں کی دینی ودنیاوی ترقی پر قومی ترقی واستحکام کا انحصار ہے لہذا آپ نے انجمن کی ترقی اور استحکام کے لیے دعا بھی فرمائی ہے کہ دینی تعلیم وتربیت وہ بھی رات میں انہیں مصروف رکھ کر ایک بڑا کام ہے۔

☆☆☆